دجّال

کون؟ کہاں؟ کب؟

یہودیات مسیحیات دجالیات

احادیث کی عصری تطبیق، دعوتِ فکر و عمل

سنسنی خیز معلومات، تہلکہ خیز انکشافات

تالیف
مفتی ابولبابہ شاہ منصور

کون؟ کہاں؟ کب؟

احادیث کی عصری تطبیق، دعوت فکر، لائحہ عمل و تدابیر

مہدویات مسیحیات دجالیات

مفتی ابولبابہ شاہ منصور

الفلاح کراچی
0321-5728310

دجّال

حضرت مہدی، حضرت مسیح علیہما السلام اور دجالِ اکبر کے متعلق

مستند تحقیق، عصری تطبیق، دفاعی و اقدامی تدابیر

کتاب .... دجال کون ہے؟

مصنف .... مفتی ابولبابہ شاہ منصور

تعداد .... گیارہ سو

طبع اول .... 1430ھ - 2009ء

ناشر .... انفلاح کراچی

تقسیم کنندہ: ادارۃ الانور، کراچی

مکتبہ عمرو بن العاص، اردو بازار، لاہور	مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
مکتبہ فریدیہ F-7 اسلام آباد	ممتاز کتب خانہ، پشاور
مکتبۃ العارفی، جامعہ امدادیہ فیصل آباد	بیت الکتب، گلشن اقبال، کراچی

اسٹاکسٹ: مکتبۃ العصر، کراچی
0322-2111134

فہرست

عنوان	صفحہ

دوسرا باب: مسیحیات

تیسرا باب: دجالیات

پہلا سوال: دجال کون ہے؟

دوسرا سوال: دجال کہاں ہے؟

تیسرا سوال: دجال کب برآمد ہوگا؟

انتساب

ان اہلِ ایمان کے نام

جو دجالی فتنہ کے نمائندوں کے غیر معمولی اقتدار

..... نیز .....

قدرتی قوانین و وسائل پر ان کے ہمہ گیر عالمی قبضے کے باوجود

ان کے سامنے سر جھکانے پر تیار نہیں

اور

ایمانی زندگی کے ساتھ جینا اور اسی پر مرنا چاہتے ہیں

اللھم اجعلنا منھم برحمتک یا ارحم الراحمین

مقدمہ

اکابر کے سائے تلے

خوبی یا خامی:

یوں تو یہ کتاب ''دجال'' کے متعلق ہے مگر ''دجالیات'' کا عنوان اس کے بالکل آخر میں ہے۔ کتاب کی ابتدا میں حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا اور اس کے بعد سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ ''مہدویات'' اور ''مسیحیات'' سے گزرنے کے بعد ہی ''دجالیات'' کا ذکر آپ کو دیکھنے کو ملے گا۔

یہ اس وجہ سے کہ دجال کے تذکرے سے پہلے اس کے خاتمے کے لیے مبعوث کی جانے والی روحانی شخصیات کا تذکرہ ہو جانا چاہیے۔ شر کی طاقتوں کا تذکرہ ہو اور اس کے خاتمے کے لیے خیر کی قوتوں کا ذکر نہ ہو تو یہ مزاج شریعت کے خلاف ہے۔ لہٰذا قاری کو اصل عنوان (دجالیات) تک پہنچنے کے لیے دو تمہیدی عنوانات ''مہدویات اور مسیحیات'' کے مطالعے سے فراغت تک انتظار کرنا ہوگا اور ''مسیح الہدیٰ'' کے مطالعے کے بعد ہی وہ ''مسیح الضلالۃ'' کو پڑھ سکے گا۔ بعض کتابوں کے سرورق یا فہرست میں کچھ عنوانات پر کشش

انداز میں ہوتے تھے لیکن متن میں ان کا تذکرہ نہیں ہوتا یا اتنی گرم بازاری نہیں ہوتی جتنی
ان کی خبر گرم تھی۔ اس کے برعکس کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ متن میں "اضافیات" کا وسیع و
عریض عنایت کافی کھلے ہاتھوں سے کھول لیا جاتا ہے لیکن سرورق میں ان کا ذکر ندارد۔ زیر نظر
کتاب اسی دوسری قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ خوبی ہے یا خامی؟ لیکن یہ
عرض ضرور ہے کہ انداز تالیف کی خامی سے کہیں مقصد تالیف کی اہمیت پردہ ڈال دیا کرتی
ہے۔ تو قارئین سے التماس ہے کہ انداز سے قطع نظر کر لیں۔ مقصد کو پیش نظر رکھیں۔ ان شاء
اللہ! کتاب کی مقصدیت آپ کو مایوس نہیں کرے گی۔

تقدیم و تاخیر:

یہ تو ایک بات ہوئی۔ دوسری یہ کہ اگرچہ زمانی تسلسل کے لحاظ سے واقعات کی
ترتیب کچھ اس طرح بنتی ہے کہ پہلے حضرت مہدی کا ظہور ہوگا، پھر دجال کا خروج ہوگا اور
پھر اس فتنۂ عظیم کے خاتمے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔
لیکن کتابی ترتیب میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر پہلے اور دجال کا بعد میں ہے۔ وجہ
اس کی یہ ہے کہ رحمانی قوتوں کے نمائندوں کا ذکر اکٹھے ہو جائے اور پھر شیطانی طاقتوں کا
تذکرہ اس کے بعد آجائے۔ پھر جو چاہے جس صف میں شامل ہو یا جس فہرست میں نام
لکھوانا پسند کرے۔ یہ نصیبے کی بات ہے۔

ابہام اور الجھنیں:

آخری اور تیسری بات یہ ہے کہ علامات قیامت کے ابہام میں جو ابہام در ابہام
پوشیدہ ہے وہ بجائے خود ایک قیامت ہے۔ ان علامات کی عصری تطبیق میں جو پیچیدگیاں
پیش آتی ہیں اور قوی ترین قرائن پر قائم اندازے جس طرح عین وقت پر ٹھوس حقائق سے
دور ... بہت دور ... پیچیدہ الجھنوں میں گھرے دکھائی دیتے ہیں، ان کی بنا پر یہ موضوع

جتنا دلچسپ ہے، زمانے کے حالات پر اس کی تطبیق اتنا ہی کٹھن اور حوصلہ شکن کام ہے۔ احتیاط کا دامن تھامتے ہوئے اور اکابر کی تحریرات سے سامنے کے پہلو لیتے ہوئے جو کچھ اس عاجز سے ہو سکا، پیش خدمت ہے۔ حتی الامکان اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ احادیث کی عصری تطبیق کے شوق میں کہیں فرامین نبوی کو کھینچ تان کر کوئی مخصوص مفہوم نہ پہنایا جائے، نہ مخصوص حالات کے مطابق بزور ڈھالا جائے۔ صرف وہی بات کہی جائے جو اب صاف صاف سمجھ میں آتی ہے اور اس پر بھی اصرار نہ کیا جائے۔

...جانے یا اللہ!

یہاں یہ سوال ضرور اٹھے گا کہ اس موضوع پر جو کچھ عرض کیا گیا ہے، یہ اس سے قبل پیش خدمت کرنے میں کیا مانع تھا؟ اگر ہم آخری زمانے کے قریب ہیں اور آخری زمانوں کے فتنوں کی اتنی ہی اہمیت ہے تو پھر آج تک اس موضوع سے صرف نظر کی کیا حکمت تھی؟ یہ مصلحت تھی یا مداہنت؟ یہ دانستہ چشم پوشی تھی یا ناواقفیت؟ یہ سوال بذات خود معقول اور برمحل ہے اور اس کا جواب کتاب کے پہلے مضمون میں مفصل و مدلل ہے۔ ہم عاجز انسانوں سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ الحمدللہ ہم کر گزرے۔ آگے رب کی باتیں وہی جانے۔ مسکینوں کے پاس اللہ سے محبت وزاری اور بندوں سے خیر خواہی کے علاوہ دھرا ہی کیا ہے؟؟؟

اتفاق میں اختلاف:

یہاں یہ بات واضح ہو جانی چاہیے کہ اس وقت دنیا میں موجود تینوں بڑے آسمانی مذاہب (اسلام، یہودیت، عیسائیت) کے ماننے والے، جو دنیا کی غالب اکثریت بھی ہیں، ایک ہستی کا انتظار کر رہے ہیں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگی اور انسانیت کے لیے نجات دہندہ ثابت ہوگی۔ ہر آسمانی امت میں اس "ہستی" کے "ظہور" کا وعدہ کیا گیا ہے لیکن

اس اجمالی اتفاق کے بعد تینوں ملتوں میں اس کی تفصیل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اہل اسلام حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے آسمان سے نزول کے منتظر ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ نازل ہو کر دجال کو قتل کریں گے۔ صلیب توڑ ڈالیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے (یعنی دنیا میں صلیب کی عبادت موقوف اور اس پلید جانور کا گوشت کھانا بند کر دیا جائے گا) جزیہ ختم کر دیں گے۔ اور دنیا بھر میں عادلانہ اسلامی شریعت قائم کریں گے۔

عیسائی حضرات بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے منتظر ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہونے کے تین دن بعد آسمان پر لے جائے گئے اور پھر آخر زمانہ میں نازل ہو کر غیر عیسائیوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اس دوران عیسائی حضرات آسمان کے بادلوں میں بیٹھ کر غیر عیسائی انسانیت کے خاتمے کا مشاہدہ کریں گے۔ جبکہ مسلمانوں کے نزدیک سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک صحیح سالم آسمان پر لے گئے۔ یہودی ان کا بال بیکا نہیں کر سکے۔ پھر آپ نازل ہو کر یہودیوں کا خاتمہ کریں گے۔ اور یہودیوں کے ساتھ وہ عیسائی جو "صیہونی عیسائی" بن کر یہودیوں کے مددگار تھے، ان کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور بقیہ رحمدل و ہمدرد عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام لے آئیں گے۔

یہودی جس شخصیت کا انتظار کر رہے ہیں وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد سے "القائم المنتظر" ہے اور یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ اس کی بدولت تمام دنیا پر حکومت کریں گے۔ "مسیا" (یعنی المسیح الدجال مسیح الشر و الضلالہ) کی آمد پر عالمی یہودی ریاست قائم ہو جائے گی۔ تمام غیر یہودی، یہودیوں کی اطاعت قبول کر لیں گے اور یہودی ان میں سے صرف اتنے افراد کو زندہ چھوڑیں گے جتنوں کی دائمی خدمت کے لیے ضرورت محسوس کریں گے۔

آخری معرکہ:

ان تینوں امتوں کے نظریات میں یہ بات بھی قدر مشترک ہے کہ ''مسیحا'' کے ذریعے انسانیت کو نجات ملنے سے پہلے کرۂ ارض پر ایک زبردست اور تباہ کن جنگ برپا ہوگی۔ اس معرکۂ عظیم میں جسے ''ام الحروب'' یعنی جنگوں کی ماں کہا جاتا ہے، کم از کم دو تہائی انسانی آبادی ملیا میٹ ہو جائے گی۔ زندہ بچ جانے والے ایک تہائی لوگ اس دنیا پر بلاشرکت غیرے حکومت کریں گی۔ اب وہ ایک تہائی قوم کون ہوگی؟ اور دنیا پر کس نظریے کے تحت حکمرانی کرے گی؟ اس کا فیصلہ ہونا باقی ہے اور یہ فیصلہ فلسطین کے قریب ''مجدون'' کی وادی میں ہوگا جسے اہل مغرب ''آرمیگاڈون'' کہتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی دونوں اس فیصلہ کن معرکے کی زبردست تیاری کر رہے ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ کر چکے ہیں اور صرف ایک قیامت خیز دھماکے کے منتظر ہیں جو (معاذ اللہ) ''قبۃ الصخرہ'' کے انہدام پر ہوگا کیونکہ ان کے (فرسودہ نظریات اور من گھڑت مذہبی داستانوں کے مطابق) ہیکل کی مسمار شدہ عمارت ''قبۃ الصخرہ'' کے نیچے ہے۔ جب قبہ کی بنیادیں کھود کر ہیکل کے آثار برآمد ہوں گے تو ''مسیحا'' نکل آئے گا اور اس کی آمد پر وہ قتل عظیم برپا ہوگا جس کے بعد غیر یہودی و عیسائی انسانیت (خصوصاً اہل اسلام) کا خاتمہ ہو جائے گا اور اہل مغرب (یہودی یا عیسائی) بلاشرکت غیرے اس کرۂ ارض کے حکمران ہوں گے۔

واحد راہ نجات:

اس اعتبار سے آج کی دنیا تیسری جنگ عظیم کے دہانے پر کھڑی ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب مغرب و مشرق اس جنگ کی آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔ فرق اتنا ہے کہ اہل مغرب نے اس کی تیاری کر رکھی ہے۔ وہ لوگ خود کو مادیت پسند کہلواتے ہیں اور مخفی حقائق و پیش گوئیوں کے قائل نہیں سمجھے جاتے لیکن انہوں نے درپردہ خود کو توراۃ و

انجیل اور تالمود کی تحریف شدہ پیش گوئیوں کے مطابق خود کو تیار کر لیا ہے.... جبکہ اہل مشرق آتش فشاں کے دہانے پر کھڑے ہو کر بھی اس ہولناک انجام سے بے خبر ہیں جس کی ان کے نبی پاک الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اور ان کی دی گئی اطلاعات حرف بہ حرف پورا ہوتے ہوئے مکمل ہونے کے قریب پہنچ چکی ہیں۔ یہ کتاب اہل اسلام کی خدمت میں دہائی ہے، فریاد ہے، منت و زاری اور عاجزانہ التجا ہے۔ مغرب سے اُٹھنے والا طوفان عنقریب ہم پر چڑھ دوڑنے والا ہے۔ ہمیں اپنے نجات دہندہ قائدین حضرت مہدی و حضرت مسیح علیہما السلام کی معیت میں ایمان راسخ و عمل صالح اپناتے ہوئے جہاد یعنی قتال فی سبیل اللہ کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ یہی واحد، پہلی اور آخری متعین راہِ نجات ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کی فکر نصیب فرمائیں اور قیامت سے پہلے جو قیامت ہماری منتظر ہیں، ان سے سرخروئی کے ساتھ گذرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

پہلا باب

مہدویات

حضرت مہدی کون ہوں گے؟

حضرت مہدی کے ساتھی کون ہوں گے؟

حضرت مہدی کی جدوجہد کس نوعیت کی ہوگی؟

حضرت مہدی کب، کہاں اور کس طرح ظاہر ہوں گے؟

حضرت حارث و منصور کا کردار کیا ہوگا؟

مغرب کی عظیم الشان مادی طاقت کے خلاف آپ کیونکر کامیاب ہوں گے؟

حضرت مہدی کے نام ایک خط

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے۔ نقشبندیہ خاندان کے اکابر میں سے تھے۔ آخر عمر میں ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ آ گئے۔ وہیں ان کی وفات بھی ہوئی اور وہیں قبر بھی ہے۔ آپ کو آخر زمانہ میں علامات قیامت کے ظہور خصوصاً حضرت مہدی کی قیادت میں عالمی اسلامی جدوجہد سے خصوصی دلچسپی تھی۔ حضرت مہدی کا ظہور مکہ مکرمہ میں ہونا تھا۔ دوسری طرف انہیں یہ حدیث معلوم تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیبی خاندان کو فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ کی کنجیاں سپرد کی ہیں۔ اور بیت اللہ چونکہ قیامت تک باقی رہے گا اس لیے مکہ میں چاہے سارے خاندان اجڑ جائیں، شیبی کا خاندان قیامت تک باقی رہے گا۔

چنانچہ مولانا رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ کی جب آخری عمر ہوئی اور انہیں شدید اشتیاق تھا کہ حضرت مہدی کے ہاتھ پر بیعت اور ان کی قیادت میں جہاد نصیب ہو جائے تو ان کو عجیب ترکیب سوجھی کہ جب یہ خاندان قیامت تک باقی رہے گا تو لامحالہ ظہور مہدی کے زمانہ میں بھی موجود رہے گا۔ جب حضرت مہدی کا ظہور ہوگا اور وہ کعبۃ اللہ کی دیوار سے ٹیک لگا کے مسلمانوں کو بیعت کریں گے تب کعبۃ اللہ کی کنجیاں شیبی خاندان کے کسی فرد کے ہاتھ میں ہوں گی۔ چنانچہ اسی کے پیش نظر انہوں نے ایک حمائل شریف اور ایک تلوار اور ایک خط حضرت مہدی کے نام لکھا۔ اس خط کا مضمون یہ ہے: ''فقیر رفیع الدین دیوبندی مکہ معظمہ میں حاضر ہے اور آپ جہاد کی ترتیب کر رہے ہیں۔ ایسے مجاہدین آپ کے ساتھ ہیں جن کو وہ اجر ملے گا جو غزوہ بدر کے مجاہدین کو ملا تھا۔ سو رفیع الدین کی طرف سے یہ حمائل تو آپ کے لیے ہدیہ ہے اور یہ تلوار کسی مجاہد کو دے دیجیے کہ وہ میری طرف سے جنگ میں شریک ہو جائے اور مجھے بھی وہ اجر مل جائے۔'' اور یہ تینوں چیزیں شیبی کے خاندان والوں کے سپرد کیں اور ان سے کہا کہ تمہارا خاندان قیامت تک رہے گا۔ یہ حضرت مہدی کے لیے امانت ہے۔ جب تمہارا انتقال ہو تو تم اپنے قائم مقام کو وصیت کر دینا اور ان سے عہد لینا کہ وہ اپنے قائم مقام کو وصیت کرے اور ہر ایک یہ وصیت کرتا جائے یہاں تک یہ امانت حضرت مہدی تک پہنچ جائے۔'' (خطبات حکیم الاسلام: ج 2 ص 98)

امت کو ان کے دور میں جن امور کی ضرورت ہوگی اور جو چیزیں اس کی کامیابی اور برتری کے لیے ضروری ہوں گی اور پوری روئے زمین کے مسلمان بے تحاشا قربانیاں دینے کے باوجود محض ان چند چیزوں کے نہ ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو رہے ہوں گے، حضرت مہدی کو قدرتی طور پر ان کا ادراک ہوگا اور وہ ان کوتاہیوں کی تلافی اور ان چند مطلوبہ صفات کو باآسانی اپنا کر امت کے لیے مثالی کردار ادا کریں گے۔ اور وہ کچھ چند سالوں میں کر لیں گے جو صدیوں سے مسلمانوں سے نہیں ہو پا رہا ہوگا؟ وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ تمام انسانوں کی طرح پیدا ہوں گے۔ 40 سال کی عمر میں امت مسلمہ ان کو اپنا قائد بنائے گی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے کفر کے برپا کردہ مظالم کے خلاف وہ عظیم جہاد شروع کرے گی جس کا اختتام عالمی خلافت اسلامیہ کے قیام پر ہوگا۔ یہ تو ان کا سیدھا سادہ تعارف ہے جو اکثر احادیث میں موجود ہے۔

2- حضرت مہدی کا حاضرانہ تعارف:

جہاں تک بات حاضرانہ تعارف کی ہے تو اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ یاد رکھنی چاہیے کہ وہ شخص سچا مہدی کبھی ہو ہی نہیں سکتا جو مہدی ہونے کا دعویٰ کرے۔ دعوائے مہدویت اور حقیقی مہدویت میں آگ اور پانی کا تضاد ہے۔ اس کے کئی دلائل ہیں۔ چونکہ جھوٹے مدعی ہر دور میں فتنہ پھیلاتے رہے ہیں..... ہمارے زمانے میں بھی اس روحانی منصب پر فائز ہو کر دنیوی مفادات بٹورنے والوں کی کمی نہیں لہٰذا ہم جھوٹے مدعیوں سے بچنے کی خاطر یہاں چند مضبوط دلائل پیش کرنے کی کوشش کریں گے:

(1) "مہدویت" ایک روحانی منصب ہے اور میرے شیخ و مرشد محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ کا ایک مقولہ نقل فرمایا کرتے ہیں: "تصوف کے میدان میں مدعی کی سزا یہی ہے۔" کچھ بات یہ ہے کہ جس

مراکش، الجزائر، ازبکستان، سوڈان) سے حضرت مہدی کی تلاش میں آئے ہوں گے اور ہر ایک کے ہاتھ پر تین سو دس سے کچھ اوپر افراد نے بیعت کر رکھی ہوگی اور یہ سب مل کر شدت سے اس شخص کو تلاش کر رہے ہوں گے جس کے ہاتھ پر بیعت سے اُمت میں اتحاد و اتفاق ہوگا، مرکزی قیادت نصیب ہوگی، فتنوں کا خاتمہ ہوگا، یورپ کے صلیبیوں اور امریکا و اسرائیل کے یہودیوں کی سازشیں دم توڑ دیں گی اور حکومت الٰہیہ قائم ہوگی۔ یہ سب اہل علم وصلاح بھی ہوں گے اور اپنی اپنی جماعت سے موت تک جہاد کی بیعت بھی لیے ہوئے ہوں گے (اے اہل اسلام! علم دین، تصوف شرعی اور جہاد فی سبیل اللہ کے حاملین و داعیوں سے تم کہاں دور بھاگے جاتے ہو؟) یہ ساتوں حضرات مل کر حضرت مہدی کو حرمین میں تلاش کریں گے۔ جب حضرت مہدی تک پہنچ جائیں گے اور ان میں تمام علامتیں پائیں گے تو تصدیق کے لیے ان سے پوچھیں گے "آپ فلاں بن فلاں ہیں؟" حضرت مہدی ان کو خوبصورتی سے ٹالتے ہوئے کہیں گے۔ "میں تو ایک انصاری ہوں۔" یعنی اللہ کے دین کی مدد کرنے والا! اور یہ کہہ کر مکہ مکرمہ سے چھپ کر مدینہ منورہ چلے جائیں گے۔ یہ حضرات آپ کو تلاش کرتے کرتے مدینہ شریف پہنچ جائیں گے۔ حضرت مہدی امامت کا عہدہ دیے جانے سے بچنے کے لیے ان سے چھپ کر پھر مکہ مکرمہ آجائیں گے۔ یہ علمائے کرام بے تاب ہوں گے کہ ہم نے دنیا بھر میں جہاد کیا۔ اصلاحی کوششیں کیں۔ جان، مال، عزت آبرو کی بے حساب قربانیاں دیں۔ منزل پھر بھی ہاتھ آکے نہیں دے رہی۔ کفر کا زور ٹوٹ رہا ہے نہ کفریات کا غلبہ ختم ہو رہا ہے اور اس کی وجہ محض کسی جری اور اہل قائد کا نہ ہونا ہے۔ اُمت کو جس قائد کی ضرورت ہے، جس میں عقل و سمجھ بوجھ بھی ہو، جرأت و شجاعت بھی اور قدرت کی طرف سے ہدایت و نصرت بھی۔ اس کے قریب پہنچ کر بھی ہم پھر محروم رہ گئے۔ یہ آپ غور سے سوچیے جو ترمذی کی حدیثیں ہیں اس طرح تین چار حدیثوں کے درمیان تھیں

گے۔ آخرکار یہ علماء تیسری مرتبہ حضرت مہدی کو حجرِ اسود کے پاس جا لیں گے۔ آپ کعبہ کے ساتھ چمٹ کر، چہرہ کعبہ کی دیوار پر رگڑتے ہوئے اُمت کی حالت پر رو رہے ہوں گے۔ یہ علماء آپ کو پہلے خدا کا واسطہ دے کر کہیں گے کہ اگر آپ نے بیعت کے لیے ہاتھ نہ بڑھایا تو جتنی اُمت مظلومیت کی حالت میں ماری جارہی ہے، اس سب کا گناہ آپ کے سر پہ ہوگا۔ اس پر حضرت مہدی مجبور ہو کر مقام ابراہیم اور حجرِ اسود کے درمیان بیٹھ کر ان سے کہیں گے کہ آؤ! پھر آخری فتح تک اکٹھے جینے مرنے کا عہد کرتے ہیں۔ امیر اور مامور کے اس عہد کو شریعت کی اصطلاح میں "بیعت" کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان علمائے کرام سے شریعت کی اتباع اور مرتے دم تک جہاد پر بیعت لیں گے۔ اس ہجرت اور جہاد کے نتیجے میں عالمی سطح پر خلافتِ اسلامیہ قائم ہو جائے گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرما کر جہاد کا عمل جاری کیا تھا۔ حضرت مہدی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ ہجرت معکوس فرما کر جہاد کی سنت کو پھر سے زندہ فرمائیں گے اور مسلمانوں کی امیدوں، تمناؤں اور خوابوں کو تعبیر مل جائے گی۔

(3) ایک اور دلیل جو حبِّ جاہ کے مریضوں کی طرف سے مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو جھوٹا ثابت کرتی ہے، یہ ہے کہ ظہور سے پہلے خود حضرت مہدی اپنے مقام سے ناواقف ہوں گے۔ ان کی ذہنی صلاحیتیں خود ان پر مخفی ہوں گی اور وہ ایک عام آدمی کی زندگی گزار رہے ہوں گے..... بھلا وہ کیسے مہدی ہونے کا دعویٰ کر سکیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے: عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمَهْدِيُّ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ يُصْلِحُهُ اللَّهُ فِي لَيْلَةٍ". (ابن ماجہ، باب خروج المہدی: ٤/٣١٠ و مسند احمد ١/١٠٦) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مہدی ہم اہل بیت میں سے ہوں گے، اللہ تعالیٰ ایک ہی رات میں ان کو یہ صلاحیت عطا فرما دے گا۔

اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "أي يُصلحه الله في ليلة أي يُصلحه للإمارة والخلافة بساعة و بعتة". (إنجاح الحاجة على هامش ابن ماجه) یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہی رات میں اچانک ان کو امارت اور خلافت کی یہ صلاحیت عطا فرمادے گا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "أي يتوب عليه و يوفقه و يُلهمه و يُرشده بعد أن لم يكن كذلك". (النهاية في الفتن و الملاحم ۱/ ۲۶) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و توفیق سے سرفراز فرما کر پہلے انہیں (حقیقت کا) الہام کریں گے اور اس مقام سے آشنا کریں گے جس سے وہ پہلے ناواقف تھے۔

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: "ایک عمیق حقیقت اس سے حل ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں پر بعض ضعیف الایمان قلوب میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ جب حضرت مہدی ایسی کھلی ہوئی شہرت رکھتے ہیں تو پھر ان کا تعارف عوام و خواص میں کیسے مخفی رہ سکتا ہے؟ اس لیے مصائب و آلام کے وقت ان کے ظہور کا انتظار معقول معلوم نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اس لفظ (يصلحه الله في ليلة) نے یہ حل کر دیا کہ یہ صفات خواہ کتنے ہی اشخاص میں کیوں نہ ہوں، لیکن ان کے وہ باطنی تصرفات اور رونمائیت مشیت الٰہیہ کے ماتحت اوجھل رکھی جائے گی۔ یہاں تک کہ جب ان کے ظہور کا وقت آئے گا تو ایک ہی شب کے اندر اندر ان کی اندرونی خصوصیات منظرِ عام پر آ جائیں گی۔ گویا یہ بھی ایک کرشمۂ قدرت ہوگا کہ ان کے ظہور کے وقت سے قبل کوئی شخصیت ان کو پہچان نہ سکے گی اور جب وقت آئے گا تو قدرتِ الٰہیہ شب بھر میں وہ تمام صلاحیتیں ان میں پیدا کر دے گی جن کے بعد ان کا مہدی ہونا خود ان پر اور تمام دنیا پر بھی منکشف ہو جائے گا۔

(ترجمان السنة: ۴/ ۹۰)

اس ساری تفصیل سے جو مستند کتابوں میں مذکور ہے (اس وقت بندہ کے سامنے دو درجن کے قریب کتابیں موجود ہیں جن کی فہرست اس کتاب کے آخر میں ہے) معلوم ہوا

کی نسلیں اس مبارک لشکر میں شامل ہو سکتی ہیں۔ محض اندازے، قیاسات، تخیلات اور عمل کے بغیر حسب منشا نتائج کی امید یا قربانی کے بغیر نرے جذبات کسی کام کے نہیں۔

ان دو جوابوں کے بعد بعض قارئین کی نظر میں پہلا سوال ختم ہو گیا ہو گا لیکن درحقیقت یہیں سے یہ سوال ایک نئے پہلو سے سر اٹھاتا ہے۔ حضرت مہدی کون ہوں گے؟ اس سوال پر اب تک جو بات ہوئی ہے وہ کتابی یا علمی اور ذہنی ہے۔ لیکن کیا محض اس سے تشفی ہو جاتی ہے؟ اس تخیلاتی تعارف کو عصری تطبیق کی شکل دیے بغیر بات پوری ہو جائے گی؟ یہ عاجز سمجھتا ہے کہ بات کو یہیں تک لا کر چھوڑنے سے گمراہ اور نفس پرست قسم کے لوگوں کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ جہاں چاہیں تطبیق کرتے پھریں اور جسے چاہیں مہدی مان کر اس کے لیے بہائی گئی جھوٹی روحانیت اور نفسیاتی مراعات کی گنگا میں ہاتھ دھوتے رہیں۔ ہمارے ہاں چونکہ طبیعتیں اور دماغ نفتنہ زدہ ہیں اس لیے جھوٹے مدعیوں کے پیچھے چلنے والے بہت ہیں اور سچے مہدی کی طلب رکھنے والے کم ہیں۔ کیونکہ جو یہ طلب رکھے گا اسے اس کے تقاضے بھی پورے کرنے پڑیں گے اور یہ آسودہ حسرتوں اور تشنہ تمناؤں کے مارے ہوئے آج کے مسلمانوں کے لیے یہی وہ چیز ہے جس سے ہماری جان جاتی ہے۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی طرح اس کی علامات کو بھی کسی قدر مبہم رکھا ہے۔ ان کی صحیح تعیین کسی کے بس کی بات نہیں۔ بہت سے محققین کے اندازے بھی غیر واقعی ثابت ہوئے ہیں۔ البتہ حتمی تعیین اور مکمل ابہام کے درمیان محض امکانی تطبیق اور ممکنہ مصداق کی حد تک بات کی جائے، اس کی صحت پر اصرار نہ کیا جائے، نہ اس کی بنیاد پر شریعت کے خلاف یا اکابرین کے مشرب سے ہٹ کر کوئی تاویل کی جائے اور علمائے کرام ومشائخ عظام کی توجیہات وتنبیہات کو قبول کر لینے کے لیے تیار رہا جائے تو زبان کھولنا شاید ممنوع نہ ہو گا، خصوصاً اس لیے کہ مقصد صرف اور صرف عامۃ المسلمین کو اصلاح نفس اور جہاد جہد وجہاد کی دعوت دینا ہو۔ تو آئیے! ایک نظر ذرا اس پہلو پر ڈالتے ہیں۔ وباللہ التوفیق، وھو العاصم من الشرور والفتن

دم مست قلندر

دوسری بات حضرت مہدی کون ہوں گے؟

حضرت مہدی کون ہوں گے؟ یہ سوال جتنا اہم ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ ان کے ساتھ چلنے والے کون ہوں گے؟ امیر کی پہچان جتنا لازمی ہے اتنا ہی لازمی یہ بھی ہے کہ اس کے مامور اور اس کے گرد موجود جماعت کی پہچان ہو تا کہ حضرت مہدی کو کوئی پا سکے یا نہ پا سکے ان صفات کو تو پا جائے جو موت سے قبل موت کی تیاری میں کام آ سکتی ہیں۔

قارئین محترم! احادیث میں دو اشارے ایسے ملتے ہیں جن سے آخری زمانے کے کامیاب قائد اور اس کے خوش نصیب کارکن دونوں کی کسی قدر پہچان ہو جاتی ہے اور آدمی کو حق و باطل میں فرق کرنے، حق کے لیے قربانی دینے اور باطل کے خلاف ڈٹ جانے کا حوصلہ مل جاتا ہے۔ یہ دونوں احادیث بندہ کے سامنے عربی میں باحوالہ موجود ہیں۔ حوالہ مسلم شریف اور مشکوٰۃ شریف کا ہے۔ لیکن اگر ہم عربی عبارت کی طرف گئے تو یہ تحقیقی مضمون بن جائے گا جبکہ بندہ تحقیق کا اہل نہیں۔ تحقیق کے لیے بیٹھنے سے اکابر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ الحمد للہ! ہمارے اکابر علماء نے یہ حدیثیں علم اور تحقیق سے تواتر سے واضح کی ہیں۔

جو علم و بصیرت عطا کی، وہ کامل ہے۔ ہماری خوش نصیبی یہ ہے کہ ان سے پوچھ پوچھ کر چلتے رہیں اور ان کی تقلید میں احتیاط اور نجات کو منحصر سمجھیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے والد حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہوئی جس معرکۃ الآرا کتاب کی تحقیق و تلخیص کی ہے اور اس کے آخر میں "فہرست علامات قیامت" کے عنوان کے تحت تیسری علامت یوں تحریر ہے: "نزول عیسیٰ تک اس امت میں ایک جماعت حق کے لیے برسر پیکار رہے گی جو اپنے مخالفین کی پروا نہ کرے گی۔ اس جماعت کے آخری امیر امام مہدی ہوں گے۔" (ص: 142) اس میں آخری جملہ (اس جماعت کے آخری امیر امام مہدی ہوں گے) بہت اہم ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے حضرت مہدی کسی غیر جہادی جماعت کے امیر ہوں گے نہ ہی دورِ جدید کے نظری یا تنظیمی گروہ کے، وہ جہادی جماعتوں کے آخری امیر ہوں گے۔ اہل حق کی تمام جہادی جماعتیں اور ان کے ذمہ دار اپنی اپنی جماعتوں کو ان کے ہاتھ میں دے کر ان کے ساتھ ضم ہو جائیں گے اور دنیا بھر میں الگ الگ جو کوششیں ہو رہی ہیں، وہ حضرت مہدی کے جھنڈے تلے جب اکٹھی ہوں گی تو مجاہدین کی بے مثال قربانیاں اور حضرت مہدی کی ذہانت اور جرأت مند قیادت مل کر مسلمانوں کو وہ گمشدہ چابی واپس دلوا دے گی جو عرصہ ہوا گم ہو گئی ہے اور فتح ونصرت اور ترقی و کامیابی کی کنجی کے چاروں ناکے (علم، تقویٰ، دعوت، جہاد) موجود ہونے کے باوجود ہمیں نہیں دے رہی۔

اب مامورین اور کارکنوں کی پہچان کی طرف آئیے۔ مسئلہ بالکل صاف ہو جائے گا۔ دنیا میں اس وقت مسلمانوں کے تین مخالفین ہیں: یہود و ہنود (مشرکین)، عیسائی۔ حضرت مہدی کی جنگ عیسائیوں (یورپی یونین) سے ہوگی۔ ہندوؤں اور امداری فکر سے نکلا نام نہاد مسلم حکمرانوں کو حضرت مہدی کی طرف سے ہندوستان کے لیے تشکیل کردہ جانباز

شکست دے کر اور بیڑیاں لگوا کر گرفتار کر کے لائیں گے۔ یہود اور ان کے سربراہ الدجال الاعظم کے خاتمے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے۔ اس کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے تحاشا ستایا۔ جان لینے کی کوشش کی۔ آپ کے حواریوں نے آپ کے گرد جانیں دے کر آپ کی حفاظت کی۔ انہی یہود نے مشرکین کے ساتھ مل کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بہت ستایا۔ جان لینے کے درپے ہو گئے۔ آپ کے صحابہ نے آپ کے گرد اپنے جسموں کی دیوار کھڑی کر دی۔ مہاجر صحابہ تو نکلے ہی کشتیاں جلا کر تھے لیکن انصار کا حال بھی یہ تھا کہ جب تک ایک بھی زندہ تھا، ممکن نہ تھا کہ اس پر سے گزرے بغیر کوئی آپ تک پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس وفا اور فدائیت پر امت محمدیہ کو یہ انعام دیں گے۔ جس طرح اس امت کے شروع کے لوگوں نے اپنے پیغمبر کے ساتھ مل کر یہود مدینہ کے خاتمے کا کارنامہ انجام دیا، اسی طرح اس امت کے آخری لوگ یہود عالم کے قلع قمع کے لیے بھی دوبارہ بحیثیت امتی آنے والے پچھلے پیغمبر سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر ساتھیوں کی یاد تازہ کریں گے۔

دوسری وجہ یہ کہ دجال کو غیر معمولی سائنسی طاقتیں حاصل ہوں گی۔ مغرب میں مصروف کار تمام دنیا کے ذہین ترین دماغ جو ایجادات کر رہے ہیں، یہ دراصل دجال کے ظہور کے لیے میدان ہموار کر رہے ہیں۔ یہ اپنی ساری تیاریاں دجال کے دامن میں ایسے ہی ڈال دیں گے جیسے کہ اہل حق میں سے خوش نصیب لوگ حضرت مہدی کا ظہور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہونے پر اپنا سب کچھ ان کے پلڑے میں ڈال دیں گے۔ امریکا اور دنیا بھر سے کھینچ کر امریکا آنے والے ذہین دماغوں کی ایجادات کہاں تک پہنچیں گی؟ اس کا اندازہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث سے لگایا جا سکتا ہے جن میں بعض میں نقل ہوتا ہے کہ دجال کی محیر العقول شعبدہ بازیاں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو

ترین ایجادمیں لیجیے۔ "برمودا ٹرائی اینگل" نامی مقناطیس تکون میں جو لہریں کارفرما ہیں انہیں محفوظ کرلیا گیا ہے۔ ان کواگرکسی انسان، جہاز یا کسی بھی دیوہیکل چیز پرڈالا جائے تو وہ ویسے ہی غائب ہو جائے گی جیسے برمودا کے تکون میں سالم ہوائی اور بحری جہاز غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ چیز حاصل ہونے کے بعد محفوظ ہو چکی ہے۔ عنقریب جب حالات کی بھٹی میں جنگ کی آگ مزید گرم ہوگی تو اس ایجاد کا استعمال مادہ پرستوں کی آنکھوں کو خیرہ کرڈالے گا اور وہ ارضی خداوؤں کی جھوٹی خدائی کے پہلے سے زیادہ قائل ہو جائیں گے جبکہ خدا مست ملنگوں کو اس کی ویسی ہی پرواہ نہ ہوگی جیسا کہ سابقہ حدیث میں بیان ہوا ہے اور جیسا کہ آج دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ دجال اعظم کو حاصل اس طرح کی غیر معمولی سائنسی قوتوں کے مقابلے کے لیے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غیر معمولی معجزاتی قوتیں دی گئی ہیں۔

جب حضرت مہدی کی یورپی عیسائیوں سے جنگ ہوگی اس میں حضرت کے ساتھ بارہ ہزار کے قریب مجاہد ہوں گے:

"بارہ ہزار کی تعداد کو کمی کی بنا پر شکست نہیں دی جاسکتی۔" (حدیث شریف)

دوسری طرف متحدہ یورپی فوج میں نولاکھ ساٹھ ہزار کا ٹڈی دل ہوگا۔ بارہ جھنڈے ہوں گے اور ہر جھنڈے کے پیچھے اسی ہزار سورما ہوں گے۔ (9,60,000=80x12)۔ یہ لوگ یورپ کے دروازے قسطنطنیہ (استنبول) سے گزر کر شام کی سرزمین پر آئے ہوئے ہوں گے۔ گویا ظاہر میں دونوں فریقوں میں کوئی جوڑ ہی نہ ہوگا۔ اس پر "یورپین یونین" حضرت مہدی اور ان کے رفقاء پر رحم کھا کر ایک پیشکش کرے گی۔ ایک آسان سا مطالبہ رکھے گی کہ یہ پورا کردو، ہم واپس چلے جاتے ہیں۔ تم صرف اتنا کرو: "تم نے ہمارے جو قیدی لیے تھے اور وہ ہمارا مذہب چھوڑ کر تمہارا مذہب اپنا چکے ہیں، اب تمہارے ساتھ مل کر ہم سے

قلیل لشکر کا جالوت کے متعدد لشکر سے مقابلے کے بعد، بدر اور احزاب کے بعد، ایوبی کی صلیبی جنگوں کے بعد کیا انسانی تاریخ میں کسی نے ایسا منظر دیکھا ہوگا کہ ایک طرف 44 ممالک اور دوسری طرف کوئی ملک نہیں، فوج نہیں، منظم طاقت نہیں، بکھری ہوئی "[illegible] لامکان" میں رہنے والی جماعت جس کا کوئی فرد سرِعام اپنی شناخت بھی نہیں کروا سکتا۔

لیکن اس کی خود اعتمادی کا عالم یہ ہے کہ پوری دنیا کی خوفناک ترین عسکری طاقتوں کی اسے ذرہ برابر پرواہ نہیں۔ "دم مست قلندر" کا نعرہ لگاتے تو بہت سے لوگ ہیں لیکن نبھایا اسے کسی کسی نے ہی ہے۔

کامیابی کا راز

دوسرا سوال: حضرت مہدی کی جدوجہد کیسی ہوگی اور کس طرح ہوگی؟

حضرت مہدی کے متعلق دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ ظہور کے بعد ان کی جدوجہد کی نوعیت کیا ہوگی؟ وہ جو کچھ کریں گے وہ ان کے لیے کیونکر ممکن ہوگا؟ بیعت جہاد کے بعد قیام خلافت تک انہیں دنیا بھر کی ترقی یافتہ ترین طاقتوں سے جس قیامت خیز معرکہ آرائی کا سامنا ہوگا، اس کی نوعیت سے وہ کیونکر سرخرو ہوکر نکلیں گے؟ جبکہ آج کی دنیا میں سیاسی، عسکری، معاشی، سائنسی غرض ہر طرح یہ طاغوتی طاقتیں ناقابل شکست طور پر غالب نظر آرہی ہیں۔ زمین پر اور سمندروں میں ان کی حکمرانی ہے۔ فضا اور خلا میں ان کی برتری کا شور ہے۔ بظاہر کسی کوئی صورت مستقبل قریب میں دور دور تک نظر نہیں آتی کہ مسلمان اس غلبے کے طلسم کو توڑ سکیں گے؟ ایک ایک ملٹی نیشنل کمپنی کا بجٹ کئی مسلم ملکوں سے زیادہ ہے۔ ایک ایک تھنک ٹینک ایسا ہے کہ اکیلا ہی مغرب کو سوسال کی منصوبہ بندی کرکے دے رہا ہے۔ اتحاد بھی ان میں ایسا ہے کہ امریکا اور روس آپس میں روایتی دشمنی اور بعد المشرقین کا عملی مصداق ہوتے ہوئے بھی پاکستان کی مخالفت میں اکٹھے [illegible] ہو جاتے ہیں۔

پھر دوسروں کا تو کہنا ہی کیا۔ ان کا اتحاد تو وجود میں ہی "دہشت گردی" کے خاتمے اور "عالمی حکومت" کے قیام کے لیے آیا ہے۔ دنیا بھر کی معیاری ترین یونیورسٹیاں مغرب میں ہیں۔ امریکا میں 5758 یونیورسٹیاں ہیں۔ جبکہ پوری مسلم دنیا کے 57 ملکوں میں یونیورسٹیوں کی مجموعی تعداد صرف 500 ہے اور پورے عالم اسلام میں ایک بھی یونیورسٹی ایسی نہیں جسے دنیا کی ٹاپ 500 یونیورسٹیوں میں شمار کیا جا سکتا ہو۔ مغربی حکومتیں پوری مسلم دنیا کے ذہین ترین دماغوں اور اعلیٰ ترین ہنرمندوں کو پرکشش مراعات کے عوض کھینچ کر اپنے طلسم میں جکڑ لیتی ہیں اور پھر وہ ہمیشہ وہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ فقط نااہل، مفاد پرست اور حب الوطنی سے عاری حکمران ہی موجودہ حکومتوں کی شکل میں باقی رہ جاتا ہے۔ مسلمانوں میں نظم وضبط، تعلیم وتربیت، اعلیٰ اخلاقیات، بلند نظری، اجتماعیت، صبر وتقویٰ غرضیکہ ہر وہ چیز جو کسی انسانی گروہ کو قوم اور فتح کا استحقاق بناتی ہے، ہر اس چیز کی ایک ایک کر کے کمی پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی ذہانت کا لوہا تو آج بھی دنیا مانتی ہے مگر یہی ذہانت اور بے مثال صلاحیت مغرب کے آنگن میں روشنی پھیلانے کے علاوہ کسی کام آنے نہیں دے رہی؟؟؟ جوں جوں وقت آگے بڑھ رہا ہے، ہر صبح مغرب کی کسی نئی انوکھی ترقی کی نوید اور ہر شام مسلمانوں کی مزید بدحالی کی خبریں لا رہی ہے۔ اس صورت حال میں کیا ہم یہ تسلیم کر لیں کہ حضرت مہدی کسی "ماوراء الفطرت" قوت کے مالک ہوں گے کہ ان تمام مادی قوتوں و طبعی قوانین سے ہٹ کر شکست دینا ان کے لیے ممکن ہوگا؟ کیا محض خلاف عادت ظاہر ہونے والی کرامتوں سے وہ ان تمام سائنسی ایجادات کو پامال کر ڈالیں گے جن کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں مل رہی؟ یا اس میں ان کی اور ان کے ساتھیوں کی فکری، عملی اور عسکری جدوجہد کا عمل دخل بھی ہوگا؟ اور اگر ہوگا تو آخر یہ کایا کیسے پلٹ جائے گی کہ مغرب کے حق میں رخ کر کے چلنے والی ہوائیں مشرق کے مظلوموں کے لیے باد بہاری کی

تو یہ بن جائیں گی؟؟؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دنیائے کفر کے اس فتنہ خیز غلبے کا توڑ حضرت مہدی کی بے لوث اور اعلیٰ قیادت اور مسلمانوں کی نکھری ہوئی صلاحیت اور منظم جدوجہد دونوں مل کر کریں گی۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت مہدی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ محیر العقول کرامات کو بھی ظاہر فرمائے گا لیکن ان کی جو سب سے بڑی کرامت ہوگی وہ یہ کہ جب وہ اپنے ساتھیوں کو گناہوں سے سچی توبہ کروا کر مٹی ہوئی سنتوں کو زندہ کریں گے تو اس کی برکت سے ان کے تمام ساتھیوں کو یکسوئی اور یک فکری نصیب ہو جائے گی۔ ان سب کی سوچ ایک فکر ہی نہیں، انداز فکر بھی ایک اور طرز عمل بھی ایک ہوگا۔ ان کے دل سے حسد، بغض، کینہ و عناد نکل جائے گا۔ باہمی اختلافات اور امیر کی نافرمانی کی نحوست سے آزاد ہو جائیں گے۔ وہ جینے مرنے میں حضرت مہدی کی کامل اطاعت کریں گے اور موت کو سامنے دیکھ کر بھی منہ نہیں موڑیں گے۔ موت سے مراد طبعی موت ہی نہیں ہوتی، حیثیت کی موت بھی ہوتی ہے یعنی آج کل بہت سے لوگ قربانیاں دے رہے ہیں، موت کو خوشی خوشی گلے لگا رہے ہیں لیکن بات جب نفس کی موت کی آتی ہے تو وہ اس پر ویسا غلبہ نہیں پا سکتے جیسا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرتے ہوئے اس نبوی تربیت کا مثالی مظاہرہ کیا تھا۔ حضرت مہدی کی بے نفسی اور اجتماعی مقصد کے حصول کی لگن اور اس لگن میں فنائیت اس قدر واضح ہوگی کہ تمام روئے ارض کے صالح مسلمان اپنے آپ کو مٹا کر اپنا سب کچھ ان کو سونپ دیں گے اور ان پر ویسا اعتماد کریں گے جیسا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی پر اس دور کے مسلمانوں نے کیا تھا۔ تاریخ کے طلبہ پر یہ بات مخفی نہیں ہونی چاہیے کہ پورے یورپ کی صلیبی افواج کے اتحاد کے مقابلے میں سلطان کی اپنی فوج (مصر و شام کی فوج) کچھ اتنی زیادہ نہ تھی البتہ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے مجاہد قبائل جب ان کو دیتے

کہ وہ میدان جنگ میں گھوڑے پر سوار ایک جانب سے دوسری جانب تک یوں چکر
لگا رہے ہیں جیسے اکلوتے بچے کی ماں اس کی تلاش میں بولائی بولائی پھرتی ہے۔ آنکھوں
میں آنسو ہیں اور زبان پر ایک ہی نعرہ ہے "یا للاسلام، یا للاسلام!" "اے مسلمانو!
اسلام کی مدد کرو۔ اے مسلمانو! اسلام کی خبر لو۔" تو یہ قبائل جو اپنی عصبیت، سرکشی اور انفرادی
مزاج میں مشہور تھے، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سلطان کے ساتھ جینے مرنے کا عہد کر لیتے تھے
اور یہ تاریخ گواہ ہے کہ سلطان کے پاس خرچ نہ ہوتا تو اپنے خرچ پر، اپنے اسلحے سے، اپنی
جان سے میدان میں ڈٹے رہتے تھے اور سلطان کا ساتھ چھوڑ کر جانے کو کفر و ارتداد سے
زیادہ سخت نادانی کی بات سمجھتے تھے۔ ان کو یقین تھا کہ اگر شکست ہوئی تو سلطان ان کو چھوڑ کر
بھاگے گا نہیں اور اگر فتح ہوئی تو اس کے ثمرات سلطان خود ہرگز نہیں سمیٹے گا بلکہ یہ سارے
ثمرات و نتائج اسلام کی جھولی میں جائیں گے۔ اگر آج کی قیادت اپنے کارکنوں کو یہ یقین
دلا دے تو خدا کی قسم! کایا پلٹنے میں اتنے ہی دن لگیں گے جتنے قائد کو اپنی بے نفسی اور اسلام
کے لیے فدائیت و فنائیت ثابت کرنے میں لگتے ہیں۔

حضرت مہدی کی کامیابی کا راز یہی ہوگا کہ وہ بیعت سے پہلے ہی قیادت کی اس
ممتاز صفت کو ثابت کر دیں گے (اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے) تب دنیا بھر میں بکھرے
ہوئے قابل و لائق علماء، طلبہ (یا طالبان)، مجاہدین، انجینئر، ڈاکٹر، پروفیسر، سائنس دان،
سرمایہ دار، انتظام کے ماہر، عسکریت سے واقف غرضیکہ مختلف مہارتوں کے حامل افراد
اپنا سب کچھ اسلام کی خاطر ان کے قدموں میں لا ڈالیں گے اور دل سے ان کی کامل
اطاعت کرتے ہوئے اپنے آپ کی، اپنی انا کی، اپنی خواہشات اور مزاجوں کی انفرادیت کی
مکمل نفی کر ڈالیں گے۔ یہ وہ یادگار منظر اور وہ مبارک روحانی کیفیت ہوگی جو اس سے پہلے
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخصوص تھی۔ وہاں آسمان نے دیکھی تھی جس نے "...

کے معرکے سے قبل ایوبی کی آنکھیں ٹھنڈی کی تھیں اور جسے ناٹو اور ناٹو ممالک کا اتحاد آج آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور جسے دنیا ایک بار پھر بالآخر آخری معرکے سے قبل دیکھے گی اور جب دیکھے گی تو سارے اشائل اور ہیر اسٹائل، ساری چوکڑیاں، اڑن کھٹولیاں، ساری پرواز یں بھول جائے گی۔

''افغانستان اور پاکستانی قبائلی علاقوں میں لڑائی کے شدت اختیار کرنے کے بعد عالمی تجزیہ نگاروں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کو آٹھ سال گزرنے کے بعد اب یہ واضح ہو رہا ہے کہ جنگ دراصل اتحادی نہیں بلکہ القاعدہ اور طالبان جیت رہے ہیں۔ اسی تناظر میں یورپ کے کئی اعلیٰ عہدیداروں نے القاعدہ کے ساتھ امن معاہدوں کے لیے راہ ہموار کرنا شروع کر دی ہے۔ ناروے کے دارالحکومت اوسلو سے شائع ہونے والے مقامی اخبار ''ڈاگس اویسن'' نے لکھا ہے کہ ناروے شاید اب مسلم گروپوں سے اپنے تعلقات بہتر بنانے کی پالیسی پر عمل کر رہا ہے۔ اخبار کا مزید لکھنا ہے کہ جب نائب وزیر خارجہ سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ دہشت گردی کے خلاف جنگ سے پیچھے ہٹ رہے ہیں تو ان کا کہنا تھا کہ دراصل دوستوں کے ساتھ تو امن اور مذاکرات چلتے ہی رہتے ہیں مگر حقیقی امن کے لیے ان لوگوں کے ساتھ بھی امن مذاکرات ہونے چاہئیں جنہیں آپ اپنا دشمن قرار دیتے ہیں۔ نائب وزیر خارجہ رائے موئز یوہانسن کا کہنا تھا کہ وہ اس معاملے میں تنہا نہیں ہیں بلکہ دیگر یورپی ممالک بھی یہ خواہش رکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ اس سے کچھ ہی قبل سوئٹزرلینڈ بھی اس خواہش کا اظہار کر چکا ہے کہ وہ القاعدہ اور اسامہ بن لادن سے مذاکرات اور امن معاہدہ کرنا چاہتا ہے اور اس ضمن میں کسی بھی ابتدائی اقدامات کے لیے بالکل تیار ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ امریکا کی واپسی کے بعد انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنے۔''

موت پر بھی قابو پانے کے لیے کام کر رہی ہے۔"

"یہ بات آپ نے خوب اٹھائی ہے۔ دنیا کی تاریخ کو یکسر تبدیل کر دینے والی ہر ایجاد کے پیچھے یہودی ہیں۔ مثلاً: مائیکرو ویو وسینگ چپ" کے پیچھے شیٹلے۔ نیوکلیر چین ری ایکٹر کے پیچھے لیو۔ آپٹیکل فائبر کیبل کے پیچھے بیڑ۔ ٹریفک لائٹ کے پیچھے چارلس ایڈلر۔ اسٹین لیس اسٹیل کے پیچھے بینو سٹراس۔ ویڈیو ٹیپ کے پیچھے چارلس گنسبرگ۔ یہود نے مائنڈ کنٹرول ٹیکنالوجی حاصل کی ہے جس سے وہ انسانی ذہنوں کو اپنی مرضی کے مطابق پھیرنے کی صلاحیت کسی قدر حاصل کر چکے ہیں۔ یہ دجال کا سب سے بڑا ہتھیار ہوگا۔ اس کا نام ایم کے الٹرا ہے۔ سی آئی اے جیسے ادارے کے ڈائریکٹر سیلن فیلڈ نے 1977ء میں سرعام تسلیم کیا تھا کہ لاکھوں ڈالرز جادو ٹونے، نفسیات اور روحانیات کے مطالعہ پر خرچ کیے گئے ہیں۔ موسیقی کی دھنوں میں "بیک ٹریکنگ" کے ذریعے بیہودہ شیطانی پیغامات (مثلاً۔ Kil your Mum) ریوس ٹریک میں چھپا کر پوری دنیا میں نشر کیے جا رہے ہیں۔ 1940ء میں ایک امریکی یہودی سائنسدان نکولا ٹیسلا نے (موت کی شعاعیں) Deat hray ایجاد کرنے کا اعلان کیا۔ 1987ء سے یہودی سائنس دانوں کی سربراہی میں زمین کی قدرتی گردش کو متاثر کرنے "زمین کی نبض" سے چھیڑ چھاڑ کی کوششیں شروع ہیں حتیٰ کہ زمین کا مقناطیسی میدان ختم ہو جائے گا اور اس کی گردش تھم کر حدیث شریف میں بیان کردہ ظہور دجال کی علامات کے مطابق سست ہو جائے گی۔ ایک دن ایک سال کے برابر، پھر ایک دن ایک ماہ کے برابر، پھر ایک دن ایک ہفتے کے برابر ہوگا۔ آکسفورڈ کی پروفیسر سوزن گرین فیلڈ نے کہا ہے کہ انسانی دماغ کی پوری میموری کمپیوٹر میں فیڈ کرنا ممکن ہو چکا ہے۔ اس پروفیسر صاحب نے اگلے مرحلے کا انکشاف نہیں کیا۔ وہ ہم بتائے دیتے ہیں۔ اگلا عمل اس کے برعکس ہوگا یعنی کسی کمپیوٹر کی میموری کسی انسانی ذہن میں اپ لوڈ کر دی جائے گی

تاکہ مسیح لعین (الدجال الاعظم) کا راستہ ہموار ہو جائے گا جو وقتی طور پر غیر فانی لگے گا۔ یہودی سائنس دانوں نے انسانی جینیاتی کوڈ پڑھ لیا ہے۔ یہ تین ارب حروف کا امتزاج ہے۔ مذکورہ کامیابی کو انسانی تاریخ کی سب سے بڑی کامیابی قرار دیا گیا ہے۔ یہ سب محیر العقول قسم کی ایجادات اپنی جگہ.. لیکن جب حضرت مہدی آ گئے تو صالح اور قائم مسلمانوں کے علاوہ (لگتا ہے) دو قسم کے طبقے ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے:

(1) ایک تو وہ یہودی جو آج کل کی متعصب سیاسی یہودیت یعنی صہیونیت سے بیزار ہیں۔ (صہیونیت سے مراد سیاسی اسرائیلیت ہے۔ اس لیے صہیونی ہر وہ شخص ہے جو اسرائیل کا حامی ہو، چاہے وہ غیر یہودی ہو یا غیر اسرائیلی) ان کے خیال میں جب یہودی ریاست کا قیام اور یہودیت کا احیاء "مسیحا" کی قیادت میں ہوگا وہی یہودیوں کو موجودہ ابتر حالت سے نجات دلائے گا تو اسرائیل کے قیام کے لیے لاکھوں فلسطینیوں کو گھر سے بے گھر در بدر کرنے اور اس کے استحکام کے لیے ہزاروں کو قتل کرنے اور کرتے رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیوں نہ ہم مسیحا کا کام اسی کے ذمہ چھوڑ دیں اور اس مقصد کے لیے اپنے یہودیوں کو نہ مروائیں جو وہ مسیحا کی آمد سے پہلے حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ یہ معتدل فرقہ "حسیدی" کہلاتا ہے۔ یہ اس کا قدیم نام ہے۔ ان کا جدید نام ہریڈی ہے۔ یہ انتہائی قدیم مذہبی یہودی ہیں جن کے اصل مراکز نیویارک اور لندن ہیں۔ ان کو یقین ہے کہ صہیونی تحریک نے جو اسرائیل قائم کیا ہے وہ درحقیقت "نفرت کی ریاست" کا وہ خطہ ہے جس میں تورات کی پیش گوئی کے مطابق یہودی آخری زمانے (اینڈ آف ٹائم) میں آ کر زمانے میں اکٹھے ہوں گے اور اللہ کے غضب و انتقام کا شکار ہو کر نابود ہو جائیں گے۔

ربائی ہرش ان کا مشہور مذہبی رہنما ہے۔ مرقات کی [illegible] میں یہودی معاملات کا جو ذکر کیا گیا تھا وہ اسی طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ مشہور فلسفی [illegible] نوم

پنچ بھی اگرچہ اس فرقے سے ہیں لیکن وہ اس نظریے کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ بھی
"غیر صیہونی" یہودی ہیں۔ لیکن وہ مذہبی طور پر اس بات کے قائل نہیں لیکن غیر مذہبی سیاسی
طور پر اس نکتہ نظر کو تسلیم کرتے ہیں۔ برطانیہ میں مختلف مواقع پر اس فرقے کے ارکان
فلسطینیوں پر اسرائیلی مظالم کے خلاف اپنا ردعمل ریکارڈ کرواتے رہتے ہیں۔ حضرت مہدی
جب ظاہر ہوں گے اور یہودیوں سے جنگ کر کے مقدس آثار قدیمہ یعنی تابوت سکینہ، عصائے
موسوی، الواح تورات کے ٹکڑے، منقذ بنی اسرائیل، من و سلوی کے نمونے برتن، تخت
داؤدی (یہ گمشدہ نہیں بلکہ بحیرہ طبریہ کی گہرائی میں نصب ہے) کو برآمد کرلیں گے تو یہ معتدل
مزاج یہودی اپنی انصاف پسندی کی بنا پر حضرت پر ایمان لے آئیں گے۔ ان کو یقین
ہو جائے گا کہ ہمارے بڑوں نے اپنے گناہوں اور بداعمالیوں کی نحوست سے جس چیز کو گم
کیا اس کو دریافت کرنے والی آخری مسیحا (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیروکار اور
سچے مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا ساتھی ہے۔ تابوت سکینہ کو دیکھ کر چند یہودیوں کے
ایمان لانے کا ذکر حدیث شریف میں ہے البتہ ان کی اس مذکورہ بالا فرقے پر تطبیق بندہ کی
خیال کاوش ہے۔ یہ یہودی اپنے ساتھ جو سرمایہ اور ٹیکنالوجی لے کر مسلمانوں سے آملیں
گے اس سے مسلمانوں کی مادی طاقت بھی کسی حد تک بہتر ہو جائے گی۔

چند سال کی بات بندہ نے اس لیے کی ہے کہ حضرت مہدی اپنے ظہور کے بعد (جو
چالیس سال کی عمر میں ہوگا) سات سال تک دنیا کی تین بڑی کفریہ طاقتوں میں سے دو کے
خلاف جہاد فرمائیں گے۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے خلاف شاندار فتح حاصل کریں گے۔

اب پیچھے صرف یہودی رہ جائیں گے۔ آٹھویں سال دجال ظاہر ہوگا اور وقت یہود عروج پر
پہنچ جائے گا جو درحقیقت شیطانی طاقتوں کا عروج ہے۔ اسی سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول
فرمائیں گے۔ نویں سال دجال کے قتل اور اس کے [illegible] مراحل سے نمٹنے کے بعد [illegible]

کے دنیا میں ٹھہرنے کی کل مدت ایک سال دو مہینے اور چودہ دن کے برابر بنتی ہے۔ بعض محدثین نے فرمایا تھا کہ یہ دن حقیقت میں لمبے نہ ہوں گے۔ پریشانی کے باعث لوگوں کو طویل معلوم ہوں گے۔ لیکن علامہ نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ اکثر علمائے حدیث کے نزدیک حدیث سے اس کا ظاہری معنی ہی مراد ہے یعنی یہ دن فی الواقع اتنے لمبے ہوں گے جتنا کہ حدیث شریف میں ذکر ہے۔ اس بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کھلی دلیل ہے کہ باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ پہلے تین دن عام دنوں سے الگ قسم کے ہوں گے۔ نیز دجال کا فتنہ ایسا نہیں کہ اس سے پیدا ہونے والی پریشانی تین دن میں ختم ہو جائے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ ان علماء اور محدثین کرام کو بہترین جزائے خیر دے جنہوں نے حدیث شریف کو بعینہٖ اصل شکل میں پہنچایا اور اس کا جو معنی بھی قرین قیاس ہو سکتا تھا وہ بیان کیا۔ کچھ حقائق ایسے تھے جو گزشتہ دور میں سمجھ میں نہ آسکتے تھے لیکن آج ان کو سمجھنا آسان ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ کیسے؟

سمجھا جاتا تھا کہ زمین کی گردش اپنے محور پر صدی کے دوران 1.7 ملی سیکنڈ سست ہوتی ہے۔ اس گردش کے سبب دن رات بنتے ہیں لیکن جدید تحقیقات کے نتیجے میں سائنس دانوں نے دریافت کیا ہے کہ رفتار میں یہ کمی بعض اوقات تیزی سے واقع ہوتی ہے اور اس کے تین بڑے اسباب ہیں:

(1) مختلف سیاروں کی کشش ثقل اس رفتار میں کمی لانے کا سبب بنتی ہے کیونکہ وہ زمین کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

(2) گردش کی رفتار کو سست کرنے کے عمل میں کرۂ ارض کا اپنا کردار بھی ہے۔ یہ کردار ہواؤں میں تبدیلی کے نتیجے میں ابھرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین کی گردش میں سستی لانے کا [illegible] فیصد عمل ہواؤں کی تبدیلی کیا کرتی ہے۔ اگر ہوا کی رفتار بڑھ جاتی ہے تو کرۂ ارض کی

رفتار سست ہو جاتی ہے۔

(3) تیسرا اور اہم سبب Haarp نامی ادارہ ہے۔ یہودی سرمائے سے یہودی سائنس دانوں کی زیرِ نگرانی چلنے والا یہ ادارہ موسموں کے انداز میں تبدیلی، زمین کی محوری گردش میں سستی لانے، تیز کرنے یا زمین میں زلزلوں میں اضافے کا بھی ذمہ دار ہے۔ Haarp ایک پروجیکٹ ہے۔ اس کا مطلب ہے: "ہائی فریکوئنسی ایکٹو آرورل ریسرچ پروجیکٹ"

1987-92 کے دوران اس ادارے کے سائنس دانوں نے ایک ایسا ہتھیار پیٹنٹ کرایا جو زمین سے توانائی کرۂ ہوائی کے حصے کو تبدیل کر سکتا ہے۔ 11 اگست 1987ء کو رجسٹر ہونے والے اس عسکری ہتھیار کو مشہور یہودی سائنس دان برنارڈ ایسٹ لنڈ نے ایجاد کیا تھا۔ 1994ء میں امریکی کمانڈ کے سب سے بڑے ملٹری کنٹریکٹر ریتھیان نے یہ ہتھیار خرید لیا اور دنیا میں سب سے بڑا آیونی ہیٹر تعمیر کرنے کا ٹھیکہ لیا۔ یہ ہتھیار جو برقی دباؤ پیدا کر کے کرۂ ہوائی کی فطری قوتوں میں ردوبدل اور ان کی شدت میں اضافہ کر سکتا ہے۔ یہ ردوبدل دجال کی شکل اور دجال کے ظہور کو قریب لانے کی کوشش ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ گزشتہ چند سالوں سے زمین کے موسم میں غیر معمولی تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ یہودی سائنس دان ماحول (فضا) میں کس طرح دباؤ پیدا کرتے ہیں اور کیا وہ واقعی فضا میں دباؤ پیدا کر لیتے ہیں؟ اس کا جواب ہے کہ وہ فضا کو بہت زیادہ آیونائز کر کے دباؤ پیدا کر لیتے ہیں۔ 1958ء میں وائٹ ہاؤس کے مشیر موسمیات کیپٹن ہاورڈ ٹی اورویل نے کہا تھا کہ محکمہ دفاع جاننے کی کوشش کر رہا ہے کہ ایسے طریقے معلوم کیے جائیں جن کے ذریعے زمین اور آسمان میں تبدیلیوں کا استعمال کر کے موسموں پر اثرانداز ہوا جائے۔ مثلاً کسی مخصوص جگہ میں فضا کو ایک الیکٹرانک بیم کے ذریعے آیونائز یا ڈی آیونائز کیا جا سکے۔ یہ 1958ء کی بات ہے اور اب 2008ء ہے۔ یہودی سائنس دانوں

کی زمین کے قدرتی نظام سے چھیڑ چھاڑ اور اسے اپنے قبضے میں لینے کی کوشش بہت آگے جاچکی ہے اور شاید وہ وقت دور نہیں جب وہ کوئی ایسی حرکت کریں گے کہ ہماری زمین کی قدرتی گردش کسی "بگ بینگ" کے نتیجے میں شدید متاثر ہو۔ وقت کچھ دیر کے لیے تھم جائے اور پھر کچھ دیر بعد اپنی اصلی حالت پر آئے۔ مثلاً تین دن بعد جن میں سے پہلا دن بہت لمبا (سال کے برابر) دوسرا کچھ کم (مہینے کے برابر) اور تیسرا اور کم (ہفتے کے برابر) ہو۔ اس اجمال کی تفصیل تھوڑی سی تشریح چاہتی ہے۔ آئیے! اس پر ایک نظر ڈالیں۔

ہماری زمین ایک دیوہیکل مقناطیس ہے جو گردش کے مختلف درجوں کے ساتھ مقناطیسی میدان تخلیق کرتی ہے۔ زمین جس قدر تیزی سے گردش کرتی ہے اسی قدر طاقت ور اور کثیف مقناطیسی میدان بنتا ہے۔ ایک اور قوت بھی ہے جو زمین کی گردش سے براہ راست تعلق رکھتی ہے اور یہ "زمین کی گمک کا تواتر" ہے۔ یہ تواتر بنیادی گمک کا تواتر یا Schumman cavity Resonance کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے "زمین کی نبض" بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کی شناخت 1899ء میں ہوئی تھی۔ تب سے 1980ء کے عشرہ کے درمیان تک زمین کی نبض 7.8 ہرٹز یا 7 سائیکل فی سیکنڈ تھی لیکن 1986-87ء کے بعد جب سے کرۂ ارض کی فضا سے برنارڈ جے ایسٹ لنڈ کے ایجاد کردہ آلات سے چھیڑ چھاڑ شروع کی گئی ہے نبض کی رفتار میں تیزی آگئی ہے۔ 1995ء کے آخر تک ایک اندازے کے مطابق یہ 8.6 ہرٹز تھی اور اب سنا ہے کہ یہ 10 کے قریب پہنچ گئی ہے۔ اس میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ مذکورہ بالا تجربے اور اس جیسے مزید تجربوں سے اس میں تیزی سے اضافہ ہوگا۔ غالب امکان ہے کہ جب زمین کی گمک 13 سائیکل فی سیکنڈ تک پہنچے گی تو ایک ایسا وقت آئے گا کہ مقناطیسی فیلڈ زیرو کے قریب ہو جائے گا۔ Awakening to Zero point کی تہلکہ خیز سائنسی انکشافات پر مبنی کتاب کا

مصنف ارنیک بریڈن اس وقت کو "زیرو پوائنٹ" کہتا ہے جب زمین کا مقناطیسی میدان بالکل ختم ہو جائے گا کیونکہ ہمارے سیارے کی گردش رک جائے گی۔

دجال کے خاتمے کے بعد جب حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو جائیں گے اور دنیا آخری وقت کے قریب پہنچ جائے گی تو زمین کچھ لمحوں کے لیے اپنی محوری گردش روک دے گی اور پھر مخالف سمت میں اپنے محور پر گھومے گی تو سورج ایک دن کے لیے مغرب سے طلوع ہوگا۔ پھر اس کے بعد گردش اپنے معمول پر آ جائے گی اور حسب معمول سورج مشرق سے طلوع ہوگا۔

عین ممکن ہے کہ اس کا ظاہری سبب بھی کائنات کے فطری نظام میں یہود کی غیر فطری مداخلت کی وہ کوشش ہو جو وہ ظہور دجال سے پہلے اس کے استقبال کے لیے کرتے رہے۔ اس کے کچھ اثرات تو زمین کی گردش ٹھہر کر تین دن تک متاثر ہو جانے سے ظاہر ہوئے اور کچھ اثرات دجال کی ہلاکت کے بعد قیامت سے ذرا پہلے ظاہر ہوں۔ یہ محض ایک امکانی توجیہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہر چیز کا حقیقی سبب اللہ رب العزت کا حکم ہے۔ وہ قادر مطلق کسی ظاہری سبب کا محتاج نہیں..... اور اگر کوئی چیز اس کے حقیقی حکم کا ظاہری سبب بن جائے تو یہ اس کی "امر کن" کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ نہ کوئی چیز اس کے قبضۂ قدرت سے باہر ہے اور نہ کوئی طاقت اس کی منشا کے خلاف کچھ کر سکتی ہے۔ اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ ہماری ناقص سمجھ کا ناقص اظہار ہے۔ حقیقت تو اللہ بہتر جانتا ہے۔ یہاں اس ساری تفصیل کا مقصد ایک یاد دہانی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: تین واقعات ایسے نمودار ہوں گے جو ایک دوسرے کے بعد رونما ہوں گے اور پھر تاریخ وقت والوں کے پاس بھی وقت نہ رہے گا۔

"اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب یہ تین باتیں رونما ہوں گی تو پھر کسی ایسے شخص کا ایمان لانا اس کو فائدہ نہ دے گا جس نے پہلے ایمان قبول نہیں کیا تھا یا جس نے اپنے

ایمان سے کوئی خیر کا کام نہیں کیا تھا۔ جب سورج اپنے غروب ہونے کے مقام سے طلوع ہونا شروع کر دے گا، دجال نمودار ہوگا اور زمین کا جانور نمودار ہوگا۔" (صحیح مسلم) اسی وقت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے: "جس روز تمہارے رب کی بعض مخصوص نشانیاں نمودار ہوں گی تو پھر کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو اور جس نے اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی ہو۔" (القرآن) جب یہ نشانیاں نمودار ہو جائیں گی تو پھر توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پھر ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ گویا کہ ہمارے پاس اب بھی وقت ہے۔ آئندہ نہیں معلوم کہ یہ وقت ہمارے ہاتھ میں رہتا ہے یا یہود کی چنگیز چھاڑ سے ختم جاتا ہے۔ اے میرے بھائیو! اس رمضان کو بھی توبہ کا رمضان بنالو۔ اس مرتبہ کے روزوں کو حقیقی تقویٰ کا ذریعہ بنالو۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جان مال لگانے، عزت آبرو لٹانے کا عزم کرلو ورنہ کسے معلوم کہ مہلت ختم ہو جائے خاتمے کی ابتدا ہو جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

میں حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلند مرتبہ روحانی شخصیات ہوں گی۔ ان کو غیر معمولی کراماتی اور معجزاتی طاقت دی جائے گی۔

☆ ''دنیا کے ختم ہو جانے کا وقت قریب ہے۔ اس لیے میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت، قرآن کریم کے احکام پر عمل، باطل کو ختم کرنے اور سنتوں کو زندہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔'' (بیعت کے بعد حضرت مہدی کے پہلے خطبے سے اقتباس)

☆ ''حضرت مہدی کو اللہ تعالیٰ ایک رات میں صلاح (کے بلند مقام) تک پہنچا دیں گے۔'' (حدیث شریف)

☆ ''حضرت مہدی کے خلاف نکلنے والا لشکر جس کا سربراہ سفیانی نام کا شخص ہوگا، زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔''

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: کیا تم نے کسی ایسے شہر کے متعلق سنا ہے جس کے ایک جانب خشکی اور دوسری جانب سمندر ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ بنی اسحاق کے ستر ہزار افراد اس شہر کے لوگوں سے جہاد نہ کرلیں۔ چنانچہ مجاہدین جب وہاں پڑاؤ کریں گے تو نہ اسلحہ سے لڑیں گے اور نہ تیر پھینکنے کی نوبت آئے گی، صرف ایک مرتبہ "لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر" کہنے سے شہر پناہ کا ایک حصہ گر جائے گا۔"

ایک اہم نکتہ:

اس روایت میں ایک لفظ "سبعون الفا من بنی اسحٰق" آیا ہے یعنی بنو اسحاق میں سے ستر ہزار مجاہدین۔ اس کے بارے میں بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ دراصل یہاں "من بنی اسمٰعیل" مراد ہیں۔ امام مسلم شریف کے تمام نسخوں میں "من بنی اسحٰق"

کی نوبت آئے گی۔" اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان اپنے طور پر جو بہترین وسائل دستیاب ہوں، انہیں حاصل کریں اور غلبہ دین کے لیے قربانیاں دیں اور دیتے رہیں، آگے ایک وقت پر اللہ پاک خود ہی غیب سے کوئی صورت پیدا فرمائیں گے۔

یہ بات اس وقت اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد کے واقعات کا جائزہ لیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس دن فجر کی نماز میں نازل ہوں گے، اس دن فجر کے بعد دجال اور اس کی یہودی فوج (امریکن واسرائیلی آرمی) کے خلاف جہاد شروع کریں گے۔ دجال ان کو دیکھتے ہی چوکڑیاں بھرتا ہوا فرار ہوگا۔ اس کی ساری شیطانی اور مادی طاقتیں سلب ہو جائیں گی اور شام تک ہر پتھر پکار کر مجاہدین سے کہے گا: "اے اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہے۔ اسے آکر ختم کر دے۔" اب بتایئے! جب دجال ان کو دیکھتے ہی پگھلنا شروع ہو جائے گا۔ (شاید وہ سکس ملین ڈالر مین یا ٹرمینیٹر کی طرح جزوی طور پر دھات پر مشتمل انسان ہوگا) فتنہ پرداز یہودی مجاہدین کے ہاتھوں شام تک برباد ہو جائیں گے تو ایک دن میں کون سی سائنس ٹیکنالوجی ہوگی جو اہل حق کو حاصل ہو جائے گی؟

اگر آپ اس امر کی تصریح چاہتے ہیں کہ تقویٰ اور جہاد کے عمل ہوتے ہوئے غیبی قوتیں کمزور و ناتواں مسلمانوں کے ہمراہ ہوں گی اور باطل کی مادی طاقت کو پگھلا ڈالیں گی، لہٰذا ہمیں مادی طاقت حسب حیثیت حاصل تو کرنا چاہیے لیکن اس سے ڈرنا یا اس کو حرفِ آخر نہیں سمجھنا چاہیے۔ تو اس کی وضاحت بھی مل سکتی ہے۔ "علاماتِ قیامت" (مصنف حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب) میں الدر المنثور کے حوالے سے یہ حدیث موجود ہے:

"عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔ پس لوگوں کی آنکھوں اور ٹخنوں کے درمیان سے تاریکی ہٹ جائے گی (اتنی روشنی ہو جائے گی کہ لوگ اپنے ٹخنوں تک دیکھ سکیں) اس

وقت عیسیٰ علیہ والسلام کے جسم پر ایک زرہ ہوگی۔ پس لوگ ان سے پوچھیں گے آپ کون ہیں؟ وہ فرمائیں گے: میں عیسیٰ ابن مریم اللہ کا بندہ اور رسول ہوں اور اس کی (پیدا کردہ) جان اور اس کا کلمہ ہوں (یعنی باپ کے بغیر محض اس کے کلمہ "کن" سے پیدا ہوا ہوں) تم تین صورتوں میں سے ایک کو اختیار کرلو: (1) اللہ دجال اور اس کی فوجوں پر بڑا عذاب آسمان سے نازل کر دے۔ (2) ان کو زمین میں دھنسا دے یا (3) ان کے اوپر تمہارے اسلحہ کو مسلط کر دے اور ان کے ہتھیاروں کو تم سے روک دے۔ "مسلمان کہیں گے:" اے اللہ کے رسول! یہ (آخری) صورت ہمارے لیے اور ہمارے قلوب کے لیے زیادہ طمانیت کا باعث ہے۔ چنانچہ اس روز تم بہت کھانے پینے والے (اور) ڈیل ڈول والے یہودی کو (بھی) دیکھو گے کہ ہیبت کی وجہ سے اس کا ہاتھ تلوار نہ اٹھا سکے گا۔ پس مسلمان (پہاڑ سے) اتر کر ان کے اوپر مسلط ہو جائیں گے اور دجال جب (عیسیٰ) ابن مریم کو دیکھے گا تو سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام اسے جالیں گے اور قتل کر دیں گے۔"

اب بتائیے! جب نتیجہ تو تقویٰ اور جہاد مسلسل کی برکت سے دشمن کے ہتھیار ناکارہ ہونے اور مسلمانوں کی طویل جدوجہد کے بعد اُنہیں یہود پر مسلط کیے جانے پر موقوف ہے تو پھر اس بات پر افسوس کا کیا فائدہ کہ دشمن کے پاس یہ ہتھیار ہیں اور اس پر دل جلانے سے کیا حاصل کہ ہمارے پاس یہ نہیں اور وہ کیوں ہیں۔ ہمیں اس بات پر بھی پریشان نہیں ہونا چاہیے کہ فلاں کمپیوٹرائزڈ سسٹم ہمارے پاس نہیں یا ہم اتنے فٹ اونچی اڑان نہیں بھر سکتے۔ ہمیں اپنے طور پر جائز ذرائع سے دستیاب وسائل کو لے کر کام جاری رکھنا چاہیے اور بس! مادی طاقت سے مرعوب ہونے کی ضرورت ہے نہ اس پر فکرمند ہونے کی کہ ہم ان کے برابر آئے بغیر کس طرح ان پر غالب آسکیں گے؟ ہاں اس پر ضرور فکرمند ہونا چاہیے کہ ہم کیوں تقویٰ پر مکمل نہیں ہوتے (یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کی بات ہے)

یہ عسکری جماعت کا اہتمام نہیں (یہ یہودیوں کے قتل عام کا وقت ہے) تو کوئی عمل میں ہے نہ اخلاق اور برتاؤ میں (حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھی رات کو مصلے اور دن کو گھوڑے پر سوار ہوں گے۔ ہم میں رات کو عبادت گزار شب زندہ دار اور دن کے وقت شہسوار کتنے ہیں؟) جہاد کو حرام یا دہشت گردی کہنے والوں کے پروپیگنڈے سے کوئی متاثر تو نہیں ہو گیا؟ (حضرت مہدی کے ساتھی وہی ہوں گے جو آخری وقت تک ساری دنیا کی مخالفت و ملامت کی پروا کیے بغیر جہاد کی بابرکت سنت پر ڈٹے رہیں گے) جہاد کی جسمانی، ذہنی، نظریاتی، عسکری تربیت سے تو کوئی غافل نہیں (حضرت مہدی کے ساتھ وہ لوگ نہیں چل سکیں گے جنہیں جان و مال، عیش و آرام، گھر بار، بیوی بچوں کی محبت راہ خدا میں جانے سے روکتی ہو گی)

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ایک جماعت قیامت تک مسلسل حق پر قتال کرتی رہے گی (اور) غالب رہے گی۔ فرمایا پھر (ان میں) عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے تو ان کا امیر کہے گا: آئیے! ہمیں نماز پڑھا دیجئے! وہ کہیں گے نہیں! بلکہ تم میں سے بعض لوگ بعض پر امیر ہیں (چنانچہ امتی آگے بڑھ کر سابقہ نبی کو نماز پڑھائے گا تاکہ ختم نبوت کا مسئلہ واضح ہو جائے) اس امت کی اللہ تعالیٰ عزت و اکرام کی وجہ سے۔''

ایمان والوں کو چاہیے کہ خود کو اس وقت کے لیے ذہنی و جسمانی طور پر تیار کریں جب جہاد ہی ایمان کا معیار ہوگا۔ حضرت مہدی کے ساتھ وہی جا پائے گا جس نے پہلے سے جہاد کی تیاری کر رکھی ہوگی۔ عین وقت پر تو جب تیار الاؤ چلے گا سب تماشا ہی رہ جائے گا۔

دو دھاری تلوار

تیسری بات: حضرت مہدی کب ظاہر ہوں گے؟

تیسرا سوال کہ حضرت مہدی کب ظاہر ہوں گے؟ اتنا اہم نہیں جتنا نازک ہے۔ یہ ایسی دو دھاری تلوار ہے کہ ذرا سی پھسلن کہیں سے کہیں پہنچا سکتی ہے۔ پہلے تو قرآن کریم کی ہدایات ملاحظہ فرمائیے۔ یہ اگرچہ قیامت کے متعلق ہیں لیکن بندہ ایک سے زائد مرتبہ عرض کر چکا ہے کہ علامات قیامت بھی قیامت کی طرح مبہم اور پیچیدہ ہیں۔ ان میں علامتی زبان استعمال کی گئی ہے اور اس موضوع کا سارا جھگڑا اسی تجسس میں ہے جو اس ابہام اور ذو معنی علامتی لغت سے پیدا ہوتا ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: "قل عسیٰ ان یکون قریباً" "(اے نبی!) کہہ دیجیے عین ممکن ہے کہ وہ وقت بالکل ہی قریب آ گیا ہو!" (آیت: ۵۱) بالکل اسی طرح کی ایک بات سورۃ المعارج میں بھی وارد ہوئی ہے: "انہم یرونہ بعیداً ونراہ قریباً" "یہ لوگ اسے دور سمجھ رہے ہیں جبکہ ہم اسے بالکل قریب دیکھ رہے ہیں۔" (آیات: ۶، ۷) قرآن حکیم میں متعدد بار آیا ہے: "قل ان ادری اقریب ام بعید ما توعدون"

"(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب آ لگی ہے یا ابھی دور ہے!" (سورۃ الانبیاء:109) "قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل له ربی امدا۔" "اور (اے نبی!) کہہ دیجیے کہ میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ عنقریب پیش آنے والی ہے یا ابھی میرا رب اس کے ضمن میں کچھ تاخیر فرمائے گا!" (سورۃ الجن:25)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صاحب نے پوچھا: "قیامت کب آئے گی؟" آپ نے فرمایا: "تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟" بالکل یہی بات اس سوال کے متعلق کہی جا سکتی ہے۔ مہدیات کے موضوع کا سب سے دلچسپ اور تجسس آمیز سوال یہی ہے۔ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ ہم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ کیونکہ جس طرح حضرت مہدی کا ساتھ دینے والے بمطابق حدیث شریف روئے زمین کے صالح ترین مسلمان ہوں گے اور ان کی فضیلت اصحاب بدر والی ہے، اسی طرح ان کا ساتھ چھوڑ کر بھاگنے والوں کے لیے وعید بھی اتنی ہی سخت ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"اس پر (یعنی مسلمانوں کو کافروں کے حوالے نہ کرنے پر) جنگ شروع ہو جائے گی اور مسلمان تین گروہوں میں بٹ جائیں گے: (1) ایک تہائی لشکر تو میدان جنگ سے بھاگ جائے گا، ان کی توبہ اللہ تعالیٰ کبھی قبول نہیں فرمائیں گے۔ (2) ایک تہائی لشکر شہید ہو جائے گا، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل الشہداء ہوں گے۔ (3) ایک تہائی لشکر کو فتح نصیب ہوگی، یہ آئندہ کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو سکیں گے۔" (مسلم شریف)

حضرت کا ساتھ چھوڑ کر بھاگنے والے کون ہوں گے؟ جنہوں نے شرک و بدعت کو دین بنا رکھا ہے۔ جنہوں نے اپنے منہ یا شرم گاہ کو حرام سے آشنا کر رکھا ہے۔ جن کے دلوں میں حسد، بغض اور کینہ ہے۔ زبان پر غیبت، تہمت اور بہتان ہے۔ آنکھ میں خیانت، جس

اور ہوس ہے۔ ہاتھ میں بخل، کرپشن اور فراڈ ہے۔ منکرات سے توبہ نہیں کی اور دنیا سے منکرات کے مکمل خاتمے کے لیے جہاد کرنے والوں میں شامل ہونے کا شوق ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت کو عین میدانِ جنگ میں کیا! چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

تو میرے بھائیو!! اہم یہ نہیں کہ حضرت مہدی کب ظاہر ہوں گے؟ اہم یہ ہے کہ اگر وہ ظاہر ہو گئے تو ہم میں سے کس نے اس کے لیے کتنی تیاری کی ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ ظاہر ہوں تو ہم کسی ایسے فتنے کا شکار ہوں کہ ان کا ساتھ دینے کی بجائے پیٹھ دکھا دیں یا ان کے مقابلے میں آ جائیں۔ جی ہاں! کچھ بدنصیب نام نہاد مسلمان سب سے پہلے ان کی مخالفت میں کھل کر نکلیں گے اور وہ دردناک طریقے سے برباد ہوں گے۔ احادیث سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے زمانے میں نام نہاد مسلمانوں کا ایک طبقہ اور ہوگا جو حضرت کا ساتھ چھوڑ کر بھاگنے والوں سے کہیں زیادہ بدبخت ہوگا۔ وہ اسلام کا دعوے دار ہونے کے باوجود حضرت کے مخالفین میں سے ہوگا اور اسے اللہ تعالیٰ ساری دنیا کی آنکھوں کے سامنے دردناک عذاب میں گرفتار کرے گا۔ وہ زندہ جسموں کے ساتھ زمین میں دھنسا دیے جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو آج کل کے سب سے بڑے فتنے یعنی "فکری ارتداد" کا شکار ہو چکے ہوں گے اور ان کا سربراہ "عبداللہ سفیانی" نامی شخص ہوگا۔

یہ سفیانی کون ہوگا؟ یہ یہودیوں کا تیار کردہ ایک مسلم لیڈر ہوگا جس کو عالمی میڈیا مسلمانوں کے ہیرو اور قائد کے طور پر پیش کرے گا۔ بعض جنگوں میں وہ مغرب کے خلاف فاتحانہ کردار ادا کرنے کا ڈرامہ رچائے گا اور پھر جب مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کر لے گا تو اصل روپ میں ظاہر ہو جائے گا۔ نعیم بن حماد کی "کتاب الفتن" میں ہے کہ اس کا نام عبداللہ ہوگا اور اس کا خروج مغربی شام میں "اندر" کی جگہ سے ہوگا۔ یہ لفظ اصل میں لکھا ہوا ہے جس کا ترجمہ گوند ہو سکتا ہے۔ "اندر" اس وقت شمالی اسرائیل کے

کوئی ابہام سا ابہام ہے!

حضرت مہدی کب ظاہر ہوں گے؟

احادیث مبارکہ میں ظہور مہدی کی جتنی علامات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے کچھ میں گفتگو علامت و استعارۃ ہے۔ کچھ علامتیں بالکل واضح ہیں لیکن ان کے حقیقی ظہور سے قبل ان کے وقت ظہور کے بارے میں کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ ذیل میں ان دونوں اقسام میں سے کچھ نمایاں اور اکثر احادیث میں مشترک طور پر مذکورہ علامات کو ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ ایک علامت یہ بتائی گئی ہے کہ آسمان سے فلک شگاف ندا آئے گی جو امام مجاہد کے ظہور کی منادی کرے گی۔ اس علامت کا حقیقی مصداق تو بالکل واضح ہے لیکن اول تو یہ ان کے ظہور کے بعد ہوگی جبکہ ہم قبل ظہور امام ان کے زمانۂ ظہور کے اندازہ لگانے کی فکر میں ہیں۔ دوسرے ممکن ہے اس میں بھی علامتی گفتگو کی گئی ہو۔ یعنی یہ صدا ڈنکے کی چوٹ پر آسمان سے آنے کی ضرور۔ لیکن آج کل کون سی جگہ ایسی ہے جس میں سیٹلائٹ سسٹم سے وابستہ جدید ذرائع ابلاغ موجود نہیں یا کون شخص ہے جس کی ان ذرائع تک رسائی نہیں؟ حضرت کا تمام دنیا میں ظہور اور اس کا دنیا کو تازہ بتازہ خبر کی صورت میں منتقلی یارے

لوگ بلیو شرٹ پہنیں گے اور آسمان سے منتخب خبر اطلاعات کے منتظر بیٹھیں گے۔

☆ ایک علامت یہ ہے کہ آپ صدی کے مجدد ہوں گے۔ صدی کے مجدد کا اس کے شروع میں آنا ضروری نہیں، وسط سے پہلے پہلے آنے والے کو اس صدی کا مجدد مانا جائے گا۔ اب خدا جانے کہ وہ بھی بڑا آشوب صدی ہے جس میں کوئی ستم نہیں جو مسلمانوں پر ڈھایا نہ گیا ہو اور کوئی قربانی نہیں جو مسلمان زعما و مجاہدین نے نہ دی ہو اور اگر یہ صدی نہیں تو کیا ہم تسلیم کر لیں کہ اتنی زبردست قربانیوں کے باوجود بھی کفر ہم پر مزید کئی صدیوں تک بے چوں و چرا حکمرانی کرے گا؟؟؟

"انہوں نے کہا: اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چاہے دنیا کے لیے صرف ایک دن باقی ہو، اللہ تعالیٰ ہم میں سے ایک آدمی کو بھیجے گا جو دنیا کو انصاف سے بھر دے گا جس طرح یہ ظلم وستم اور ناانصافی سے بھری ہوئی۔"

(مسند احمد، اقتباس: 20-20)

☆ ایک علامت یہ ہے کہ فرات دریا سے پانی ہٹ جائے گا اور اس میں سونے کا پہاڑ ظاہر ہوگا۔ دجلہ و فرات دونوں ترکی سے نکلتے ہیں اور عراق سے گزرتے ہوئے خلیج عرب میں گرتے ہیں۔ ترکی نے فرات پر متعدد ڈیم بنائے ہیں جن میں سے "اتاترک ڈیم" دنیا کے بڑے ڈیموں میں سے ایک ہے۔ اس کی وسعت 816 مربع کلومیٹر ہے۔ خلافت عثمانیہ کے بعد ترکی میں فوجی حسن اقتدار میں رہے ہیں۔ اگر ترکی چاہے تو فرات کا پانی عراق سے بآسانی روک سکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی دنیا آنکھوں سے دیکھے گی کہ سونے کا پہاڑ ظاہر ہونے کی دیر ہے دنیا اس پر ٹوٹ پڑے گی اور سو میں سے ننانوے اس لالچ میں مرے جائیں گے کہ شاید میں ہی وہ خوش نصیب ہوں جو اس سونے کا مالک بنے گا۔

☆ ایک مشہور علامت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ رکن

مرتکب اور عیش پرستی کے عادی ہیں۔ سنت کا اتباع اور جہاد و قتال ان کے نزدیک گنوار طالبان کا کام ہے۔ جو دنیا کے پسماندہ ترین خطے "خراسان" سے آئیں گے جو پاکستان اور افغانستان کے چند علاقوں پر مشتمل علاقے کا قدیم جغرافیائی نام ہے۔ ان علماء کے لیے علمائے یہود کی مثال صادق آتی ہے کہ وہ دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح پہچان کر بھی زبان سے اس کا اظہار اور تصدیق کے بجائے مخالفت کرتے تھے۔

☆ ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس سال ذی الحجہ میں منیٰ میں خون ریزی ہوگی لیکن یہ بہت قریب کی علامت ہے۔ اس لیے کہ اس ذی الحجہ کے فوراً بعد محرم میں عاشورہ کی رات حضرت کے ہاتھ پر بیعت جہاد ہوگی۔ اس لیے یہ قریب ترین علامت ہماری بحث سے خارج ہے۔

☆ ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایک خلیفہ کے انتقال پر شدید اختلاف ہوگا۔ اس اختلاف کی نوعیت بظاہر یہ لگتی ہے کہ سعودی تخت پر اتحادی افواج اپنی مرضی کا آدمی بٹھانا چاہیں گی جبکہ اہل اسلام کسی ایسے شخص کو پسند کرتے ہوں گے جس کے نظریات اتحادیوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتے ہوں گے۔ مہدویات پر نظر رکھنے والے کچھ حضرات اس کا مصداق شاہ فہد کو سمجھتے تھے لیکن جب اس کا انتقال ہوا اور شاہ عبداللہ کی جانشینی کا عمل بخیر و خوبی انجام پا گیا تو ان کے اندازوں کو زبردست دھچکا لگا لیکن اندازے تو اندازے ہوتے ہیں۔ کچھ حضرات کے نزدیک شاہ عبداللہ کے انتقال پر اس طرح کی صورت حال کا اندیشہ نسبتاً زیادہ ہے۔

اب ہم دوسری قسم کی علامت کی طرف آتے ہیں جو نہایت قطعیت کے ساتھ اس کی موجودگی کی طرف اشارہ کرتی ہے لیکن مسئلہ یہاں یہ ہے کہ ہم اس علامت کی قطعیت کے باوجود قبل از وقت اسے دریافت نہیں کر سکتے۔ یہ وہی علامت ہے جس نے چند سال قبل عوام کو ہر بے تجسس میں مبتلا کرنے والے پیغامات بنانے کا موقع پیدا کیا تھا لیکن اس میں فی

طور پر ایک اہم فلکیاتی نکتے سے توجہ ہٹ جانے کے باعث یہ سنسنی خیزی بالقیعت کی سطح پہ نہ چڑھ سکی۔ بندہ اس سے قبل "دو چاند دو گرہن" کے عنوان سے مختصر طور پر لکھ چکا ہے کہ اصل پیش گوئی یوں ہے کہ حضرت مہدی کے ماہ محرم میں ظہور سے قبل ماہ رمضان میں چاند اور سورج دونوں کو گرہن لگے گا۔ اب اس میں انوکھا پن محض اتنا نہیں کہ دونوں کو ایک ماہ میں اکٹھے گرہن لگے گا۔ نہیں! ایسا ہرگز نہیں۔ یہ تو پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ اصل انوکھی باتیں دو ہیں اور دونوں فلکیات کے قوانین کے اعتبار سے عام طور پر ممکن نہیں۔ ان کا عدم امکان ہی ان کو غیر معمولی علامت بناتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ فلکیات کی رو سے چاند گرہن ہمیشہ اسلامی مہینے کے وسط میں اور سورج گرہن آخر میں ہوتا ہے جبکہ اس مرتبہ چاند گرہن شروع میں اور سورج گرہن وسط میں ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک مہینے میں دو مرتبہ چاند گرہن نہیں ہوتا۔ اس سال ایک رمضان میں دو مرتبہ چاند گرہن لگے گا۔ یہ واضح ترین علامت ہوگی کہ تین ماہ بعد محرم میں حضرت مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اب اسے افراط و تفریط کے علاوہ کیا کہا جائے کہ کچھ لوگ تو ان علامتوں کے بغیر راہ چلتے شعبدہ بازوں کو مہدی جیسی مقدس شخصیت مان لیتے ہیں اور کچھ لوگ ان واضح علامات کے بعد بھی حضرت کو ماننے سے ویسے ہی انکار کریں گے جیسا کہ یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لینے کے بعد بھی بوجہ ایمان لا کر نہ دیتے تھے بلکہ مخالفت پر کمر باندھ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رسوا ہو گئے۔

آج کل کسی بھی فلکیاتی ویب سائٹ پر آپ مستقبل میں کسی بھی لمحے چاند سورج کی حرکات اور گرہن کا شیڈول دیکھ سکتے ہیں لیکن یہ دونوں انوکھی علامتیں چونکہ ہیں ہی خلاف معمول، اس لیے کوئی ماہر فلکیات دان بھی ان کا وقت بتانے سے قاصر ہے۔ آخری رمضان سے پہلے اور ان کے وقوع سے پہلے وقت کی تعیین ممکن نہیں۔ اس حوالے سے درج ذیل مضمون میں کافی کچھ تفصیل دی گئی ہے:

دو گرہن، دو چاند

"آج کل موبائل فونوں پر ایک میسج چل رہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: "قیامت کی آخری نشانی۔ آسمان میں دو چاند نظر آئیں گے۔ بی بی سی پر بھی بتایا گیا ہے کہ 27 اگست کو دو چاند نظر آئیں گے۔ یہی حضرت امام مہدی کے ظاہر ہونے کا وقت ہے۔ قرآن پاک میں ہے جب قیامت کی آخری نشانی نظر آجائے گی اس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اس پیغام کو جتنا ہو سکے دوسروں تک پہنچائیں۔"

اس میسج پر تبصرہ تو ہم بعد میں کریں گے پہلے حضرت مہدی کے ظہور کی علامات میں سے جس علامت کی طرف اس پیغام میں مبہم و ناقص اور غلط اشارہ کیا گیا ہے اس کی وضاحت ہو جائے۔ احادیث کی تحقیق کی جائے تو (30) علامات ایسی ملتی ہیں جو حضرت مہدی کے ظہور سے پہلے کائنات میں ظاہر ہوں گی اور دنیا کو متوجہ کریں گی کہ مسلمانوں کی مصیبتوں کے خاتمے (اگرچہ یہ اچھا وقت آگ اور خون کے دریا سے گزرنے کا حوصلہ رکھنے والوں کے لیے آئے گا) اور کفر کی امیدوں پر پانی پھرنے کا وقت قریب آگیا ہے۔ ان میں سے ایک چیز ایسی ہے جو دنیا کی پیدائش سے آج تک نہیں ہوئی اور ایک مرتبہ کے بعد آئندہ بھی نہیں ہوگی کیونکہ کائنات میں کارفرما قوانین کے مطابق یہ ممکن ہی نہیں۔

علم الفلکیات کی رو سے یہ ایک طے شدہ اور مسلمہ قانون ہے کہ چاند گرہن ہمیشہ قمری مہینے کے وسط اور سورج گرہن ہمیشہ مہینے کے آخر میں ہی ممکن ہے۔ یہ مسئلہ فلکیات کا بالکل ابتدائی اور عام سا مسئلہ ہے۔ اس کی وجہ اس فن کے مبتدی بھی جانتے اور باسانی سمجھ سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں چاند گرہن ہمیشہ اسلامی تاریخ کے حساب سے 13، 14، 15 اور سورج گرہن ہمیشہ 27، 28، 29 کو ہوتا ہے اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ نہ پہلے سے فلکی نظام یہی چلتا آرہا ہے۔ البتہ حضرت مہدی کے ظہور سے پہلے جس سال رمضان کے

ہوگا۔ یہ درست ہے کہ ایک قمری مہینے میں دو چاند گرہن یا دو سورج گرہن نہیں ہو سکتے البتہ شمسی مہینے میں ہو سکتے ہیں جب کہ 2003ء کے جنوری میں ہوا کہ یکم اور 31 جنوری کو دو سورج گرہن ہوئے۔ گویا یہ دوسری نشانی بھی خلاف معمول ہو گئی۔ آج کل جو حضرات حج کے موقع پر حضرت مہدی کی جستجو میں ہوتے ہیں انہیں حج سے پہلے ایسے رمضان کی جستجو کرنی چاہیے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ چاند سورج کی آئندہ تین سو سال کی سیکنڈ سیکنڈ کی حرکت کا حساب بتانے والے انفرادی قواعد اور ویب سائٹس اس موقع پر اس سے کوئی مدد نہیں کرتیں کہ یہ دونوں گرہن خلاف معمول ہوں گے اور فلکیات کا فن ان کا سراغ پانے سے عاجز ہے۔ اس لیے جو حضرات "فلکیات" یا "مجددیات" سے مناسبت رکھتے ہیں وہ اس طرح کی متعین پیشن گوئیوں اور غیر تصدیق شدہ بیانات کو اہمیت نہیں دیتے۔

اب اس ناقابل اعتبار تحقیق کی طرف واپس آتے ہیں جو گزشتہ چند دنوں سے مشہور ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے گشت کی چکر ڈال رہا ہے۔ اتنا تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ 27 اگست کو نہ رمضان ہے نہ دونوں گرہن نہ دو چاند گرہن۔ البتہ یہ [illegible] سے فرار کے خواہش مندوں کے لیے وقتی تسکین بخش تو ہو سکتی ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اب اس کی حقیقت سمجھیے۔ 27 اگست 2003ء کو مریخ 50 ہزار سال کی تاریخ میں پہلی بار زمین کے انتہائی قریب اور خوب روشن تھا۔ جس کو بعض ناواقف مبصرین نے چاند سمجھ لیا اور اب ہر سال امت میں مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے لیے کچھ شرارت پسند ایسا میسج سب کو بھیجتے ہیں اور تحقیق کے بغیر سادہ لوح مسلمان اسے آگے چلا دیتے ہیں۔ اس لیے بندہ ہمیشہ اپنے احباب کو تاکید کرتا ہے کہ ہمیشہ [illegible] سے لازم کی محبت حاصل کریں اور صرف معتمد کتابیں پڑھا کریں۔ ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے عمر بھر کے ساتھ تجربہ کامل عطا فرمائی تھی، اس لیے [illegible] ان کے نقش قدم پر چلنے میں اپنی نجات سمجھیں۔

حضرت مہدی کے ظہور کے لیے ماہ (دن) کی تعیین درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کی طرح علامات قیامت کو بھی مبہم رکھا ہے۔ تاکہ غفلت میں پڑے ہوئے مسلمان زندگی کے ہر دن کو آخری دن اور ہر رات کو قیامت کی رات سمجھ کر بدعملی اور بےعملی سے توبہ کریں اور اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرنے میں جت جائیں۔"

☆ ☆ ☆

نتیجہ کیا نکلا؟؟ تمام علامتوں پر گفتگو کے بعد بھی ظہور مہدی کے وقت کے متعلق ابہام باقی ہے۔ اگر ہم تورات کی طرف جائیں تو وہاں ایک ایسی پیشین گوئی ملتی ہے جس سے کچھ محققین نے وقت موعود کا اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے۔

مہلت کا اختتام

حضرت دانیال علیہ السلام (اللہ کی رحمت اور سلامتی ان پر ہو) بنی اسرائیل کے مقدس پیغمبر تھے۔ جب یہود کی بداعمالیوں کی پہلی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے بخت نصر بادشاہ کو ان پر مسلط کیا اور اس نے عراق سے آکر یروشلم کو تاراج کر ڈالا۔ ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ تورات کے نسخے جلا ڈالے۔ یہود کا قتل عام کیا۔ شہر کو برباد و ویران کیا۔ باقی ماندہ بچے کھچے یہودیوں کو غلام بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ تو جس زمانے میں یہود وہاں غلاموں کی زندگی گزار رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کرتے ہوئے اس عذاب سے نجات کے لیے ان میں پھر سے انبیاء بھیجنے شروع کیے۔ انہی انبیاء میں سے ایک حضرت دانیال علیہ السلام تھے۔ حضرت دانیال علیہ السلام اپنی شخصیت و کردار میں سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام سے گہری مماثلت رکھتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے ان دونوں پیغمبروں کو آغاز میں غلام بنا لیا گیا تھا اور پھر ایک اجنبی ملک میں اجنبی و مظلوم شخص کی حیثیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کی جسمانی پرورش اور روحانی تربیت کی تھی کہ دونوں پیغمبر بڑی شان کے ساتھ دنیاوی اعتبار سے بھی بڑے عہدوں تک پہنچے۔ دونوں کو اللہ

تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر کا خصوصی علم عطا کیا تھا۔ وہ مشکل حالات میں بھی لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلاتے۔ جبر و ظلم کے ماحول میں کلمۂ حق بلا خوف و جھجک کہتے رہے۔ دونوں پر فتنہ پردازوں نے تہمت لگائی جس کی نوعیت الگ الگ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کی پاکیزگی اور پاکدامنی ایسے دلائل سے ظاہر فرمائی کہ دشمن بھی انکار نہ کر سکے اور معافی مانگنے پر مجبور ہو گئے۔

بخت نصر کے بعد "نبوشانذر" بادشاہ ہوا۔ اس نے ایک خواب دیکھا۔ جس کا مطلب سمجھنے میں وہ تنہا الجھ کر پریشان ہو کر رہ گیا۔ اس نے ملک کے تمام مشہور نجومیوں، جادوگروں، کاہنوں اور مستقبل کا حال بتانے والوں کو جمع کیا اور خواب کی تعبیر پوچھی۔ جب علم کا بے جا دعویٰ کرنے والے سب عاجز آ گئے تو کسی نے بنی اسرائیل کے دانشمند اور صاحب علم نوجوان دانیال کی اطلاع دی۔ اس نے ان کو بلا بھیجا۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ ان پر یہ علم مزید کھول دیا جائے اور اس خواب کی صحیح تعبیر انہیں سمجھا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کر لی اور انہیں خواب کا صحیح صحیح مطلب القا کر دیا گیا۔

نبوشانذر کے اس خواب میں اس وقت کے بادشاہت سے لے کر قیامت تک آنے والے مختلف ادوار، حکومتوں اور بادشاہوں کے متعلق جو پیش گوئیاں کی گئی ہیں وہ حیرت انگیز طور پر درست ثابت ہوئی ہیں۔ ماسوائے ان چند باتوں کے جن میں یہودی اور عیسائی حضرات نے تحریف کر دی ہے وہ اسے توڑ مروڑ کر کہیں اور منطبق کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ حضرت دانیال علیہ السلام کے کلام میں آخری نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق واضح پیش گوئی ہے اور یہ ایک ابدی پیغام اور بشارت تا قیامت رہنے والا دین ظاہر ہوگا۔ لیکن اہل کتاب کی بدنصیبی کہ وہ حقیقت نہ جان کر وقت ضائع کرتے ہیں جب وہ ان کے سامنے

واضح ہو جاتی ہے۔ سر دست ہمارا موضوع اس خواب میں سے عددی پیش گوئیوں پہ مشتمل وہ حصہ ہے جو ہر دور میں بحث و تحقیق کا موضوع رہا ہے اور اب تو ان کے دن افق سے دور سے جھیں مارتے دکھائی دیتے ہیں۔

اب آگے چلنے سے پہلے ایک واقعہ بیان کرتے چلیں جسے ابن اسحٰق، ابن ابی شیبہ، امام بیہقی، ابن ابی الدنیا اور دیگر محدثین نے بیان کیا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں "طستر" نامی شہر فتح ہوا تو فاتح فوج میں شامل صحابہ و تابعین نے وہاں حضرت دانیال علیہ السلام کا مزار دریافت کیا۔ آپ کا جسم مبارک ایک تابوت میں بالکل اصلی حالت میں بغیر کسی قسم کی تبدیلی و تغیر کے موجود تھا۔ ان کے سر پہ کپڑے کا ایک خط تھا جس پر عجمی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ دریافت کنندہ جماعت میں جن تابعین کے نام ہیں ان میں ابو العالیہ اور مطرف بن مالک مشہور ہیں۔ یہ حضرات یہ تحریر لے کر سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے مشہور صحابی حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ (جو پہلے اہل کتاب یہود میں سے تھے اور پھر اسلام لے آئے تھے۔ اللہ ان سے راضی ہو) سے یہ تحریر پڑھ کر عربی میں ترجمہ کرنے کی درخواست کی۔ حضرت ابو العالیہ تابعی فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ شدہ تحریر کو پڑھنے والا پہلا شخص میں تھا۔ اس میں درج تھا: ''تمہاری تمام تاریخ اور معاملات، تمہاری تقریر کی طرز گفتگو اور بہت کچھ جو ابھی واقع ہونے والا ہے۔'' (ابن کثیر: البدایہ والنہایہ ج 1 ص 40-42، بیہقی: دلائل النبوۃ ج 1 ص 381، ابن ابی شیبہ: المصنف 4-7، البکری: شفاء الصدور بحوالہ حبیب الرحمٰن صفحہ 336)

تورات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیت المقدس میں فاتحانہ داخلے کا بھی تذکرہ ہے۔ مثلاً ''زکریا'' کی سورت میں یہ آیت درج ہوئی ہے:

"اے صیہون کی بیٹی! خوشی سے چلا۔ اے یروشلم کی بیٹی! مسرت سے چیخ۔ دیکھو! تمہارا بادشاہ آ رہا ہے۔ وہ عادل ہے اور گدھے پر سوار ہے۔ بلکہ گدھی کے بچے پر۔ میں یوفریم سے گاڑی کو اور یروشلم سے گھوڑے کو منقطع کر دوں گا۔ جنگ کے پر توڑ دیے جائیں گے۔ اس کی حکمرانی سمندر اور دریا سے زمین کے کنارے تک ہوگی۔"

یہ الفاظ واضح ہیں لیکن عیسائی اس سے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے یروشلم میں بحیثیت مسافر کی حیثیت سے داخلے کو مراد لیتے ہیں۔ اونٹنی کے لفظ کو انہوں نے اسی لیے گدھے سے تبدیل کیا ہے۔ یہ ان حضرات کی دیدہ دانستہ پیدا کردہ غلطی ہے اس لیے کہ سب شک مذکورہ پیش گوئیوں میں "اسلامی فتوحات" اور "حضرت عمر رضی اللہ عنہ" کا نام نہیں دیا گیا۔ فارسیوں اور رومیوں میں سے کوئی بھی حکمران ایسا نہیں گزرا کہ جس نے فارس کے ساحل سے بحر متوسط اور بحیرہ طبریہ سے عدن تک مکمل قبضے میں لیا ہو۔ یہ حقیقت صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر صادق آتی ہے۔

اب ہم اصل واقعے کی طرف آتے ہیں۔ بادشاہ نے حضرت دانیال علیہ السلام کو بلا بھیجا جب یہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا: "میں نے تیرے بارے میں سنا ہے کہ الٰہوں کی روح تجھ میں ہے اور نور اور دانش اور کمال حکمت تجھ میں ہیں۔ حکیم اور نجومی میرے حضور حاضر کیے گئے تاکہ اس نوشتہ کو پڑھیں اور اس کا مطلب مجھ سے بیان کریں لیکن وہ اس کا مطلب بیان نہیں کر سکے اور میں نے تیرے بارے میں سنا ہے کہ تو تعبیر اور حل مشکلات پر قادر ہے۔ پس اگر تو اس نوشتہ کو پڑھے اور اس کا مطلب مجھ سے بیان کرے تو ارغوانی خلعت پائے گا اور تیری گردن میں زریں طوق پہنایا جائے گا اور تو مملکت میں تیسرے درجے کا حاکم ہوگا۔" تب دانیال علیہ السلام نے بادشاہ کو جواب دیا: "تیرا انعام تیرے ہی پاس رہے اور اپنا صلہ کسی دوسرے کو دے۔ تاہم میں بادشاہ کے لیے اس نوشتہ

کریں گے اور اجاڑنے والی مکروہ چیز نصب کریں گے۔ اور وہ عہد مقدس کے خلاف شرارت کرنے والوں کو برگشتہ کرے گا لیکن اپنے خدا کو پہچاننے والے تقویت پا کر کچھ کر دکھائیں گے۔" (تورات ص 846 دانیال باب 11 آیت 31-32)

نفرت کی ریاست کی مدد کرنے والی افواج امریکا اور برطانیہ ہیں۔ اجاڑنے والی مکروہ چیز کی تنصیب سے مسجد اقصیٰ کی جگہ دجال کے قصر صدارت کا قیام ہے۔ شرارت کرنے والوں کو برگشتہ کرنے سے مراد عیسائی دنیا کو دغا کر صیہونی مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرنا ہے۔ اپنے خدا کو پہچاننے والوں کے کچھ کرنے سے فلسطینی فدائین کی بے مثال مزاحمت کی طرف اشارہ ہے اور یہ ان کی خدا پرستی اور خدا کے ہاں مقبولیت کی واضح خوش خبری ہے جو ان مظلوموں کے زخموں کا مرہم ہے۔

یہ ریاست کب قائم ہوئی؟ یہ ہماری اس بحث کا اہم ترین سوال ہے۔ حضرت دانیال علیہ السلام فرماتے ہیں:

پھر میں نے دو مقدس ہستیوں (آوازوں) کو کہتے سنا: "یہ معاملہ کب تک اسی طرح چلے گا کہ میزبان اور مقدس مقام کو قدموں تلے روند دیا جائے؟" پھر دوسری آواز نے جواب دیا "دو ہزار تین سو دنوں تک کے لیے۔ پھر یہ مقدس مقام پاک صاف کر دیا جائے گا۔" (تورات ص ۸۴۶۔۔۔ دانیال: باب ۸ آیت ۱۳،۱۴) اس پیش گوئی سے معلوم ہوا کہ نفرت کی ریاست 2300 سال بعد قائم ہوئی۔ کس لحاظ سے 2300 سال بعد؟؟؟ یہ ہم آگے چل کر بتائیں گے۔ پہلے آخری پیش گوئی جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ ریاست 45 دن بعد ختم ہو جائے گی۔

حضرت دانیال علیہ السلام فرماتے ہیں: "اگرچہ میں نے فرشتوں کی یہ بات سنی لیکن میں اسے کچھ نہ سمجھ سکا۔ چنانچہ میں نے اللہ سے دعا کی: "اے اللہ! انجام کس طرح ختم

ہوگا؟ اللہ نے جواب دیا، دانیال اپنے کام سے کام رکھو۔ الفاظ پر قفل چڑھا دیئے گئے ہیں اور معاملات پر مہر لگا دی گئی ہے۔ اب آخری وقت آنے پر سارا راز فاش ہوگا جس دن کہ قربانیاں چھین لی جائیں گی اور نفرت کی ریاست قائم کر دی جائے گی۔ اس کے بعد سے ایک ہزار 2 سو 90 دن باقی رہ جائیں گے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو ایک ہزار 3 سو 35 کے اختتام تک پہنچ جائیں گے۔ لیکن (اے دانیال) تم اپنا کام دنیا کے اختتام تک کرتے رہو۔ تمہیں آرام دیا جائے گا۔" (تورات، ص 847، باب ۱۲، آیت ۸۔۱۳)

عیسائی اور یہودی شارحین یہاں پہنچ کر سخت تذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ انہیں سمجھ نہیں آتا کہ اس میں وقت کا جو تعین کیا گیا، اس سے کیا مراد لیا جائے؟ کیونکہ دنیا میں ایسی ریاست نہیں جو 2300 دنوں کے بعد قائم ہوئی ہو اور محض 45 دن قائم رہنے کے بعد ختم ہوگئی ہو۔ (1290-1235=45)

مگر وہ تورات ہی سے مدد لیں اور آئینہ دیکھنے سے نہ ڈریں تو تورات میں دنوں سے مراد سال لیا جاتا ہے۔ مثلاً حزقی ایل میں ہے "میں نے تمہارے لیے ایک دن کو ایک سال کے برابر کر دیا ہے۔" لہٰذا اس آیت میں 45 دنوں سے مراد 45 سال ہیں۔ اب پیش گوئی کے مطابق اس ریاست کا قیام 2300 سال بعد ہوگا۔ تورات و انجیل کے شارحین کے مطابق ان سالوں کا آغاز سکندر اعظم کے ایشیا فتح کرنے سے ہوتا ہے جو 333 قبل مسیح میں ہوا۔ چنانچہ نفرت کی ریاست (Abomination Of Desolation) کا قیام 333 قبل مسیح کے 2300 سال بعد ہوگا (2300-333=1967) یعنی 1967ء میں۔ یہی وہ سال ہے جس میں اسرائیلی افواج القدس میں داخل ہوئیں اور مسجد اقصیٰ کی ہولناک آتشزدگی کا واقعہ پیش آیا۔ اسرائیل اگرچہ 1948ء میں بن گیا لیکن القدس (یروشلم) جس تک رسائی یہود کا اصل مقصد ہے، وہ 1967ء میں اسرائیلیوں کے قبضے میں آیا۔ اب اگرچہ

ریاست اپنے قیام سے 45 سال بعد تباہ و برباد ہوگی ہے اور اس کی بربادی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی کی افواج کے ہاتھوں ہوگی اور دجال اور لشکر یہودیوں کے قتل سے پوری ہوگی تو پھر بعض محققین کا کہنا ہے کہ (1967+45=2012ء) کے فارمولے سے نفرت کی اس گھناؤنی مملکت کا اختتام   یا اختتام کے آغاز   کا زمانہ 2012ء کے آس پاس بنتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

''وہ پوچھتے ہیں یہ سب کب ہوگا؟ کہہ دیجیے: شاید یہ عنقریب ہی ہو جائے۔''

عالم عرب کے مشہور محقق محترم ڈاکٹر سفر بن عبدالرحمن الحوالی جنہیں حق گوئی کی پاداش میں متعدد مرتبہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑی ہیں، ان کا کہنا ہے: ''یہ کوئی حتمی معاملہ نہیں ہے۔ ہاں اگر یہودی حضرات ہم سے شرط لگانا چاہیں جیسے اہل مکہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شرط لگائی تھی تو ہم بلاکسی تردد کے کہہ سکتے ہیں۔ وہ اپنی شرط ہم سے ہار جائیں گے۔'' (یوم الغضب ترجمہ شیخ احمد بن سعید ص 174)

یہودی یہ شرط ہار گئے یہ دن ان کا ارض فلسطین پارہ پارہ اور آخری بربادی کا فارمولا حقیقی ہے۔ اور تورات کے مطابق مبارک ہیں وہ لوگ جو تقویٰ اور جہاد پر کاربند رہتے ہوئے مظلوموں کا ساتھ دل، زبان یا ہاتھ سے دیتے ہیں، ان کے لیے تنہائیوں میں روتے اور دعائیں کرتے ہیں۔ ان کے لیے نیک جذبات رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ حشر کے متمنی ہیں۔

نفرت کی ریاست کے خاتمے پر اہل حق خوشی کے ترانے پڑھیں گے، یروشلم پاک صاف ہو جائے گا۔ تمام اہل زمین اور آسمانی مخلوقات یہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں گی:

''الحمد للہ! عزت، طاقت، عظمت اور خوف سب نے ... ہے جو خدا کے ساتھ ہیں ...

ہمارا رب ہے۔ اس کے فیصلے درست ہیں کیونکہ اس نے اس طوائف کو سزا دی جس نے اپنی بدکاری سے روئے زمین کو بھر دیا تھا۔ اس نے اللہ کے بندوں کا خون بہایا تھا اور اللہ نے اس سے اس کا انتقام لے لیا۔"

روئے زمین کو ظلم سے بھرنے والا امریکا ہے اور اللہ کی سزاؤں سے مراد ہوا، طوفان، زلزلے اور طاعون (ایڈز) ہیں جو امریکا کو ہر طرف سے گھیر لیں گے۔ عالمی شر کے خاتمے کے بعد عالمی خیر کا وقت آئے گا اور خدا اپنے ان وفادار بندوں کو انعام دے گا جو حق کی فتح پر عاجزی کے ساتھ اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔

"کیونکہ پھر میں لوگوں کے لیے ایک پاکیزہ زبان دوں گا جو اللہ کا نام پکاریں گے اور جو کندھے سے کندھا ملا کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔"

یہاں پہنچ کر عیسائی و یہودی محققین گنگ ہو جاتے ہیں کہ اگر آخری فتح ان کی ہوئی تو پھر کندھے سے کندھا ملا کر حمد کے گیت وہ کس طرح گائیں گے؟ یہ ان کا تجاہل عارفانہ اور اللہ کی آیات میں معنوی تحریف ہے۔ پوری دنیا خصوصاً عیسائی اور یہودی اچھی طرح واقف ہیں کہ اسلام کے علاوہ دنیا میں کوئی مذہب نہیں جس میں عبادت کرنے والے "بنیان مرصوص" کی مانند کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں اور ان کی زبان پر پاکیزہ تکبیرات اور حمد کا ترانہ (سورۂ فاتحہ) جاری ہوتا ہے۔

پر دارالافتاء کی مہر ثبت کر دی جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ حدیث شریف میں جس شخص کو حارث الحراث کہا گیا ہے وہ آخر اس کا امکان تو ہے کہ وہ میں ہوں۔ تو آپ حضرات اس عاجزانہ تجویز پر مہر تصدیق ثبت فرمائیں تاکہ ایک اہم غلطی نہ ہو۔ ان کے پاس کاغذات کا جو پلندہ تھا اس میں دنیا جہاں کے دستخط، تصدیقات اور مہریں تھیں۔ ان کے پاس موجود قسما قسم تصدیقات دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ انہیں مہروں کے نمونے جمع کرنے کا شوق ہے، جیسا کہ کچھ لوگوں کو ٹکٹ، سکے یا ماچس کی ڈبیا وغیرہ جمع کر کے گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں نام لکھوانے یا اور کسی طرح کا اعزاز پانے کا شوق ہوتا ہے۔ ایسا میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آج تک مہدویت کا دعویٰ کرنے والے تو بہت سے کذاب سامنے آئے۔ یہ سارے کذاب شیطان صفت ہوتے تھے یا نفس پرست، جاہ پرست اور مال پرست۔ حضرت مہدی کے ساتھی ہونے کا دعویٰ کرنے والا پہلی بار سامنے آیا تھا اور وہ تھا بھی ایسا مرنجان مرنج، بھولی بھالی اور معصوم، بے ضرر شخصیت کہ اس پر غصہ کے بجائے اس سے شغل کرنے اور لطف لینے کا دل چاہتا تھا۔ بندہ نے ان سے عرض کی کہ یہ روحانی مناصب کچھ کر کے دکھانے والوں کے لیے ہیں۔ ان میں ایسا نہیں ہوتا کہ پہلے کسی کو مقدس شخصیت بنا کر ان پر فائز کر دیا جائے اور پھر اس سے درخواست کی جائے کہ وہ اب ہماری تجویز اور تائید کی لاج رکھنے کے لیے نذرانے کی وصولیوں کے علاوہ بھی کچھ کر کے دکھایا کرے..... لیکن ان کا بس یہی اصرار تھا کہ پہلے کسی شخص کو (بلکہ بالتعیین انہی کو) حارث مان لیا جائے پھر بات آگے بڑھے گی۔ بابا جی مزاج کے برے نہ تھے۔ بس ان کے دماغ میں کسی طرح یہ سودا سما گیا تھا۔ بندہ نے ان کو شام تک اپنے ساتھ رکھا اور جب دارالافتاء کا وقت ختم ہو گیا تو انہیں اپنے ساتھ "فقیری تحفے" پر لے گیا۔ بندہ کی مسجد کے ساتھ ایک تحفہ تھا جس کا نام یار لوگوں نے "فقیری تحفہ" رکھ چھوڑا تھا۔ مغرب سے عشاء تک وہاں صرف پڑھائی ہوتی تھی اور عشاء،

کے بعد طعام و کلام اور تقریری نشستیں۔ یہاں ہم نے بابا جی کو خوب جانچا پرکھا۔ ٹٹول ٹٹول کر دیکھا۔ دل اس پر تھا کہ اگر یہ کسی فتنے کا آغاز ہے تو ان کے پاس موجود تصدیق نامے اور کاغذات کا پلندہ غائب کر دیا جائے اور اگر محض بے ضرر قسم کے شخص کو ایک شوق چڑھ گیا ہے اور آگے چل کر ایسا کوئی خطرہ نہیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ خوب چھان پھٹک کے بعد یہی سامنے آیا کہ بابا جی نہ تو کوئی بات اچھی طرح کر سکتے ہیں نہ تعلیم یافتہ ہیں۔ نہ دستخطوں اور مہروں کے نقش جمع کرنے سے آگے کا کوئی منصوبہ ہے۔ ظاہر میں جتنے معصوم نظر آتے ہیں حقیقت میں اس سے بھی زیادہ بھولے ہیں۔ اس لیے ایک دو روز مہمانی کے بعد رخصت کر دیا۔ بوقت رخصتی ان کو سمجھایا تھا کہ تم ساری بات کرتے ہو لیکن اپنا دستخط اور مہر نہیں دیتے۔ جانتے! ایسا شخص بھی حارث الحراث ہو سکتا ہے جسے یہ بھی خبر نہ ہو کہ ہم ان کے پاس موجود بقیہ تصدیقی ذخیرے کو ٹھکانے لگانا چاہتے ہیں اور وہ ہم سے ہماری تصدیق نہ ملنے پر شکوہ کر رہا ہے۔

حارث اور منصور دو لقب ہیں۔ دو ذمہ داریاں ہیں۔ دو عظیم خدمات ہیں، جو یہ حضرات دین اسلام کی سربلندی کے لیے انجام دیں گے۔ جب حضرت مہدی سادات علماء کے مجبور کرنے پر امارت قبول کرتے ہوئے اصلاح و جہاد پر بیعت لیں گے تو پہلے پہل انہیں دنیا کے کفر سے زیادہ اپنے ان لوگوں سے خطرہ ہوگا جو غفلت، دنیا پرستی، مغربی مادیت میں مبتلا ہو جانے یا احادیث کی عصر حاضر پر تطبیق نہ کر سکنے کی وجہ سے انہیں اصلاحی و جہادی قائد ماننے سے انکار کر دیں گے۔ اس وقت سے پہلے حضرت مہدی کی کوئی جماعت، کوئی تحریک یا تنظیم وغیرہ کچھ نہیں ہوگی۔ ایک یکا و تنہا غریب و مسافر شخص جس کے ساتھ چند علماء اور ان علماء کے مقلد چند جانباز ہوں گے۔ اسے غیروں سے زیادہ اپنوں کی بھی شدید مخالفت کا سامنا ہوگا۔ اس کو جس نصرت اور اعانت کی ضرورت ہوگی اس کے لیے اللہ تعالیٰ دو افراد

کو توفیق دے گا کہ ایک ان کی مالی کفالت و خبر گیری کرے گا اور دوسرا ان کے لیے عسکری
کمک و رسد کا انتظام کرے گا۔ پہلے کو حدیث شریف میں "حارث" یعنی کسان کہا گیا ہے کہ
وہ زراعت وغیرہ کے ذریعے کسانوں کی طرح محنت کرے گا اور دولت کما کر حضرت کی
خدمت میں پیش کرے گا۔ انفاق فی سبیل اللہ کا وہ عمل زندہ کرے گا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
اجمعین کی پیاری سنت ہے۔ دوسرے کو "منصور" یعنی وہ شخص جس کی غیبی مدد کی جائے گی کا
نام دیا گیا ہے۔ وہ عسکری امور کا ماہر جو قابل اور دلیر سالار ہوگا اور حضرت مہدی کے
دشمنوں کو روندتا ہوا اور حضرت مہدی کے لشکر کی راہ ہموار کرتا ہوا بڑھتا چلا جائے گا اور
قدرت کی غیبی مدد کی بدولت اس کا اور اس کے ساتھی مجاہدین کا راستہ کوئی نہ روک سکے گا۔
اس کی مثال اگر سمجھنا چاہیں تو آج کے دور میں عالم کفر کو مطلوب دو اہم شخصیات میں سے
ایک نے حکومت سے برسرپیکار لشکر اسلام کی عسکری مدد کی ہے، ان کو پناہ فراہم کی ہے اور
دوسرا اللہ کے لیے کمائے گئے اموال میں سے اللہ کے سپاہیوں پر اللہ کے لیے خرچ کر رہا
ہے۔ حدیث شریف کا بعینہٖ مصداق یہ دو شخصیتیں ہوں یا نہ ہوں، لیکن بمطابق حدیث اس
طرح کی شخصیات کی مدد کرنا امت کے ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔ ان شخصیات کو تصدیقی
دستخط اور مہروں سے نہیں، ان کے کارناموں اور دین کے لیے دی گئی قربانیوں سے پہچانا
جاتا ہے۔

حضرت حارث و حضرت منصور یعنی جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کے فریضے کو ادا
کرنے کے لیے اپنا تن من دھن لگانے والی یہ مبارک شخصیات جو حضرت مہدی کا دست
راست ہوں گی، کے علاوہ احادیث میں ان سات علماء کا تذکرہ بھی حضرت مہدی کے
تذکرے کے ضمن میں آتا ہے جنہوں نے تین سو سے کچھ اوپر افراد سے دین اسلام کی خاطر
جینے مرنے کی بیعت لے رکھی ہوگی اور وہ کرۂ ارض کے مختلف حصوں میں غائب [illegible]

کوششوں کی قیادت کر رہے ہوں گے اور پھر آخر کار حضرت مہدی کی تلاش میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرمین جا پہنچیں گے۔ یہ لوگ امت کو اپنی طرف نہیں بلائیں گے، بلکہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبہ حق کے لیے اصلاح و جہاد کی دعوت دے رہے ہوں گے۔ لیکن مسئلہ یہاں بھی وہی آجاتا ہے کہ ان کے ساتھ بھی وہی چل سکے گا جو اپنے دل کو غیر اللہ سے اور اپنے عمل کو شریعت کی مخالفت سے پاک صاف کر کے فنائیت و للہیت حاصل کر چکا ہوگا۔ حضرت مہدی کے ساتھی بہت تھوڑے لیکن اصحاب بدر کی طرح بہت منتخب لوگ ہوں گے۔ ان کی قلیل ترین تعداد کو دیکھ کر ہی عام مسلمان کہیں گے کہ یہ تو دہشت گرد دیوانوں کا ٹولہ ہے۔ پوری دنیا کی فوج کے خلاف لڑ کر خودکشی کا شوق پورا کرنے چلا ہے۔ یہ تو شریعت کی سکھائی ہوئی حکمت کے خلاف چل رہا ہے۔ یہ تو خود بھی مرے گا اور ہمیں بھی "پتھروں کے دور" میں پہنچا کر چھوڑے گا۔

سو مہدی موعود کی اس دنیا میں تشریف آوری لاچار اور بے یار و مددگار مساکین کی اعانت کے لیے ہوگی جو بمشکل اپنی زندگی کے لاشے کو کاندھا دیے ہوتے ہوں گے۔ اپنے گرد و پیش کی پراگندگی سے بے پروا اپنے ایمانوں کو سینوں سے لگائے نہیں جانتے کہ رہنمائی کے لیے کدھر کا رخ کریں۔ "اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔" یہ وہ حقیقت ہے جو قرآن میں بار بار دہرائی گئی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ دنیا کے کمزور ترین ہی سب سے پہلے آگے بڑھ کر تو ہدایت کو سینوں سے لگاتے ہیں اور ابدی نجات پاتے ہیں۔ ہمیشہ کی طرح، یہ غریب و عاجز ہی ہیں جو حضرت مہدی سے وفاداری اور اطاعت شعاری کی بیعت کریں گے۔ بنا ہچکچاہٹ اور بغیر کسی لالچ یا دلیل کے۔ یہاں جذبات و احساسات کا نہایت عالم خیز پر جوش ظہور متوقع ہوگا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اولین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موجزن کر دیے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث

مقصد اصلاح ذات اور اقامت شریعت کی جدوجہد ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس میں لگ جاتا ہے تو چاہے وہ حضرت مہدی کا زمانہ پالے یا نہ پا سکے لیکن ان کے ساتھیوں کے لیے میدان ہموار کر جائے، اس سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہو سکتی ہے؟ مولانا روم مثنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ صوفیا لوگوں سے کہتے ہیں: "موت قریب ہے، تیاری کر لو۔" فلسفی کہتا ہے: "ساٹھ ستر سال سے پہلے مرنا نہیں، جلدی کی کیا ضرورت ہے؟" یہ ایسی ہی ہے جیسے کوئی ہمدرد شخص کسی مسافر سے کہے: آگے راستے میں پانی نہیں، مشکیزہ ساتھ لے لو۔ دوسرا کہتا ہے: اضافی بوجھ اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ پانی آگے مل جائے گا۔ اب احتیاط کس میں ہے؟ اس میں کہ موت کو قریب سمجھا جائے۔ پانی کا مشکیزہ ساتھ رکھا جائے۔ اگر زندگی نے مہلت دی اور نہ پانی آگے مل گیا تو اسے استعمال کر لیں گے ورنہ پیاسے تو نہ مریں گے۔ بالکل اسی طرح اگر حضرت مہدی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کا تذکرہ جب احادیث میں اتنے اہتمام سے کیا گیا ہے کہ سننے والوں کو لگتا تھا کہ ان کا ظہور بہت ہی قریب ہے، جبکہ ان پیش گوئیوں کو بیان ہوئے آج چودہ سو اکتیس سال ہو چکے ہیں تو قیامت کی علامات بعیدہ کے ظہور کے بعد ان حضرات کا اہتمام سے تذکرہ کیوں نہ کیا جائے جبکہ علامات متوسطہ بھی ظاہر ہونے لگی ہیں اور علامات قریبہ سامنے دکھائی دے رہی ہیں۔ ان علامات کے تذکرے سے قبر و آخرت یاد آتی ہے، دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے، اصلاح کی فکر پیدا ہوتی ہے اور ان نیک شخصیات کی طلب سے اور ان کا ساتھ دینے کے جذبے سے ایک خاص قسم کی کیفیت اور فیض ملتا ہے جو دوسری چیزوں میں نہیں، اس لیے کہ ہر عمل، ہر سنت اور شریعت کے ہر پھول کا رنگ اور خوشبو دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

(۶) ہم لوگ اس وقت بہت غلطی کرتے ہیں جب سمجھتے ہیں کہ حضرت مہدی

حضرت مسیح و دجال کا تذکرہ کم و بیش روایات پسند ملا کرتے ہیں۔ ہم میں سے کم لوگ جانتے کہ امریکی بہت مذہبی لوگ ہیں۔ وہ ہم سے زیادہ "مسیح" کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہود یہودی شدت سے کسی نبوت (بعثت) کے منتظر ہیں۔ 1967ء سے پہلے وہ یہ دعا کرتے تھے: "اے خدا! یہ سال یروشلم میں۔" 67ء میں مسجد اقصیٰ پر قبضے کے بعد اب ان کے ہونٹوں پر یہ الفاظ ہوتے ہیں: "اے خدا! مسیحا جلد آ جائے۔" عیسائیوں خصوصاً امریکی و برطانوی عیسائیوں میں "مسیح آ رہے ہیں۔" کا نعرہ عام ہے۔ اس حوالے سے ان کا تجسس نہایت شدید ہے۔ یہودی، عیسائی اور مسلمان تینوں کسی مسیحا کے انتظار میں ہیں۔ مسلمان اور عیسائی تو حضرت مسیح علیہ السلام کے انتظار میں (جن کے ساتھ حضرت مہدی کا لشکر ہوگا) اور یہودی "مخالف مسیح" (Anti Christ) یعنی دجال آنے کے انتظار میں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہودی اور عیسائی اس کے لیے تیاری کر رہے ہیں۔ میدان ہموار کر رہے ہیں جبکہ ان کی مذہبی پیش گوئیوں میں تحریف ہو کر کچھ کا کچھ بنا لیا گیا ہے۔ صرف مسلمانوں کے پاس سچے نبی کا سچا کلام بلا تغیر و تبدل موجود ہے لیکن وہ اس سے بے فکر ہیں۔ بے مدھ ہیں اور دجال کے ذکر پر ناراض ہیں کہ کیوں نیند خراب کرتے ہو؟! ابھی تو دلی بہت دور ہے۔

(9) پاکستان کے حکمرانوں نے قیام پاکستان سے آج تک اللہ تعالیٰ سے اتنی بد عہدیاں کی ہیں کہ یہ تکوینی طور پر اپنے وجود کا جواز کھو چکا ہے۔ نفاذِ اسلام کے وعدے سے انحراف اور ہر قسم نفاق کو فروغ دینے تک کوئی چیز ایسی نہیں جس میں کوئی کسر چھوڑی گئی ہو۔ لیکن یہاں کے عوام کا پُرخلوص ایمان اور دین سے بے لوث تعلق کے علاوہ یہ کہ کام ایسے تھا کہ اللہ تعالیٰ مخلص اور دردمند پاکستانیوں سے (اور افغانوں) سے کام لے گا۔ اس بنا پر یہ ملک آج تک جیسا تیسا باقی ہے اور چل رہا ہے۔ ہمیں اپنی بحث سے اور بچانے اسی واسطے ... غفلت کی طرف توجہ نہیں ہے۔

آخری بات یہ کہ بندہ نے یہ سب تحریر خود سے نہیں لکھا، ذخیرۂ احادیث میں سے جو روایت ہمارے اکابر نے اپنی کتابوں میں لی ہیں، ان کی عصری تطبیق کی کوشش کی ہے۔ اگر یہ درست ہے تو اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے اور اکابر کی برکات ہیں۔ بندہ تو محض ناقل ہے۔ اور اگر اس میں کوئی غلطی ہے تو بندہ کی نا سمجھی ہے۔ اللہ سے توبہ اور اس کے مقبول بندوں سے اصلاح کا طالب ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت پر استقامت اور اپنے اکابر دین سے مضبوط تعلق نصیب فرمائے۔ حق کی پہچان اور اہل حق کی نصرت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دوسرا باب

سچے اور جھوٹے وعدوں کی کشمکش

سچے اور جھوٹے مدعیوں کا تعارف

دس سوالات، دس جوابات، ابہام کی تشریح، الجھنوں کی سلجھن

سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھوں مغربی دجالیت کی پامالی کی روداد

مسیح کا معنی

مسیح میم کی زبر، سین کے نیچے زیر اور آخر میں حا۔ یہ لفظ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور دجال دونوں پر بولا جاتا ہے، لیکن جب اس سے مراد دجال ہو تو مسیح کے ساتھ دجال کا لفظ ضرور آتا ہے، یعنی "مسیح دجال"۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام "مسیح الہدیٰ" اور دجال "مسیح الضلالۃ" ہے۔

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نام "مسیح" کیوں رکھا گیا؟ اہل علم نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں:

(1) مسح کے معنی چھونے کے ہیں۔ آپ کو مسیح اس لیے کہا گیا کہ آپ جس بھی مصیبت زدہ کو چھوتے تھے وہ اللہ کے اذن سے صحت یاب ہو جاتا تھا۔

(2) آپ نے دعوت الی اللہ کا کام کرتے ہوئے زمین میں سیاحت کی اس لیے مسیح کہا گیا۔

ان دو اقوال کی بنیاد پر مسیح بمعنی ماسح (اسم فاعل) یعنی چھونے والا یا سیاحت کرنے والا ہوگا۔

(3) ان کے پاؤں پورے زمین پر لگتے تھے، تلووں میں خلا نہیں تھا اس لیے مسیح کہا گیا۔

(4) چونکہ انہیں برکت کے ساتھ مسح کیا گیا یا گناہوں سے پاک کیا گیا، اس لیے وہ بابرکت تھے۔

ان دو اقوال کے مطابق مسیح بمعنی ممسوح (اسم مفعول) کے ہوگا۔

ناموں کی ان وجوہات میں کوئی تضاد نہیں۔ اس قسم کے تمام فضائل ہی آپ میں جمع تھے لہٰذا تمام وجوہات اپنی جگہ درست ہیں۔

جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہتے ہیں، دجال اکبر کو بھی مسیح دجال کہا جاتا ہے۔ دجال اکبر کا نام مسیح کیوں رکھا گیا؟ اس کے بارے میں بہت سارے اقوال ہیں مگر سب سے زیادہ واضح قول یہ ہے کہ دجال کو مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے اس کی ایک آنکھ اور ابرو نہیں ہے۔ ابن فارس کہتے ہیں: مسیح وہ ہے جس کے چہرے کے دو حصوں میں سے ایک حصہ مٹا ہوا ہو، اس میں نہ آنکھ ہو اور نہ ہی ابرو۔ اسی لیے دجال کو مسیح کہا گیا ہے۔ پھر انہوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے: "وَإِنَّ الدَّجَّالَ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ، عَلَيْهَا ظَفَرَةٌ غَلِيظَةٌ۔" "یقیناً دجال مٹی ہوئی آنکھ والا ہے جس پر ایک غلیظ موٹا سا ناخونہ (پھلی) ہے۔"

مسیحا کا انتظار

علاماتِ قیامت کا جب بھی تذکرہ ہوگا تو حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر ضرور آئے گا۔ کیونکہ خود قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''اور وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی (نشانیوں میں سے) ایک نشانی ہیں۔'' حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ سچے پیغمبر تھے جنہیں یہودی آخری نبی کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ یہود نے آپ سے پہلے بہت سے انبیاء کی تکذیب کی، انہیں ستایا، کتنے نبی قتل کیے، بہت سوں کو شہید بھی کیا۔ دو مرتبہ جلاوطنی کی سزا، ہیکل سلیمانی کی بربادی اور یروشلم کی تباہی سے دوچار ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اب بنی اسرائیل میں سے آخری نبی ان کے پاس بھیجا کہ اس کی پیروی کریں۔ یہ ان کے دین کی تجدید کریں گے۔ یہود کی تحریفات کو ختم کرکے اصل دین کو اس کی اصلی شکل میں لائیں گے اور یہود کے لیے سچے مسیحا ثابت ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے دن سے ہی اللہ تعالیٰ نے سچے پیغمبر ہونے کی متعدد علامات کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ آپ بغیر باپ کے کنواری مقدس مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ ماں کی گود میں ہی باتیں کرنے لگے تھے۔ بچپن سے ہی بہت نیک صالح تھے۔ آپ کی من موہنی شخصیت اور پاکیزہ کردار سب

گرویدہ کر لیتا تھا۔ سوائے یہود کے کہ ان کی بدبختی نے ان کو کہیں کا نہ چھوڑا۔ ان کے احبار (علمائے سوء) اور رہبان (جعلی پیر) نے اپنی روایتی دنیا پرستی، دین بیزاری، سنگ دلی اور ہٹ دھرمی دکھاتے ہوئے جناب مسیح علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا۔ ان کی مقدس و مطہر ماں پر بہتان عظیم لگایا۔ ان کو طرح طرح سے ستایا۔ ان کے ماننے والوں کا مذاق اڑایا۔ اپنا تمام تر علم و فضل آپ کی دعوت کی مخالفت کرنے، معترضانہ اشکالات اٹھانے اور آپ کی شخصیت کے خلاف منفی پروپیگنڈا کرنے پر خرچ کیا۔ حتی کہ حاکمان وقت کو آپ کے خلاف ورغلا کر جھوٹے الزامات کے تحت آپ کے قتل کا حکم جاری کروادیا۔ غرضیکہ "آخری تنبیہ" کو "آخری مہلت" سمجھنے کے بجائے مسلسل "آخری غلطی" پر اصرار کرتے رہے۔

بالآخر جب ان کی نفس پرستی اور شیطنت آخری حد کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے جناب مسیح کے حوالے سے ایک اور معجزہ ظاہر فرمایا جو انسانی تاریخ کا عجیب واقعہ ہے۔ آپ کو بحفاظت زندہ سلامت آسمانوں پر اٹھالیا گیا۔ یہود اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ اس کے بعد ایک آخری اور عظیم معجزہ پھر ظاہر ہوگا کہ بدی کا محور اور سراپا شر "الدجال الاکبر" جو اپنی مصنوعی اور فرضی خدائی کا مظاہرہ کرکے پورے روئے زمین پر انسانی بغاوت کا سب سے عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے کل کائنات کی تسخیر کا ناپاک ارادہ لے کر دندنا رہا ہوگا اور حضرت مہدی اور ان کے ساتھ موجود فاتحین یورپ و عیسائیت مجاہدین کو سخت مشقت میں ڈال چکا ہوگا، اس کو قتل کرنے اور زمین سے تمام دجالی قوتوں (یہود اور ان کے ہمنواؤں) کا خاتمہ کرنے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کے حوالے سے ایک بار پھر غیر معمولی واقعے کا ظہور ہوگا۔ آپ کو آسمان سے زمین پر بھیجا جائے گا اور ایسی غیر معمولی قوتیں عطا کی جائیں گی جو روحانی ہوں گی اور دجال کی شیطانی قوتوں سے سامنا ہوتے ہی ان کو پگھلا کر خاک کر چھوڑیں گی۔ یہ روئے ارض پر دجل و فریب کے علمبرداروں کا آخری

ذلیل ہو گا۔

زیرِ نظر مضمون میں ہم سیدنا مسیح علیہ السلام کے حوالے سے ان اہم پہلوؤں کا تذکرہ کریں گے جن کا عصرِ حاضر میں جینے والے مسلمانوں کا جاننا ضروری ہے۔ سچے دعویداروں اور جھوٹے دعووں کے درمیان کشمکش میں گھرے ہوئے برادرانِ اسلام کو حق و باطل کی عظیم معرکہ آرائی کے دوران حق پر استقامت اور باطل کے خلاف مقاومت کے لیے ضروری ہے کہ سچی حدیثوں کو بیان کیا جائے اور جھوٹے کذابوں کے دجل سے بچا جائے۔ ہماری یہ تحریر دس سوالات یا یوں کہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حوالے سے دس عنوانات پر مشتمل ہے جو ان شاء اللہ اس پوری بحث کا جامع خلاصہ ہوں گے.... لیکن یہ سوالات یا عنوانات بعد میں۔ اس سے قبل چند باتوں کو سامنے رکھنے سے بہت سی الجھنیں حل ہو سکتی ہیں۔

مسلّمہ عقیدہ:

(۱) اللہ کے محبوب پیغمبر سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمانوں پر اٹھایا جانا اور قربِ قیامت میں دوبارہ زمین پر نازل ہونا اہلِ اسلام کا مسلّمہ عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ ماضی بعید میں جہمیہ اور بعض معتزلہ اور ماضی قریب میں سرسید اور مرزا قادیانی اور حال میں چند گمراہ اسکالرز کے علاوہ کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ لہٰذا اس عقیدے پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کفر تک لے جانے والی گمراہی ہے۔ جنہوں نے اس کا انکار کیا وہ معتزلہ کی طرح عقل پرست تھے یا مرزا قادیانی کی طرح نفس پرست (کہ خود کو مسیح قرار دلوانا چاہتے تھے) یا یہود زدہ جدیدیوں کی طرح زر پرست کہ جہاد کے انکار کے لیے (حضرت مسیح علیہ السلام امام المجاہدین ہوں گے) حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول کا انکار کر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ ہر فتنے کی ہر شکل سے محفوظ فرمائے۔

معجزات کی حکمت:

(۲) سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو مختلف قسم کے سچے معجزات دیئے گئے تھے مثلاً: خطرناک بیماریوں میں جکڑے ہوؤں کو اچھا اور مردوں کو زندہ کرنا، مٹی کے بنے پرندوں میں پھونک مارنے سے ان کا زندہ ہو کر پرواز کر جانا، مادرزاد اندھوں کی بینائی لوٹا دینا، وغیرہ وغیرہ۔ بعض حضرات نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس دور میں یونان کے اطباء کے ہاتھوں فن طب عروج پر پہنچ چکا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں آپ کو وہ شفا عطا فرمایا کہ جس تک ماہرین طب کی سوچ بھی نہیں پہنچ سکتی۔ یہ حکمت اپنی جگہ حقیقت ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رکھیے کہ حضرت کے ان معجزات کا تعلق ایک اور نکتے سے بھی ہے۔ یہود بری طرح سے مادیت پرستی کا شکار تھے۔ یعنی دنیا کی محبت اور لذتوں کی شہوت کے آگے اللہ اور یوم آخرت کو بھول چکے تھے۔ حرص و ہوس نے ان کی فطرتیں بھی حقائق سے بیزاری تھیں اور وہ سفلی خواہشات کے غلام ہو کر حلال و حرام کی تمیز بھلا بیٹھے تھے۔ معمولی مفادات کی بنا پر اللہ کی کتاب میں تحریف سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ یہی چیز جو ان کے فتنے کا خلاصہ ہو گی یعنی دنیاداری اور مادیت پرستی۔ فانی روشنیوں کی چکا چوند کے سامنے جنت کی نعمتوں کو بھلا دینا اور وقتی لذتوں اور عارضی مفادات کے بدلے جہنم کا دائمی عذاب خریدنے پر تیار ہو جانا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے روحانی معجزات سے یہود کی اس عقلیت پسندی اور مادیت پرستی پر ضرب لگائی اور انہیں احساس دلایا کہ اللہ کی طاقت تمام مادی طاقتوں سے بالا و برتر ہے۔ زمینی قوتوں کا غلام ہو کر آسمان والے کو بھلا دینا بدترین حماقت ہے۔ آپ نے اپنی روحانی قوتوں کے اظہار سے مادیت پرستوں کو سبق دیا کہ سب کچھ صرف وہی نہیں جو آنکھوں سے نظر آتا ہے، اس سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ یہود نے آپ کی بات نہ مانی لہٰذا آج تک اسی مرض میں مبتلا ہیں اور ان کا مرض [illegible]

کافر ب دجال اکبر چونکہ مادیت پرستی (جو کہ آج کل مغرب کا نظریہ حیات ہے) کا سب سے بڑا علمبردار ہوگا اور اس کی صفوں میں یہودی پیش پیش ہوں گے اس لیے اللہ تعالیٰ آپ کو دوبارہ دنیا میں بھیجے گا کہ اپنی روحانی قوتوں سے دجال کی شیطانی اور یہودی کی مادی قوتوں کو ایک نظر میں پامال کر ڈالیں۔ چنانچہ دجال آپ کو دیکھتے ہی یوں پگھلنا شروع ہو جائے گا جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے یا چربی دھوپ میں گلتی ہے۔ آپ کی سانس جس کافر تک پہنچے گی اسی وقت مر جائے گا اور جہاں تک آپ کی نظر جائے گی وہاں تک آپ کا سانس پہنچے گا۔ یہود جس پتھر یا درخت کے پیچھے چھپیں گے وہی ان کے خلاف مخبری کرے گا۔ اس طرح اللہ کے سچے پیغمبر کے ہاتھوں اس کائنات کا سب سے جھوٹا شخص اور سب سے فریبی اور مکار گروہ اپنے انجام کو پہنچے گا۔

راہ وفا کے راہی:

(3) عیسائی حضرات نے (اللہ ان کو نیک ہدایت دے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محبت تو بہت کی لیکن محبت کی کٹھن راہوں پر چلتے ہوئے جب امتحان عشق میں سرخروئی کا مرحلہ آیا تو سچی محبت کے دو تقاضے فراموش کر گئے: (1) ایک تو مکمل اطاعت اور جاں نثاری۔ (2) دوسرے محبوب کے دشمنوں سے نفرت اور بیزاری۔ لہٰذا ان کا مسئلہ یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کے بجائے ان کو خدا بنا لیا اور آپ کے دشمنوں سے جہاد کے بجائے ان سے دوستی گانٹھ لی۔ دنیا میں ایسی قوم نہ ہوگی جو اپنے پیغمبر کے ساتھ مل کر جان دینے والوں سے تو نفرت اور جنگ کرے جبکہ پیغمبر کی جان لینے کی کوشش کرنے والوں کی حمایت میں اتنی آگے چلی جائے کہ ان کی "گنہگار ریاست" کا دفاعی حصار بن جائے۔ ستم ظریفی ہے کہ عیسائی حضرات باوجود اس عقل و دانش کے جس نے مغرب کی محیر العقول مادی ترقی کو پروان چڑھایا، یہی کچھ کر رہے ہیں۔ مسلمان ان کے پیغمبر حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ

یک جان و یک قالب ہو کر آخری دور کا عظیم ترین جہاد کریں گے اور یہودی مسیح مخالف دجال اکبر کے ساتھ مل کر ان کے پیغمبر کے خلاف ہولناک جنگ لڑیں گے۔ اس کے باوجود عیسائیوں کی نفرت مسلمانوں سے ہے جو سوائے محبت اور ادب کے ان کے پیغمبر کا تذکرہ نہیں کرتے اور ان کی محبت و حمایت یہود سے ہے جو تمام انبیاء کی طرح عیسائیوں کے مسیح پیغمبر کے بھی گستاخ اور بزعم خود قاتل ہیں۔

آخری معرکے کا میدان:

(4) حضرت مسیح علیہ السلام کا انتظار دنیا کے تینوں بڑے مذاہب کر رہے ہیں۔ اسلام، یہودیت اور عیسائیت۔ تینوں میں کسی مسیحا کے منتظر کی پیش گوئی ہے جو نجات دہندہ کے طور پر سامنے آئے گا۔ فرق اتنا ہے کہ یہود مسیح کاذب کو سچا سمجھ کر اپنانا چاہتے ہیں اور مسلمان و عیسائی مسیح صادق کے منتظر ہیں... لیکن ہم نے جو فرق اہمیت کے ساتھ ذکر کرنا ہے وہ یہ کہ عصر حاضر کے یہود اور عیسائی نہایت شدت سے مسیحائے غائب کے ظہور کے منتظر ہیں۔ اہل مغرب کی اکثریت لامذہب یا بے دین ہونے کا عنوان رکھتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس حوالے سے نہایت پرجوش، متجسس اور سرگرم ہیں۔ امریکا میں تقریباً 80 ہزار بنیاد پرست پادری موجود ہیں جن میں سے بہت سے پادری ایک ہزار کرسچن ریڈیو اسٹیشنوں سے تقریر نشر کرتے ہیں اور ان کے ایک سو کرسچن ٹیلی ویژن اسٹیشن بھی ہیں۔ ان میں ایک خاصی بڑی تعداد Dispensationalism کی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کی عنقریب آمد اور عظیم ترین جنگ پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔ بڑی بڑی بااثر تعلیم گاہیں Dispensationalist عقیدے کی تعلیم دیتی ہیں۔ ان میں مودی بائبل انسٹی ٹیوٹ آف شکاگو، فلاڈلفیا کالج آف بائبل، مودی بائبل انسٹی ٹیوٹ آف لاس اینجلز اور ان جیسے تقریباً دو سو کالج اور انسٹی ٹیوٹ شامل ہیں۔ 1998ء میں بائبل اسکولوں کے طلبہ کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ ان میں 80 سے 90 فیصد

جنگی سامان اور جانوروں اور انسانوں کے زندہ جسموں کے دفن ہو جانے کی۔ یہ کیسی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا غیر انسانی عمل کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن اس دن خدا اپنی فطرت کو یہ اجازت دے دے گا کہ اپنے آپ کو پوری طرح ظاہر کر دے۔ دنیا کے سارے شہر لندن، پیرس، ٹوکیو، نیویارک، لاس اینجلز، شکاگو، سب صفحۂ ہستی سے نابود ہو جائیں گے۔"

مشہور امریکی مصنفہ گریس ہال سیل اپنی معرکۃ الآرا کتاب جس کا ترجمہ "امریکا کی عالم اسلام پر یلغار کیوں؟" کے نام سے بندہ کے مضامین اور مصنفہ کے تعارف کے ساتھ شائع ہو چکا ہے، لکھتی ہیں:

"امریکا میں آٹھ سال تک ایک ایسا صدر بھی (رونالڈ ریگن) رہا ہے جسے یقین تھا کہ وہ وقت کے خاتمے پر (قرب قیامت کے دنوں میں) زندہ ہے بلکہ یہ سمجھ کے بیٹھا تھا کہ یہ واقعہ اس کے اقتدار کے زمانے میں ہی پیش آئے گا۔"

صدر بش نے ایک مرتبہ صدا لگائی: "مجھے براہ راست خدا سے ہدایات ملتی ہیں۔"

ایک مرتبہ ایک خلائی سفر کے دوران صدر صاحب موصوف نے بنیاد پرستوں کے خلاف مہم میں پیش پیش ہیں، طیارے میں ہی ایک دعائیہ تقریب منعقد کی جس میں محترمہ کونڈولیزا رائس صاحبہ نے خلائی دعا گزاروں کو مذہبی دعوات کے مطابق سروس فراہم کی۔

یہ تو دو مشہور امریکی صدور کی کارگزاریاں تھیں۔ دیگر امریکیوں کی ذہنیت سے آگاہی کے لیے آئیے مذکورہ بالا مصنفہ کی تحریر سے مزید کچھ اقتباسات دیکھتے ہیں:

☆ "ریورنڈ کلائیڈ ایک مشہور پادری ہیں۔ انھوں نے بائبل کی ایک عبارت کی اس طرح تفسیر کی ہے کہ یہودیوں کے تیسرے ہیکل کی تعمیر لازمی طور پر یروشلم میں مسیح کی دوسری بار آمد سے پہلے ہوگی۔ کلائیڈ سمرز نے بتایا: "تورات کا ریکارڈ بالکل صاف واضح ہوتا ہے کرنے کے لیے کہتے ہیں جس کے بعد ہیکل کی تعمیر کی رسم پوری ہو گی۔ اس

کی خاطر قدیم اسلامی عبادت گاہوں (مسجد اقصیٰ اور گنبد صخرہ) کو مسمار کر دینا ہو گا۔ لوٹ کو یقین ہے کہ خدا کی شراکت سے یہ کام مناسب وقت میں ہو جائے گا۔" (نیو یارک ٹائمز 27 دسمبر 1998ء)

☆..."1998ء کے اواخر میں ایک اسرائیلی خبر نامہ، ویب سائٹ پر دیکھا گیا جس میں کہا گیا کہ اس کا مقصد مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو آزاد کرانا اور ان کی جگہ ایک یہودی ہیکل کی تعمیر ہے۔ خبر نامے میں لکھا ہے کہ اس ہیکل کی تعمیر کا نہایت موزوں وقت آ گیا ہے۔ خبر نامے میں اسرائیلی حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اسلامی قبضے کو مسجد کی جگہ سے ختم کرائے۔ تیسرے ہیکل کی تعمیر بہت قریب ہے۔"

☆...اسرائیل کو اپنے آخری عظیم تاریخی ڈرامے میں اسٹیج کی مکمل تیاری کے لیے بس ایک واقعہ ہونا باقی ہے۔ یہ ہے اس کی قدیمی زمین پر عبادت کے لیے ایک قدیمی عبادت گاہ کی از سر نو تعمیر۔ حضرت موسیٰ کے فرامین کی رو سے ایک ہی جگہ ہے جہاں اس عبادت گاہ کو تعمیر کیا جاتا ہے۔ یہ ہے ماؤنٹ موریا (Mount Moriah)۔ وہی جگہ جہاں اس سے پہلے کی عبادت گاہیں تعمیر کی گئی تھیں یعنی عین مسجد اقصیٰ اور گنبد معراج پر"۔

الغرض! قصہ مختصر! مغرب اپنی مادیت پرستی کے باوجود اس قدر انتہا پسند ہے کہ شدت سے "مسیحا" کا انتظار کر رہا ہے۔ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ مقدس باپ کے آنے کے بعد انہیں آسمان پر اٹھا لیا جائے گا جہاں سے وہ آخری ہولناک جنگ کا منظر بالا تانوں (Sgrand Stand Seats) میں بیٹھ کر کریں گے۔

جبکہ دوسری طرف مسلمان مذہب پسند ہونے کے باوجود اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیش گوئیوں پر ایسے متوجہ نہیں ہیں جیسا کہ دور حاضر میں ان پیش گوئیوں کے آثار قریب دیکھ کر چونکنا اور متوجہ ہونا چاہیے۔ حضرت مسیح کا ساتھ جن لوگوں نے دینا ہے "مسیحا کے انتظار" سے ان کی غفلت سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔

محفلوں اور دعوتوں میں باعث فخر ہو گا گانے بجانے کی آوازوں سے متاثر ہوں گے۔ یہ تمام بڑے بڑے اور کبیرہ گناہ ہیں جو احادیث شریفہ میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ تیسری قسم کا تعلق عجیب و غریب کائناتی واقعات سے ہے۔ یہ دس ہیں اور ان میں سے پانچ کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک ہے اور پانچ کا آپ کے نزول کے بعد سے۔ ان آخری پانچ کو علامات قربیٰ یا کبریٰ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے بعد قیامت بس یوں برپا ہو جائے گی جیسے حاملہ اونٹنی کے آخری دن کہ نجانے کب بچہ جن دے۔ پہلی پانچ علامات تک دنیا پر خیر کا غلبہ ہوگا اور آخری پانچ شر کے کلی غلبہ تک ہوں گی۔ بالآخر سب انسان چاہے خیر کے عامل ہوں یا شر پکار بندہ آخری حساب کے لیے پیش ہو جائیں گے۔

ان پانچ پانچ علامات سے پہلے یہ سمجھیے کہ حضرت مہدی علامات متوسطہ اور علامات قریبہ کے درمیان کی کڑی ہوں گے یعنی جب دنیا پر ہمہ گیر شر اور ظلم غالب ہو کر دائمی اور حتمی غلبہ کے قریب ہوگا اور اہل حق سخت آزمائش میں ہوں گے تو اہل حق کی قیادت کے لیے حضرت مہدی کا ظہور ہوگا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات علامات قریبہ اور علامات قربیٰ کی درمیانی کڑی ہوگی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں پوری دنیا میں اسلام کا نفاذ ہوگا، پھر ان کی وفات کے بعد حالات بدلنے شروع ہو جائیں گے حتیٰ کہ روئے زمین پر شریر ترین لوگ رہ جائیں گے جو سڑکوں پر کھلم کھلا گدھوں کی طرح بدکاری سے بھی نہیں شرمائیں گے۔

پانچ "علامات قریبہ" یہ ہیں: ظہور مہدی، خروج دجال، نزول مسیح، ہر مجدون (Armegadon) نامی عالمگیر جنگ جو اسرائیل کا خاتمہ کرے گی اور یاجوج ماجوج۔

پانچ "علامات قربیٰ" یہ ہیں: (1) خسف یعنی زمین میں دھنس جانے کے تین واقعات۔ ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرۃ العرب میں۔ (2) کائنات میں ہر طرف پھیلا

ہوا دھواں (3) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (4) زمین سے ایک عجیب الخلقت جانور کا نکلنا جو لوگوں سے باتیں کرے گا اور انہیں آخری مرتبہ بداعمالیوں کے برے انجام سے ڈرائے گا۔ (5) یمن سے ظاہر ہونے والی آگ جو لوگوں کو ہنکا کر شام کی طرف لے جائے گی۔

جب حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام علامات قیامت میں سے آخری اقسام کی بیچ کی کڑی ہیں اور حضرت مہدی کا ظہور اس وقت ہوگا جب زمین گناہوں سے اور عالم اسلام کفر کے ظلم و جبر سے بھر جائے گا۔ مسلمان اپنی قیادتوں سے تنگ و نالاں ہوں گے اور کسی نجات دہندہ قائد کا شدت اور بے چینی سے انتظار کر رہے ہوں گے اور اس جبر کے عالم میں بھی کفری پیش قدمی کے سامنے اپنی جہادی مزاحمت جاری رکھیں گے حتیٰ کہ پوری دنیا میں تھوڑا سا ٹکڑا رہ جائے گا جو ان کی پناہ گاہ ہوگا۔ جب یہ سب کچھ "ابھی آنے والا" کے آثار میں سے ہے تو پھر اس دور میں جینے والے مسلمانوں کو ایک رات بھی توبہ کیے بغیر بستر پر جانا اور ایک صبح بھی جہاد اور مجاہدین کی اعانت کی نیت کے بغیر گھر سے نکلنا روا نہیں۔ ان تحریروں کا خلاصہ اور حاصل یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نیک توفیق عطا فرمائے۔

اس تمہید کے بعد ہم حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق چند اہم باتیں ذکر کرتے ہیں جو اس موضوع کو واضح اور صاف کر دیں گی ان شاء اللہ! اس میں ہم نے یہ روش اپنائی ہے کہ خود سے کچھ کہنے کے بجائے دس سوال اٹھائیں گے اور جواب میں حدیث شریف کا ترجمہ مکمل نقل کر دیں گے تاکہ دلچسپی کا عنصر بھی پیدا ہو اور موضوع کی ثقاہت بھی قائم رہے۔ حوالے کے لیے ہم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کی کتاب "علامات قیامت" سے مدد لیں گے۔ ذیل میں دی گئی احادیث کا ترجمہ مذکورہ کتاب سے بعینہٖ لیا گیا ہے۔

مسیحیات سے متعلق دس سوال

(1) آپ ہی کیوں؟

مسیحیت کے حوالے سے سب سے پہلا سوال ذہن میں یہ جنم لیتا ہے کہ یہود اور دجال کے قتل کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہی انتخاب کیوں کیا؟ اور کیا وجہ ہے کہ انہی کو یہ کام سپرد فرمایا گیا؟ حدیث شریف ہمیں بتاتی ہے:

"حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی پیروی کرنے والے کم اور تکذیب کرنے والے زیادہ ہیں تو اس کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کی۔ اللہ نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ میں تم کو (اپنے وقت مقررہ پر طبعی موت سے) وفات دوں گا (پس جب تمہارے لیے طبعی موت مقرر ہے تو ظاہر ہے کہ ان دشمنوں کے ہاتھوں پھانسی وغیرہ پر جان دینے سے محفوظ رہو گے اور (فی الحال) میں تم کو اپنے (عالم بالا) کی طرف اٹھائے لیتا ہوں اور جس کو میں اپنے پاس اٹھا دوں وہ مردہ نہیں۔ اور میں اس کے بعد تم کو کانے دجال پر بھیجوں گا اور تم اس کو قتل کرو گے (آگے فرماتے ہیں کہ) یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی تصدیق کرتی ہے جس میں آپ نے فرمایا

ہے: "ایسی امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے شروع میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ؟"

(الدر المنثور، بحوالہ ابن جریر)

(2) آپ کی پہچان کیسے ہوگی؟

بہت سے لوگ مسیح ہونے کا دعویٰ کرتے کرتے دنیا کو ضلالت سے نکالنے کے بجائے گمراہی میں دھکیل کر چلے گئے۔ اہل حق مسلمان سچے مسیح کو کیسے پہچانیں گے؟ زبان نبوت جواب دیتی ہے: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اور ان کے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں، اور وہ نازل ہوں گے جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا۔ ان کا قد و قامت میانہ اور رنگ سرخ و سفید ہوگا۔ ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑوں میں ہوں گے، سر کے بال اگرچہ بھیگے نہ ہوں تب بھی (چمک اور صفائی کی وجہ سے) ایسے ہوں گے کہ گویا ان سے پانی ٹپک رہا ہے۔ اسلام کی خاطر کفار سے قتال کریں گے۔ پس صلیب توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ بند کر دیں گے۔ اور اللہ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام مذاہب کو ختم کر دے گا اور (انہی کے ہاتھوں) مسیح دجال کو ہلاک کرے گا۔ پس عیسیٰ علیہ السلام زمین میں چالیس سال رہ کر وفات پائیں گے، اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ (ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، مسند احمد، صحیح ابن حبان، ابن جریر) صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مزید علامات بیان فرمائی گئی ہیں: "رجل آدم کاحسن ما انت راءٍ من آدم الرجال سبط الشعر له لمة کاحسن ما انت راءٍ من اللمم تضرب لمته بين منكبيه يقطر راسه ماءً ربعة احمر كانما خرج من ديماس" عیسیٰ علیہ السلام نہایت حسین گندمی رنگ کے ہوں گے۔ بال بہت گھنگھریالے نہیں ہوں گے۔ بالوں کی لمبائی شانوں تک ہوگی۔ سر سے پانی ٹپکتا ہوگا۔ معتدل جسم و قامت کے ہوں گے۔ سرخی مائل رنگ ہوگا۔ جیسے

ابھی حمام سے (غسل کر کے) آئے ہوں۔

(3) آپ کے ساتھی کون ہوں گے؟

آپ علیہ السلام کن لوگوں کے درمیان نازل ہوں گے؟ کس وقت اور کس کیفیت میں نازل ہوں گے؟ جن خوش نصیب لوگوں میں آپ اتریں گے وہ کن صفات کی بنا پر اس عظیم سعادت کے مستحق ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے مقدس پیغمبر کی رفاقت ان کو نصیب ہوگی؟ لسانِ نبوت ہمیں آگاہ فرماتی ہے:

☆ ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری اُمت میں ایک جماعت (قربِ) قیامت تک حق کے لیے سربلندی کے ساتھ برسرِ پیکار رہے گی۔ فرمایا: پس عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے تو اس جماعت کا امیر ان سے کہے گا: ''آئیے! نماز پڑھائیے'' آپ فرمائیں گے نہیں! اللہ نے اس اُمت کو اعزاز بخشا ہے اس لیے تم (ہی) میں سے بعض بعض کے امیر ہیں۔ (مسلم واحمد)

☆ ''وہ آخری بار اردن کے علاقے میں 'افیق' نامی گھاٹی پر نمودار ہوگا۔ اس وقت جو شخص بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوگا اردن کے علاقے میں موجود ہوگا۔ (مسلمانوں اور دجال کے لشکر کے درمیان جنگ ہوگی جس میں) وہ ایک تہائی مسلمانوں کو قتل کر دے گا۔ ایک تہائی کو شکست دے کر بھگا دے گا اور ایک تہائی کو باقی چھوڑ دے گا۔ رات ہو جائے گی تو بعض مومنین بعض سے کہیں گے کہ تمہیں اپنے رب کی خوشنودی کے لیے اپنے (شہید) بھائیوں سے جا ملنے (شہید ہو جانے) میں اب کس چیز کا انتظار ہے؟ جس کے پاس کھانے کی کوئی چیز زائد ہو وہ اپنے (مسلمان) بھائی کو دے دے۔ تم فجر ہوتے ہی (عام معمول کی بہ نسبت) جلدی نماز پڑھ لینا، پھر دشمن کے مقابلے پر روانہ ہو جانا۔

پس جب یہ لوگ نماز کے لیے اٹھیں گے تو عیسیٰ علیہ السلام ان کے سامنے نازل ہوں گے اور نماز ان کے ساتھ پڑھیں گے۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ (ہاتھ سے) اشارہ کرتے ہوئے فرمائیں گے: میرے اور دشمن خدا (دجال) کے درمیان سے ہٹ جاؤ (تاکہ مجھے دیکھ لے) ابوحازم (جو اس حدیث کے راویوں میں سے ایک ہیں) کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دجال (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی) ایسا پگھلے گا جیسے دھوپ میں چربی پگھلتی ہے اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ (ایسا پگھلے گا) جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے اور اللہ دجال اور اس کے لشکر پر مسلمانوں کو مسلط کر دے گا چنانچہ وہ ان سب کو قتل کر دیں گے۔ حتیٰ کہ شجر و حجر بھی پکاریں گے کہ اے اللہ کے بندے! اے رحمٰن کے بندے! اے مسلمان! یہ یہودی ہے۔ اسے قتل کر دے۔ غرض اللہ تعالیٰ ان سب کو فنا کر دے گا اور مسلمان فتح یاب ہوں گے۔ پس مسلمان صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ بند کر دیں گے۔"

☆ "اب عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔ پس لوگوں کی آنکھوں اور ناکوں کے درمیان سے تاریکی ہٹ جائے گی (یعنی اتنی روشنی ہو جائے گی کہ لوگ ناکوں تک دیکھ سکیں گے) اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم پر ایک زرہ ہوگی، پس لوگ ان سے پوچھیں گے آپ کون ہیں؟ وہ فرمائیں گے: "میں عیسیٰ ابن مریم اللہ کا بندہ اور رسول ہوں اور اس کی (پیدا کردہ) جان اور اس کا کلمہ ہوں (یعنی باپ کے بغیر محض اس کے کلمہ "کن" سے پیدا ہوا ہوں) تم تین صورتوں میں سے ایک کو اختیار کر لو کہ (1) اللہ دجال اور اس کی فوجوں پر بڑا عذاب آسمان سے نازل کر دے۔ (2) ان کو زمین میں دھنسا دے۔ (3) ان کے اوپر تمہارے اسلحہ کو مسلط کر دے اور ان کے ہتھیاروں کو تم سے روک دے۔ مسلمان کہیں گے: "اے اللہ کے رسول! یہ (آخری) صورت ہمارے لیے اور ہمارے قلوب کے لیے زیادہ

طمانیت کا باعث ہے چنانچہ اس روز تم بہت کھانے پینے والے (اور) ذلیل و ذول والے یہودی کو (بھی) دیکھو گے کہ ہیبت کی وجہ سے اس کا ہاتھ تلوار نہ اٹھا سکے گا۔ پس مسلمان (پہاڑ سے) اتر کر ان کے اوپر مسلط ہو جائیں گے اور دجال جب (عیسیٰ) ابن مریم کو دیکھے گا تو سیسہ (یا رانگ) کی طرح پگھلنے لگے گا حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام اسے جا لیں گے اور قتل کر دیں گے۔"

(4) آپ کا مشن کیا ہوگا؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کس کام کے لیے تشریف لائیں گے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پیغمبر کی حیثیت سے نہیں آئیں گے کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی یا پیغمبر نہیں آئے گا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ البتہ ان کی آمد اس لیے ہوگی: "عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام میری امت کے ایک منصف حکمران ہوں گے۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو ہلاک کریں گے اور جزیہ ختم کر دیں گے۔" (ابن ماجہ، کتاب الفتن، 4077، اقتباس 20-58)

منصف حکمران سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشن اسلام کی حکمرانی کو پوری دنیا پر قائم کرنا ہوگا۔ خنزیر کو ہلاک کرنے اور صلیب کو توڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صلیب کی عبادت کرتے ہیں وہ اس کی عبادت چھوڑ دیں گے اور جو خنزیر کھاتے ہیں وہ اسے کھانا چھوڑ دیں گے۔ دراصل ان دو لفظوں میں دو اہم حقیقتوں کا اظہار کیا گیا ہے۔ عیسائیت نے یہودیت کی سازش سے جناب مسیح علیہ السلام کے دین میں جو بے اصل چیزیں داخل کیں ان میں سے عقائد میں سب سے زیادہ وہ عقیدہ ہے جسے صلیب ظاہر کرتی ہے اور اعمال میں زیادہ بدعمل خنزیر کھانا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجودہ تحریف شدہ عیسائیت کی تنسیخ اور دنیا سے اس کا خاتمہ کرنے کے لیے علامتی طور پر صلیب توڑیں گے اور خنزیر کھانے پر پابندی عائد

مذہب قبول کرلیں گے) بہ الفاظ دیگر سائنسی ترقی اپنے عروج پر ہوگی۔ دوسری طرف
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی کی حیثیت سے اور اللہ کے حکم سے یہ معجزے (مردوں کو زندہ
کرنا) دکھا چکے ہیں۔ وہ یہ معجزہ دوبارہ دکھا سکتے ہیں۔ یہ ایک مقابلہ معجزاتی قوتوں کا سائنسی
قوتوں سے ہوگا اور معجزاتی قوتیں فتح پائیں گی اور اس وقت پھر اللہ تعالیٰ اپنے ماننے والوں کو
بھٹکنے اور دجال کو اپنا خدا ماننے کی گمراہی سے بچائے گا۔

(6) مدت قیام:

زمین پر نزول اور خاتمے کے بعد آپ علیہ السلام کتنا عرصہ یہاں رہیں گے؟ عالمی
خلافت اسلامیہ کے قیام کے بعد آپ کا مسلمانوں کے ساتھ رہن سہن اور بود و باش کیسی
ہوگی؟ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

☆ ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں (نازل ہونے کے اکیس سال بعد) نکاح
کریں گے اور (نکاح کے بعد) دنیا میں انیس سال قیام فرمائیں گے۔ (اس طرح دنیا میں
قیام کی کل مدت چالیس سال ہو جائے گی جیسا کہ پیچھے صحیح احادیث میں گزرا ہے) (فتح
الباری، بحوالہ نعیم بن حماد)

☆... روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ جذام کے وفد سے
فرمایا: ''شعیب علیہ السلام کی قوم اور موسیٰ علیہ السلام کی سسرال کا (یعنی تمہارا) آنا مبارک
ہو۔ اور قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک مسیح علیہ السلام تمہاری قوم میں نکاح نہ
کریں اور ان کی اولاد پیدا نہ ہو۔''

قبیلۂ جذام قوم شعیب ہی کی ایک شاخ ہے اور قوم شعیب کا حضرت موسیٰ کی
سسرال ہونا قرآن کریم (سورۂ قصص کی آیت) سے ثابت ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نازل ہونے کے بعد قبیلۂ جذام کی کسی خاتون سے نکاح فرمائیں گے اور ان کی اولاد بھی ہوگی۔ اس طرح اس قبیلہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سسرال ہونے کا شرف بھی حاصل ہو جائے گا۔"

(7) موضعِ نزول:

آپ علیہ السلام کہاں نازل ہوں گے؟

حضرت اوس بن اوس الثقفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم دمشق کی جانب مشرق میں سفید مینار کے پاس نازل ہوں گے۔

(الدر المنثور بحوالہ طبرانی: کنز العمال، ابن عساکر وغیرہ)

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام دمشق کے مشرقی دروازہ پر سفید پل کے پاس اس طرح نازل ہوں گے کہ ان کو ایک بادل نے اٹھا رکھا ہوگا وہ اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کاندھوں پر رکھے ہوئے ہوں گے ان کے جسم پر دو ملائم کپڑے ہوں گے جن میں سے ایک کو تہبند بنا کر باندھا ہوا ہوگا دوسرے چادر کے طور پر اوڑھا ہوگا جب سر جھکائیں گے تو اس سے چاندی کے موتی (کی طرح پانی کے قطرے) ٹپکیں گے۔ (تاریخ دمشق ابن عساکر: 218، ج: 1)

(8) عالمی خلافت کے قیام کے بعد کے حالات:

(6) آپ کے دور کے حالات کیا ہوں گے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کے آخر میں ارشاد ہے "اور عیسیٰ ابن مریم نازل ہو کر اس (دجال) کو قتل کریں گے۔ اس کے بعد لوگ چالیس سال تک زندگی سے اس طرح لطف اندوز ہوں گے کہ نہ کوئی مرے گا، نہ کوئی بیمار ہوگا (یا نہ بھی کسی کو جانی مالی نقصان پہنچائیں گے [illegible]) آدمی اپنی بکریوں اور چوپایوں سے کہے گا جاؤ گھاس وغیرہ چرو۔ [illegible] کے لیے ابھی

بغیر بچھوا ہے کے بیج دے گا) اور وہ بکری، بھیڑیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے کھیت کا ایک خوشہ بھی نہ کھائے گی (بلکہ صرف گھاس اور وہ چیزیں کھائے گی جو جانوروں ہی کے لئے ہیں تاکہ زراعت کا نقصان نہ ہو) اور سانپ اور بچھو کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں گے۔ اور درندے گھروں کے دروازوں پر (بھی) کسی کو ایذا نہ دیں گے اور آدمی زمین میں ہل چلائے بغیر ہی ایک مد گندم بوئے گا تو اس سے سات سو مد (گندم) پیدا ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح علیہ السلام کے نزول کے بعد زندگی بڑی خوشگوار ہوگی، بادلوں کو بارش برسانے اور زمین کو نباتات اگانے کی اجازت مل جائے گی حتیٰ کہ اگر تم اپنا بیج سخت پتھر پر بھی بو دو گے تو اگ آئے گا اور (امن و امان کا) یہ عالم ہوگا کہ آدمی شیر کے پاس سے گزرے گا تو شیر نقصان نہ پہنچائے گا اور سانپ پر پاؤں رکھ دے گا تو وہ کچھ نہ کہے گا۔ (لوگوں کے مابین) نہ بخل ہوگا نہ حسد اور نہ کینہ۔ (کنز العمال بحوالہ ابونعیم)

(9) انتقال اور وفات:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے خیال ہوتا ہے کہ میں آپ کے بعد زندہ رہوں گی تو کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کے پہلو میں دفن کی جاؤں؟" آپ نے فرمایا: "وہ جگہ تمہیں کیسے مل سکتی ہے؟ وہاں میری، ابوبکر، عمر اور عیسیٰ بن مریم کی قبر کے علاوہ کسی کی جگہ نہیں ہے۔"

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ تورات میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفات لکھی ہوئی ہیں اور (یہ کہ) عیسیٰ ابن مریم ان کے پاس دفن کیے جائیں گے۔ (ترمذی، بحوالہ المشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث موقوف میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔ نیز انہی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ”عیسیٰ ابن مریم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو رفیقوں کے ساتھ دفن کیا جائے گا یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی قبر چوتھی ہوگی۔“ (رواہ البخاری فی تاریخہ و الطبرانی کما فی الدر المنثور)

(10) آپ کے بعد:

آپ کے بعد مسلمانوں پر اور اس دنیا پر کیا بیتے گی؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم نازل ہو کر دجال کو قتل کریں گے اور چالیس سال (دنیا میں) رہیں گے۔ لوگوں میں کتاب اللہ اور میری سنت کے مطابق عمل کریں گے اور ان کی موت کے بعد لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت کے مطابق (قبیلہ) بنی تمیم کے ایک شخص کو آپ کا خلیفہ مقرر کریں گے جس کا نام مقعد ہوگا۔ مقعد کی موت کے بعد لوگوں پر تیس سال گزرنے نہ پائیں گے۔ قرآن پاک لوگوں کے سینوں اور ان کے مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا۔ بعض روایت حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد قیامت بہت جلد آجائے گی اور مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ایک سو تیس سال ضرور لگیں گے اس سے دونوں واقعوں میں تضاد کا شبہ ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اگرچہ ایک سو تیس سال کی مدت ہوگی مگر یہ ایک سو تیس سال نہایت سرعت سے گزر جائیں گے۔ حتی کہ ایک سال ایک مہینے کے برابر اور ایک مہینہ ایک ہفتہ کی برابر اور ایک ہفتہ ایک دن کی برابر ایک دن ایک گھنٹے کی برابر محسوس ہوگا۔ اوقات میں شدید بے برکتی کی وجہ سے۔ مسند احمد کی ایک حدیث شریف میں صاف طور پر اس مضمون کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

روایات کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد قیامت تک کم از کم ایک سو بیس سال ضرور گزریں گے مثلاً: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اثر میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد قیامت سے پہلے ایک سو بیس برس تک عرب لوگ شرک و بت پرستی میں مبتلا رہیں گے؟!؟! اور فتح الباری میں تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ آفتاب کے مغرب سے طلوع کے بعد لوگ دنیا میں ایک سو بیس سال تک رہیں گے پھر قیامت آئے گی۔

تیسرا باب

دجالیات

☆ دجال کون ہے؟

☆ دجال کہاں ہے؟

☆ دجال کب برآمد ہوگا؟

☆.... دجال کی دعوت، دجالی فتنہ کی نوعیت و حقیقت

☆ دجال کے پیروکار، دجالی قوتوں کا تعارف

☆.... دجال سے بچنے کے لیے روحانی و تزویراتی تدابیر

ساتھ پیش کرے گا اور اللہ کے بندوں کو شکوک وشبہات میں ڈال دے گا۔

''دجال'' عربی زبان میں جعل ساز، ملمع ساز اور فریب کار کو بھی کہتے ہیں۔ ''دجل'' کسی نقلی چیز پر سونے کا پانی چڑھانے کو کہتے ہیں۔ دجال کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ جھوٹ اور فریب اس کی شخصیت کا نمایاں ترین وصف ہوگا۔ وہ ظاہر کچھ کرے گا اندر کچھ ہوگا۔ اس کے تمام دعوے، منصوبے، سرگرمیاں اور پروگرام ایک ہی محور کے گرد گردش کریں گے اور وہ ہے: دجل اور فریب۔ اس کے ہر قول پر دھوکا دہی اور خلط بیانی کا سایہ ہوگا۔ اس کی کوئی چیز، کوئی عمل، کوئی قول اس شیطانی عادت کے اثر سے خالی نہ ہوگا۔

اس کا ایک معنی ایسی مرہم یا لیپ جس کی تہ جلد پر بچھا کر بدنمائی چھپائی جاتی ہے۔ آپ اس تعریف کو سامنے رکھیں اور ان خوشنما الفاظ کو دیکھیں جنہیں مغربی میڈیا (جو دجال کی چیکی عالمی پریس کا فریضہ سے لے کر اس کے عالمی وحتمی اقتدار تک اس کی تائید کا فریضہ انجام دے گا) نے وضع کر رکھا ہے اور ان کے سہارے اپنی خونخواری، سنگدلی اور قتل وغارت گری کو چھپا رکھا ہے۔ مثلاً انسانی حقوق، اشتراکیت، جمہوریت، معاشی خوشحالی، معاشرتی مساوات، طلاق، بہبودی خاطر خاندانی منصوبہ بندی، فنون لطیفہ، قانون ودستور ..... یہ سب الفاظ محض فریب ہیں۔ ان کے پیچھے صرف سراب ہے۔

دجال اکبر کا نام مسیح کیوں رکھا گیا؟ اس کے بارے میں بہت سارے اقوال ہیں مگر سب سے زیادہ واضح قول یہ ہے کہ دجال کو مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے اس کی ایک آنکھ اور ابرو نہیں ہے۔ ابن فارس کہتے ہیں: ''مسیح وہ ہے جس کے چہرے کے دو حصوں میں سے ایک حصہ مٹا ہوا ہو، اس میں نہ آنکھ ہو اور نہ ہی ابرو۔ اسی لیے دجال کو مسیح کہا گیا ہے۔ پھر انہوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے: ''الدجال ممسوح العین علیہا ظفرۃ غلیظۃ۔'' ''دجال کی

پر بھرپور توجہ نہیں دیں گے، عوام کہاں اس کی زحمت گوارا کریں گے کہ اس عالمگیر فتنے سے آگاہی حاصل کریں اور اس سے حفاظت کے تقاضوں کو سمجھیں؟ زیر نظر تحریر کا مقصد تجسس پھیلانا نہیں، حفاظت ایمان کی دعوت کو آگے بڑھانا اور شیطانی فتنوں سے اپنی، اپنے متعلقین اور اہل اسلام کے تحفظ کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

دجال کون ہے؟ اس حوالے سے مختلف باتیں کی جاتی رہی ہیں۔ بعض تو اتنی مضحکہ خیز ہیں کہ بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ ہم ان سے صرف نظر کرتے ہوئے یہاں تین مشہور اقوال ذکر کرکے ان پر تبصرہ کرتے ہوئے چلیں گے۔

دجال کون ہے؟

(1) سامری جادوگر:

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کو گمراہ کرکے شرک میں مبتلا کرنے والا سامری درحقیقت دجال تھا۔ دجال کو عالم اشیاء میں تصرف کا جو بھرپور اختیار دیا گیا ہے اس کے تحت سونے سے بنائے گئے بچھڑے کو متحرک، جاندار اور آواز نکالنے والا بنا دینا کچھ بھی بعید نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو انتہائی سخت جرم سرزد ہونے کے باوجود اسے جانے دیا اور جو بنی اسرائیل اس کے ورغلانے پر شرک میں مبتلا ہوئے تھے ان کی توبہ یہ طے ہوئی کہ ان کو قتل کیا جائے۔ آپ نے سامری سے فرمایا: "وان لک موعدا لن تخلفہ" "بے شک تیرے لیے ایک وقت مقرر ہے جس سے تو آگے پیچھے نہ ہو سکے گا۔" یہ اس لیے کہ سامری کو اگر اس وقت قتل نہ کیا جاتا تو وہ نہ مرتا، دجال جو مسیح کاذب ہے، کی موت تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر لکھی ہوئی ہے جو مسیح صادق ہیں۔ جب سامری سے کہا گیا "اذھب... فان لک فی الحیوۃ

ان تقول لا مساس" "چلا جا تیری یہی سزا ہے کہ زندگی بھر کہے گا مجھے نہ چھونا" تو دجال [illegible] کی یہ سامری مجروح حالت میں وہاں سے غائب ہو گیا اور اب کہیں روپوش ہے۔

یہ رائے حال ہی میں دجالیات کے حوالے سے شہرت پانے والے مصنف جناب اسرار عالم کی ہے۔ اس کی تائید میں کوئی قوی بنیاد ہمیں نہیں ملی اور سامری جادوگر کے بارے میں جو تفصیلات کتب تفسیر و تاریخ میں وارد ہوئی ہیں وہ دجال پر منطبق ہوتی دکھائی نہیں دیتیں۔ مثلاً: وہ یک چشم نہ تھا۔ اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہیں قید نہیں کیا تھا جبکہ دجال بیڑیوں میں مقید ہے۔ سامری کو تاحیات سزا دی گئی تھی کہ وہ ہر آنے والے سے یہ کہتا تھا: "مجھے مت چھوؤ۔" دجال ایسا نہ کہے گا۔ وہ تو ساری دنیا کو اپنے قریب کرنے کی فکر میں ہوگا۔ پھر اگر سامری ہی دجال ہوتا تو حدیث شریف میں کہیں کوئی اشارہ ملنا چاہیے تھا۔ دجال کے متعلق حدیث شریف میں تفصیلی معلومات ہیں لیکن کہیں یہ ذکر نہیں کہ وہ ہزاروں سال پہلے والا سامری تھا۔

(2) حیرم آبیف:

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ اس سے حیرم آبیف (یا آخر و آصف) مراد ہے۔ یہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں ہیکل سلیمانی کے تعمیر کرنے والے معماروں (ماسٹر میسنز) کا سربراہ (گرینڈ ماسٹر) تھا اور جنات سے تعلق رکھتا تھا۔ یہودی مذہبی داستانوں کے مطابق اس کو (معاذ اللہ) فرشتوں نے کائنات کی تعمیر کے جادوئی راز بتا دیے تھے۔ اس سے وہ راز لینے کے لیے اسے قتل کر دیا گیا۔ یہود کی بدقسمتی دیکھیے کہ وہ اللہ کے سچے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام سے اپنی نسبت کرتے ہیں لیکن ان کی اطاعت نہیں کرتے۔ ان پر جادو کے جھوٹے بہتان اٹھاتے ہیں جبکہ دوسری طرف وہ حیرم آبیف کو دیوتا (الوہی شخصیت) تصور کرتے ہیں۔ ان کے مطابق قرآن شریف میں جو یہ مذکور ہے: "اور (ہم

نے) جنوں کو اس (سلیمان) کا تابع فرمان بنادیا جن میں ہر قسم کے معمار اور غوطہ خور تھے۔" ان معمار جنوں میں جیرم آبیف بھی تھا۔ نیز آیت قرآنی "اور ہم نے آزمایا سلیمان کو اور ڈال دیا اس کی کرسی پر ایک جسم ......" سے یہی جیرم آبیف مراد ہے جس نے مسخ شدہ یہودی روایات کے مطابق سلیمانی انگوٹھی چرائی تھی اور تخت سلیمانی پر قابض ہو گیا تھا۔ اس اسرائیلی روایات کو ہمارے مفسرین نے بھی نقل کیا ہے اور اس پر سخت تردید کی ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت بیان کرتے ہیں جو ابن کثیر رحمہ اللہ کے مطابق یہودی علماء سے لی گئی ہے:

"حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ بیت المقدس اس طرح تعمیر کریں کہ لوہے کی کوئی آواز سننے میں نہ آئے۔ انہوں نے بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ تب انہوں نے ایک جن کے بارے میں سنا جس کا نام صخر یا آصف تھا۔ وہ اس تکنیک سے آگاہ تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے آصف کو بلایا۔ اس نے ہیرے کے ساتھ پتھروں کو کاٹنے کا عمل دکھایا۔ اس طریقہ سے شرط پوری ہوئی۔ چنانچہ ہیکل سلیمانی یا بیت المقدس تعمیر ہو گیا۔ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام غسل کے لیے جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنی انگوٹھی آصف کے حوالے کی۔ یہ انگوٹھی بہت مقدس اور سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کی مہر تھی (ایک اور روایت کے مطابق سلیمان علیہ السلام نے یہ انگوٹھی اپنی ایک بیوی کو دی جس سے آصف نے لے لی۔) آصف نے یہ انگوٹھی سمندر میں پھینک دی اور خود سلیمان علیہ السلام کا روپ دھار لیا۔ اپنا چہرہ اور وضع قطع تبدیل کر لی۔ اس طرح آصف نے سلیمان علیہ السلام کی سلطنت اور تخت چھین لیا۔ آصف نے سلیمان علیہ السلام کی ہر چیز پر قبضہ حاصل کر لیا سوائے بیویوں کے۔ اب اس نے ایسی بہت سی چیزیں کرنا شروع کر دیں جو اچھی نہیں تھیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک صحابی تھے جس طرح عمر رضی اللہ عنہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ ان کو شبہ ہو گیا کہ سلیمان علیہ السلام کے روپ میں آصف ہے۔ چنانچہ انہوں نے آصف کا امتحان لیا۔ ساتھی نے آصف سے ایک سوال پوچھا جس کا جواب اس نے تورات کی تعلیمات کے خلاف دیا۔ اب سب لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ یہ شخص سلیمان علیہ السلام پیغمبر نہیں۔ انجام کار حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی سلطنت بھی واپس لے لی اور آصف کو گرفتار کر لیا۔" (تفسیر ابن کثیر۔ ج:4، ص:400)

یہودی چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سچے پیروکار اور ماننے والے نہیں تھے انہوں نے اس داستان میں کئی توہین آمیز واقعات شامل کر دیے ہیں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اہل کتاب (یہودیوں) کا ایک گروہ اس بات پر ایمان نہیں رکھتا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اس لیے زیادہ امکان یہی ہے کہ انہی لوگوں نے یہ داستانیں وضع کر لی ہوں۔"

الغرض حیرام آبیف نامی انسانی جن یا جناتی انسان یہود کی محرف داستانوں کے مطابق "کائنات کا گرینڈ آرکیٹیکٹ" تھا۔ اسے مقدس ہیکل کے کلس پر لے جایا گیا۔ اس کی ایک آنکھ خراب تھی۔ اس پر مرتے وقت تشدد کیا گیا جس سے اس کا حلیہ بگڑ گیا۔ یہود کے نزدیک "G" کا حرف اشارہ God کی طرف نہیں ہے The Grand Architect Of The Univers کا مخفف ہے۔

یہود اس کو اپنا دیوتا اور مسیحا خیال کرتے ہیں اور کلوننگ کے ذریعے اس کو دوبارہ زندہ کرنے کی امید پر سائنسی تجربات کیے جا رہے ہیں۔ فری میسن کی تیسری ڈگری کی تقریب (یہ آخری ڈگری ہے جو غیر یہودیوں کو دی جاتی ہے) میں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ "ما آت نیب سیکن آبا آت یا آ" یہ قدیم مصری زبان ہے۔ اس کا معنی ہے

''عظیم ہے فری میسنری کا مقتدا ماسٹر، عظیم ہے فری میسنری کا جد ہے۔'' اس میں ''معمار، ماسٹر'' سے یہی عظیم انسان عظیم جسم قسم کا بدعقیدہ و بدعمل شخص مراد ہے۔ یہودی چونکہ اس مردہ کو زندہ کر کے اٹھانے کی فکر میں ہیں لہٰذا وہ ماسٹر حسین بنانے کی تقریب کو ''Raise'' (اٹھنے) کی تقریب کہتے ہیں، بنانے کی تقریب نہیں کہتے۔ یہودی اپنے ماسٹر اور کائنات کے گرینڈ آرکیٹیکٹ کی نعش کو جینیٹک سائنس میں مہارت کے ذریعے اٹھانے کی امید ہے۔

یہ راز یہودی مخصوص مذہبی روایات کے مطابق تو درست ہو سکتی ہے..... مگر فی الحقیقت کسی طرح صحیح نہیں۔ اس لیے کہ حدیث شریف کے مطابق دجال مردہ نہیں، زندہ ہے۔ اس کی نعش کسی سائنسی عمل سے زندہ نہیں ہوگی۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا اس کے جناتی قسم کے زندہ وجود کو دنیا میں فساد پھیلانے کے لیے رہائی مل جائے گی۔ کسی مفسر، محدث، مؤرخ یا محقق نے آج تک یہ بات نہیں کہی کہ دجال ہیکل سلیمانی کے معماروں میں شامل تھا پھر اسے مار دیا گیا اور پھر اسے یہودی زندہ کریں گے۔ جہاں تک بات یہودی مذہبی داستانوں کی ہے تو ان کا کیا کہا جائے؟ یہودی بربادی کا سبب یہی گھڑی ہوئی کہانیاں ہی تو ہیں۔

خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ دجالیت دراصل جھوٹی خدائی کا دوسرا نام ہے وغیرہ وغیرہ۔

جو حضرات اس رائے کو اہمیت دیتے ہیں وہ دو طرح کے ہیں: (1) کچھ تو احادیث کا علم نہ ہونے اور غلط فہمی کی بنا پر ایسا سمجھتے ہیں۔ ان کے پیش نظر کوئی غلط مقصد نہیں۔ یہ لوگ معذور ہیں۔ (2) کچھ جان بوجھ کر کسی خاص مقصد (مثلاً یہودیت کی خدمت اور مسلمانوں کو دجالی فتنے سے بے خبر رکھ کر دجال کی راہ ہموار کرنے) کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ یہ خود دجال ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ الدجال الاکبر سے پہلے تیس جھوٹے دجال نکلیں گے۔ ایک حدیث میں تو ستر سے کچھ اوپر دجالوں کا ذکر ہے۔ دونوں باتیں اور دونوں اعداد اپنی جگہ درست ہیں۔ کچھ دجال بڑی کیٹگری کے ہوں گے کچھ چھوٹی کیٹگری کے۔ پہلے تیس ہوں گے۔ دوسری قسم ستر سے کچھ اوپر ہوگی۔ احادیث کو جس نے سرسری نظر سے بھی دیکھا ہے اسے یقین ہے کہ دجال کوئی ملک نہیں، ایک متعین شخص ہے جس کو انسانوں کی آزمائش کے لیے غیر معمولی صلاحیت اور طاقتیں دی گئی ہیں لیکن وہ ان کو ہمیشہ غلط مقاصد کے لیے استعمال کرے گا۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ دجال اور دجالیت پر اپنی مشہور کتاب "معرکہ ایمان و مادیت" کے صفحہ 135 پر فرماتے ہیں:

"جن احادیث میں دجال کا ذکر آیا ہے اور اس کے اوصاف و علامات بیان کیے گئے ہیں، وہ تواتر معنوی کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ ان میں اس بات کی صاف وضاحت ہے کہ وہ ایک معین شخص ہوگا جس کے کچھ معین صفات ہوں گے۔ وہ ایک خاص اور معین زمانہ میں ظاہر ہوگا (جس کی صحیح تاریخ اور وقت سے ہم کو آگاہ نہیں کیا گیا ہے) نیز ایک معین قوم میں ظاہر ہوگا جو یہود ہیں۔ اس لیے ان تمام وضاحتوں کی موجودگی میں نہ اس کے انکار کی گنجائش ہے نہ ضرورت۔ احادیث میں اس کا بھی تعین کر دیا گیا ہے کہ وہ فلسطین میں ظاہر ہوگا اور وہیں اس کو وقتی غلبہ حاصل ہوگا۔ درحقیقت فلسطین وہ آخری اسٹیج ہے جہاں

ایمان و مادیت اور حق و باطل کی یہ کشمکش جاری ہے اور منظر عام پر آنے والی ہے۔ ایک
طرف اخلاقی اور قانونی حقوق رکھنے والی قوم ہے جس کا سب سے بڑا ہتھیار اور سب سے
بڑی وسیلہ یہ ہے کہ وہ دین اور دعوت الی اللہ کے حامل ہیں اور انسانیت کی فلاح اور
مساوات کے داعی ہیں۔ دوسری طرف وہ قوم ہے جو ایک خاص نسل اور خون کے تقدس
و برتری کی قائل ہے اور پورے عالم اور انسانیت کے سارے وسائل کو اس نسل اور عنصر کے
اقتدار و سیادت کے اندر لے آنا چاہتی ہے اور فنی صلاحیتوں اور علوم طبعیہ کے وسائل
و ذرائع کا بہت بڑا ذخیرہ اس کو حاصل ہے۔ انسانیت کے اس حقیقی اور فیصلہ کن معرکے کے
آثار مشرق عربی اور مشرق اسلامی کے افق پر اب ظاہر ہو چکے ہیں اور حالات و واقعات وہ
مناسب فضا اور ماحول تیار کر رہے ہیں جس میں یہ کہانی اپنے سچے کرداروں کے ساتھ
دہرائی جائے گی۔"

اس عبارت کو غور سے پڑھا جائے تو مضمون کے شروع میں دیے گئے تینوں
سوالات کے جوابات آجاتے ہیں (دجال کون ہے؟ کہاں ہے؟ کب برآمد ہوگا؟) لیکن ہم
ان تینوں کی تشریح نہیں کرتے۔ فی الحال ہم پہلے سوال پر چل رہے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگرچہ امریکا کی دجالی خصوصیات میں شک نہیں لیکن وہ دجال
نہیں، البتہ امریکا کی تہذیب جو سراسر مادیت پرستی پر قائم ہے دجالی تہذیب ضرور ہے۔
بلکہ دجال اپنے ظہور کے بعد جو کام دنیا میں کرے گا، امریکی استعمار یہود کے ورغلانے سے
(دجال کو سچا نجات دہندہ سمجھ کر) اس کی راہ ہموار کر رہا ہے۔ دجال کو حقیقی آسمانی خدائی کے
مقابلے میں فرضی زمینی خدائی کے لیے جو وسائل درکار ہیں، امریکا بلکہ پورا مغرب انہیں مہیا
کرنے کے لیے دن رات سائنسی تحقیقات میں لگا ہوا ہے اور یہودی سائنس دانوں کے
ساتھ مل کر نت نئی محیر العقول چیزیں ایجاد کر کے اس کی عالمی حکومت کی بنیادیں مضبوط

کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر رہا ہے۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود امریکا دجال نہیں۔ کیونکہ دجال کسی ملک یا حکومت کا نام نہیں بلکہ ایک متعین شخص کا نام ہے۔

آئیے! ذرا ایک نظر ان احادیث پر جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الدجال الاکبر (مسیح کاذب) ایک مخصوص حلیہ رکھنے والا انسان ہوگا:

☆ "وہ (الدجال، مسیح کاذب) ایک نوجوان مرد ہوگا۔ اس کے بال چھوٹے اور گھنگھریالے ہوں گے اور وہ ایک آنکھ سے نابینا (کانا) ہوگا۔" (صحیح مسلم، 7015)

☆ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ وہ کعبے کا طواف کر رہے ہیں کہ اس دوران انہیں دجال دکھایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ بھاری بھرکم جسم، سرخ رنگت، گھنگھریالے بال اور ایک آنکھ سے نابینا ہے۔ اس کی آنکھ لٹکے ہوئے انگور کے دانے جیسی ہے۔" (صحیح بخاری 9.242)

☆ "اس کی پیشانی پر لفظ کافر لکھا ہوگا اور ہر اہلِ ایمان چاہے خواندہ ہوگا یا ناخواندہ وہ اس لفظ کو پڑھ سکے گا۔" (مسند احمد 3-367\368)

مذکورہ بالا احادیث صراحت کے ساتھ المسیح الدجال کے خدوخال اور شخصیت پیش کرتی ہیں۔ ان کے مطابق: الدجال ایک نوجوان ہوگا۔ وہ تنومند اور بھاری بھرکم ہوگا۔ اس کا رنگ سرخ ہوگا۔ اس کے بال گھنگھریالے اور بہت چھوٹے (کٹے ہوئے) ہوں گے۔ اس کی دونوں آنکھوں میں عیب ہوگا۔ وہ ایک آنکھ سے اندھا ہوگا۔ اس کی دوسری آنکھ اس طرح ہوگی جیسے انگور کا پھولا ہوا دانہ۔ اس کی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان لفظ "کافر" لکھا ہوگا (نیٹو کے جو ٹینک خلیج کی جنگ اور کوسوو کی جنگ میں استعمال ہوئے ان پر لفظ Kufr لکھا ہوا تھا) جو ایمان والا چاہے پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ لیکن وہ "کافر" کا لفظ اس کی پیشانی پر لکھا پڑھ لے گا۔ جبکہ کافر (سفید) کا فر کچھ بھی نہ پا سکے گا [illegible]

نہیں پڑھ سکیں گے۔ اب ایمان کی برکات اور تقویٰ و تعلق کی نعمت کے علاوہ اور کیا کام دے گی؟ جو جتنا زیادہ عصری تعلیم یافتہ ہوگا وہ اتنا ہی اس کے چنگل میں پھنسے گا، کیونکہ عصری تعلیم عقلیت پسندی سکھاتی ہے۔ جو جتنا سیدھا سادہ اور دینی تعلیم والا مومن ہوگا وہ اس سے اتنا ہی محفوظ رہے گا کیونکہ دینی تعلیم عقلیت کے پار دیکھنے کی صلاحیت پیدا کرتی اور روحانیت سکھاتی ہے۔ اب یہ لفظ تجریدی انداز میں لکھا ہوگا یا تمثیلی اور کسی انداز میں؟ اس کو فضول بحث بنا جاتا ہے۔ ہمیں اس تجسس میں پڑنے کے بجائے اس کی فکر کرنی چاہیے کہ ہم اس کے فتنے سے محفوظ رہیں اور وہ ہمارا ایمان کمزور نہ کر سکے۔ اس کا طریقہ ہمارے سچے مخبر صادق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے اور اس سلسلے کے آخری مضمون میں اس کی تفصیل آرہی ہے۔

بات دور نکل گئی۔ بحث یہ ہو رہی تھی کہ دجال کسی ملک یا تہذیب کا نام نہیں۔ حقیقی طور پر ایک انسان کا نام ہے جو کچھ انسانی صلاحیتوں اور حیوانی جبلتوں کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی آزمائش کے لیے اسے عام انسانوں کی سمجھ میں نہ آنے والی کچھ قوتیں عطا کی ہوں گی جن کی بنا پر وہ اس کے دھوکے میں آجائیں گے۔ ان کو آیات و احادیث کے ذریعے یقین دلایا گیا ہوگا کہ یہ جھوٹا خدا ہے، سراپا شر ہے۔ اس کے شعبدے دیکھ کر ایمان خراب نہ کرو لیکن وہ ایمان کی کمزوری، اہل علم سے دوری اور مغرب کی مادہ پرست اور شہوت پرست تہذیب سے متاثر ہونے کی بنا پر اس دھوکا باز کی جھوٹی دلیلوں کے گھن چکر میں آجائیں گے۔

”جب سے اللہ نے اولادِ آدم کو پیدا کیا ہے دنیا میں کوئی فتنہ دجال کے فتنے سے بڑا نہیں ہے۔ اور اللہ نے جس نبی کو بھی بھیجا تو اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے اور میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو (اس لیے) وہ لا محالہ تم ہی میں سے نکلے گا۔“

وہ میری موجودگی (زندگی) میں نکلا تو ہر مسلمان کی طرف سے اس کا مقابلہ کرنے والا میں ہوں، اور اگر میرے بعد نکلا تو ہر مسلمان اپنا دفاع خود کرے گا۔ اور اللہ ہر مسلمان کا محافظ ونگہبان ہوگا۔ وہ شام وعراق کے درمیان ایک راستے پر نمودار ہوگا، پس وہ دائیں بائیں (ہر طرف) فساد پھیلائے گا۔ اے اللہ کے بندو! تم اس وقت ثابت قدم رہنا۔ میں تمہارے سامنے اس کی وہ علامات بیان کیے دیتا ہوں، جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کیں۔ وہ سب سے پہلے تو یہ دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں، حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، پھر یہ دعویٰ کرے گا کہ میں تمہارا رب ہوں۔ (مگر اسے دیکھنے والے کو پہلی ہی نظر میں ایسی تین چیزیں نظر آجائیں گی جن سے اس کے دعوے کی تکذیب ہو جاتی ہے۔ (1) ایک تو یہ کہ وہ آنکھوں سے نظر آرہا ہوگا) حالانکہ تم اپنے رب کو مرنے سے پہلے نہیں دیکھ سکتے (تو اس کا نظر آنا ہی اس بات کی دلیل ہوگا کہ وہ رب نہیں) اور (2) دوسری یہ کہ (وہ کانا ہوگا، جبکہ تمہارا رب کانا نہیں۔ (3) تیسری یہ کہ) اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان "کافر" لکھا ہوگا جو ہر مومن پڑھ لے گا خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔"

یہ تو سیدھی سادی بات ہوئی کہ دجال شیطانی قوتوں کا حامل ایک عظیم انسانی جسم جناتی ہمزادی زمانی مخلوق ہے۔

"جب مسلمان حرم کے "جبل دخان" کی طرف بھاگ جائیں گے، اور وہاں وہیں آکر ان کا محاصرہ کرے گا۔ یہ محاصرہ بہت سخت ہوگا اور ان کو سخت مشقت میں ڈال دے گا۔ پھر فجر کے وقت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے، وہ مسلمانوں سے کہیں گے "اس خبیث کذاب کی طرف نکلنے سے تمہیں کس نے روکا ہے؟" مسلمان کہیں گے کہ یہ شخص جن ہے، لہٰذا اس کا مقابلہ مشکل ہے۔"

گویا اس حدیث کا فقرہ ہے۔ یہاں کی تمہید باندھی ... [illegible]

شاید بعض مسلمانوں کو اس کے جن ہونے کا گمان ہو۔ ممکن ہے مسلمان یہ بات بطور تشبیہ کہتے ہیں کہ اس کی حرکتیں اور ایذا رسانیاں جنات کی طرح ہیں۔

اگر بالفرض دورِ حاضر میں یہودی سائنس دانوں کی ہوشربا ایجادات اور محیر العقول تجربوں کے تناظر میں دجالی شخصیت کو دیکھنا چاہیں تو دجال کی تصویر کچھ یوں بنتی دکھائی دیتی ہے۔ ایک ایسا آدمی جو مختلف شعبوں میں محیر العقول مہارت کا حامل ہو۔ جو ہمہ جہت قسم کا آدمی ہے۔ جو بیک وقت انجینئر، ڈاکٹر، سائنس دان، سیاست دان، شاعر، مفکر، سب کچھ ہے۔ جس کے لیے ناممکن کوئی چیز نہیں۔ ہر چیز کو وہ اپنی دسترس میں لے سکتا ہے۔ اگر جدیدیت سے متاثر کوئی شخص یہ پوچھے: آخر یہ کیسے ممکن ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آج کل یہ پوری طرح ممکن ہو چکا ہے کہ ایک انسانی دماغ کی پوری میموری، کمپیوٹر میں فیڈ کر دی جائے۔ آکسفورڈ کی پروفیسر سوزن گرین فیلڈ نے آج سے دس سال پہلے سائنس دانوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ''اب ہم اس قابل ہیں کہ ایک انسان کی پوری یادداشت (میموری) کو کمپیوٹر پر ڈاؤن لوڈ کر لیں جو تقریباً 100 ارب ذہنی خلیوں (Cells) پر مشتمل ہوتی ہے اور جن میں 100 کھرب خلیے منتقل کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔'' (ووی رچرڈ ڈیسے ہنگمر بی بی سی آن لائن، 9 مئی 1999ء) ذرا سوچیے! آج اس سال بعد وہ اس منصوبے میں کہاں تک پہنچ گئے ہوں گے؟

ایک طاقت ور ترین حقیقت جس کا انکشاف ڈاکٹر سوزن نے نہیں کیا، یہ ہے کہ عمل معکوس (Reverse Action) زیادہ آسان ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میموری کی کمپیوٹر سے انسانی ذہن کو اپ لوڈ کی جائے۔ اس صلاحیت کے ساتھ کائنات کی معلومات حذف کرنے اور مہارتوں کو نمایاں کرنے کی قوت آ سکتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک پی ایچ ڈی انجینئر رکھنے والے آدمی کسی مختلف تخصص کی یادداشت (میموری) کے ساتھ ایک

بہترین سرجن اور سائنس دان کی یادداشت بھی اپ لوڈ کر دی جائے تو ایک سپرمین کی تخلیق کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔ ایک ایسا آدمی جو سب شعبوں میں مہارت رکھتا ہو گا۔ بہترین انجینئر، سائنس دان، سرجن، سیاست دان، عالم، مقرر، شاعر، منصوبہ ساز، مینجمنٹ کا ماہر ... غرور لفآ رڈ رکا مثالی آدمی ... نیو ورلڈ کا عالمی بادشاہ، الدجال الاکبر الملعون الاعظم۔

مغرب کی تجربہ گاہوں میں اس پر دن رات کام جاری ہے۔ آپ ذرا تصور کریں انسان کی شخصیت اس کی یادداشت ہی تو ہوتی ہے۔ اگر یہ یادداشت کسی سے چرالی جائے تو وہ ... وہ نہیں رہے گا جو وہ تھا۔ اسی طرح اگر ایک فرد کی یادداشت دوسرے فرد کو منتقل کر دی جائے تو وہ ... وہ شخص بن جائے گا جس کی یادداشت چرالی گئی تھی۔ اس طریقے سے یادداشت کو زندہ رکھ کر انسان کو جامع مانع اور دائمی بنایا جا سکتا ہے۔ دجال وقتی طور پر غیر فانی لگے گا۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں اتنا حقیر، پست اور ذلیل ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کو اور اس زمانے کے اہل ایمان مقربین کو اس کی کچھ پروا نہ ہو گی۔ جیسا کہ یہودی سائنس دانوں کو فرضی سپرمین بنانے کے وسائل مہیا ہونے کی اللہ رب العالمین کو کوئی پروا نہیں۔ سائنس کے میدان میں ان کی ساری ترقی بھرت کے باوجود ان پر ذلت و خواری کی مہر ان کو ماستہ نہیں دے رہی ہے۔

ہوگا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے جتنا کچھ نوازا اس سے خیر کا کام لینے کے بجائے شر کا وہ عظیم طوفان برپا کرے گا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: ''حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر قیامت قائم ہونے تک دجال کے فتنے سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔''

یہ مذہب فری میسنری کا خفیہ مذہب ہوگا۔ یہ ان نظریات پر مشتمل ہوگا جسے دجال کی پیشگی تنظیم فری میسن نے ایجاد کیا اور اسے پھر آہستہ آہستہ دنیا نے قبول کرلیا۔ مثلاً: مغربی جمہوریت جو فری میسنری کے ''برادرز اور ماسٹرز'' کو برسرِاقتدار لانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ جدید نظامِ تعلیم جو انسانیت کی خدمت کے بجائے شکم پرستی اور نفس پروری سکھاتا ہے۔ مغربی نظامِ معیشت جو سود، جوئے، غرر و ضرر اور بے حساب منافع خوری پر مشتمل ہے۔ ٹیکس کے نظام کا کلی رواج اور زکوٰۃ و صدقات کے نظام کا انہدام۔ یعنی وہ نظام جس میں حکومتیں دینے کے بجائے لینے کا مزاج بناتی اور اپنے ہی عوام کو لوٹتی کھسوٹتی ہیں۔ مغربی تہذیب جو اباحیت اور عقلیت پرستی پر مشتمل ہے یعنی وحی کی رہنمائی میں جائز و ناجائز کی تعیین کے بجائے عقل اور شہوت کی بنیاد پر درست و نادرست کی تعیین ..... وغیرہ وغیرہ۔

فری میسنری پر کام کرنے والے تقریباً تمام ہی محققین (بشمول عیسائی و لامذہب سکالرز کے) اس بات پر متفق ہیں کہ یہ وہ اکلوتی خفیہ تنظیم ہے جو مذہب کا نام لیے بغیر اپنے نظریات، رسومات اور اصطلاحات میں ایک مکمل مذہب کی شکل رکھتی ہے۔ فری میسنری جس نئے عالمی نظام کی نقیب ہے وہ درحقیقت ایک ''عالمی مذہب'' ہے اور افسوس ہے کہ وہ روحانی نہیں شیطانی مذہب ہے۔ جو تحریف شدہ یہودیت اور نفس و شیطان پرستی کا ملغوبہ ہے۔ ایک نظر ذیل کے اقتباس پر ڈالیے جو فری میسنری کے اصل ہدف ''عالمی حکومت'' کے قیام کے خاکے سے لیا گیا ہے:

''صرف ایک مذہب کی اجازت دی جائے گی اور وہ ایک عالمی سرکاری کلیسا کی

شکل میں ہوگا جو 1920ء سے وجود میں آ چکا ہے۔ شیطنیت، ابلیسیت اور جادوگری کو ایک عالمی حکومت کا نصاب سمجھا جائے گا۔ [بتائیے! یہ کسی آسمانی مذہب کے پیروکاروں کی تعلیمات ہو سکتی ہیں؟ کوئی نبی یا چرچ؟] سکول نہیں ہوگا۔ تمام مسیحی گرجے پہلے ہی سے زیر زمین کیے جا چکے ہیں۔ چنانچہ مسیحیت نئی عالمی حکومت میں قصۂ پارینہ ہوگی۔ ایک ایسی صورتحال تشکیل دینے کے لیے جس میں فرد کی آزادی کا کوئی تصور نہ ہو، کسی قسم کی جمہوریت، اقتدار اعلیٰ اور انسانی حقوق کی اجازت نہیں ہوگی۔ قومی ثقافت اور نسلی شناخت ختم کر دی جائیں گی اور عبوری دور میں ان کا ذکر بھی قابل تعزیر ہوگا۔

ہر شخص کے ذہن میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا جائے گا کہ وہ (مرد یا عورت) ایک عالمی حکومت کی مخلوق ہے، اور اس کے اوپر ایک شناختی نمبر لگا دیا جائے گا۔ یہ شناختی نمبر برسلز، بلجیم کے نیٹو کمپیوٹر میں محفوظ ہوگا اور عالمی حکومت کی کسی بھی ایجنسی کی فوری دسترس میں ہوگا۔ سی آئی اے، ایف بی آئی، ریاستی و مقامی پولیس ایجنسیوں، آئی آر ایس، فیما، سوشل سیکورٹی وغیرہ کی ماسٹر فائلیں وسیع کر کے ان میں لوگوں کے کوائف کا اندراج امریکا میں تمام شہریوں کے ذاتی ریکارڈ کے انداز میں کیا جائے گا۔"

فری میسنری اپنی خفیہ تقریبات میں (جن کا کچھ ذکر "عالمی یہودی تنظیمیں" میں آ چکا ہے) جو اصطلاحات استعمال کرتی ہے مثلاً: مقدس دستور (تورات یا تالمود)، مقدس شاہی محراب، مقدس درخت (اکیشیا)، مقدس قربانی، مقدس علم (جیومیٹری)، ہیکل سلیمانی کے تعمیری معمار (ماسٹر میسنز)، ذی وقار معمار اعلیٰ (گرینڈ ماسٹر)، بارہ سردار، حضرت داؤد کی نسل سے عنقریب آنے والا عالمی بادشاہ (دجال اکبر) وغیرہ یہ سب اصطلاحات اور ان کے علاوہ نامانوس الفاظ مثلاً: شکینہ، جوبیلا، جوبیلو، جوبیلم وغیرہ یہ سب اس امر کی واضح علامت ہیں کہ جو تنظیم یہ تقریبات منعقد کرتے وقت کسی چیز کو نمایاں کرنا چاہتی ہے وہ شیطانی مذہب کی

علمبردار ہے۔ وہ اپنے آپ کو بظاہر تو فلاحی و سماجی تنظیم کی حیثیت سے کرتی ہے لیکن درحقیقت وہ ایک مستقل خفیہ مذہب رکھتی ہے اور یہ تو ہر ایک سمجھتا ہے کہ رحمانی چیزیں خفیہ رکھنے کے لیے نہیں ہوتیں، چھپا چھپا کر تو شیطانی کام کیے جاتے ہیں۔

درج ذیل سطور میں کچھ سوالات ہیں جو فری میسن کا رکن بننے والے ایک امیدوار سے کیے گئے اور ساتھ ہی اس کے جوابات ہیں۔ یہ مکالمہ فری میسن کی ابتدا میں 1730ء میں مشتہر ہونے والی ماسٹر میسن کی طرف سے برادری کی ایک تقریب سے تعلق رکھتا ہے:

سوال: جب تم عمارت کے وسط میں پہنچے تو تم نے کیا دیکھا؟

جواب: حرف G کی مشابہت۔

سوال: G کا حرف کس بات کی نشاندہی کرتا ہے؟

جواب: اس ہستی کا جو تم سے بڑی ہے۔

سوال: مجھ سے بڑا کون ہے؟ میں ایک آزاد اور مستند میسن ہوں۔ ماسٹر آف اے ہال۔

جواب: کائنات کا موجد اور سب سے بڑا معمار یا "وہ" جو مقدس معبد (ہیکل سلیمانی) کے کلس کی چوٹی پر لے جایا گیا۔

یہاں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فری میسن کی اصطلاح میں حرف G محض خدا کے لیے نہیں بلکہ "اس" کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو مقدس معبد یا ہیکل کے کلس کی چوٹی پر پہنچایا گیا اور یہی وہ ماہر معمار تھا اور الوہی شخصیت ہے جس کی یہ سب پوجا عبادت کرتے ہیں۔ فری میسنری برادری کے ریکارڈ پر نظر ڈالی جائے تو یہ شخص یا جن "حیرام آبیف" ہے جو ہیکل سلیمانی کے تین بڑے معماروں (ماسٹر میسنز) کا سربراہ (گرینڈ ماسٹر) تھا۔ عالمی یہودی تعلیمات میں اس کا تفصیلی تذکرہ آتا ہے۔

دجال ظاہر ہوگا تب بھی اس کو عام لوگ نہیں پہچان پائیں گے جس طرح کے یہودیوں کے فریب کا شکار لوگ ان کے ایجنٹ بن کر بھی ان کے شیطانی مذہب کو سمجھ نہیں پاتے۔ دجال جب ظاہر ہوگا تو وہ دجال ہونے کا دعویٰ نہیں کرے گا اور نئے مذہب کا بانی ہوگا۔ وہ جدیدیت کا علمبردار اور انسانیت کا دعویدار بن کر نمودار ہوگا اور یہود اپنے اس جھوٹے مسیحا کو بہت بڑا درد مند اور انسانیت کے خیر خواہ کے روپ میں پیش کریں گے۔ تبھی تو لوگ اس پر اعتماد کریں گے کیونکہ ان کو دجالی مذہب کی اصطلاحات پر اعتماد کرنا سکھا دیا گیا ہوگا۔ لوگ مجبور ہو کر نہیں، متاثر ہو کر اس کی طرف بڑھیں گے۔ فری میسنری کے پلیٹ فارم سے ٹھیک یہی کچھ ہو رہا ہے۔ لوگ اس تنظیم کو اور اس کے ذیلی اداروں (روٹری کلب، لائنز کلب، ٹرائنز، مغربی این جی اوز) میں "مذہب سے بالاتر ہو کر" انسانیت کی خدمت کے لیے شامل ہوتے ہیں۔ اور پھر انہیں وہ "روحانی اطمینان" ملے یا نہ ملے جس کا انہیں جھانسا دیا گیا تھا، ایک نئے شیطانی مذہب کی آغوش ضرور مل جاتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو دجال کی خبر سن لے وہ اس سے دور رہے۔ اللہ کی قسم! آدمی اپنے آپ کو مؤمن سمجھ کر (یہ لفظ انتہائی قابل غور ہے۔ راقم) اس کے پاس آئے گا اور پھر اس کے پیدا کردہ شبہات میں اس کی پیروی کرے گا۔" (سنن ابی داؤد، روایت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ)

(2) دجال کے ساتھی:

"دجال کے پیروکاروں کی اکثریت یہودی اور عورتیں ہوں گی۔" (مسند احمد)

اب یہاں اشکال ہو سکتا ہے کہ یہودیوں کی تعداد تو بہت کم ہے۔ ان کے بل بوتے پر وہ عالمی نظام کی حکومت اور عالمی مذہب کے قیام کی کوشش کیسے کرے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہودی ہو کر دے کر اپنے ساتھ دیوتوں کو ملالیں گے۔ یہودی ہر اس شخص کو جو

ہیں جو یہودی ہو یا نہ ہوں لیکن یہودی مقاصد (مثلاً عالمی دجالی ریاست کے قیام) کی تکمیل میں یہود کا آلۂ کار بن جائے۔ یہودیوں کے فریب کا شکار وہ عیسائی، ہندو اور مسلمان ہوں گے جو دجال کے فتنے سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکیں گے اور اس کے پھندے میں پھنس جائیں گے۔ امریکا اور یورپی ممالک یہود کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں۔ وہ یہودیوں سے زیادہ اسرائیل کے حامی ہیں اور اس کی حمایت کو اپنے لیے باعث برکت سمجھتے ہیں۔ یہود کے دھوکہ و فریب اور مکر و دجل کا کمال دیکھیے کہ عیسائی مذہب میں جو پیش گوئیاں جناب مسیح صادق حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کے حوالے سے وارد ہوئی ہیں، یہودی ان کو دجال پر منطبق کرتے ہیں اور پھر عیسائیوں کو دھوکا یہ دیتے ہیں کہ ہم مسیح موعود کا انتظار کر رہے ہیں اور مسلمان مسیح مخالف (Anti christ) ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اور عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کا اور یہود دجال اکبر کے منتظر ہیں جس کو حضرت مسیح علیہ السلام مسلمان مجاہدین اور خوش نصیب غیر مسلم عیسائیوں کی مدد سے قتل کریں گے۔ یہود عیسائیوں کے اور ان کے مقدس پیغمبر کے دشمن ہیں۔ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ستایا، تنگ کیا اور بالآخر ان کے قتل کا منصوبہ بنایا جبکہ مسلمان آج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتہائی احترام کرتے ہیں اور اس سے پہلے بھی کرتے تھے اور آئندہ بھی ان کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے جہاد عظیم کریں گے۔ کیا دنیا میں عیسائیوں جیسی سادہ قوم بھی ہوگی جو اپنے پیغمبر کے قاتلوں سے تو دوستی اور تعلق رکھے اور جو ان کے (اور اپنے بھی آخری) پیغمبر سے بے پایاں محبت رکھتی ہو، اس سے نفرت اور دشمنی رکھے؟

بھارت کی اسرائیل سے دوستی کسی سے مخفی نہیں۔ کچھ عرصہ قبل جب امریکی خلائی شٹل "کولمبیا" زمین کے مدار میں داخل ہوتے ہی برباد ہوگئی تو راز کھلا کہ اس میں چار امریکی، تین اسرائیلی جبکہ ایک بھارتی خاتون خلا باز سوار تھے۔ الٰہی مشن پر تھی یا "شامت"

فضا کی تسخیر کے بعد خلائی تسخیر کا ارادہ رکھتی تھی۔ پاکستان کے ایٹمی بم ایجاد کر لینے کے بعد اسے زیردست لانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اب خلائی جنگ میں بھارت کو اتنی برتری دلائی جائے کہ پاکستان خدانخواستہ اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دے۔ وہ تو خدا کا کرنا کہ بھارت کی مکھی یہود کے گندگی کے ڈھیر پر نہ بیٹھ سکی۔ ڈھیر ہی دھک سے اتر گیا۔

رہ گئے دجالی مسلمان، تو یہ وہ بدنصیب ہوں گے جو "فکری ارتداد" کا شکار ہوں گے۔ (اس گروہ کے سرخیل وہ تمام اسکالرز، ڈاکٹرز، پروفیسرز اور نام نہاد دانشور ہوں گے جو دین کا حلیہ بگاڑنے میں پیش پیش رہے۔) جو مال و اولاد کے فتنے میں پھنس چکے ہوں گے۔ جو حرام خوری و حرام کاری سے توبہ نہیں کریں گے۔ جنہیں عیش پرستی اور لذت کوشی راہ خدا میں اٹھنے سے روک لے گی اور جو دجال کی شعبدہ بازیوں سے بچانے والے اہل حق کی پکار کو "پسماندہ ذہنیت" کہہ کر ٹھکرا دیں گے اور پھر دجال کے ساتھ دنیا و آخرت کی رسوائی سمیٹیں گے۔

دجال اکبر کے ظہور سے قبل قریب کی دو ممکنہ صورتیں

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ لوگ عقل و فہم اور دین و ایمان رکھتے ہوئے کیونکر دجال کی پیروکاری پر راضی ہو جائیں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا کو اس نظر سے دیکھ رہے ہوں گے جس نظر سے مغربی میڈیا ان کو دکھاتا ہے۔ مغربی میڈیا دجال کو ان کا سب سے بڑا خیرخواہ ثابت کرے گا۔ بداعمالیوں کی نحوست کے باعث مسلمانوں کی ایمانی بصیرت ختم ہو چکی ہوگی۔ یہ عصر حاضر کو ان احادیث کی روشنی میں نہیں جانچ پا رہے ہوں گے جن میں دجال، دجالیت اور فتنہ دجال (مال و دولت، حسن، طاقت، ٹیکنالوجی) کی حقیقت سے مسلمانوں کو وضاحت کے ساتھ، تاکید کے ساتھ اور اہمیت کے ساتھ آگاہ کیا گیا ہے۔ پھر حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض لوگ کہیں گے ہم جانتے ہیں یہ دجال ہی

اصلی دجال اکبر کو "عیسیٰ ابن مریم المسیح" بنا کر ظاہر کیا جائے جو روئے ارض پر متاثر کن صورت و سیرت لے کر آئے اور خود کو "مسیح" کی طرح پیش کرے۔

دوسری صورت:

اس کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کسی شخص کو بے انتہا ظلم کرنے پر ابھارا جائے اور اس سے روئے ارض پر واقعی ظالم کی طرح برتاؤ کرایا جائے اور نوبت یہاں تک آ جائے کہ لوگ اس کے ظلم سے پناہ کے طلب گار ہوں اور انہیں کہیں پناہ نہ ملے اور ٹھیک اس وقت وہ اصلی "دجال اکبر" کو اس ظلم کے خاتمے کے لیے "مسیح" بنا کر ظاہر کیا جائے اور لوگ اسے سچا "مسیح" اور نجات دہندہ سمجھنے لگیں۔

فتنۂ دجال سے بچنے کے دو ذرائع:

"فتنۂ دجال اکبر" کوئی معمولی فتنہ نہیں۔ نہ ہی ظہور دجال کوئی معمولی ظہور ہے۔ یہ ایک ایسی آزمائش ہوگی جس کی روئے ارض پر کوئی نظیر نہیں۔ اس کے فتنے ایسے ہمہ گیر اور ہیبت ناک ہوں گے اور پوری انسانیت اس طرح پے در پے ذہنی، فکری، سیاسی، معاشی اور عسکری حملوں سے بے دم ہو جائے گی جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ یہ ایک ایسی گھڑی ہوگی جب دوسروں کی تو بات ہی جدا ہے خود انسان اپنے آپ پر اعتماد کرنا چھوڑ دے گا۔ معرکۂ دجال اکبر دراصل معرکۂ قتل عظیم (War of Megadeath) ہے۔ اس تناظر میں "دجال اکبر" کے اس شدید فتنے سے بچنے اور اسے ناکام بنانے کے دو ہی راستے باقی رہتے ہیں:

(1) ایسے مقامات اور مواقع سے بچا جائے جہاں ہلاکت "قتل عظیم" کی شکل لے سکتی ہے۔ مثلاً رہائش کے اعتبار سے ازحد مرتکز رہائشی علاقوں (High Concentration Residences) سے دور رہیں۔ ان علاقوں میں اہل ایمان کو بڑے شہروں سے اجتناب کرنا اور دیہاتوں پہاڑوں میں نقل مکانی کو ترجیح دینی چاہیے۔ [illegible]

ماحول گم ہی ہوتا ہے۔ اور دجالیت نیکیوں سے دور گناہوں کی دلدل میں دھنستی ہے۔

(۷) جہاد کے لیے دل سے تیار ہو جانا اور یہ طے کر لینا کہ قبل اس کے کہ کوئی بیماری جان لے، ہم اپنی جان فدا کر کے ابدی حیات پالیں۔ دوسرے لفظوں میں ناگزیر قتل عظیم کو بے بسی کی موت کے بجائے ''پسندیدہ شہادت'' کی صورت میں تبدیل کر دینا۔ یہ ایمان والوں کی فتح عظیم اور دجال و ابلیسی قوتوں کی واضح ناکامی ہوگی۔

آخرکار اس بات پر مجبور ہو گئے کہ نوکری چھوڑ چھاڑ کر امریکا واپس جائیں اور اپنے ہم وطنوں کو ''نادیدہ قوتوں'' کی کارستانیوں سے آگاہ کریں۔ انہوں نے کرنسی نوٹ کے متعلق لکھا کہ آہستہ آہستہ یہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اس کی جگہ کریڈٹ کارڈ نے لے لی ہے۔ پھر کریڈٹ کارڈ بھی ختم ہو جائے گا لوگ کمپیوٹر کے ذریعے اعداد و شمار برابر سرابر کریں گے اور بس! ہاتھ میں کچھ بھی نہ ہوگا۔ بندہ ایک عرصے تک اس جادوئی طلسم کے بارے میں سوچتا رہا کہ اگر نمبروں کا کھیل ہی اشیاء و خدمات کے حصول کا ذریعہ بن جائے گا تو پھر یہ دنیا آسان ہوگی یا مشکل؟ نیز اس سے یہود کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں جو کرنسی کے پیچھے سونے کے ذخیرے سے لے کر اسٹاک ایکسچینج میں سود اور جوے کی ترویج تک ہر چیز میں ملوث ہیں۔ تفکر اور مطالعہ جاری تھا کہ ''ماسٹرز'' کا بنایا ہوا یہ منصوبہ ہاتھ لگا۔ آپ بھی سوچیے اور غور کیجیے کہ عالمی کرنسی جب غیر شرعی معاملات کے خطرناک نتائج، مسلم دشمن طاقتوں کی پالیسی سے آگاہ کریں اور اس کو نہ مانا جائے تو آنے والی دنیا کا منظر نامہ کیا ہوگا:

''سینٹرل بینک، بینک آف انٹرنیشنل سیٹلمنٹ اور ورلڈ بینک'' کام کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے۔ پرائیویٹ بینک غیر قانونی ہوں گے۔ بینک آف انٹرنیشنل سیٹلمنٹ (BIS) منظر میں غالب ہیں۔ پرائیویٹ بینک ''بڑے دس حلقوں'' کی تیاری میں تقسیم ہو رہے ہیں جو بڑے بینک دنیا بھر میں بینکاری پر BIS اور آئی ایم ایف کی رہنمائی میں کنٹرول کریں گے۔ اجرتوں کے تنازعات کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ نہ ہی انحراف کی اجازت دی جائے گی۔ جو بھی قانون توڑے گا اسے سزائے موت دے دی جائے گی۔

طبقہ اشرافیہ کے علاوہ کسی کے ہاتھوں میں نقدی یا سکے نہیں دیے جائیں گے۔ تمام لین دین صرف اور صرف کریڈٹ کارڈ کے ذریعے ہوگا (اور آخرکار اسے مائیکرو چپ یا تختی کے ذریعے کیا جائے گا) ''قانون توڑنے والوں'' کے کریڈٹ کارڈ معطل کر دیے

نیشنل کمپنیوں پر کر رہے ہیں۔ جانور مصنوعی نسل کشی کے ذریعے پیدا کیے جا رہے ہیں۔ فصلیں مصنوعی بیجوں اور کھادوں سے اگائی جا رہی ہیں۔ جہاں امریکی بیج لگ جائے وہاں کوئی دوسرا بیج چل ہی نہیں سکتا۔ آپ کو ہر مرتبہ کمپنی سے بیج خریدنا پڑے گا ورنہ آپ کی زمین میں دھول اڑنے لگی۔ پانی کا تو کہنا ہی کیا، دریاؤں اور چشموں کا معدنیات اور جڑی بوٹیوں کی تاثیر والا صاف قدرتی پانی تو پیتا ہی وہ ہے جس کے پاس منرل واٹر خریدنے کی سکت نہیں۔ شہروں میں تو فیشن ہو گیا ہے کہ لوگ کہیں ملنے بھی جائیں تو منرل واٹر کی بوتل ہاتھ میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ "اسٹیٹس" کی علامت ہے جبکہ یہ دجالی قوتوں کی سیاست اور طاقت کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ اس کا اندازہ دنیا کو اس وقت ہو گا جب انسان کے گلے سے پیٹ میں اترنے والی ہر چیز مصنوعی ہو جائے گی اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ہاتھ میں ہو گی جو بھاری رشوت، دباؤ اور شیطانی ہتھکنڈوں کے ذریعے مقامی صنعتوں کو تباہ کرنے کے لیے قدرتی دیسی خوراک کی فروخت پر پابندی لگوا دیں گی اور پھر دجال اس کو پانی کا ایک قطرہ یا پکی پکائی روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں دے گا جو اس کے شیطانی مطالبات نہیں مانے گا۔ پانی اور غذا کو مصنوعی بنانے کی دجالی مہم اس لیے جاری ہے کہ مصنوعی چیز صانع کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ جس کو چاہے بیچے نہ بیچے، دے نہ دے، جبکہ قدرتی چیز قدرت کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو کہ پھول اور کانٹوں کا یکساں خیال رکھتی ہے۔ شہر تو شہر ہیں اب تو دیہاتوں میں بھی یہ حال ہے کہ واٹر سپلائی کی اسکیمیں اور ٹینک یا ٹیپ، پن چکیاں وغیرہ این جی اوز لگا کر دے رہی ہیں جو آگے چل کر اس پر اجارہ داری قائم کریں گی۔ اور اس طرح شہروں میں تو پانی اور خوراک کے ذخیرے تو ہوں گے ہی "عالمی اسٹیبلشمنٹ" کے ہاتھ میں، دیہات میں بھی قدرتی پانی کسی عام آدمی کے بس میں نہ ہوگا۔ مستقبل میں پانی کے مسئلہ پر دنیا بھر میں ہونے والی جنگوں کے متعلق تو آپ پڑھتے اور

بنتے بھی رہتے ہیں۔ یہ دراصل آگے چل کر دجالی قوتوں کی طرف سے پیدا کیے جانے والے مصنوعی بحران کی مشق ہے۔

مزے کی بات یہ کہ قدرتی پانی کو مضر صحت جبکہ منرل واٹر کو صحت کے لیے مفید بتایا جاتا ہے۔ حالانکہ صورت حال یہ ہے کہ منرل واٹر کے ذریعے اربوں ڈالر کمانے کے ساتھ ساتھ ہماری نسل کو ”زنخا“ بنایا جارہا ہے۔ (اس لفظ کا مطلب کسی پنجابی بھائی سے پوچھ لیں) ہمارے ایک محترم دوست نے جب دیکھا کہ لوگ غیر معیاری پانی بیچ رہے ہیں تو انہوں نے منرل واٹر بنانے کی کمپنی قائم کی۔ ان کا ارادہ تھا معیاری کام کریں گے، چاہے کم نفع ملے۔ جب وہ پلانٹ لگا چکے اور تمام تجربات مکمل کرنے کے بعد حکومتی ادارہ اس کی منظوری دینے آیا تو ان کے کام اور محنت کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا لیکن ان کا سوال تھا کیا آپ اس میں ”وہ“ قطرے ملاتے ہیں یا نہیں؟ ان کو تعجب ہوا کہ کون سے قطرے پانی میں ملائے جاسکتے ہیں؟ کہانی کچھ یوں سامنے آئی کہ انسان کے تولیدی مادے میں دو طرح کے جراثیم ہوتے ہیں۔ ایک کو ”ایکس کروموسوم“ اور دوسرے کو ”وائی کروموسوم“ کا نام دیا گیا ہے۔ پہلا زیادہ ہو تو اللہ کے حکم سے مذکر اور دوسرا زیادہ ہو تو مولود مؤنث پیدا ہوتا ہے۔ دوسری قسم کے قطرے ملائے بغیر پانی کی فروخت کا لائسنس نہیں دیا جاتا۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ ہمارے ڈاکٹرز اور ماہرین اس بات کی تصدیق کریں گے یا ناواقفیت اور دباؤ ان کے آڑے آئے گا۔ لیکن بندہ اس کا کیا کرے کہ میں نے ان دوست کا پلانٹ خود دیکھا اور ان کی بے بسی کی داستان ان کے دفتر میں بیٹھ کر خود سنی۔ اس کو کیسے جھٹلا دوں؟ کیا محض مجھے یہ کہانی سنانے کے لیے انہوں نے اپنا لگا لگایا پلانٹ نصب کر دیا ہوگا؟

اس طرح کی کہانیاں دنیا کے کئی حصوں میں جنم لے رہی ہیں۔ دنیا بھر کے انسان پینے کے پانی کے بحران کے ناخوشگوار پہلوؤں سے آگاہ ہو رہے ہیں۔ ورلڈ بینک کی پشت

بنانے میں بین الاقوامی سطح پر غذا اور پانی فراہم کرنے والی ملٹی نیشنل کمپنیوں نے انسانی ہمدردی کے نام پر پانی کو اشیائے صرف میں شامل کر کے منافع خوری شروع کر دی ہے۔ یہ کمپنیاں خطے ہم ورلڈ بینک اور اقوام متحدہ میں اپنا غلبہ رکھتی ہیں۔ انہوں نے گزشتہ سال مارچ 2005ء میں ہالینڈ کے دارالحکومت ہیگ میں منعقدہ ورلڈ واٹر فورم کو اسپانسر کیا تھا۔ جس میں قدرتی پانی کے بارے میں مختلف بیماریاں پھیلنے کا جھوٹا پروپیگنڈا اور مصنوعی پانی کو خریدنے کی اہمیت پیدا کرنے کے لیے نت نئے طریقے سوچے گئے اور اربوں ڈالر کی مالیت پر مشتمل منصوبے منظور کیے گئے جنہیں مختلف یہودی کمپنیاں مل کر اسپانسر کریں گی۔

قدرتی وسائل:

کبھی بارش، کبھی خشک موسم اور اس کے اثرات جیسے خشک سالی وغیرہ۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ کرۂ ارض کے موسم میں واضح تبدیلیاں آ رہی ہیں اور موسم تیزی سے بگاڑ سے دوچار ہو رہے ہیں۔ دنیا بھر میں اس حوالے سے مضامین اور سائنسی تحقیقات شائع ہو رہی ہیں۔ عمومی درجہ حرارت میں اضافے سے طوفان، سیلاب اور بارشوں کی شرح غیر معمولی طور پر تیز ہو گئی ہے۔ اگرچہ اس کو فطری عمل قرار دیا جا رہا ہے لیکن درحقیقت یہ تسخیر کائنات کے لیے کی جانے والی ان شیطانی سائنسی تجربات کا نتیجہ اور موسموں کو قابو میں رکھنے کی کوششوں کا شاخسانہ ہے جو مغرب میں جگہ جگہ موجود یہودی سائنس دان حضرت داؤد کی نسل سے عالمی بادشاہت کے عالمی غلبے کی خاطر کر رہے ہیں۔ کرۂ ارض کا ایک فضائی نظام ہے جو اسے سورج کی مہلک شعاعوں اور مختلف ستاروں و سیاروں سے آنے والی تابکار لہروں کو انسانوں تک نہیں پہنچنے دیتا۔ ان خطرناک شعاعوں کو "الٹراوائلٹ ریز" کہتے ہیں۔ یہ نظام قدرتی ہے، براہ راست ہمارے خالق و مالک معبودِ رحمٰن نے وضع کیا ہے۔ اس کے متعلق 1886-88ء میں ایک امریکی یہودی سائنسدان نکولا ٹیسلا نے اس کی

Alternative Current پاور (بجلی) کا نظام اور اس کی ترسیل کا نظام ایجاد کیا۔ فی سیکنڈ 60 ارتعاشات (ہرٹز) کی سپلائی کی بجلی کے پاور گرڈ زمین پر پھیل جائیں تو کرۂ ارض اپنی معمول کی فریکوئنسی 8-1 ہرٹز کی بجائے ایک مختلف رفتار سے اچھلنے لگے گا اور اس سے خارج ہونے والی ریڈیائی لہریں گردوپیش کی فضا اور موسم کو لازمی طور پر تبدیل کر دیں گی۔ آیونی کرے کو گرم کرنے کے لیے ناروے میں قطب شمالی کے نزدیک تجربات کیے جا رہے ہیں۔ اس سے موسموں میں حسب منشا تبدیلی آ جائے گی۔ اس منصوبے کا اظہار مختلف پیرایوں میں مختلف یہودی اتھارٹیوں کی طرف سے ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً: 1958ء میں وہائٹ ہاؤس کے مشیر موسمیات نے بتایا کہ محکمہ دفاع ایسے ذرائع کا جائزہ لے رہا ہے جو زمین اور بالائی فضا میں برقی ذرات کو موسم پر اثر انداز کرنے کے لیے استعمال کیے جا سکیں۔

1987-92ء کے دوران "ایسٹ لنڈ" کو پاور ٹیکنالوجی انکارپوریٹڈ (APTI) کے سائنس دانوں نے ایک ایسا آلہ پیٹنٹ کرایا جو زمین کے آیونی کرہ یا مقناطیسی کرے کے کسی حصے کو تبدیل کر سکتا ہے۔ اگست 1987ء کو رجسٹر ہونے والے اس عسکری ہتھیار کو یہودی سائنس دان برنارڈ جے ایسٹ لنڈ نے ایجاد کیا تھا۔ بالآخر 2001ء کو اس سسٹم کے مکمل طور پر زیر عمل لانے کا مجوزہ سال قرار دیا گیا۔

اس پروجیکٹ کے اہداف یہ ہیں:

(1) انسانی ذہن کا عمل درہم برہم کرنا۔

(2) کرۂ ارض کے تمام ذرائع مواصلات کو منجمد کرنا۔

(3) بڑے علاقے میں موسم تبدیل کرنا۔

(4) جانداروں کی نقل مکانی کے انداز میں مداخلت کرنا (وائلڈ لائف کے

ہارپ پروگرام میں انسانی مائنڈ کنٹرول کی جھلک واضح دیکھی جاتی ہے۔ یہ جنگی حیات کی تسخیر کے منصوبے کا ایک حصہ ہے۔)

(5) انسانی صحت کو منفی انداز میں تبدیل کرنا۔ مختلف قسم کی دوائیاں، قطرے، ویکسین وغیرہ کا جبری استعمال اس کی ایک شکل ہے۔

(6) زمینی فضائی بالائی سطح پر غیر فطری اثرات مرتب کرنا۔

1958ء میں وائٹ ہاؤس کے مشیر موسمیات کیپٹن ہاورڈ ٹی اورویل نے کہا تھا کہ محکمہ دفاع جائزہ لے رہا ہے وہ طریقے تلاش کیے جائیں جن کے ذریعے زمین اور آسمان میں آنے والی تبدیلیوں کو استعمال کر کے موسموں پر اثر انداز ہوا جا سکے۔ مثلاً کسی مخصوص خطے میں فضا کو ایک الیکٹرانک بیم کے ذریعے آئیونائز یا ڈی آئیونائز کیا جا سکے۔

امریکی سائنس دانوں نے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو موسموں میں تبدیلی سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ یہ ادارہ نہ صرف موسموں میں تغیر کا ذمہ دار ہے بلکہ کرۂ ارض میں زلزلوں اور طوفانوں کے اضافے کا بھی ذمہ دار ہے۔ اس پروجیکٹ کا نام Haarp یعنی "ہائی فریکوئنسی ایکٹیو آرورل ریسرچ پروجیکٹ" ہے۔ اس کے تحت 1960ء کے عشرے سے یہ تجربات ہو رہے ہیں کہ راکٹوں اور مصنوعی سیاروں کے ذریعے بادلوں پر کیمیائی مادے (بیریم پاؤڈر وغیرہ) چھڑکے جائیں جس سے مصنوعی بارش کی جا سکے۔ یہ ساری کوششیں قدرتی وسائل کو قبضے میں لینے کی ہیں تا کہ وہاں جسے چاہے بارش سے نوازے جسے چاہے قحط سالی میں مبتلا کر دے۔ جس سے وہ خوش ہو اس کی زمین میں ہریالی لہرائے اور جس سے بگڑ جائے وہاں خاک اڑے۔ لہٰذا مسلمانوں کو قدرتی غذاؤں اور قدرتی خوراک کو استعمال کرنا اور فروغ دینا چاہیے۔ یہ ہم سب کے لیے بیدار ہونے کا وقت ہے کہ ہم قدرتی خوراک (مسنون اور فطری خوراک) استعمال کریں اور مصنوعی اشیاء سے خو

کو بچایا نہیں جاتا تو جعل کردہ جانی تعداد میں بنتے والی ہیں۔

دوا اور علاج:

پانی اور خوراک پر مکمل قبضہ ہو جانے کا مرحلہ تو ابھی کچھ دور ہے لیکن دوا تو مکمل طور پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کے قابو میں آچکی ہے۔ انہوں نے مختلف ممالک میں ایسے قوانین منظور کروا لیے ہیں کہ دیسی طریقہ علاج اگرچہ آسان اور سستا ہو لیکن ممنوع ہے۔ ان عالمی کمپنیوں کے کارندے متبادل طریقہ علاج (یعنی قدرتی دوا ساز کمپنیوں) کے خلاف ایسا پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ دنیا آہستہ آہستہ ان سے متنفر ہو کر ان کمپنیوں کے چنگل میں پھنس گئی ہے۔ قدرتی جڑی بوٹیوں پر مشتمل علاج پر آہستہ آہستہ مکمل پابندی لگ جانے کی اور دوا مکمل طور پر یہودی ملٹی نیشنل دوا ساز کمپنیوں کے قبضے میں آ جائے گی۔ یہ جب چاہیں کسی ملک کے مریضوں کو سسکتا تڑپتا چھوڑ کر ان کے مرنے کا تماشا دیکھیں گے۔ یہ دراصل اس عالمی حکومت کا منشور ہے جس کے مطابق:

''تمام ضروری اور غیر ضروری ادویاتی مصنوعات، ڈاکٹروں، دندان سازوں اور ہیلتھ کیئر ورکروں کو سینٹرل کمپیوٹرائزڈ ڈیٹا بینک میں رجسٹر کیا جائے گا اور کوئی دوائی یا علاج اس وقت تک تجویز نہیں کیا جا سکے گا جب تک ہر شہر، قصبے یا گاؤں کا ذمہ دار ریجنل کنٹرولر اس کی تحریری اجازت نہیں دے گا۔''

دجال کی سواری:

وہ ایسی رفتار کے ساتھ سفر کرے گا جو بادلوں کو اڑا لے جانے والی ہوا کی ہوتی ہے۔ ایسے جہاز ایجاد ہو چکے ہیں جو ہوا سے کئی گنا تیز رفتاری کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ سواری ہوائی جہاز، جیٹ یا تشتری یا پھر کسی نئی قسم کی سواری ہوگی۔ ایک خلائی شٹل چالیس منٹ میں پوری زمین کے گرد چکر لگا لیتی ہے۔ پراسرار اڑن طشتریوں کا ذکر بھی

سفتے میں آتا رہتا ہے۔ یہ سب دجال کی سواری کی مختلف شکلیں ہیں جو ہمیں بتا رہی ہیں کہ دجال کا وقت اب دور نہیں۔ اس کے گدھے کے کانوں کے درمیان 40 ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔ کسی طیارے کے پروں کے درمیان تقریباً اتنا ہی فاصلہ ہوتا ہے۔ حال ہی میں اسرائیلی ماہرین نے ہیرون (Heron) نامی ایک طیارہ ایجاد کیا ہے جو اسرائیل کے Palmahim کی ایئر پورٹ پر کھڑا ہے۔ یہ طیارہ سازی کی جدید ترین ٹیکنالوجی کے تحت تیار کیے گئے۔ اس طیارے کی پہلی پرواز 14 رجولائی 2006ء کو کی گئی جبکہ اسے منظر عام پر ایک سال بعد جون 2007ء کو لایا گیا۔ اس کی بلند ترین پرواز 9 ہزار میٹر (30 ہزار فٹ) ہے جبکہ یہ 30 گھنٹے تک مسلسل 225 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑ سکتا ہے۔ اس کے دونوں پروں کے درمیان 16.6 میٹر کا فاصلہ ہے جو 85 فٹ بنتے ہیں۔ قارئین! حدیث شریف میں بیان کردہ مقدار ''چالیس ہاتھ'' اور اس طیارے کے پروں کے درمیانی فاصلہ ''85 فٹ'' کے درمیان مناسبت کو ملحوظ نظر رکھیں۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ اس کی دم پر دو اُبھار بالکل گدھے کے کانوں کی طرح اُبھرے ہوئے ہیں۔ انہیں جس زاویے سے بھی دیکھا جائے گدھے کے دو کانوں کی شبیہ صاف دکھائی دیتی ہے۔ ممکن ہے اسرائیل کی یہ ٹیکنالوجی مزید ترقی کرے۔ اس طیارے کی رفتار اور صلاحیت پرواز میں مزید اضافہ ہو اور اس کا آئندہ ماڈل حدیث شریف میں بیان کردہ نشانیوں کے عین مطابق ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جنت اور دوزخ:

یورپ یا امریکا سے باہر رہنے والوں سے مغرب کے بارے میں پوچھیے وہ اسے جنت قرار دیتے ہیں۔ وہ اپنے ملکوں کو جہنم کہتے ہیں۔ دجال کے پاس کچھ اس طرح کی صورت ہوگی جس میں تمام سہولتیں اور آسائیاں ہوں گی اور وہ اسے جنت کہے گا۔ اپنے

''نعالی درجن عظمت'' تک پہنچ جاتی ہیں تب اور جب کسی گروہ میں یوں کے اور اس

انجام سے دوچار ہوتی ہے؟؟؟

چونکہ مرادیت اور رازداری کی کوشش اپنی جگہ، لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہود کو دجال کے متعلق کچھ علم ہے نہ اس تک ان کی حقیقتاً رسائی ہے۔ آج تک جتنے روحانی یہودی (جادوگر، سفلی عامل) گزرے ہیں مثلاً سباتائی زیوی، اسماعیل بن ابلیس، زبعل شیم وغیرہ۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ شیطانی علوم اور خبیث جنات سے رابطے کر کے دجال کا کھوج معلوم کر سکتے ہیں۔ نہ ان کے احبار و رہبان (علماء و درویش) کو اس کا کچھ علم ہے اور نہ ہی ان کے نفسی دان اور جوتشی اس کی کوئی خبر لا سکتے ہیں۔ اللہ پاک نے اپنی سچی کتاب اور سچی نبوت کے ذریعے جو درست علم مسلمانوں کو دیا ہے اس کے علاوہ سب غلط ہے۔ یہود کے خواص اس حوالے سے ایک دوسرے کو جس رازداری کی تلقین کرتے ہیں وہ یہودی عوام کے سامنے درحقیقت اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کی کوشش ہے۔

جب یہودیوں کی بات تحقیقی طور پر غلط ہے تو صحیح بات کیا ہے؟

جن امور کا تعلق غیبیات یا ماوراء الطبیعیات سے ہوتا ہے ان میں ہمارے پاس واحد ذریعہ معلومات وحی ہے۔ انسانیت کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ جن چیزوں کو مشاہدے اور ذاتی تحقیق سے دریافت نہیں کر سکتی ان کے بارے میں ایسے ذریعے پر اعتماد کرے جو مستند بھی ہو اور تسلی بخش بھی۔ اور یہ ذریعہ عقل نہیں وحی ہے۔ وحی کے نور کے بغیر عقل گمراہ ہے اور گمراہی تک لے جانے والی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ ہستی ہیں جنہیں زمانہ جاہلیت کے شدید دشمنی رکھنے والے مخالفین نے بھی "الصادق الامین" کا لقب دیا۔ آپ نے زندگی بھر کبھی بھی کسی طرح کا جھوٹ نہیں بولا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی اطلاعات سے زیادہ مستند ذریعہ معلومات انسانوں کے پاس موجود نہیں ہیں۔ آئیے! دنیا کی سب سے سچی اور سب سے زیادہ قابل اعتماد زبان سے پوچھتے ہیں کہ "دجال کہاں ہے؟" یہ بات ہمیں سیدنا تمیم داری کی اس حدیث شریف میں ملتی ہے جس میں

دجال کے موجودہ مقام کا تذکرہ ہے۔ (ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کی تصدیق آپ کی حیات مبارکہ میں ہو گئی تھی جس پر آپ نے خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا:

"جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو وہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا: "تمام لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں۔ پھر فرمایا: جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے؟" لوگوں نے کہا: "اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں نے تمہیں نہ تو کسی چیز کا شوق دلانے کے لیے جمع کیا ہے اور نہ کسی چیز سے ڈرانے دھمکانے کے لیے اکٹھا کیا ہے بلکہ میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے جمع کیا ہے کہ تمیم داری پہلے عیسائی تھا۔ وہ آیا۔ اس نے بیعت کی اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس نے مجھے ایسا واقعہ سنایا جو ان باتوں سے تعلق رکھتا ہے جو میں تمہیں دجال کے بارے میں بتایا کرتا ہوں۔

اس نے مجھے بتایا کہ وہ لخم اور جذام قبیلے کے تیس آدمیوں کے ہمراہ ایک بحری جہاز میں سمندر کے سفر پر روانہ ہوا۔ سمندر کی لہریں مہینہ بھر انہیں ادھر ادھر دھکیلتی رہیں یہاں تک کہ وہ ایک جزیرے میں پہنچ گئے۔ اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا۔ وہ ایک چھوٹی کشتی میں بیٹھ کر جزیرے میں داخل ہوئے۔ جب وہ جزیرے میں داخل ہوئے تو ان کو ایک جانور ملا جس کے جسم پر بہت سے بال تھے۔ بالوں کی کثرت کی وجہ سے انہیں اس کے آگے پیچھے کا کچھ پتا نہ چل رہا تھا۔ انہوں نے کہا: تیرا ناس ہو تو کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ میں جساسہ ہوں۔ انہوں نے پوچھا: "یہ جساسہ کیا چیز ہے؟" اس نے کہا: "اے لوگو! خانقاہ میں موجود اس آدمی کی طرف جاؤ وہ تمہاری خبریں سننے کا بڑے تجسس سے انتظار کر رہا ہے۔" بیان کرنے والا بتاتا ہے کہ جب اس نے آدمی کا ہم سے ذکر کیا تو ہمیں خوف لاحق ہوا کہ یہ جانور شیطان نہ ہو۔ پھر ہم تیزی سے چلے اور خانقاہ میں داخل ہو گئے۔ وہاں ہم نے بھاری

پھر کیا تو ہم کو ایک آدمی دیکھا جس کے گھٹنوں سے ٹخنوں تک بندھی ایک لوہے کی زنجیر تھی اور اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ بندھے تھے۔ ہم نے پوچھا: "تیرا ناس ہو تو کیا چیز ہے؟" اس نے کہا: "میرا پتہ تمہیں جلد لگ جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟" ہم نے کہا کہ ہم عرب سے آئے ہیں۔ ہم جہاز میں سوار ہوئے۔ سمندر میں طوفان آ گیا۔ مہینہ بھر لہریں ہمیں دھکیلتی رہیں۔ یہاں تک کہ اس جزیرے کے کنارے لے آئیں۔ ہم کشتی میں بیٹھ کر جزیرے میں داخل ہوئے۔ یہاں ہمیں ایک جانور ملا جس کے بدن پر بہت بال تھے۔ بالوں کی کثرت کی وجہ سے اس کے آگے پیچھے کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ ہم نے اس سے پوچھا: "تیرا ناس ہو تو کیا چیز ہے؟" اس نے کہا: "میں جساسہ ہوں۔" ہم نے پوچھا: "یہ جساسہ کیا چیز ہے؟" اس نے کہا: "خانقاہ میں موجود اس آدمی کی طرف جاؤ۔ وہ تمہاری خبر سننے کا بہت شوق سے انتظار کر رہا ہے۔" ہم تیزی سے تمہاری طرف آئے۔ اس ڈر سے کہ کہیں یہ شیطان نہ ہو۔"

اس نے کہا: "مجھے بیسان کے نخلستان کا حال بتاؤ۔" ہم نے کہا کہ اس نخلستان کے بارے میں کون سی بات پوچھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: "میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا اس کے درختوں پر پھل آتے ہیں یا نہیں؟" ہم نے کہا: "ہاں!" اس نے کہا: "مجھے طبریہ کی جھیل کے بارے میں بتاؤ۔" ہم نے پوچھا: "اس کی کون سی بات جاننا چاہتے ہو؟" اس نے کہا: "کیا اس میں پانی ہے؟" ہم نے کہا: "ہاں! اس میں بہت پانی ہے۔" وہ بولا: "اس کا پانی بہت جلد ختم ہو جائے گا۔" پھر اس نے کہا: "مجھے زغر کے چشمے کے بارے میں بتاؤ۔" ہم نے پوچھا: "کون سی بات معلوم کرنا چاہتے ہو؟" (زغر میں چشمہ ہے) اس نے کہا: "کیا چشمہ میں پانی ہے اور لوگ اس پانی سے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں؟" ہم نے کہا: "اس میں بہت پانی ہے اور شہر کے رہنے والے اس سے کھیتوں کی آبیاری کرتے ہیں۔" پھر اس نے

پوچھا "مجھے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتاؤ۔ اس نے کیا کیا ہے؟" ہم نے کہا "وہ مکہ سے نکل کر یثرب (مدینہ) میں آگئے ہیں۔" اس نے پوچھا: "کیا عربوں نے اس کے ساتھ جنگ کی؟" ہم نے کہا: "ہاں!" اس نے پوچھا "اس نے ان کے ساتھ کیا کیا؟" ہم نے بتایا کہ "وہ گرد و پیش کے عربوں پر غالب آچکے ہیں اور انہوں نے ان کی اطاعت قبول کرلی ہے۔" اس پر اس نے کہا: "کیا واقعی ایسا ہو چکا ہے؟" ہم نے کہا "ہاں!" اس پر اس نے کہا: "ان کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ اس کی اطاعت قبول کرلیں۔ اب میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں۔ میں دجال ہوں۔ مجھے عنقریب خروج کی اجازت مل جائے گی۔" (صحیح مسلم حدیث: 7208۔ روایت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا)

اس حدیث شریف سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ دجال کی اور جساسہ کی جگہ زمین ہی ہے، ماورائے ارضی کسی طبقے میں نہیں ہے۔ نہ ہی عالم لامکان میں ہے۔ وہ اسی زمین پر کسی جزیرے میں مقید ہے۔ اب تک اس کے بارے یہ سوال حل طلب ہے کہ وہ جزیرہ کہاں ہے؟ مذکورہ بالا حدیث شریف میں مذکورہ دجال کے تین سوالات پر غور کرتے ہیں۔ کیونکہ باہر سے آنے والے لوگوں سے خصوصیت کے ساتھ ان تین سوالات کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کوئی خاص بات پوشیدہ ہے۔ ان سے دجال کا کوئی خاص تعلق ہے۔ وہ تین سوالات یہ ہیں:

دجال کے تین سوالات

(1) بیسان میں واقع کھجوروں کے باغ میں پھل آتے ہیں یا نہیں؟

(2) طبریہ کی جھیل میں پانی ہے یا نہیں؟

(3) زغر کے چشمے کے لوگ کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں یا نہیں؟

ہم ان تین سوالات پر غور کرتے ہیں کہ کیا خروج دجال اور ان کے درمیان کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ اس کے بعد حدیث شریف میں مذکور ایک خاص نکتے پر روشنی ڈالیں گے۔

جزیرے میں موجود اس شخصیت کے کردار پر جسے "الجساسہ" کا نام دیا گیا ہے۔

(1) بیسان کا باغ:

بیسان فلسطین میں ایک جگہ کا نام ہے۔ اسے سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مشہور کمانڈر صحابی حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ 1924ء میں خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد جب جزیرۃ العرب کے حصے بخرے ہوئے تو یہ اردن کا حصہ بن گیا۔ 1948ء تک یہ اسلامی ملک اردن کا حصہ تھا۔ تب 1948ء میں اسرائیل نے بیسان سمیت اردگرد کے علاقے پر قبضہ کر لیا اور تاحال یہ اسرائیل کے قبضہ میں ہے جو دجالی ریاست ہے۔ یہ علاقہ قدیم زمانے میں کھجوروں کے باغات کے لیے مشہور تھا جس کی تصدیق تمیم داری نے کی۔ لیکن اب یہاں پھل نہیں پیدا ہوتا۔ مشہور مورخ اور سیاح علامہ یاقوت حموی اپنی شہرہ آفاق کتاب "معجم البلدان" میں فرماتے ہیں کہ میں کئی مرتبہ بیسان گیا ہوں لیکن مجھے وہاں صرف دو پرانے کھجوروں کے باغ ہی نظر آئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں کے باغ پہلے پھل دیتے تھے۔ 626ھ تک جو علامہ حموی کی تاریخ وفات ہے، ان درختوں نے پھل دینا بند کر دیا تھا۔ اللہ اکبر! یہ دجال کی اس بات کی تصدیق ہے کہ "وہ زمانہ قریب ہے جب ان درختوں پر پھل نہیں آئیں گے۔" گویا دجال کے خروج کی تین بڑی علامتوں میں سے ایک علامت پوری ہو گئی ہے۔

(2) بحیرہ طبریہ کا پانی:

دجال کا دوسرا سوال یہ تھا کہ بحیرہ طبریہ کا پانی خشک ہو چکا ہے یا نہیں؟ گویا اس پانی کے خشک ہونے کا دجال کے خروج سے ضرور کوئی تعلق ہے۔ بحیرہ طبریہ اسرائیل کے شمال مشرق میں اردن کی سرحد کے قریب واقع ہے۔ اس کی لمبائی 21 کلومیٹر اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی 13 کلومیٹر ہے اور انتہائی گہرائی 157 فٹ ہے۔ اس کا کل رقبہ 166 مربع کلومیٹر

ہے۔ اس پر اس وقت اسرائیل کا قبضہ ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کا پانی بھی بغیر کسی
ظاہری وجہ کے روز بروز خشک ہوتا جا رہا ہے۔ اسرائیلی حکومت خلیج عقبہ سے پانی کی پائپ
لائنوں کے ذریعے یہاں پانی پہنچاتی ہے۔ لیکن بحیرہ طبریہ کا پانی میٹھا اور سمندر کا پانی کڑوا
ہے۔ اس لیے اسے میٹھا کرنے کے لیے بڑے بڑے پلانٹ نصب کرنے پڑتے ہیں جس
سے بڑے بڑے اخراجات آتے ہیں۔ بحیرہ طبریہ کے خشک ہوتے علاقوں کی تصویریں کئی
سال پہلے ان کالموں کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔ اس کا خشک ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ
دجال کی رہائی اور اس کے خروج کی دوسری علامت بھی پوری ہو چکی ہے۔

(3) زغر کا چشمہ:

دجال کا تیسرا سوال... جو درحقیقت اس کو خروج کی اجازت ملنے کا وقت قریب
آنے کی تیسری علامت ہے، زغر کے چشمے کے بارے میں تھا۔ زغر دراصل حضرت لوط
علیہ السلام کی صاحبزادی کا نام ہے۔ آپ کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ "ربہ" اور "زغر"۔ بڑی
صاحبزادی کے انتقال کے بعد جس جگہ دفنایا گیا وہاں قریب ہی ایک چشمہ تھا جس کا نام بھی
"ربہ" پڑ گیا۔ عربی میں چشمے کو "عین" کہتے ہیں۔ چھوٹی صاحبزادی کے انتقال پر انہیں بھی
ایک چشمے کے قریب دفن کیا گیا تو اس کا نام "عین زغر" (زغر کا چشمہ) پڑ گیا۔ یہ چشمہ بھی
اسرائیل ہی میں بحیرہ مردار (Dead Sea) کے مشرق میں ہے۔ دجال کی تحقیق و تجسس
کے عین مطابق یہ تیسری جگہ بھی اسرائیل میں واقع ہے اور اس کا پانی پوری طرح خشک
ہوتے ہی اسے خروج کی اجازت مل جائے گی۔

دجال کے جاسوس:

حدیث شریف میں دجال کی ان تین علامتوں کے علاوہ ایک اور نکتہ قابل غور
ہے۔ تمیم داری نے فرمایا "جزیرے میں ہمیں ایک عجیب و غریب مخلوق ملی جس کے بال

بہت بال تھے۔ بالوں کی کثرت کی وجہ سے اس کے آگے پیچھے کا پتا نہیں چل رہا تھا۔ ہم نے اس سے پوچھا: تیرا ناس ہو۔ تو کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: میں جساسہ ہوں۔"

"جساسہ" جاسوسی کرنے والے (جاسوس یا جاسوسہ) کو کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس جزیرے پر دجال کے علاوہ جو واحد جاندار موجود تھا وہ جاسوسی پر متعین ایک عجیب و غریب مخلوق تھی۔ اس سے سمجھ لینا چاہیے کہ جاسوسی اور اطلاعات کا حصول دجال کا اہم ترین حربہ ہوگا۔ اطلاعات کا حصول نگرانی اور خفیہ اطلاعات کا حصول خفیہ نگرانی سے ہوتا ہے۔ دجال دنیا بھر میں اپنے کلی اقتدار کے قیام و استحکام کے لیے خفیہ نگرانی کا جال بچھائے گا اور زمین پر موجود کسی شخص کو اپنی الکٹرانی آنکھ کے دائرے سے باہر نہ جانے دے گا۔ اس کے لیے کچھ ایسی چیزیں ابھی سے شروع ہو گئی ہیں جو دجال کے اس ہمہ گیر گرفت اور جابرانہ جکڑ بندی کی راہ ہموار کر رہی ہیں۔ مثلاً:

1- ڈیٹا اکٹھا کرنے کا سسٹم:

کچھ عرصے سے پوری دنیا میں ہر ذی روح کے کوائف جمع کرنے کا ایک نظام متعارف ہو رہا ہے جو دھیرے دھیرے اپنا دائرہ کار بڑھا رہا ہے۔ بظاہر اس کا عنوان متاثر کن ہے۔ مثلاً: ملکی سلامتی کے لیے وطن کے اصل باشندوں کے کوائف جمع کرنا۔ چنانچہ روئے زمین پر بسنے والے ڈکٹر بنی آدم کے نام، پتے، تصویریں، انگلیوں کے نشانات کسی نہ کسی عنوان سے کہیں نہ کہیں محفوظ کیے جا چکے ہیں۔ کسی فرد کے بارے میں مکمل معلومات انگلی کی ایک حرکت سے اسکرین پر لائی جا سکتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ملکی سلامتی کے لیے ضروری ہے۔ لیکن اس کا کیا جائے کہ ملکی سلامتی کے لیے اربوں روپے خرچ کر کے جمع کیا جانے والا یہ مواد عجیب کے دارالحکومت پر سلے بھیج دیا جاتا ہے اور ہر ہر فرد کو خفیہ کی زیرِ نگرانی کام کرنے والے ایک ماسٹر کمپیوٹر کی تحویل میں ڈال دی جاتی ہے۔ نادرا جیسے اداروں نے اسی لیے وجود

"تیز رفتار ترقی" پر رشک آتا ہے۔

عام طور پر کیمروں کی موجودگی کا جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اس طرح جرائم سے تحفظ، لوگوں کی جان و مال کی حفاظت اور شاہراہوں پر تیز رفتار ڈرائیونگ روکنے میں مدد ملتی ہے لیکن اصل مقصد "نگرانی" ہے اور اس مقصد کے لیے کرۂ ارض کے ارد گرد درجنوں سیٹلائٹس (مصنوعی سیارے) ہیں۔ یہ سیٹلائٹ اپنے کیمروں کے ذریعے زمین کے ایک ایک مربع گز کی واضح ترین تصویر حاصل کر کے کھوئی ہوئی سوئی بھی تلاش کر لیتے ہیں لیکن وہ ابھی تک گھروں کے اندر ہونے والی سرگرمیاں نہیں دیکھ سکتے۔ چھتوں کے نیچے ہونے والی سرگرمیوں کے بارے میں جاننے کے لیے انہیں سروے انفارمیشن پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ جس کا ذکر ابھی گزرا۔ آپ کے گھر سے نکلنے اور واپس آنے تک آپ پر نظر رکھی جاتی ہے۔ گلیوں میں نصب کیمروں، دکانوں، بسوں، ریل گاڑیوں میں نصب کیمروں کے ذریعے آپ کی نقل و حرکت پر نظر رکھی جاتی ہے۔ ٹرانسپورٹ کیمرے تو نہایت حساس اور [illegible] کے سائز کے ہوتے ہیں۔ برادری کے "بگ برادر" آپ کو ہر جگہ دیکھ رہے ہیں۔

3- چینل اور کمپیوٹر:

جب آپ واپس گھر آ جاتے ہیں تو سیٹلائٹ چینل سبسکرپشن اور Pay as you watch کے ذریعے "انہیں" معلوم ہوتا ہے کہ آپ کون سے چینلز میں دلچسپی رکھتے ہیں؟ آپ کے ٹیلی فون ریکارڈ کے ذریعے "وہ" آپ کے خاندان اور دوستوں کے بارے میں بھی جانتے ہیں۔ آپ کے کمپیوٹر کے ذریعے انہیں علم ہے کہ آپ کون سی ویب سائٹس وزٹ کرتے ہیں۔ کون سی ای میل آپ کو ملتی ہے اور آپ کے کمپیوٹر میں کیا کیا ہے؟ کچھ کلیدی الفاظ Key Words ہیں جو مشکوک ہیں۔ انہیں کمپیوٹر سسٹم (مواصلاتی نظام) میں فیڈ کر دیا گیا ہے مثلاً اسامہ بن لادن۔ آپ انہیں اپنی گفتگو میں ادا کریں۔

سب اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کی کوشش اور ناکام تاویلیں ہیں۔ یہی بات درست ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادی ہے کہ وہ اسی زمین پر ہے۔ مشرق کی جانب میں ہے۔ ایک جزیرے میں ہے۔ فرشتوں کی قید میں ہے اور وقت سے پہلے ساری دنیا کے سیٹلائٹ مل کر اسے تلاش کر سکتے ہیں نہ پوری دنیا کے یہودی مل کر اسے چھڑوا سکتے ہیں۔

یہ بات مکمل طور پر صحیح نہیں کہ سیٹلائٹ کے ذریعے زمین کے چپے چپے کو چھان مارا گیا ہے اور خشکی و سمندر کی مکمل سکیننگ ہو چکی ہے۔ ابھی حال ہی میں خبر آئی تھی کہ برازیل کے جنگلوں میں ایسے وحشی قبیلے کا انکشاف ہوا ہے جہاں جدید دور کے انسان کے قدم آج تک نہیں پہنچے۔ لہٰذا یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ دنیا میں اب بھی بہت دشوار گزار جگہیں ہیں جہاں "نادیدہ آنکھ" اب تک نہیں پہنچ سکی۔

ابلیسی سمندر اور شیطانی تکون:

حدیث شریف میں آتا ہے

(یہ واقعہ سنانے کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا منبر پر مار کر فرمایا: "یہ ہے طیبہ۔ یہ ہے طیبہ (یعنی مدینہ منورہ)۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تم کو یہی بتایا کرتا تھا۔ جان لو کہ دجال شام کے سمندر (بحیرۂ روم) میں ہے یا یمن کے سمندر (بحر عرب) میں ہے۔ نہیں! وہ مشرق میں ہے! مشرق میں! اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔" (صحیح مسلم: حدیث 7208)

اب جزیرۃ العرب سے مشرق کی جانب دیکھا جائے تو دو جگہیں ایسی ہیں جنہیں مغرب کے عیسائیوں کے ہاں بھی "شیطانی سمندر"، "شیطانی جزیرے" یا "جہنم کا دروازہ" کہا جاتا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ دونوں کا آخری سرا امریکا سے جا ملتا ہے۔

(1) مشرق بعید میں بحرالکاہل کے جاپان اور فلپائن کے ... ہیں ... ان کے

ردگرد کے گہرے اور خوفناک پانیوں کا نام ہی "شیطانی سمندر" (Devils Sea) ہے۔ یہ جنوب مشرقی جاپان، آیو دیاتی یوعین اور جزائر ماریانہ کے قریب ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہاں کوئی بھی اسلامی ملک نہیں پھر اسے "شیطانی سمندر" کا عالمی نام کس نے دیا؟ مسلمان ایسی نکتہ طرازی کریں تو سمجھ میں آتی ہے، غیر مسلموں نے اسے کیوں ابلیسی ٹھکانہ قرار دیا؟

یہاں یہ بات بھی مدنظر رہے کہ مشرق کی جانب واقع سمندر میں امریکا کی ایک سمندری ریاست بھی موجود ہے۔ امریکا کی پچاس ریاستیں ہیں جب کہ اس کے پرچم پر موجود پچاس ستاروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان میں سے اڑتالیس تو اکٹھی ہیں۔ دو دور فاصلے پر ہیں:

(۱) الاسکا: اس کے اور امریکا کے بیچ میں کینیڈا حائل ہے۔ یہ 1867ء تک روس کے پاس تھی۔ اس کے اور روس کے بیچ میں صرف درۂ بیرنگ کی تنگ سمندری گذرگاہ ہے۔ جو 170 ڈگری شمال طول بلد پر واقع ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ شمالی امریکا کی حدود میں آتی تھی اور امریکی برّ اعظم میں ایشیائی روس کی موجودگی امریکیوں کو نہایت کھلتی تھی۔

امریکا کے سترھویں صدر اینڈریو جانسن کی زندگی میں سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ انہوں نے 18 اکتوبر 1867ء کو الاسکا کے 586 ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا برفستان زار روس الیگزینڈر دوم (1881-1855ء) سے سات ملین ڈالر کی مالیت کے برابر ہونے کے بدلے خرید کر امریکی وجود کو روسی دخل سے پاک کر لیا۔ اس طرح الاسکا اپنے وسیع رقبے اور قیمتی معدنیات کے ساتھ انچاسویں ریاست کی حیثیت سے شرف بہ امریکا ہوا۔

(۲) جزیرہ ہوائی جس کا صدر مقام "ہونولولو" ہے۔ اس کا رقبہ گیارہ ہزار مربع میل ہے۔ یہ 1898ء میں پچاسویں ریاست کے طور امریکہ میں شامل ہوا۔ یہ کاہل کے بیچ میں جب امریکا الاقوامی سمندر ہے جس کا ایک مقام "ماریانہ ٹرنچ" دنیا کی گہری ترین جگہ

ہے، جس کی تہہ میں خوفناک آتش فشاں ہیں، جس میں زیر آب زلزلے آتے رہتے ہیں.... اور...... جس کا ایک حصہ "شیطانی سمندر" کے نام سے مشہور ہے۔

(2) اور پھر بحر اوقیانوس کے پار امریکا ہے۔ امریکا کے قریب سمندر میں ایک تکونی خطہ ہے جس کے متعلق عجیب و غریب قصے کہانیاں مشہور ہیں۔ ان میں حقیقت کم اور افسانہ زیادہ ہے۔ حقیقت اتنی ہے کہ یہ "شیطانی تکون" ہے۔ "تکون" سے آپ کے ذہن میں کیا بات آتی ہے۔ تکون کہاں استعمال ہوتی ہے؟ کس فرقے کا مخصوص نشان ہے؟ کس ملک کے نوٹ پر اہرام نما تکون چھپی ہوئی ہے؟ "برمودا ٹرائی اینگل" آج کی ترقی یافتہ سائنس کے لیے بھی ایک معمہ ہے۔ جدید ترین طیاروں اور بحری جہازوں کے آلات اس خطے میں داخل ہوتے ہی بے کار ہو جاتے ہیں۔ قریب پہنچتے ہی متاثر ہونے لگتے ہیں۔ اس کے اندر اللہ پاک کسی کو اپنی قدرت سے لے جائے تاکہ وہ دنیا والوں کو آگاہ کر سکے تو اس کی خصوصیت ہے۔ عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ زمین چونکہ گول ہے اس لیے امریکا کے مقام کو مبہم رکھنے کے لیے مشرق کی طرف اشارہ کیا جائے جو آگے جا کر بہرحال (زمین کے گول ہونے کی وجہ سے) مغرب تک پہنچے گا تو یہ استنباط حدیث شریف کی ایک ممکنہ تاویل ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس سے زیادہ قوی تاویل وہ ہے جو ایک مصری محقق عیسیٰ داؤد نے اپنی کتاب "مثلث برمودا" میں کی ہے کہ پہلے دجال بحر الکاہل کے ان ویران جزائر میں قید تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اسے بیڑیوں سے تو رہائی مل گئی۔ وہ زنجیروں سے آزاد ہو گیا ہے اور اپنے خروج کی راہ ہموار کر رہا ہے لیکن اسے ابھی خروج کی اجازت نہیں ملی لہٰذا وہ "شیطانی سمندر" سے "شیطانی تکون" تک رابطے میں ہے جس کے قریب شیطانی تہذیب پروان چڑھ کر عروج کو پہنچنے والی ہے۔

بحر شیطان سے مثلث برمودا تک: بحر الکاہل کے شیطانی سمندر اور بحر اوقیانوس کی

''شیطانی تکون'' میں کئی خصوصیات کے اعتبار سے مماثلت پائی جاتی ہے جو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ان دونوں میں کوئی ایسا تعلق ضرور ہے جو دنیا کی نظر سے پوشیدہ ہے اور یہ تعلق لازماً شیطانی ہے، رحمانی یا انسانی نہیں۔ مثلاً:

(1) دنیا میں یہ دونوں ایسی جگہیں ہیں جہاں قطب نما کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ دونوں میں متعدد ہوائی اور بحری جہاز غائب ہو چکے ہیں۔ بحر شیطان میں کم اور مثلث شیطان (برمودا) میں زیادہ۔ انتہائی عجیب تجربات یہ ہے کہ ان دونوں جگہوں کے درمیان ایسے جہازوں کو سفر کرتے دیکھا گیا ہے جو بہت پہلے غائب ہو چکے تھے۔

(2) دونوں کے اندر ایسی مقناطیسی کشش یا برقی لہریں یا لیزر شعاعیں قسم کی چیز موجود ہے جو ہماری بجلی سے ہزار گنا طاقتور ہے۔ یہ انتہائی طاقتور لہریں ہوائی یا بحری جہازوں کو توڑ مروڑ کر ان کا نام و نشان مٹا دیتی ہیں۔

(3) دونوں کے درمیان اڑن طشتریاں اڑتی دیکھی گئی ہیں جنھیں امریکی میڈیا کی مخصوص ''نادیدہ طاقتیں'' خلائی مخلوق کی سواری قرار دیتی ہیں جبکہ وہ دجال کی تیز رفتار سواری بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''دجال کے گدھے کے دونوں کانوں کے درمیان چالیس گز کا فاصلہ ہوگا اور اس گدھے کا ایک قدم تین دن کی مسافت کے برابر ہوگا اور وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر سمندر میں ایسے گھس جائے گا جیسے تم اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چھوٹی نالی میں گھس جاتے ہو۔'' (کتاب الفتن، نعیم بن حماد۔ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

تین دن کی مسافت ایک قدم پر تقسیم کی جائے تو تقریباً 28 کلومیٹر فی سیکنڈ بنتے ہیں۔ اڑن طشتریاں جہاں انتہائی تیز رفتار ہوتی ہیں وہاں وہ فضا کی طرح سمندر کی گہرائی میں بھی تیز رفتاری سے سفر کرتی ہیں نیز اپنا حجم چھوٹا یا بڑا کر سکتی اور فضا میں گم ہو جاتی یا زمین میں

کہیں بھی اتر جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ امریکا کا یہودی میڈیا ان سے متعلق سامنے آنے والے حقائق چھپا تا رہتا ہے۔ کچھ ماہرین نے انہیں منظر عام پر لانے کی کوشش کی تو انہیں قتل کر دیا گیا۔ یہ موضوع تفصیل چاہتا ہے۔ اس پر ان شاء اللہ الگ سے لکھا جائے گا۔

(4) دونوں جگہوں کو خواص و عوام قدیم زمانے سے شیطان کی طرف نسبت کرتے ہیں اور یہاں ایسی قوتوں کی کارستانیوں کے قائل ہیں جو انسانیت کی ہمدرد نہیں، خوفناک، پُراسرار اور جان لیوا ہیں۔ لیکن ان کے گرد اسرار کے ایسے پردے آویزاں کر دیے گئے ہیں کہ بال کی کھال اتارنے والے مغربی میڈیا اور چیونٹی کے بلوں میں گھس کر ان کی طرز زندگی پر تحقیق کرنے والے مغربی سائنس دان مہر بلب ہیں بلکہ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ ان دونوں جگہوں کے درمیان سفر کرنے والی اڑن طشتریوں کی حقیقت تک پہنچنے والے دو سائنس دانوں ڈاکٹر موریس جیسپ اور ڈاکٹر جیمس ای میکڈونلڈ کو ہلاک کر دیا گیا اور ان کی ہلاکت کو خودکشی کا نام دے کر اس راز کو دنیا سے چھپانے اور دفن کرنے کی کوشش کی گئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دجال کی قید گاہ کے بارے میں تین جگہوں کا نام لیا۔ دو کی نفی کی اور ایک کی تائید کی کہ دجال وہاں مقید ہے۔ ان تینوں میں سمندر کا نام آتا ہے۔ اس کی تشریح ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''ابلیس اپنا تخت سمندر پر لگاتا ہے۔ لوگوں کو فتنے میں ڈالنے کے لیے اپنا لشکر روانہ کرتا ہے۔ جو اس کے لشکر میں سب سے زیادہ فتنہ پرور ہوتا ہے وہ ابلیس کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔'' مسلم شریف کے شارح علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ابلیس کا مرکز ہے یعنی ابلیس کا مرکز سمندر میں ہے۔

اس سے ہمیں دجال کے مقام کو سمجھنے میں کچھ مدد ملتی ہے۔ وہ اس طرح کہ دجال
ابلیس کے ترکش کا سب سے کارآمد اور زہریلا تیر ہوتا ہے۔ اللہ کی سچی خدائی کے
مقابلے میں جھوٹی خدائی قائم کرنے کے لیے ابلیس کا سب سے اہم ہتھیار اور کارآمد حربہ
دجال ہے۔ ان دونوں کی باہمی ملاقات اور شیطانی قوتوں کی دجال کے ساتھ بھرپور امداد
احادیث سے ثابت ہے۔ کیا عجب کہ ابلیس کے مرکز میں ہی دجال مقید ہو اور اللہ تعالیٰ نے
اسے شیطانی سمندر اور شیطانی جزائر میں مقناطیسی کشش پیدا کر کے عام انسانوں سے مخفی کر
رکھا ہو۔

دجالی شعبدوں کی دو تشریحات:

احادیث میں دجال کو دیے گئے جن محیر العقول شعبدوں کا ذکر آتا ہے، ایسا لگتا ہے
کہ ان کا تعلق بھی انہی مقناطیسی لہروں یا لیزر شعاعوں سے ہے۔ ان شعاعوں کے ذریعے وہ
کام کیے جا سکتے ہیں جن کو دیکھ کر کمزور ایمان اور ناقص علم والے تو جھوٹے خدا کو سچا ماننے
میں دیر نہیں کریں گے۔ یہ کام دو طرح کے ہو سکتے ہیں:

(1) بعض میں تو حقیقت وہی ہوگی جو دکھائی دے رہی ہے۔ یعنی ان شعاعوں کو کسی
انسان یا انسانوں کے مجمع پر ڈالا جائے تو وہ شخص کر غائب ہو جائے گا۔ کھیتوں پر ڈالا جائے
تو سرسبز کھیت جل کر راکھ ہو جائیں گے اور بنجر کھیت لہلہانے لگیں۔ مادرزاد اندھے کی بینائی
لوٹا دینا، لاعلاج امراض کا علاج کر دینا، جانداروں کو مار ڈالنا یا غائب کر دینا وغیرہ وغیرہ۔ یہ
سب کچھ ان شعاعوں کے ذریعے پلک جھپکنے میں ممکن ہوگا۔

(2) دوسری قسم وہ ہے جس میں نظر بندی ہے۔ حقیقت وہ نہیں ہوگی جو نظر آ رہی
ہے۔ مثلاً تیز اسرار کے طور پر یا دو بحری جہازوں کو غائب کر دینا۔ سمندر کی تہہ میں یا زمین
کی تہہ میں موجود چیزوں کو جان کر لے لینا۔ تو وہ انسان کو دو ٹکڑے کر کے اور جوڑ دے

دے گا۔ وہ ان شعاعوں کے مقابلے میں مجاہدین کے امیر حضرت مسیح علیہ السلام کو ایسی شعاعوں کی طاقت دے گا کہ جہاں تک ان کی نظر جائے گی کافر مرتے جائیں گے اور دنیا کو برموداکی شعاعوں کا شعبدہ دکھانے والا دجال تو ان کو دیکھتے ہی پگھلنے لگے گا۔ اور اس کے ساتھ موجود یہودیوں کو قلیل تعداد اور بے سروسامان مجاہدین ہر پتھر اور درخت کے پیچھے سے پکڑ پکڑ کر برآمد کر لیں گے اور چن چن کر ختم کر دیں گے۔ یہودیت، شیطنت اور دجالیت ہمیشہ اس حقیقت کو بھول جاتی ہے۔ اس کو مادی طاقت کا زعم رہتا ہے اور دنیا بھی ان کی طاقت سے مرعوب ہو کر خدائی احکام اور جہاد فی سبیل اللہ سے منہ موڑ لیتی ہے۔ یہ انسانیت کی بدقسمتی ہے۔ جو حشر ہو چکا یہودی اور اس کی ہم نوا صہیونی طاقت کا افغانستان میں ہو رہا ہے۔ وہی حشر دجال کی "ناقابل شکست ٹیکنالوجی" کا آرمیگاڈون کے میدان میں "افیق" کی گھاٹی میں ہوگا۔

دجالی شعبدوں کو ناکام بنانے کا طریقہ:

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ابن صیاد سے فرمایا تھا: "اخسأ فلن تعدو قدرک"

یعنی مردود تو اپنی اوقات سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ابن صیاد جیسا دجال اصغر ہو یا یہودیوں کا مسیحائے منتظر دجال اکبر، دونوں کو رب تعالیٰ ایک حد سے آگے کی نہ طاقت دیں گے نہ اپنی مخلوق کے لیے اسے ایک حد کے بعد آزمائش بنائیں گے۔ دجال کی یہ شعاعیں اس مسلمان کے آگے قطعاً بیکار رہیں گی اور اس کو نقصان نہ پہنچا سکیں گی نہ اس کی نظر بندی کر سکیں گی جو:

(1) سورۂ کہف کی (یا اس کی ابتدائی یا آخری دس آیات کی) تلاوت کرے گا۔

(2) تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل (تیسرا اور چوتھا کلمہ) کا ورد کرے گا۔ (3) اور جو دجال کے مقابلے پر تحریک کر اس کے خلاف علم جہاد بلند کرے گا۔ جہاد وہ بے مثال ٹیکنالوجی ہے جو یہود کی صدیوں کی محنت سے حاصل کردہ سائنسی ٹیکنالوجی کو ایک جھٹکے میں ہوا کر لے جائے گی

اوران کے پاس سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ نہ چھوڑے گی۔ جب تمام دنیا نے امریکا سے
شکست کھائی تھی تو طالبان نے جہاد کی بدولت اسے اس کی اوقات یاد دلا دی۔ عنقریب
جب تمام روشن خیال دنیا دجال کو خدا تسلیم کر چکی ہوگی، خراسان کے کالے جھنڈے والے
اس کی جھوٹی خدائی کا پردہ چاک کر ڈالیں گے۔ کاش! مسلمان اس دن کی تیاری ابھی سے
کریں۔ تقویٰ اور جہاد۔ تقویٰ اور جہاد۔ تقویٰ اور جہاد۔ اے اہل اسلام! تقویٰ اور
جہاد۔ ان دو چیزوں کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔

بات یہ ہے:

دجال کہاں ہے؟ یہ سوال اسرار و رموز کے دبیز پردے کے پیچھے چھپا تھا۔ اب جیسے
جیسے اس کے ظہور کا وقت قریب آ رہا ہے، ایسا لگتا ہے اللہ تعالیٰ انسانی اور دجالی قوتوں کے
ٹھکانے کو تھوڑا تھوڑا آشکار کرنا چاہتے ہیں۔ بہرحال اس کا معلوم ہو یا نہ معلوم ہو، واضح ہو یا
مبہم معلوم ہو کر بھی نامعلوم رہے یا بالکل مجہول رہے، بات یہ ہے جس چیز کو حدیث شریف
میں جتنا بتایا گیا ہے اس سے زیادہ جاننے میں یقیناً کوئی فائدہ نہ تھا اس لیے اسے مبہم رکھا
گیا۔ ہمیں اس ابہام کی تشریح کے پیچھے پڑنے کے بجائے اس مقصد پر نظر رکھنی چاہیے جو
ابہام کا تقاضا ہے۔ یعنی دجال کے مسکن کی تعیین کے بجائے دجالی فتنے کے مقابلے کی تیاری۔
آج اگر ہمیں اس کا مسکن معلوم بھی ہو جائے تو نہ کوئی قبل از وقت اسے قتل کر سکتا ہے نہ اس
جزیرے تک پہنچ سکتا ہے۔ البتہ جب دجال نکلے گا اور پوری دنیا میں دندنائے گا تو جس نے
اس کے مقابلے کے لیے دنیا کی محبت سے جان چھڑا کر موت کی تیاری نہ کی ہوگی، حرام چھوڑ
کر حلال کی پابندی نہ کی ہوگی، سورۂ کہف اور ذکر و تسبیح کی عادت نہ ڈالی ہوگی، اللہ کی
ملاقات کا شوق دل میں پیدا نہ کیا ہوگا اور جہاد سے غافل رہا ہوگا، وہ اس کے فتنے کا شکار
ہونے سے نہ بچ سکے گا۔ فتنے کا مرکز معلوم ہونا اتنا اہم نہیں جتنا فتنے کا شکار ہونے سے بچنا

کی تیاری کرنا اور فتنے سے بچنا اتنا قابلِ قدر نہیں جتنا اس کے خاتمے کے لیے فیصلہ کن جدوجہد کا عزم کرنا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و استقامت کا اعلیٰ درجہ اور جدوجہد و جہاد کا لازوال جذبہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

دجال کب برآمد ہوگا؟

اس بحث کا تیسرا اور آخری سوال ۔ جو پہلے دو سوالوں سے زیادہ نازک، تحقیق طلب اور کسی جواب سے بعید ترین ہے ۔ یہ ہے کہ دجال کب نکلے گا؟ اسے زنجیروں سے آزادی تو شاید مل چکی ہے، قید سے رہائی کب ملے گی؟ اور دجال کا راستہ ہموار ہونے، اسٹیج تیار ہونے اور دجالی قوتوں کی مادی ترقی کے نقطۂ عروج پر پہنچنے کے بعد وہ کون سا لمحہ ہے جب وہ خروج کر کے دنیا کو تاریخ انسانی کی سب سے بڑی آزمائش سے دوچار کرے گا؟

ہمیں قرآن مجید سے اس طرح کے سوالات کے دو جواب ملتے ہیں: چنانچہ پہلا جواب تو وہی ہے جو سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 51 میں وارد ہوا ہے: "قل عسی ان یکون قریبا۔"

ترجمہ: "اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے کہ عین ممکن ہے کہ وہ (لمحۂ موعود) بالکل ہی قریب آ گیا ہو۔"

بالکل اسی طرح کی ایک آیت سورۃ المعارج میں بھی وارد ہوئی ہے: "انہم یرونہ بعیدا ونراہ قریبا"

بیزاری یا خدا کے انکار کو ہر صورت بڑھانے کی راہ خوب صاف کر رہا ہے یا کر چکا ہے لیکن بجائے خدا کے خود اپنی خدائی کے اعلان کی جرأت اس میں ابھی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ المسیح الدجال اسی قصے کی تکمیل کرے گا۔ یہ کھلی ہوئی اور صاف ستھری بات جس میں خواہ مخواہ نبوت کے الفاظ میں کھینچ تان اور رکیک تاویلوں کی ضرورت نہیں ہوتی یہی ہے کہ "المسیح الدجال" کے خروج کا دعویٰ تو قبل از وقت ہے مگر "مسیح الدجال" جس فتنے میں دنیا کو مبتلا کرے گا اس فتنے کے ظہور کی ابتدا کسی نہ کسی رنگ میں مان لینا چاہیے کہ ہو چکی ہے۔ دوسرے لفظوں میں چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ دجال آیا ہو یا نہ آیا ہو لیکن "دجالیت" کی آگ یقیناً بھڑک چکی ہے۔ خود حدیثوں میں یہی تو آیا ہے کہ "المسیح الدجال" سے پہلے "دجاجلہ" کا ظہور ہوگا۔ بعض روایتوں میں ان کی تعداد تیس اور بعضوں میں ستائیس تک بتائی گئی ہے۔ "دجال" سے پہلے ان "دجاجلہ" کی طرف "دجالیت" کا انتساب بلا وجہ نہیں کیا گیا ہے۔ بنا بریں یہی مفہوم ہوا ہے کہ "المسیح الدجال" جس فتنے کو پیدا کرے گا وہ اسی قسم کے فتنوں میں اس سے پہلے ہونے والے "دجاجلہ" دنیا کو مبتلا کریں گے۔" (ص 25-24)

(2)... مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سورۂ کہف اور دجال سے اس کے خصوصی تعلق پر لکھی گئی کتاب "معرکۂ ایمان و مادیت" میں رقم طراز ہیں:

"عہد آخر میں یہودیوں نے (مختلف اسباب کی بنا پر جن میں بعض ان کے نسلی خصائص سے تعلق رکھتے ہیں، بعض تعلیم و تربیت سے، بعض سیاسی مقاصد اور قومی منصوبوں سے) علم و فن اور ایجادات و اختراعات کے میدان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہوں نے ایک طرح سے تہذیب جدید پر پورا کنٹرول کر لیا اور ادب و تعلیم، سیاست و فلسفہ، تجارت و صحافت اور قومی رہنمائی کے سرچشمے اور وسائل ان کے ہاتھ میں آ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

انہوں نے مغربی تہذیب (جو مغربی ماحول میں پیدا ہوئی) کے ایک اہم ترین عنصر کی
حیثیت حاصل کر لی۔ جدید تغیرات کا جائزہ لینے سے بخوبی اندازہ ہوگا کہ بین الاقوامی
یہودیت کا اثر و رسوخ مغربی معاشرہ میں کس قدر بڑھ چکا ہے؟ اب یہ تہذیب اپنے تمام
سرمایۂ علم و فن کے ساتھ اپنے حتمی انجام کی طرف بڑھ رہی ہے اور تخریب و فساد اور تلبیس و
دجل کے آخری نقطہ پر ہے اور یہ سب ان یہودیوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے جن کو اہل مغرب
نے سر آنکھوں پر بٹھایا اور ان کے دور رس تخریبی مقاصد، منافقانہ ذہنیت اور تخریبی عزائم سے
غافل و بے پروا ہو کر ان کی جڑوں کو اپنے ملکوں میں خوب پھیلنے اور گہرا ہونے کا موقع دیا
اور ان کے لیے ایسی سہولتیں اور مواقع فراہم کیے جو طویل صدیوں سے ان کے خواب و
خیال میں بھی نہ آ سکے ہوں گے۔ یہ انسانیت کا سب سے بڑا المیہ ہے اور نہ صرف عرب
کے لیے (جو ان کو بھگت رہے ہیں) اور نہ صرف اس محدود رقبے کے لیے جہاں موت و زیست
کی کشمکش ہو رہی ہے) بلکہ پوری دنیا کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔" (ص 10، 11)

(۳) عالم عرب کے مشہور عالم، داعی اور محقق شیخ سفر بن عبدالرحمٰن الحوالی اپنی
کتاب "یوم الغضب" میں لکھتے ہیں:

"رہا آخری مشکل سوال کہ غضب والا دن کب نازل ہوگا؟ اللہ تعالیٰ "ویرانے کی
مکروہ چیز" کو کب تباہ کرے گا؟ بیت المقدس کی زنجیریں کب کھلیں گی؟ اس کا جواب ہم نے
ضمناً پہلے ہی دے دیا ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ دانیال نے عرب اور کسریٰ کے درمیان 45
سال کا تعین کیا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دانیال کی پیشگوئی کے مطابق یہود ریاست
1967ء میں قائم ہوئی (حتیٰ کہ انہوں نے بیت المقدس پر قبضہ 1967ء میں جا کر کیا) [راقم] تو اس
صورت میں اس کا خاتمہ دانیال کے حساب کا آغاز (1967+45) 2012ء میں
ہوگا۔ ان سالوں کے درمیان کیا توقع ہے؟ لیکن اب یہ تمام واقعات تصدیق نہیں کر رہے ہم

کوئی قطعی بات نہیں کہہ سکتے۔" (ص:122)

(4) ...... جامعہ ازہر کے استاد، اور مہدویات کے مشہور مصری محقق، الاستاذ امین محمد جمال الدین اپنی معرکۃ الآرا کتاب "ہرمجدون" (آرمیگاڈون) کے صفحہ 33 پر رقم طراز ہیں:

"نعیم بن حماد نے روایت کی ہے کہ کعب نے کہا: "ظہور مہدی کی علامت مغرب سے آنے والے جھنڈے ہیں جن کی قیادت کندۃ (کینیڈا) کا ایک لنگڑا آدمی کرے گا۔"

مجھے گمان تک نہ تھا کہ امریکی ایک لنگڑے کا انتخاب کر کے اسے کمانڈر انچیف کے منصب پر فائز کریں گے بلکہ میں اپنے دل ہی دل میں سمجھتا تھا کہ اعرج کے لفظ سے مراد ایک کمزور شخص ہے جس کی رائے میں کوئی وزن نہ ہو گا۔ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ دنیا کی فوج کا سپہ سالار ایک لنگڑے کو بنا نا روا سمجھیں گے۔ بدشگونی کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ فوج اپنے قائد کی طرح عاجز و درماندہ ہوگی۔ جب میں نے دیکھا کہ کینیڈا سے تعلق رکھنے والا جنرل رچرڈ مائرز بیساکھیوں پر چل کر آ رہا ہے تا کہ وہ امریکی عوام کے سامنے افغانستان کے خلاف بری، بحری اور فضائی آپریشن کا اعلان کرے تو میرے منہ سے نکل گیا۔ اللہ اکبر! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے سچ فرمایا ہے۔

اتحادی فوج کے جھنڈوں (صلیبی جھنڈوں) کا کینیڈا کے لنگڑے جرنیل کی زیر قیادت خروج کشت وخون کے آغاز کی علامت ہے اور حی و قیوم کی قسم! یہی ظہور مہدی کی علامت ہے۔ اگر ہم لنگڑے امریکی کمانڈر انچیف پر حیران ہو رہے ہیں تو ہمیں ایک اور عبارت پر بھی حیران ہونا چاہیے جس کو نعیم بن حماد نے ہی روایت کیا ہے۔ اس میں اسی لنگڑے کا وصف بیان ہوا کہ پھر لنگڑا کینیڈین خوبصورت تاج لگا کر ظاہر ہو گا۔ جب تو لنگڑے کو خوبصورت فوجی وردی، تمغوں اور بیجوں میں دیکھے گا تو بے ساختہ تیرے منہ سے نکلے گا: سبحان اللہ! واقعی مہدی کا ظہور قریب تر ہے کیونکہ کینیڈین لنگڑا جرنیل ظاہر ہو چکا ہے۔"

تھوڑا آگے چل کر صفحہ 36 پر وہ کہتے ہیں

"1400ھ کی دہائیوں (دو یا تین دہائیوں) میں مہدی امین کا خروج ہوگا۔ وہ ساری دنیا سے جنگ کرے گا۔ سب گمراہ اور حد کے تعصب کے مارے اس کے خلاف اکٹھے ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ وہ لوگ بھی جو اسراء اور معراج کے ملک میں نفاق کی حد کمال تک پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ سب مجدون نامی پہاڑ کے قریب جمع ہوں گے۔ ساری دنیا کی مکار اور جوکر ملک جس کا نام امریکا ہے، اس کے مقابلے کے لیے نکلے گی۔ اس دن وہ پوری دنیا کو گمراہی اور کفر کی طرف دھکیلے گی۔ اس زمانے میں دنیا کے یہودی اوج کمال تک پہنچے ہوں گے۔ بیت المقدس اور پاک شہر ان کے قبضے میں ہوگا۔ بحر و بر اور فضا سے سب ممالک آ جھپٹیں گے سوائے ان ممالک کے جہاں خوفناک برف پڑتی ہے یا خوفناک گرمی پڑتی ہے۔ مہدی دیکھے گا کہ پوری دنیا مہدی کے خلاف سازشیں بنا کر اس کے خلاف صف آرا ہے اور وہ دیکھے گا کہ اللہ کی تدبیر سب سے زیادہ کارگر ہوگی۔ وہ دیکھے گا کہ پوری کائنات اللہ کی ہے اور سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ساری دنیا بمنزلہ ایک درخت کے ہے جس کی جڑیں اور شاخیں اسی اللہ کی ملکیت ہیں..... اور ان پر اجتماعی کریہ ناک تیر پھینکے گا اور زمین و آسمان اور سمندروں ان پر جلا کر راکھ کر ڈالے گا۔ آسمان سے آفتیں برسیں گی۔ زمین والے سب کافروں پر لعنت بھیجیں گے اور اللہ تعالیٰ ہر کفر کو مٹانے کی اجازت دے دے گا۔"

(5) برصغیر کی ایک مشہور بزرگ شخصیت جن کی علامات قیامت کے بارے میں منظوم پیشین گوئیاں معروف اور مشہور ہیں یعنی مولانا حضرت احمد شاہ المعروف (شاہ ولی نعمت اللہ) کی پیشین گوئیوں میں فرماتے ہیں

[illegible]

تیار کر کے ہمراہ لائے گا

- الف یعنی انگلستان اپنے مشن سے کہ ان کا ایک لفظ بھی صفحہ ہستی پر بجز تاریخوں میں ان کی یاد کے اور ان کے کچھ باقی نہ رہے گا۔

- غیب سے سزا دینے کی جنگ کا سرنام پائے گا اور پھر کبھی عیسائی طرز حسرت اٹھائے گا۔

- بے ایمان ساری دنیا کو خراب کر دیں گے۔ آخر کار ہمیشہ کے لیے جہنمی آگ کا نذرانہ ہو جائیں گے۔ وہ راز ہستہ ہیں جو میں نے کہا ہے اور موتیوں کی طرح پرو دیا ہے۔ تیری نصرت و کامیابی کے لیے ایک استاد غیبی کا کام دے گا۔

اگر تو جلدی پہنچتا ہے اور فتح چاہتا ہے تو خدا کے لیے احکام الٰہی کی پیروی کر۔ جب آئندہ کساد زمین کا سال شروع ہوگا تو حضرت مہدی اپنے معبود یقینا بعدہ پر جلوہ افروز ہوں گے۔

"نعمت تو موش ہو جاؤ اور خدا کے رازوں کو آشکار امت کر۔ نعمت اللہ کشمیری (745 ہجری) میں نے یہ اشعار لکھے ہیں۔"

(6) صدر دارالعلوم کراچی حضرت مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی دامت برکاتہم ماہنامہ "البلاغ" میں شائع شدہ اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقبل کے بارے میں بشارتیں اور ان کی تطبیق صورت حال کے بارے میں رہنمائی فرمائیں۔

جواب: اس سلسلے میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگی خبریں دی ہیں ان کی رو سے اگر دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دنیا کی سیاست، جغرافیے اور حالات میں جو تبدیلیاں بڑی تیزی سے رونما ہو رہی ہیں اور ہو رہی ہیں یہ سب اس دور کی طرف دنیا کو لے جا رہی ہیں جو حضرت مہدی کے ظہور سے پہلے آنے والا ہے اور بتایا

میدان اس کے لیے تیار ہو رہا ہے۔ اور روایت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت مہدی کے زمانے میں مسلمانوں میں اختلاف عروج پر پہنچا ہوا ہوگا تو اختلاف کا خاتمہ وہی کریں گے اور دوبارہ خلافت اسلامیہ قائم ہوگی۔ جس کے سربراہ حضرت مہدی ہوں گے بظاہر وہ وقت اب زیادہ دور نظر نہیں آتا۔

سوال: حضرت مہدی کے ظہور کے پہلو بہ پہلو دجال کا ظاہر ہونا بھی آتا ہے؟

جواب: وہ پوری امت کے لیے آزمائش کا وقت ہوگا۔ لیکن یہ تو بات ہے کہ امت کی ذلت کا وقت نہیں ہوگا اس لیے کہ مسلمان ایک امیر کے جھنڈے کے نیچے متحد ہوں گے اور حق ان کے سامنے کھلا ہوا ہوگا۔ حضرت مہدی کو قبول حق ہوگا اور ان کے خلاف جو ہوگا وہ باطل ہوگا۔ اس شکل میں وہ دوچار نہیں ہوں گے جس شکل میں اب ہم ہیں کہ کس بات کو ہم صحیح سمجھیں کس کو غلط سمجھیں۔ ٹھیک ہے دجال بہت جانیں لے گا قربانیاں بہت دی جائیں گی لیکن کم از کم ذلت نہیں ہوگی۔ ذلت نہیں ہوگی۔ مسلمان کی موت ہوگی تو عزت کی موت ہوگی۔ (البلاغ ج 6 شمارہ 11 جنوری 2004ء)

یہ تو اس سلسلے میں حضرت کا انٹرویو تھا۔ آپ کا ایک مضمون "امریکہ کی سرزمین میں چند روز" بھی "البلاغ" میں قسط وار شائع ہوا ہے۔ اس کی پانچویں قسط میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

"ان دنوں میں جن جن تاریخی مقامات پر جانا ہوا کم و بیش اسرائیل کے مقبوضات بھی ساتھ ہی نظر آئے جو انھوں نے مسلمانوں سے چھینے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ دل تو شامت اعمال سے پہلے ہی زخمی ہے، ان مناظر کو بچشم خود دیکھ کر اور بھی چوٹ پر چوٹ محسوس ہوتی رہی۔ لیکن پوری دنیا جس تیزی سے بدل رہی ہے، وہ جس طرح چل رہی ہے، خصوصاً شرق اوسط (Middle East) میں تیزی سے حالات سامنے آ رہے ہیں جو انقلابات رونما ہو رہے ہیں، اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ علامات کی

سے بھی اس کنویں کو ختم نہ کیا جا سکا۔ مجبوراً سڑک وہاں سے ہٹا کر گزارنی پڑی۔ وہاں اب یہ لکھا ہوا تھا کہ "ھذا مکان تاریخی" (یعنی ایک تاریخی مقام ہے)۔

ان ہی علی حسن بیاری صاحب نے بتایا کہ ان کے ایک ماموں زاد بھائی بھی جو ''علامات قیامت'' کی تحقیق و جستجو میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں ہلند گئے تھے۔ وہاں انہوں نے ایک محل دیکھا جو اسرائیلی انتظامیہ نے اپنے "مسلك السلام" (دجال) کے لیے بنایا ہے۔''

(7)..... علامات قیامت، آخری زمانے کے فتنوں اور ان کی عصری تطبیق رکھنے والے ایک اور صاحب بصیرت عالم حضرت مولانا عاصم عمر فاضل دارالعلوم دیوبند اپنی مقبول عام کتاب ''تیسری جنگ عظیم اور دجال'' میں فرماتے ہیں:

''جہاں تک تعلق وسائل پر قبضے کا ہے تو اگر آج سے پچاس سال پہلے جنگوں کے بارے میں یہ کہا جاتا کہ یہ دنیا کے وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے ہیں تو کسی حد تک درست تھا لیکن اس دور میں ان جنگوں کو تیل اور معدنی وسائل کی جنگ کہنا اس لیے درست نہیں کہ امریکا پر حکمرانی کرنے والی اصل قوتیں اب تیل اور دیگر دولت کے مرحلے سے بہت آگے جا چکی ہیں۔ اب ان کے سامنے آخری ہدف ہے اور وہ اپنی چودہ سو سالہ جنگ کے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہیں۔'' (ص:23)

مولانا موصوف ''صدائے امت'' میں ''طلسم کشائی'' کے نام سے برموار کون پر لکھے گئے کالم میں فرماتے ہیں:

''یہ فتنہ دجال ہے جس کو یاد کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم رونے لگتے تھے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے فکر مند رہتے کہ مدینہ منورہ میں ایک لڑکے (ابن صیاد) کی پیدائش کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی جس میں دجال کی نشانیاں پائی جاتی تھیں تو آپ صلی اللہ

کہنا بھی غلط نہ ہوگا۔ کے جھنڈے تلے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف متحد ہو چکی ہیں اور ستم ظریفی یہ کہ قوت وطاقت کے نشے میں سرشار اس سپر پاور کے سر پر "یہودی" سوار ہے جس کی مسلمان دشمنی محتاج بیان نہیں۔ اس تناظر میں صاف نظر آتا ہے کہ امت کا مستقبل نہایت تاریک ہے اور شدید اندیشہ ہے کہ دجالی فتنے کا یہ سیلاب مسلمانوں کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا۔" (ص:3)

اسی کتاب میں آگے چل کر اپنے تاثرات کا خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں۔

"حال ہی میں ایک اور کامیابی انہیں خلیج کی جنگ کے بعد حاصل ہوئی ہے اور وہ یہ کہ فلسطینیوں سمیت تمام عرب ممالک نے اسرائیل کو اس حد تک تو تسلیم کر ہی لیا کہ اس کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اب ظاہر ہے کہ ان کی آخری منزل مقصود" دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا!" کی مصداق کامل بن چکی ہے اور وہ ہے عظیم تر اسرائیل کا قیام اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو۔ اب آخری منزل تک پہنچنے کے لیے یہود کا سازشی ذہن ایسی تدابیر اختیار کرے گا کہ "مسلم فنڈا منطلزم" کا ہوّا دکھا کر مغرب کی عیسائی دنیا کو مسلمانوں خصوصاً عربوں سے لڑوا دے۔ چنانچہ یہی سلسلہ "ملاحم" کا اصل پس منظر ہوگا اور اس کے ضمن میں جب اسرائیلی یہودی دیکھیں گے کہ حضرت مہدی کی قیادت میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہونے لگا ہے تو کوئی اسرائیلی لیڈر "انا المسیح" کا نعرہ لگا کر میدان جنگ میں کود جائے گا۔ چنانچہ یہی "المسیح الدجال" ہوگا جس کے ہاتھوں مسلمانوں کو شدید ہزیمت اٹھانی پڑے گی اور ایک بار تو عظیم تر اسرائیل قائم ہو تی ہی جائے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اصل حضرت مسیح علیہ السلام کو بھیج کر یہودیوں کا قلع قمع کر دے گا اور وہی عظیم تر اسرائیل ان کا عظیم تر قبرستان بن جائے گا۔ وما ذلک علی اللہ

عجیب!!!" (ص: 130)

ان دونوں مجموعوں میں جو بات مشترک ہے وہ یہ کہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے عرب و عجم کے اہل علم اب اس وقت کو کچھ زیادہ دور نہیں سمجھتے۔ ان سب کا وجدان، شعور اور ادراک یہ کہتا ہے کہ امت کو اس مشکل وقت کے لیے خود کو تیار کر لینا چاہیے جو انتہائی خوفناک فتنوں کو اپنے جلو میں لے کر عنقریب ان پر آ پڑنے والا ہے۔ ایک آفت کا حتمی وقت معلوم ہو تو اس کی تیاری اتنی مشکل نہیں جتنا کہ اس چیز کی جو قریب آ کر دور چلی جائے اور پھر دور رہ کر قریب دکھائی دے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے قلوب کو خیر کی قبولیت کی صلاحیت دے اور اسے حق کے دفاع و غلبے کے لیے جان مال لٹانے کی توفیق عام عطا کرے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حیلہ کارگر نہیں ہو سکتا۔ باقی سب چیزیں تعلیم، تبلیغ، سیاست، تحریک، علم و ٹیکنالوجی اس کے تابع اور ماتحت ہوں تو پھر مفید ہیں لیکن اس سے لاتعلقی اور کنارہ کشی کی قیمت پر تو یہ سب غیر مؤثر ہیں۔ آج تک مسلمانوں کی ترقی و کامیابی کا راز یہی رہا ہے اور آئندہ بھی اللہ کا قانون تبدیل نہیں ہو سکتا۔ عصر حاضر کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ مغرب کی حیران کن مادی ترقی کا مقابلہ اتنی ہی مادی طاقت حاصل کر کے کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ یہ ممکن نہیں ہے۔ اس میدان میں مغرب ہم سے اتنا آگے ہے کہ اس کا تعاقب کھیل میں ممکن نہیں، زندگی کی عملی حقیقتوں میں ایسا کہاں ممکن ہوگا؟ پچھلے اولمپک گیمز (بیجنگ، چین) میں پاکستان زور لگا کر بھی ایک تمغہ نہیں جیت سکا۔ پورا عالم اسلام مل کر بھی اتنے امریکا کے ایک چھوٹے سے ملک "جمیکا" جتنے تمغے نہیں جیت سکا۔ دبئی کی ایک شہزادی کو جوڈو کرانے کا شوق چرایا لیکن جب پہلا ہی مقابلہ جنوبی کی چیمپئن سے پڑا تو یہ شوق ٹھنڈا پڑا۔ تو جب کھیلوں میں یہ حال ہے تو حضور آپ سوچیے کہ دنیا میں ہم مغرب سے کتنا پیچھے چلے گئے ہیں۔ البتہ میدان میں پچھاڑنے کا مقابلہ ہو تو مغرب ہم سے نہیں جیت سکتا۔ جس طرح عالم اسلام کے تیس چالیس ملک مل کر ایک چھوٹے سے امریکی ملک سے نہیں جیت سکتے، اسی طرح "عظیم ترین امریکا" چالیس ملکوں کو ساتھ لے کر نہتے طالبان کے آگے بے بس ہے۔ اے مسلمانو! اللہ کے لیے سوچو! آنکھوں سے دیکھنے کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے۔ اب تو سمجھ لو! اب تو مان لو! دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں سے تعلیم و ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر کسی ایک کا مقابلہ تم نہ کر سکے لیکن جہاد کے مبارک عمل کی بدولت دنیا کے پسماندہ ترین ملک کے غیر منظم مجاہدین نے دنیا کے تمام سپر پاور اور ٹیکنی سپر پاور کو وخت ڈالا ہوا ہے۔ یہ کیا راز ہے؟ ترقی کا یہ کیسا فارمولا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھا کر گئے ہیں۔ ذیل میں ذکر کی جانے والی ساری تدبیریں اسی ایک نکتے کے گرد گھومتی ہیں۔

روحانی تدابیر

اللہ تعالیٰ جو بیماری نازل کرتا ہے، اس کا علاج بھی بتاتا ہے۔ احادیث میں جس طرح آخر زمانے کے فتنوں اور خونریز معرکوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے اسی طرح ان سے نجات کی راہوں کی بھی اتنی دقیق تفصیل ہے کہ کوئی چیز کوئی تدبیر باقی نہیں چھوڑی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے ہر آنے والے فتنے اور واقعے کے بارے میں معلومات چھوڑی ہیں۔ لیکن جس طرح آخری زمانے کے فتنوں اور ان میں ہونے والی ہلاکتوں کے بارے میں احادیث اور آثار غیر معروف ہیں، اسی طرح وہ آثار جن میں ایسی نبوی ہدایات اور قیمتی نصیحتیں ہیں جو نجات کی راہوں پر روشنی ڈالتی ہیں، غیر معروف ہیں اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ ہمیں اس موقع پر اکابر علمائے اہل حق کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ وہ ہمیں ان سے آگاہ کرتے اور مطلع رکھتے ہیں۔ ان کی یہ کوشش نہ ہو تو ہماری جہالت اور بے حسی ہمیں لے ڈوبے۔

راہِ نجات کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات راستے کے روشن نشانات ہیں جن کی روشنی میں انسان آنے والے فتنوں کی تاریکیوں میں منزل تلاش کر سکتا اور مہلک و خون ریز معرکوں میں نجات حاصل کر سکتا ہے۔ ذیل میں احادیث سے مستنبط شدہ ہدایات درج کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان پر عمل کی توفیق دے اور ہمیں چھوٹے بڑے ظاہری اور باطنی ہر طرح کے فتنوں سے بچائے۔ آمین۔

پہلی ہدایت:

آخری زمانہ کے فتنوں اور حادثات کے بارے میں جاننا اور ان سے بچنے کے لیے نبوی ہدایات سیکھنا اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ "اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پر

یقین کو مضبوط کیا جائے، اپنے رب کے ساتھ مضبوط بنیادوں پر تعلقات استوار کیے جائیں۔ دین کے لیے فدائیت اور فنائیت کا جذبہ پیدا کیا جائے اور فتنوں کے حوالے سے حدیث شریف میں بیان کی جانے والی نصیحتوں اور آخری تدبیر سمجھ کر ان پر سختی سے عمل کیا جائے۔ کیونکہ فتنے کسی کو بھی متاثر کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ جو ان کو پہلے سے جانتا ہوگا بچ جائے گا اور جس کا ایمان قوی ہوگا اور اللہ پر یقین پختہ ہوگا وہ کامیاب ہو جائے گا۔

دوسری ہدایت:

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے فتنوں کا شکار ہونے سے بچائے اور حق کی مدد کے وقت باطل والوں کے ساتھ کھڑے ہونے کے عذاب سے محفوظ رکھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فتنوں کے درمیان سب سے زیادہ خوش نصیب وہ ہوگا جو چھپا رہے اور پاک و صاف رہے۔ اگر سامنے آئے تو کوئی اسے پہچان نہ سکے اور اگر سامنے نہ ہو تو کوئی اس کا حال احوال نہ پوچھے۔ اور لوگوں میں سب سے زیادہ بدنصیب وہ خطیب ہوگا جو بلند آواز سے فصیح و بلیغ خطبہ دے گا اور وہ سوار ہوگا جو سواری کو تیز دوڑنے پر مجبور کرے گا۔ ان فتنوں کے شر سے وہی نجات پائے گا جو سمندر میں ڈوبنے والے کی طرح خلوص سے دعا مانگے گا۔"

لہٰذا ہر صاحب ایمان پر لازم ہے کہ اپنے دل کو باطنی گندگیوں سے پاک کرے اور اسے ریاکاری، غرور، تکبر اور حسد جیسے امراض سے صاف کرے۔ یہ بیماریاں دلوں کو مردہ کر دیتی ہیں اور یہ لوگ فتنوں کے دوران استقامت نہیں رکھ سکتے۔ [illegible] دنیا کی چاہت اور شرف و جاہ کی تمنا [illegible] تباہی کا باعث ہے۔ [illegible] چاہیے [illegible] خلوص سے [illegible]

سمندر میں ڈوبنے والا مانگتا ہے۔ یہ دعا اس کے دل و دماغ سے بلکہ اس کے ہر ہر عضو اور ہر بال کی جڑ سے نکل رہی ہو۔ یہی دعا وہ ڈھال ہے جو فتنوں میں کام آئے گی۔ یہ دعائیں پابندی کے ساتھ مانگنا چاہیے جیسا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُمت کو سکھانے کے لیے مختلف فتنوں سے بچنے کے لیے ان کا نام لے کر دعا مانگا کرتے تھے۔

تیسری ہدایت:

ان تمام گروہوں اور نت نئی پیدا شدہ جماعتوں سے علیحدہ رہنا جو علمائے حق اور مشائخ عظام کے متفقہ اور معروف طریقے کے خلاف ہیں اور اپنی جہالت یا خود پسندی کی وجہ سے کسی نہ کسی طرح کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ''ایک وقت آئے گا کہ مسلمان کا بہترین مال وہ بھیڑ بکریاں ہوں گی جن کو لے کر وہ پہاڑ کی چوٹی اور بارش کے مقامات پر چلا جائے گا تاکہ وہ اپنے دین کو لے کر فتنوں سے بھاگ جائے۔'' اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر نے اپنی مشہور تصنیف ''فتح الباری'' میں لکھا ہے: ''سلف صالحین میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ فتنوں کے زمانے میں صاحب ایمان آدمی عام لوگوں سے کنارہ کش ہو کر علیحدگی اختیار کرے یا نہ؟ بعض حضرات ایمان بچانے کے لیے گوشہ نشینی یا پہاڑوں میں نکل جانے کی اجازت دیتے ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ شہروں میں رہ کر فتنوں کے خلاف ڈٹ جانا چاہیے لیکن یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب فتنہ عام نہ ہو لیکن اگر فتنہ عام ہو جائے تو پھر فتنہ زدہ لوگوں سے علیحدگی اور تنہائی کو ترجیح دی گئی ہے۔'' یعنی قابل برداشت حالات میں تو انسان کو معاشرے کے درمیان ہی رہنا چاہیے اور اس کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے البتہ جب فتنوں کا اتنا زور ہو کہ اپنا ایمان بچانا مشکل ہو رہا ہو تو پھر شہر [illegible] معاشرے سے [illegible]

الگ ہو جانا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عبداللہ بن عمرو! اگر تو ادنیٰ درجے کے لوگوں کے درمیان رہ گیا تو پھر کیا کرے گا؟ یہ وہ لوگ ہوں گے (اس کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سنیے) جنھوں نے اپنے عہد و پیمان اور امانتوں کو ضائع کر دیا، پھر وہ ایسے ہو گئے" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے اپنی انگلیوں کو آپس میں پیوست کر لیا۔ انھوں نے پوچھا: "ایسے وقت میرے لیے کیا حکم ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عام لوگوں کو چھوڑ کر خاص لوگوں کے ساتھ مل جانا۔"

ہمارے زمانے میں عہد و پیمان کا کوئی خیال نہیں رکھتا۔ لوگ وعدے کر کے صاف مکر جاتے ہیں، یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ یہ کوئی قرآن و حدیث تھوڑا ہی ہے۔ امانتوں کا کوئی خیال نہیں رکھتا۔ خیانت اور کرپشن عام ہے اور سوائے ان کے جن پر اللہ کی رحمت ہے، سب کے ضمیر مر چکے ہیں۔ یہ خرابیاں مزید بڑھتی جائیں گی اور عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ عوام میں رہنا اپنی آخرت کو برباد کرنے کے مترادف ہوگا۔ اللہ والے خواص (علماء و مشائخ، اصلاحی حلقے، مدارس و خانقاہ) کی صحبت کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔

چوتھی ہدایت:

جب حضرت مہدی کا ظہور ہو تو ان کے خلاف نکلنے والے لشکر میں کوئی صاحب ایمان ہرگز شامل نہ ہو۔ بلکہ حضرت مہدی کی بیعت میں (جب ان کو احادیث میں بیان کردہ علامات کے مطابق پائے) جلدی کرے۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جو شخص حضرت مہدی کے ساتھ لڑنے کے لیے چلے گا پہلے ہی سے [illegible] حضرت مہدی کا لشکر ہو گا۔ ان میں سے جو لوگ ایسے ہوں گے [illegible]

تمہیں برف پر سے گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے، کیونکہ وہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہوگا۔"

پانچویں ہدایت:

امریکا اور مغربی ممالک کے گندگی بھرے شہروں کے بجائے حرمین و اطراف شام، بیت المقدس وغیرہ میں رہنے کی امکانی حد تک کوشش کرنا۔ خونی معرکوں میں زمین کے یہ خطے اہل ایمان کی جائے پناہ ہیں۔ دجال ان میں داخل نہ ہو سکے گا۔

نعیم بن حماد نے کتاب الفتن میں روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک دجال چار مسجدوں: مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد طور سینا اور مسجد اقصیٰ کے سوا ہر مقامات پر پہنچے گا۔"

چھٹی ہدایت:

پابندی سے تسبیح، تحمید اور تہلیل و تکبیر کی عادت ڈالی جائے۔ جس کو ذکر کی لذت سے آشنائی ہوگی اس کو ذکر سے ایسی حلاوت نصیب ہوگی کہ کھانے پینے سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ دجال کے فتنے کے عروج کے دنوں میں جب وہ مخالفین پر غذائی پابندیاں لگائے گا، ان دنوں ذکر و تسبیح غذا کا کام دے گی لہٰذا ہر مسلمان صبح و شام مسنون تسبیحات (درود شریف، تیسرا کلمہ، چوتھا کلمہ اور استغفار) کی عادت ڈالے اور سورۃ کہف کی ابتدائی و آخری دس آیتیں یاد کر کے ان کے ورد کو معمول بنائے۔ دجال کے فتنوں کے دنوں میں یہ چیز نہایت برکت والی اور روحانی دوا کے ساتھ ساتھ مادی غذا بھی ثابت ہوگی۔

ایک عظیم الشان حدیث میں جسے ابوداؤد طیالسی نے حضرت اسماء سے روایت کیا ہے۔ اس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سمجھاتے ہیں کہ دجال کے زمانے میں ہم [illegible] [illegible]

نے فرمایا: "تسبیح (سبحان اللہ کہنا)، تحمید (الحمد للہ کہنا)، تکبیر (اللہ اکبر کہنا) کھانے پینے کی جگہ ان کے اندر سرایت کر جائے گی۔"

یہ حدیث لوگوں کو ذہن نشین کر لینی چاہیے اور اسے اپنے عمل کی بنیاد بنانا چاہیے۔ دجال کے زمانہ میں اس حدیث سے بھوک اور پیاس کے فتنے کا سامنا کیا جا سکتا ہے۔ پس اللہ کے ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت میں لگے رہیں ابھی سے "قیام اللیل" (رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے اور ذکر و وظائف) کی عادت ڈالیں۔ دجال کے زمانہ میں یہ عادت ایسے خوش نصیبوں کے لیے آب حیات ثابت ہوگی۔

سا تویں ہدایت:

سورۂ کہف کی تلاوت۔

ایک مشہور حدیث جو ابوداؤد، مسلم، ترمذی، نسائی، احمد، حاکم وغیرہ جیسے عظیم محدثین کی کتابوں میں پائی جاتی ہے، میں بیان کیا گیا ہے کہ دجال کے فتنے سے جو محفوظ رہنا چاہتا ہو اس کو چاہیے کہ سورۂ کہف کی ابتدائی یا آخری دس آیتوں کی تلاوت کرے۔ اس کی تلاوت دجال کے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچاتی ہے۔ اس میں چھپا ہوا کیا تاثیر اور برکت ہے کہ جب ساری دنیا دجال کی دھوکا بازیوں اور شعبدہ طرازیوں سے متاثر ہو کر اس کی خدائی تک تسلیم کر چکی ہوگی، اس سورت کی تلاوت کرنے والا اللہ کی طرف سے خصوصی حصار میں ہوگا اور دجال قطعاً اس کے دل و دماغ کو متاثر نہ کر سکے گا۔ متعدد روایتوں میں یہ بھی ہے کہ جو جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھتا ہے وہ اگلے جمعہ تک نور اور روشنی میں رہتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس جمعہ سے آئندہ جمعہ تک اس کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے۔ یہ بھی ہے کہ سورۂ کہف جس گھر میں پڑھی جاتی ہے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔ دجالیت سے [illegible] صاحب اپنی کتاب "[illegible]" دجال سے [illegible]

بحمداللہ مجھے اس کا یقین ہو گیا کہ یہ سورہ قرآن کی ضرور ایسی منفرد سورہ ہے جس میں عہد آخر کے ان تمام فتنوں سے بچاؤ کا سب سے زیادہ سامان ہے جن کا سب سے بڑا علمبردار دجال ہوگا۔ اس میں اس تریاق کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے جو دجال کے پیدا کردہ زہریلے اثرات کا توڑ کر سکتا ہے اور اس کے بیمار کو مکمل طور پر شفایاب کر سکتا ہے۔ اگر کوئی اس سورہ سے پورا تعلق پیدا کر لے اور اس کے معانی کو اپنے دل و جان میں اتار لے (جس کا راستہ اس سورہ کا حفظ اور کثرت تلاوت ہے) تو وہ اس عظیم اور قیامت خیز فتنہ سے محفوظ رہے گا اور اس کے جال میں ہرگز گرفتار نہ ہوگا۔

اس سورہ میں ایسی رہنمائی، واضح اشارے بلکہ ایسی مثالیں اور تصویریں موجود ہیں جو ہر عہد میں اور ہر جگہ دجال کو نامزد کر سکتی ہیں اور اس بنیاد سے آگاہ کر سکتی ہیں جس پر اس فتنہ اور اس کی دعوت و تحریک قائم ہے۔ مزید برآں یہ کہ یہ سورہ ذہن و دماغ کو اس فتنہ کے مقابلہ کے لیے تیار کرتی ہے۔ اس کے خلاف بغاوت پر اکساتی ہے۔ اس میں ایک ایسی روح اور اسپرٹ ہے جو دجالیت اور اس کے علمبرداروں کے طرز فکر اور طریقہ زندگی کی بڑی وضاحت اور قوت کے ساتھ نفی کرتی ہے اور اس پر سخت ضرب لگاتی ہے۔"

لہٰذا اہل ایمان کو چاہیے کہ یا تو پوری سورۂ کہف حفظ کر لیں یا کم از کم اس کی پہلی دس یا آخری دس آیات یاد کر لیں تا کہ دجال کے خروج کے وقت ان کی تلاوت ہر ایک کے لیے ممکن ہو۔ ان آیات میں ایسی قدرتی تاثیر ہے کہ ایسے لوگوں کو دجال کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ اور دجالی فتنے کے ظہور سے پہلے ان آیات کے ورد کا فائدہ یہ ہوگا کہ دجالی قوتوں کے منفی پروپیگنڈے کا اثر انسان کے دل و دماغ اور ایمان و عمل پر کم سے کم ہوگا۔
ابن خزیمہ کا قول ہے: "میں نے ابوالحسن الطنافسی کو کہتے ہوئے سنا وہ فرماتے تھے: میں نے عبدالرحمن المحاربی کو کہتے سنا ہے کہ: "اس حدیث کو [illegible] جمعہ کے دن سورۂ کہف

پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ہر استاد کے ترتیبی نصاب میں شامل کرنا چاہیے تاکہ وہ کتب کے تمام بچوں کو سکھا دے۔" اندازہ کیجیے اتنے زمانہ پہلے ہمارے اکابر کو فتنوں سے بچنے کا اس قدر اہتمام تھا۔ آج ہم فتنوں کے بھنور میں بیٹھے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور مزید عظیم فتنے ہمارے سر پر کھڑے ہیں۔ ہمیں تو ان چیزوں کا بہت اہتمام کرنا چاہیے۔ بالفرض اگر حقیقی عظیم فتنے ہمارے دور میں ظاہر نہ ہوئے تو چھوٹے دجالوں کے جھوٹے پروپیگنڈے اور میڈیا وار سے تو ان آیات کی برکت ہمیں ضرور محفوظ رکھے گی۔

آٹھویں ہدایت:

عراق میں ہونے فرات کا پانی رکنے سے اس کی تہہ سے جو سونا برآمد ہوگا اس کی لالچ کوئی مسلمان نہ کرے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "قریب ہے کہ فرات سونے کے پہاڑ سے پیچھے ہٹ جائے۔ چنانچہ جو بھی اس وقت موجود ہو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ لے۔" ایک اور روایت میں ہے "اس پہاڑ پر مسلمان ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوں گے تو سو میں سے ننانوے قتل ہو جائیں گے اور ان میں سے ہر آدمی کہے گا: ہو سکتا ہے کہ میں بچ جاؤں۔"

لہذا ہر مسلمان حرص و ہوس اور طمع و لالچ کے بجائے انفاق فی سبیل اللہ کا مزاج بنائے اور لینے اور لوٹنے کے بجائے دینے اور لٹانے کی عادت ڈالے ورنہ دنیاوی حرص کہیں کا نہ چھوڑے گی۔

تزویراتی تدابیر

روحانی تدابیر کے بعد اب ہم ظاہری اسباب کے تحت کی جانے والی عملی تدابیر کی طرف آتے ہیں۔ فتنہ دجال آج اور دجالی نظام کا مقابلہ کرنے کی تدابیر اور حضرت مہدی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا استقبال کرنے کے لیے کی جانے والی تیاری کے بنیادی خطوط کار درج ذیل ہوں گے:

(1) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے ملکوتی اخلاق پھیلانا

(2) جہاد کو نقطۂ کمال پر لے جانا یعنی جہاد کو علمی و عملی، داخلی و خارجی اعتبار سے عمیق تر اور وسیع تر کرنا۔

(3) مال اور اولاد کے فتنے میں پڑنے سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرنا

(4) جنسی بے راہ روی کو ممکنہ حد تک کم سے کم کرنے کے لیے پوری کوشش صرف کرنا

(5) غذا، لباس اور رہائش کو قدرتی، فطری اور مسنون طریقے پر لے جانا

ان پانچ تدابیر کو اختیار کیے بغیر نہ دجالی میکانزم سے بچا جا سکتا ہے نہ اس کو توڑا جا سکتا ہے اور نہ اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ جو شخص ان پانچ میں سے کسی ایک چیز پر عمل سے محروم ہے وہ اتنا ہی دجالی میکانزم کا شکار یا شریک کار ہے اور جو مومن فرد، معاشرہ، تنظیم، تحریک اور حکومت دجالی میکانزم کا جتنا شکار یا شریک کار ہے، اس کی حیثیت مومن ختم ہو جانے کے اندیشے اسی قدر زیادہ ہیں۔ سورۃ البقرہ میں مذکور حضرت طالوت کی جالوت کے ساتھ جنگ کے واقعے کی عمدہ مثال سامنے رکھ لیجیے۔ بنی اسرائیل کے لشکر کے کم حوصلہ اور بے صبرے سپاہیوں کی طرح دجالی نظام کے بہتے دریا سے جو جتنا پانی پیے گا اس کے اندر دجال سے لڑنے کی طاقت اسی قدر کم ہو جائے گی اور جو جتنا تقویٰ و طہارت اختیار کر کے اس پرتی سے دور رہے گا اس پر دجالی حربے اتنے ہی کم اثر انداز ہوں گے۔

پہلی تدبیر: اتباعِ صحابہ:

نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے ارض پر ایک عظیم الشان فکری، ذہنی، علمی اور تخلیقی اصلاح پر مشتمل بے مثال انقلاب برپا کیا اور وہ انقلاب تھا

"سنت اللہ" کو "سنت نبوی" کی شکل میں روئے ارض پر عملاً جاری و ساری اور نافذ کر دیا۔

حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین روئے ارض کے وہ اعلیٰ ترین، ارفع ترین اور جامع ترین اشخاص ہیں جو روئے ارض پر برپا ہونے والے اس عظیم الشان فکری، ذہنی، علمی اور تخلیقی روحانی انقلاب کے شاہکار نمونے، اس کے دست و بازو اور اس کی بے مثال نشانی تھے۔ روئے ارض پر برپا اس عظیم الشان انقلاب کا جو نمونہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پیش کیا وہ یہود اور ان کے برپا کردہ دجالی نظام کے مقابلے اور اس پر فتح پانے کے لیے ہمارے پاس "موجود" "واحد حل" ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تین صفات ایسی ہیں جنہیں اپنانے والے ہی مستقبل قریب میں برپا ہونے والے عظیم روحانی انقلاب کے لیے کارآمد عنصر ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہ تینوں صفات ایک روایت میں بیان کی گئی ہیں۔ ان کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین دلوں کی پاکیزگی، علم کی حقیقت اور تکلف سے اجتناب میں تمام امت سے زیادہ بلند مقام پر تھے۔ ان تینوں صفات کی تفصیل کچھ یوں ہے:

(1) ابرھا قلوبا (صحابہ کرام کے دل "بر" کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ گئے تھے)

"بر" سے مراد ہے انسانی دل کا خالص و مخلص حالت و صورت میں آ جانا، باطنی بیماریوں اور روحانی آلائشوں سے بالکل پاک صاف ہو جانا۔ "آدمیت" کا اسی حالت کو بازیافت کر لینا جو ہر طرح کی آلودگی اور خرابی سے پاک ہو۔

(2) اعمقھا علما (وہ علم کے اعتبار سے اس عالم امکان میں علمیت اور حقیقت شناسی کی آخری گہرائیوں تک پہنچ گئے تھے۔ علم کی حقیقت حاصل کرنے اور کائنات یعنی آفاق و انفس کی حقیقت کو جان لینے کے اعتبار سے عالم امکان میں جو آخری درجہ ہو سکتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس تک پہنچ گئے تھے۔ وہ اس علمی مقام اور بلند روحانی مرتبے تک پہنچ گئے تھے جہاں تک ان سے پہلے انبیا کو چھوڑ کر کوئی انسان پہنچا تھا اور نہ بعد پہنچ

لہٰذا فتنۂ دجال اکبر کا مقابلہ کرنے کے لیے لازم ہے کہ اہل ایمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مبارک سنت پر عمل کرتے ہوئے:

☆ اپنے دل و دماغ اور زبان و عمل کی مکمل اصلاح کی فکر کریں۔ ظاہر کو سنت کے مطابق بنانے اور باطن کو نفس کی خباثتوں سے پاک کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ یہ دولت مدارس اور خانقاہوں میں علمائے کرام اور مشائخ عظام کی صحبت کی برکت سے ملتی ہے۔ کسی سچے اللہ والے متبع سنت بزرگ کی خدمت میں اپنے آپ کو پامال کیے بغیر انسان کے اندر کا اندھیرا ختم نہیں ہوتا اور مرتے دم تک اسے نفس کی گندگیوں اور باطن کی آلائشوں سے نجات نصیب نہیں ہوتی۔

☆ روحانی اور رحمانی علم کی جستجو کریں۔ یہ علم سچے اللہ والوں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور اس علم کے بغیر کائنات اور اس میں موجود اشیاء کی حقیقت سمجھ نہیں آسکتی۔

☆ بے تکلفی، سادگی اور جفاکشی اختیار کریں۔ مغرب کی ایجاد کردہ طرح طرح کی سہولیات اور تعیشات سے سختی کے ساتھ بچیں۔ صحرا، پہاڑ، وادی، یخ بستہ علاقوں اور تپتے صحراؤں میں ہر طرح کے حالات میں رہنے، کھانے، پینے اور بیٹھنے کی عادت ڈالیں۔ تیراکی، گھڑ سواری کرنے، پہاڑوں پر چڑھنے اور ورزشوں کے ذریعے خود کو چاق و چوبند رکھنے کا اہتمام کریں۔ تہہ خانوں اور غاروں میں رہنے سے نہ گھبرائیں۔

مغرب کی کوشش ہے کہ مسلمانوں کو مجاہدانہ صفات سے عاری کرکے گناہوں، سہولت پسندی اور عیش پرستی میں مبتلا کیا جائے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں جس طرح طرح کی مرغوب لذتوں اور تعیشات میں مبتلا کرنے کے لیے نت نئی ایجادات کی تشہیر کرتی ہیں۔ دکھا جیتی جاگتی ہیں اور دجال کے خارجی ذہن کو تیار کرنے کے مرحلے پر بھی تیزی سے عمل کر رہی ہیں۔ انسان اپنے کمرے سے نکلے بغیر جن لطف کا مزا اٹھا سکتا ہے وہ نقشی

"نظامِ انفاق فی سبیل اللہ" کلی طور پر منہدم ہو جاتا ہے۔ ان نظاموں کے انہدام سے مال اور رزق طیب نہیں رہتا، خبیث ہو جاتا ہے اور خبیث رزق سے پلنے والے اجسام دجالی فتنہ کا آسان ہدف اور مرغوب شکار ہوں گے۔

"فتنۂ مال و اولاد" سے خود کو نکالے بغیر اہلِ ایمان کا فتنۂ دجال کے گھیرے سے نکلنا محال ہے۔ فتنۂ دجال کے گھیرے سے نکلنے یا اس سے بچنے کی اولین شرط ہے "نظامِ انفاق کا قیام" اور "نظامِ ربا (سود) کا انہدام"۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان حلال و حرام کا علم حاصل کریں۔ ہر طرح کے حرام سے کلی اجتناب کا اہتمام کریں۔ صرف اور صرف حلال مال کمائیں اور پھر اس میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی عادت ڈالیں اور بچوں کو اس کی عادت ڈلوانے کے لیے ان کے ہاتھ سے بھی فی سبیل اللہ خرچ کروایا کریں۔ بچوں کے دل میں حلال کی اہمیت اور حرام سے نفرت پیدا کریں۔ رزق کمانے کے دوران چاہے ملازمت ہو یا کاروبار شریعت کے احکام پر سختی سے عمل کیا جائے تاکہ حلال طیب حاصل ہو اور جسم و جان میں جو کچھ جائے، خیر اور نیکی کی رغبت اور توفیق کا سبب بنے۔ کسبِ حلال کے شرعی احکام خواہ اصولی ہوں یا فروعی، داخلی ہوں یا خارجی، ان کا بھرپور اہتمام کیا جائے۔ مثلاً ایک فرعی یا خارجی حکم یہ ہے کہ جمعہ کی پہلی اذان سے لے کر جمعہ کی نماز کے ختم ہونے تک تمام مسلمان خرید و فروخت موقوف کر دیں اور اللہ کی یاد کے لیے مسجد چل پڑیں۔ ایسا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آبادیوں میں جمعہ کا دن (چوبیس گھنٹے) پوری طرح چھٹی کا ہو۔ جمعہ کے دن پہلی اذان تک سارا شہر مسجد میں داخل ہو جائے تاکہ دوسری اذان سے لے کر نماز ختم ہونے تک مسلمان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں۔ اس طرح وہ اللہ کی نظر میں مقبول ہو جائیں گے اور ان یہود کا مقابلہ کر کے ان پر غالب ہو سکیں گے جو یہودیوں کے مقدس دن ہفتے کے دن دنیوی کاموں میں مشغول ہو کر اللہ کے غضب کا شکار ہوئے۔

چوتھی تدبیر: فتنۂ جنس سے حفاظت:

فتنۂ دجال اکبر کے پانچ عناصر میں سے ایک اہم عنصر "فتنۂ جنس" ہے۔ دجالی نظام کو دنیا پر غالب کرنے والوں کی کوشش ہے کہ پورے روئے ارض پر جنس کے فطری اور بابرکت نظام یعنی "نظام ازدواج" کو درہم برہم کر دیا جائے۔ اس کے بعد روئے ارض پر فطری تولید کے نظام کو درہم برہم کر دینا آسان ہو جائے گا۔

فتنۂ دجال اکبر کا مقابلہ کرنے کی اہم ترین تدبیر "سنت نکاح" کا قیام اور اکمال ہے یعنی نکاح کی سنت کو درجہ کمال تک پہنچانا۔ مرد و عورت کے حلال ملاپ کو رواج دینا اور آسان بنانا۔ حرام پر سزا دینا اور اسے مشکل تر بنانا۔ آج کل تقریب نکاح کے حوالے سے کی جانے والی رسومات کی بنا پر حلال مشکل ہے اور حرام آسان۔ ہم جسے مسنون نکاح کہتے ہیں، وہ نکاح تو ہے لیکن "مسنون" نہیں۔ اس میں اتنی رسومات، اسراف اور ریاکاری شامل ہو گئی ہے کہ نام تو "نکاح مسنون" اور "ولیمہ مسنونہ" کا ہوتا ہے لیکن ان تقریبات میں اکثر کام غیر شرعی اور خلاف سنت ہوتے ہیں جس سے نکاح مشکل اور فحاشی (زنا) آسان ہوتی جا رہی ہے۔

"احیائے سنت نکاح" کی کوشش کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

(1) ہمہ جہت جنسی علیحدگی یعنی مرد و عورت کا مکمل طور پر علیحدہ علیحدہ ماحول میں رہنا جو شرعی پردے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

(2) عورتوں کو زیادہ سے زیادہ شرعی مراعات دینا اور ان کی مخصوص ذمہ داریوں کے علاوہ دیگر ذمہ داریوں سے انہیں سبکدوش کرنا جو ان کی فطرت اور شریعت کے خلاف ہے۔

(3) نکاح کو زیادہ سے زیادہ آسان اور [illegible] کو زیادہ سے زیادہ [illegible]

حصول کے لیے غیر فطری طریقوں کا استعمال قطعاً قطعاً ترک کیا جائے مثلاً: مادہ منویہ کو منجمد طور پر محفوظ رکھنا، مصنوعی طور پر منی کا رحم میں ڈالنا، ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعے افزائش کرنا، رحم کا عاریتاً استعمال کرنا وغیرہ۔

فتنہ دجال اکبر کے مقابلے کے لیے لازمی ہے کہ اہل ایمان خالص اور مخلص بنیں۔ حلال نسب اور حلال رزق کے علاوہ کسی چیز کو رواج نہ پانے دیں اور روئے ارض پر برسرِ پیکار دجالی افواج کے مقابلے میں اللہ کا سپاہی بننے کی تیاری کریں۔

پانچویں تدبیر: فتنۂ غذا سے حفاظت:

فتنہ دجال اکبر کا مقابلہ کرنے والی مؤثر تدابیر میں سے غذائی تدابیر بہت اہمیت کی حامل ہیں اور اس کے برخلاف فتنہ دجال اکبر کے روز بروز بڑھتے طوفان کے مقابلے میں اہل ایمان کو کمزور سے کمزور تر حتی کہ بالکل بے بس کر دینے بلکہ آلۂ کار بنا دینے والی چیز غذائی سطح پر حرام سے چشم پوشی اور حلال سے انحراف ہے۔

فتنہ دجال اکبر سے بچنے اور اپنے اہل و عیال کو بچانے کی سب سے مؤثر تدبیر طیب و حلال طریقے سے حاصل کردہ غذا سے جسم کی پرورش ہے۔ فتنہ دجال اکبر کے سامنے سب سے زیادہ اور آسان شکار (Soft Target) حلال و طیب کے بجائے حرام و خبیث مال اور غذا سے پروردہ جسم ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ چیزیں جنہیں قرآن اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے ان سے اپنے آپ کو سختی سے بچایا جائے۔ اپنے جسم میں حرام لقمہ یا حرام گھونٹ داخل نہ ہونے دیا جائے۔ نہ حرام لباس سے خود کو آلودہ کیا جائے۔ نیز مصنوعی طور پر Cross-Pollination اور Hybridization کے ذریعے پیدا کردہ غذاؤں سے بچا جائے۔ مصنوعی غذا تیار کرنے والی یہودی کمپنیاں تو بہت آگے بڑھ چکی ہیں۔ یہ کل نوع انسانی کو دجال کے قبضے میں

دینے کے لیے، قدم بقدم آگے بڑھ رہی ہیں۔ یہ در اصل دجال کی مصنوعی غذائی کو منوانے کے لیے ذخیرہ خوراک کے ادارے اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ چند غذائی اشیا اب قدرتی غذاؤں سے زیادہ قابل اطمینان سمجھی جاتی ہیں اور منفرد مقام کی حامل ہیں۔ کئی اسلامی شہروں مثلاً دبئی، دوحہ وغیرہ کا تو انحصار ہی ان پر ہے۔ یہ قابل اطمینان نہیں، انتہائی تشویشناک امر ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ اپنے آپ کو اور اپنی نسلوں کو دشمن کے ہاتھ میں گروی رکھنے کے مترادف ہے۔ مصنوعی طور پر پیدا کردہ غذاؤں سے زیادہ خطرناک وہ غذائیں ہیں جو جینیاتی طور پر پیدا کردہ ہیں۔ اس کے علاوہ کیمیاوی طور پر تیار کردہ غذاؤں سے بھی بچا جائے۔ فتنۂ دجال اکبر سے بچنے کے لیے ان سب طرح کی غذاؤں سے کلی اجتناب لازمی ہے۔

امت مسلمہ اپنے علاقوں میں فطری اور قدرتی غذا کے حصول کے لیے زراعت و شجرکاری پر توجہ دے۔ پھل پودوں بالخصوص کھجور کے درختوں کے اگانے، گھاس کی افزائش پر خصوصی دھیان دے۔ اسی طرح جنگلات کی کٹائی کو فی الفور روکا جائے بلکہ جنگلات اگائے جائیں۔ امت مسلمہ مصنوعی طریقۂ تولید سے جانور پیدا کرنے کے بجائے قدرتی افزائش نسل پر توجہ دے۔ اونٹوں، گایوں، بھیڑوں اور بکریوں کی افزائش پر خصوصی دھیان دے۔ مصنوعی طریقے سے پیدا شدہ مویشی اور ان کے بیج عنقریب ان یورپی کمپنیوں کی مرضی کے تابع ہوں گے جو نباتات کی طرح حیوانات کو بھی اپنے قبضے میں لینے کے لیے نت نئے تجربات کر رہی ہیں۔

☆ ☆ ☆

یہ وہ تدابیر ہیں جو فتنۂ دجال سے حفاظت اور اس کے خلاف جدوجہد کے لیے ضروری ہیں۔ ان کا ثبوت قرآن و حدیث [illegible]

گئی ہے۔ جو مسلمان چاہتا ہے کہ اس عظیم فتنے کے خلاف برسر پیکار عظیم المرتبت لوگوں کی صف میں شامل ہو جائے اسے چاہیے کہ ان کو اپنالے۔ اپنی زندگی میں داخل کرلے اور ان پر سختی سے کاربند ہو کر اپنے اہل و عیال سے بھی ان کی پابندی کروائے۔ دوسرے مسلمانوں میں بھی اس کی دعوت چلاتا رہے۔ فتنہ دجال سے خدا تعالیٰ کو سخت نفرت ہے۔ اس فتنے کے خلاف کسی طرح کی جدوجہد کرنے والے اللہ رب العالمین کے ہاں اتنے ہی مقبول، اس کی رحمت کے مستحق اور قابل اجر و ثواب ہیں۔

آخری بات

یہاں چونکہ کتاب کا بھی اختتام ہے اور کتاب کے پیغام کا بھی۔ لہٰذا یہاں ہم اپنی بات کا پھر سے خلاصہ کرنا چاہیں گے۔ فتنۂ دجال سے مردانہ وار دفاع اور اس کے خلاف جارحانہ اقدام کے لیے کی جانے والی تدابیر کے آغاز میں عرض کیا تھا کہ یہ ساری تدابیر صرف ایک نکتے کے گرد گھومتی ہیں اور وہ ہے: جہاد۔ جہاد۔ جہاد۔ مالی جہاد، زبانی جہاد، قلمی جہاد اور عسکری جہاد۔ یعنی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قتال فی سبیل اللہ! اللہ کے راستے میں قتل ہونا اور قتل کرنا۔ زبانی اور قلمی جہاد اس وقت جہاد ہوگا جب قتال کے موضوع پر لکھا اور بولا جائے۔ گھر دل بھرے جو جز پر دوانی چھڑکنے کی ترغیب کو قلمی جہاد کہنا حماقت کی چوٹی پر چڑھ کر اوندھے منہ لڑھکنے والی بات ہے۔ اب آخر میں ہم فتنۂ دجال سے بچنے کے دو طریقے احادیث کی روشنی میں بیان کرکے اپنے پیغام کا خلاصہ کرنے میں قارئین کی مدد کرتے ہیں۔

فتنۂ دجال سے بچنے کے دو طریقے:

فتنۂ دجال کے زمانے میں جو مسلمان زندہ ہوں گے اور تاریخ انسانی کے اس عظیم

ہوں گے۔ ان کی قبریں تاریک اندھیری راتوں میں چمک رہی ہوں گی۔" ایک اور روایت ہے ان کا شمار افضل ترین شہداء میں کیا جائے گا۔

(2) جو ایسا نہیں کر سکتا وہ دجال کے زیر قبضہ ملکوں اور دجالی حکومتوں کے زیر اثر علاقوں سے ہجرت کر جائے۔ دیہاتوں، پہاڑوں اور جدید دنیا کی شیطانی سہولتوں سے ہٹ کر ان علاقوں کی طرف نکل جائے جہاں دجال کی جھوٹی خدائی کا بول بالا نہ ہو۔ اپنے گھر، وطن، کاروبار اور عیش و آرام کو اللہ کی خاطر چھوڑنے والا ہی اللہ کی رحمت اور مغفرت کا مستحق ہوگا۔ ان چیزوں کی محبت میں ان شہروں میں پڑا رہنے والا جہاں دجال کی خدائی تسلیم کی جاتی ہو اپنے ایمان کی حفاظت نہ کر سکے گا۔

الغرض جہاد یا ہجرت ..... ہجرت یا جہاد ..... یہ دو ہی چیزیں ہیں جو اس فتنۂ آخر الزماں سے حفاظت کی ضامن ہیں۔ ان کے بغیر تو مغربی میڈیا کے روندے ہوئے باقی لوگ جو پہلے سے ارتدادی فکر کا شکار ہوں گے، اس فتنے کے آلۂ کار یا اس کے شکار تو بن سکتے ہیں، اس سے بچ نہیں سکتے۔

کتابیات

حضرت مہدی، حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی جدوجہد اور فتنہ دجال کو سمجھنے کے لیے کارآمد کتابیں

مہدویات:

کتاب	مصنف	ناشر
كتاب الفتن والملاحم	علامہ عماد الدین ابن کثیر	
كتاب الفتن	علامہ نعیم بن حماد	
الاشاعة لاشراط الساعة	سید محمد بن رسول البرزنجی	
كتاب البرهان في علامات مهدي آخر الزمان	شیخ علی متقی ہندی	
القول المختصر في علامات المهدي المنتظر	علامہ ابن حجر مکی	
اختلاف امت اور صراط مستقیم	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید	
حضرت امام مہدی	علامہ ضیاء الرحمن فاروقی شہید	
عقیدہ ظہور مہدی (احادیث کی روشنی میں)	حضرت مفتی نظام الدین شامزی شہید	مکتبہ شامزی، کراچی
اسلام میں امام مہدی کا تصور	پروفیسر محمد یوسف خان، مولانا ظفر اقبال	بیت العلوم، لاہور
ظہور مہدی	مولانا محمود بن مولانا سلیمان	ادارہ صدیق ڈابھیل، سملک
ظہور مہدی ایک اٹل حقیقت	مولانا حمید قمر	

مسیحیات:

کتاب	مصنف	ناشر
علامات قیامت	حضرت شاہ رفیع الدین صاحب	
علامات قیامت اور نزول مسیح	مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی	مکتبہ دارالعلوم، کراچی
قیامت سے پہلے کیا ہوگا؟	مختلف مصنفین کی تحریرات کا مجموعہ	المیزان، لاہور

دجالیات:

کتاب	مصنف	ناشر
دجال	امام ابن کثیر (ترجمہ محمد طیب طاہر)	کتاب سرائے، لاہور
دجالی فتنہ کے نمایاں خدوخال	مولانا سید مناظر احسن گیلانی	المیزان، لاہور
معرکۂ ایمان و مادیت	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	مجلس نشریات اسلام، کراچی
تیسری جنگ عظیم اور دجال	مولانا عاصم عمر	الحجاز پبلیکیشنز، کراچی
دجال (تین جلدیں)	اسرار عالم	ادارہ تحقیقات، لاہور
فتنہ دجال اکبر	اسرار عالم	دارالعلم، نئی دہلی
معرکۂ دجال اکبر	اسرار عالم	دارالعلم، نئی دہلی
ہرمجدون (اردو ترجمہ)	ترجمہ: پروفیسر خورشید عالم تالیف: محمد جمال الدین	[illegible]، لاہور
فری میسنری اور دجال	کامران رعد	تحقیقات عالمی پلازہ، لاہور
خوفناک یہودی صلیبی جنگ (اردو ترجمہ)	مصنف: گریس ہال سل مترجم: رضی الدین سید	انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ، کراچی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئیاں	محمد ذکی الدین شرفی	0332-3728179
معرکۂ عظیم	رضی الدین سید	0300-2397571 021-4500139 021-4407821
عالمی حالات اور قیامت کی نشانیاں	ترجمہ: رضی الدین سید	
کرۂ ارض کے آخری ایام	ترجمہ: رضی الدین سید	
جب صور پھونکا جائے گا	مرتب: رضی الدین سید	

رحمانی ریاست بمقابلہ دجالی ریاست

"کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ!"

جب ممولے شہبازوں سے ٹکرا گئے

افغانستان میں برسرپیکار دنیا کی ترقی یافتہ دجالی افواج: مقام اور اعداد و شمار

یہودی سائنس دانوں کی سربراہی میں کیا گیا انسانی تاریخ کا سب سے طاقت ور تجربہ جسے دجالی روایت کے مطابق ''کائنات کے راز'' جاننے کا نام دیا گیا ہے جبکہ یہ درحقیقت تسخیر کائنات کے دجالی منصوبے کا اہم حصہ ہے۔ تصویر میں پانچ ارب پاؤنڈ کی خطیر لاگت سے تیار ہونے والی وہ مشین نظر آرہی ہے جس کے ذریعے سے کیا جانے والا وحشت ناک تجربہ دجال کے ظہور کی ایک خاص علامت کا ذریعہ بنے گا۔ تفصیل کتاب میں ہے۔

اردن اور اسرائیل کی سرحد پر واقع بحیرہ طبریہ جو آہستہ آہستہ خشک ہوتا جا رہا ہے۔ یہ وہی بحیرہ ہے جس کا دجال کے خروج کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

بیسان فلسطین کا ایک علاقہ جس پر 1948ء میں اسرائیل نے قبضہ کر لیا۔ یہاں کھجوروں کے باغ پہلے پھل دیتے تھے اب نہیں دیتے۔ ان باغوں کا خشک ہونا دجال کے خروج کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔

دجال اسی رفتار کے ساتھ سفر کرے گا جو بادلوں کو اڑا لے جانے والی ہوا کی ہوتی ہے۔ ایسے جہاز کافی پہلے ایجاد ہو چکے ہیں جو آواز سے کئی گنا تیز رفتاری کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ ایک خلائی شٹل پینتالیس منٹ میں پوری زمین کے گرد چکر لگا لیتی ہے۔ پراسرار اڑن طشتریوں کا ذکر بھی سننے میں آتا رہتا ہے۔ یہ سب دجال کی سواری کی جھلکیں ہیں جو ہمیں بتا رہی ہیں کہ دجال کا وقت اب دور نہیں۔ اس کے گدھے کے کانوں کے درمیان 40 ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔ کسی طیارے کے پروں کے درمیان تقریباً اتنا ہی فاصلہ ہوتا ہے۔ حال ہی میں اسرائیلی ماہرین نے ہیرون (Heron) نامی ایک طیارہ ایجاد کیا ہے جو اسرائیل کے Palmahim نامی ائیر پورٹ پر کھڑا ہے۔ اس کے پچھلے حصے پر دو ابھار ہیں جو گدھے کے کانوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔

برمودا تکون: بحر اوقیانوس میں واقع پُراسرار مثلث علاقہ۔۔۔۔جس کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سننے میں آتی رہتی ہیں۔۔۔۔یہیں شیطان، دجال اور یہود کی قائم کردہ تکونی غلاف کے پار جھانکنے کی کوئی کوشش نہیں کرتا۔

مشرق بعید میں بحرالکاہل کے ویران اور غیر آباد جزائر آتے ہیں۔۔۔۔ان کے اردگرد کے گہرے اور خوفناک پانیوں کا نام ہی "شیطانی سمندر" (Devils Sea) ہے۔ شیطانی سمندر اور شیطانی تکون میں خاص مناسبت ہے جو کتاب میں بیان کی گئی ہے۔

فری میسن کی فرضی داستانوں اور جھوٹی حکایتوں کی علامتی تعبیر پر مشتمل روایتی تصاویر جو بلا وجہ کا رعب اور وہمی عقائد کا اظہار کرتی ہیں۔

اس گمشدہ صندوق کی خیالی تصویر جس میں یہودیوں کے مقدس تبرکات محفوظ ہیں۔ یہودیوں کے خیال کے مطابق اس کو دجال برآمد کرے گا اور ان تبرکات کی مدد سے دنیا پر حکومت کرے گا۔

ایک فری میسن ہال کا وہ کمرہ جہاں دجالی فوج میں شامل ہونے والے رنگروٹ سے وفاداری اور رازداری کا حلف لیا جاتا ہے۔

دجال کی راہ ہموار کرنے والے بدنام زمانہ خفیہ تنظیم فری میسن کی تقریب حلف برداری کے دوران استعمال ہونے والی جادوئی اشیاء۔

احادیث کی عصری تطبیق، دعوتِ فکر، لائحہ عمل

سنسنی خیز معلومات، تہلکہ خیز انکشافات

دَجّال 2

عالمی دجالی ریاست، ابتدا سے انتہا تک

دجّال (2)

عالمی دجالی ریاست، ابتدا سے انتہا تک

مفتی ابولبابہ شاہ منصور

رعایتی قیمت -/125 روپے

کتاب .... دجال (2)

مصنف .... مفتی ابولبابہ شاہ منصور

طبع اوّل .... محرم 1431ھ — جنوری 2010ء

ناشر .... السعید

ملنے کے پتے

پاکستان کے تمام مشہور کتب خانوں سے دستیاب ہے

رابطہ: 0313-9264214

کتاب .... دجال (2)

مصنف .... مفتی ابولبابہ شاہ منصور

طبع اول .... محرم 1431ھ - جنوری 2010ء

ناشر .... السعید

ملنے کے پتے

پاکستان کے تمام مشہور کتب خانوں سے دستیاب ہے

رابطہ: 0313-9264214

سوالات جوابات

آخر

مقدمہ

دل کی درزوں میں

دجال جلد اول میں ''دجال'' کی شخصیت اور اس کے ظہور پر گفتگو کی گئی تھی۔ ''دجال 2'' میں دجالی ریاست کے قیام پر ابتدا سے انتہا تک ایک نظر ڈالی گئی ہے۔ دجال کی شخصیت جتنی فتنہ انگیز اور ظلم پرور ہو گی، اس کی ریاست اتنی ہی نفرت انگیز اور فتنہ پرور ہو گی۔ فتنہ دجال کے حوالے سے پہلا موضوع اگر ''بدی کا سرچشمہ'' ہے تو دوسرا ''برائی کا محور'' ہے۔ جو لوگ نیکی کے سرچشمے (کتاب وسنت) سے فیض حاصل کرنا چاہتے ہیں اور خیر کے مرکز (تقویٰ اور جہاد) سے جڑے رہنا چاہتے ہیں، انہیں چاہیے وہ برائی اور شر سے واقف رہیں تاکہ بے خبری کے عالم میں فتنے میں نہ پڑ جائیں۔ خصوصاً وہ فتنہ جس کی بنیاد ہی دھوکا وفریب، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بتانے پر ہے۔

''دجال 2'' کے بعد ''دجال 3'' بھی زیر ترتیب ہے۔ اس سلسلہ وار کھوج کرید، تحقیق وتفتیش اور آگاہی وخبرداری کی غرض فقط یہ ہے کہ اس فتنہ زدہ آخر زمانے میں یہ موضوع دعوت دین کا بہترین ذریعہ ہے۔ مغربی دنیا بظاہر ماوراء الطبیعات کی منکر ہے اور کثیف مادہ کے آگے کسی لطیف شے کے قائل نظر نہیں آتی لیکن حقیقت یہ ہے...... میں دہراتا ہوں...... تعجب خیز حقیقت یہ ہے کہ...... مغرب میں اس وقت دجالی علامات ونشانات کا سیلاب آیا ہوا ہے اور دجال کے لیے پھیلائے گئے شیطان پرستی کے جال میں وہاں کے حکمرانوں، دانشوروں اور سرمایہ داروں سے لے کر اداکاروں، گلوکاروں اور عام پیروکاروں کے غول کے غول پھنسے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مغرب کے بت کدوں میں اذان دینے والے کچھ اہل ایمان نے اس موقع پر مغرب کے فہیم العقل اور سلیم الطبع عوام کو مختلف کتابچوں اور بڑی محنت سے تیار کی گئی ڈاکومنٹریز کے ذریعے ان شیطانی

پھندوں سے نکالنے کی کوشش کی ہے اور کر رہے ہیں۔ اہل مشرق کو جگانے کے لیے یہ کتابی سلسلہ اسی نوع کی ایک آواز ہے تاکہ انسانیت رجوع الی اللہ کے حصار میں محفوظ ہو کر شیطان کے اس وار سے بچ سکے جس کے بارے میں الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں آدم علیہ السلام سے لے کر تا آخر دم ایسا فتنہ آیا ہے نہ آئے گا۔

تاریکی کا راج چاہنے والوں کے خلاف آپ جب بھی کوئی بات کریں گے تو روشنی کے پیامبروں کی ہدایات ونصیحت بیان کیے بغیر آگے نہیں چل سکتے۔ لہٰذا اس کتاب میں "تاریکی کے دیوتا" اور اس کی "اندھیاری نگری" کے حوالے سے جو کچھ کہا گیا ہے، دجال کے لیے میدان ہموار کرنے والوں کی غیر انسانی مہمات کے بارے میں جو کچھ آگاہی دی گئی ہے، پوری کوشش رہی کہ وہ ہماری موثق مذہبیات کی تصدیق شدہ عصریات پر تطبیق کے تناظر میں کہی جائے، اس لیے یہ ان شاء اللہ تاریکی کا پردہ چاک کر کے نور کی کرنوں کی طرف لپکنے میں معاون ثابت ہوگی۔ وہ نور جو ایمان راسخ سے پھوٹتا اور عمل صالح سے جگمگاتا ہے اور جب دل کی درزوں میں اُتر جائے تو ایسی جھوٹی خدائی کا دعویٰ کرنے والوں کے دجل ومکر میں پھنسنے کے بجائے ایسے دعووں کو لپیٹ کر ان کے منہ پر مار دینے کی جرأت عطا کرتا ہے۔

"دجال 1" مختلف اوقات میں لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہیں، اس میں اول تا آخر تصنیفی ربط وتسلسل...... "ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے"...... کا مصداق تھا۔ دجال 2 البتہ مربوط تالیف کے معیار پر ان شاء اللہ پوری اُترے گی۔ دجال 1 کی اشاعت کے بعد موصول ہونے والے سوالات کے جوابات کتاب کے آخر میں لگا دیے گئے ہیں۔ فتنہ دجال کے مقابلے کے لیے دفاعی واقدامی تدابیر کا خلاصہ کچھ اضافوں کے ساتھ آخر میں دوبارہ دے دیا گیا ہے تاکہ کتاب محض معلومات کا پلندہ نہ ہو، جرأت وحوصلے کے ساتھ استقامت اور مقاومت کی تحریک وترغیب ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے جب حق وباطل کی کشمکش کا فیصلہ کن موڑ آئے تو ہمارا وزن "قوم رسول ہاشمی" کے پلڑے میں ہو نہ کہ شیطان کے چیلوں کے ساتھ کھڑے ہونے والے دجال کے کارندوں کے ساتھ۔ آمین

دجالی ریاست کی کہانی

(پہلی قسط)

نکتۂ آغاز و اختتام:

"دجالی ریاست" کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ سمیٹی جائے تو بہت مختصر ہے۔ پھیلائی جائے تو صدیوں پر محیط ہوئی ہے۔ اس کی ابتدا چونکہ ارض مقدس فلسطین سے ہوتی ہے (یعنی یہود کی فلسطین سے جلاوطنی سے جو عذاب الٰہی کے نتیجے میں تھی) اور انتہا بھی یہیں آکر ہوگی (یعنی یہود کی یہاں واپسی کی کوشش جو مکر و فریب اور ظلم و دجل کی بنیاد پر ہوگی)، اس لیے ہم گفتگو کی ابتدا "نکتۂ آغاز واختتام" فلسطین سے ہی کرتے ہیں جس کا قدیم نام "یروشلم" تھا۔

یروشلم تینوں مذاہب کے پیروکاروں کے لیے ہمیشہ سے ایک مقدس شہر رہا ہے۔ مسلمانوں کے لیے بھی اور اہل کتاب کے لیے بھی۔ مسلمان چونکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ چنانچہ کوئی بھی ایسی جگہ جو کسی نبی سے تعلق رکھتی ہو، مسلمانوں کے لیے مقدس ہے۔ فلسطین اور بیت المقدس کا تعلق دیگر بہت سے قابل احترام انبیائے کرام علیہم السلام سے ہے۔ واقعہ معراج بھی یہیں سے ہوا تھا اور یہاں موجود مقدس چٹان مسلمانوں کا قبلۂ اول بھی ہے، اس لیے مسلمانوں کا اس سے قلبی تعلق ولگاؤ شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ چونکہ حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ اور پھر حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہم السلام اور دوسرے بہت سے انبیائے بنی اسرائیل کا تعلق اسی شہر سے رہا ہے، اس لیے یہودی بھی اسے مقدس ومتبرک مانتے ہیں۔ عیسائی بھی حضرت سلیمان علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے دوسرے انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ان کا احترام کرتے ہیں، لیکن اس سرزمین کی تقدیس ان کی نظروں میں اس لیے

اہم تر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام "بیت اللحم" میں پیدا ہوئے تھے اور پھر زندگی کا بیشتر حصہ ارض قدس میں گذارا۔ "مستقبل کی عالمی دجالی ریاست" کی کہانی ماضی کے ان تقدیس بھرے رویوں کے برخلاف یہیں سے جنم لے گی۔ یروشلم کی تقدیس کی وجوہ تو آپ نے سمجھ لیں، آیئے! اس کی تخریب یعنی یہاں دجالی قوتوں کی کارفرمائی کی ابتدا کو دیکھتے ہیں۔

مسلمانوں نے تورات کی پیش گوئی کے مطابق (اس پیش گوئی کا ذکر "دجال" نامی کتاب میں باحوالہ موجود ہے) جب بیت المقدس فتح کیا تو تینوں مذاہب کے لیے اس کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی بھی مذہب کے زائرین کی یہاں آمد پر پابندی عائد نہ کی چنانچہ یہودی اور عیسائی زائرین کی آمدورفت آزادی سے جاری رہی۔ یہ معمول صدیوں تک برقرار رہا۔ 1095ء میں عیسائیوں کا اس وقت کا سب سے بڑا مذہبی رہنما "پوپ اربن دوم" تھا۔ اس نے عیسائی یورپ پر زور دیا کہ ارض مقدس کو کافروں (یعنی مسلمانوں) سے چھین لیا جائے۔ پوپ اربن کا پروپیگنڈا تھا کہ مسلمانوں نے ہزاروں مسیحی بہن بھائیوں کو قتل کر دیا ہے۔ دنیا کے بہت بڑے حصے پر قبضہ کر لیا ہے اور یورپیوں کے لیے رہنے اور حکومت کرنے کی جگہ تنگ کر دی ہے۔ خود مسیحی مؤرخین کا کہنا ہے کہ عیسائیوں کے قتل کے بارے میں پوپ اربن کا دعویٰ جھوٹ کا پلندہ تھا۔ اس جھوٹ کا ایک طے شدہ مقصد تھا۔

سیاسی اور بشارتی جھوٹ:

مذکورہ پوپ نے عیسائی عوام کو مسلمانوں کے خلاف "مقدس جنگ" پر ابھارنے کے لیے صرف یہی "سیاسی جھوٹ" نہیں بولا، بلکہ اس نے اس غرض کے لیے ایک "بشارتی جھوٹ" بھی گھڑا۔ اس نے عیسائی جنگجوؤں کے لیے خدائی بشارت وضع کی کہ جو مسلمانوں سے لڑے گا، اس کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے اور وہ جنت کی بلند و بالا وادیوں میں دائمی نعمتوں کا مستحق ہوگا۔ یہ جھوٹ...... جو عیسائیت کی بنیادی تعلیمات (یعنی نظریۂ کفارہ) کے بھی منافی تھا...... گھڑنے کی ضرورت پوپ کو کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ عیسائی مذہبی رہنماؤں کے سامنے کھڑا ایک مشکل سوال

تھا۔ ان کو یہ بات سمجھ نہ آتی تھی مسلمان ناقابل تسخیر کیوں ہیں اور اپنے خدا کے لیے اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار کیوں رہتے ہیں؟ عیسائی اس طرح کیوں نہیں ہیں؟ یہ بہت بڑا سوال پوپ اربن اور اس کے ہم عصر دیگر مسیحی عمائدین کے سامنے جواب طلب تھا۔ جب انہوں نے غور کیا تو مسلمانوں کے "فلسفۂ شہادت" کی روشنی میں اس سوال کا جواب بہت سادہ اور آسان تھا۔ مسلمان جہاد میں اپنی جانیں دینے کے لیے اس لیے تیار رہتے ہیں کہ انہیں موت کے بعد جنت کی زندگی کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اس پر انہوں نے سوچا کہ عیسائیوں کے لیے ایسی کون سی بشارت ہو کہ وہ بھی صلیب کے لیے جانیں دینے پر تیار ہو سکیں؟ بائبل میں ایسی کوئی بشارت نہ تھی۔ مجبور ہو کر مسیحی رہنماؤں نے نعوذ باللہ خدائی اختیارات ہاتھ میں لیتے ہوئے کچھ بشارتیں وضع کر لیں۔ عیسائی عوام سے وعدہ کر دیا گیا کہ جو لوگ صلیب کے کاز کے لیے لڑیں گے ان کے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور ان کے لیے نجات یقینی ہو گی۔ پوپ اربن نے یہ وعدہ اپنی مذہبی حیثیت کا غلط استعمال کرتے ہوئے کیا۔ یہ وعدہ بنیادی طور پر عیسائیت کی تعلیمات کے بھی منافی تھا۔ عیسائی عقائد کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام آدم کے بیٹوں کے گناہوں کے کفارے میں اپنا خون پہلے سے بہا چکے ہیں۔ اب صلیب کے بیٹوں کو اپنا خون دینے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ وعدہ مشہور عیسائی نظریے "اعترافِ گناہ" (Confession) کے تصور کو بھی ختم کرتا تھا۔

صلیبی جنگ یا نسلی معرکہ آرائی:

بہرحال اس وعدہ نے اپنا اثر دکھایا اور عیسائی عوام "یقینی نجات" کے حصول کے لیے جوق در جوق "کافروں" سے لڑنے نکل کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے پوپ کی دعوت پر لبیک کہنے والا ایک جنونی گروہ غریب مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا جو ہنگری سے قسطنطنیہ اور قسطنطنیہ سے ترکی و شام میں اتر آیا۔ یہ جنگجو دراصل غیر منظم شہری تھے جنہیں پہلے تو خود ہنگری کے سپاہیوں نے تہ تیغ کیا اور بچ رہنے والوں کا صفایا عثمانی مجاہدین اور ترک مسلمانوں نے کر دیا۔ اس کے بعد صلیب

کے لیے لڑنے والوں کی دوسری لہر ابھری۔ اس دفعہ حملہ آور ہونے والے صلیبی جنگجو "نائٹس" یعنی یورپ کے سردار تھے۔ انہوں نے القدس پر طوفانی یلغار کی اور فلسطین کے ایک علاقہ میں کچھ عرصے کے لیے ایک صلیبی ریاست قائم کرلی۔ صلیبی پرچم کے ساتھ یہ پہلا کامیاب حملہ تھا جس نے نہ صرف ناقابل تسخیر مسلمانوں کے خلاف یورپیوں کو حوصلہ دیا بلکہ کشت وخون کا ایک نیا دور شروع کیا جو بعد کی صدیوں میں بھی جاری رہا اور ابھی تک...... مختلف شکلوں اور عنوانوں سے جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب عیسائیوں کے حقیقی اور سچے رہنما جناب مسیح علیہ السلام تشریف لا کر ان فتنہ پرور دجالی قوتوں کو تہہ تیغ نہیں کر دیں گے جو سادہ لوح عیسائی عوام کو اہل اسلام کے خلاف ورغلاتے رہتے ہیں۔ اس حملے کو "صلیبی جنگ" کہا گیا جس کا مطلب کافروں (یعنی مسلمانوں) کے خلاف "مقدس جنگ" تھا۔ اسے بعض اہل قلم "مسیحی جہاد" کہتے ہیں جو غلط ہے۔ اس اصطلاح میں جہاد کا لفظ غیر مسلموں کے لیے استعمال ہوتا ہے، جبکہ جہاد کے مقدس عمل کا تصور صرف مسلمانوں کے ہاں ہے۔ بقیہ مذاہب کی طرف سے برپا ہونے والی جنگوں کے لیے یہ اسلامی اصطلاح استعمال نہیں کرنی چاہیے۔ اس میں اس عبادت کی توہین کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اس اولین صلیبی جنگ کے پس پردہ پائے جانے والے شاہی محرکات یا پوپ کے مفادات کیا تھے؟ اس کے لیے "نائٹس" یعنی ان یورپی جنگی سرداروں کی ان سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنا کافی رہے گا جو وہ یروشلم آتے ہوئے سرانجام دے رہے تھے۔ تاریخ ان کی کارگذاری سناتے ہوئے ہمیں بتاتی ہے:

"راستے میں وہ مسلمانوں، یہودیوں اور سیاہ فام عیسائیوں کا قتل عام کرتے رہے۔"

نائٹس کے ان کارناموں کو دیکھا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کیا یہ واقعی مقدس مذہبی جنگ تھی؟ نہیں...... قطعاً نہیں! یہ تو ایک نسلی معرکہ آرائی تھی۔ وہ نسلی معرکہ آرائی جو مذہبی جنگ کے نام پر وجود میں آئی اور جو نسلی احساسِ برتری کے شکار بنی اسرائیل کے ایک مخصوص قبیلے کو دنیا کے اس مقدس خطے پر تسلط دلانے کے لیے تھی جو وہ اپنی بداعمالیوں کی بدولت گنوا چکا تھا۔

خوفناک خواب، وحشت ناک تعبیر:

یہ صلیبی جنگیں جاری رہیں...... اور جیسے جیسے وقت گزرا صلیبی جنگوں کی تعداد اور مقدار میں اضافہ ہوتا گیا۔ اسی طرح نائٹس کی تعداد اور حیثیت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اور ان میں عیسائی جوشیلے سرداروں کی جگہ یہودی زعماء نے لینا شروع کر دی اور یہیں سے یہ تحریک رُخ بدل کر دجال کے کارندوں کے ہاتھ میں آتی گئی۔ ''نائٹس'' کے نام اور خطابات مختلف تھے جو ان کے تعارف، پس منظر اور فرائض کے حوالے سے رکھے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک نمایاں گروہ ''ٹمپلر ز نائٹس'' کا تھا جو عیسائی نائٹس کے مختلف گروہوں کے ختم ہو جانے کے بعد بھی باقی رہا۔ اس گروہ نے تاریخ میں بے انتہا شہرت پائی اور آج تک (نام بدل کر) زندہ ہے، اس لیے کہ یہ عیسائی نہ تھے، شروع میں تھے بھی تو بعد میں ان میں ایک مخصوص ''انسانی برادری'' کے لوگ شامل ہو گئے جنہوں نے یہ چولا پہن کر شہرت دوام حاصل کی۔

ٹمپلرز نائٹس (معبدی سردار) ایک ایسا گروہ تھا جس کے سامنے بظاہر کوئی مقصد اور کوئی نصب العین نہیں تھا، لیکن درحقیقت ان کے سامنے ایک بڑا نصب العین اور اہم ایجنڈا تھا جس پر وہ صلیبی جنگجوؤں کی مدد سے کام کرنے لگے۔ ان کی نظروں میں پوری دنیا پر غلبے کا حصول اور عظیم ترین فرمانروائی تھی۔ اگر سوال اٹھایا جائے کہ تھوڑے سے لوگ جو مسلمانوں سے بیت المقدس نہ لے سکتے تھے، پوری دنیا پر فرمانروائی کا خواب کیسے دیکھ رہے تھے؟ تو اس کا جواب سمجھنے کے لیے ہمیں ان کی بنیاد اور پس منظر کو تفصیل سے دیکھنا ہوگا۔ ان کے اس خواب نے دنیا کو بہت سی آزمائشوں میں ڈالا اور ان کی اس احمقانہ مہم کے نتیجے میں انسانیت بہت سی آزمائشوں میں مبتلا ہوئی اور یہ آزمائشیں آج بھی جاری ہیں۔ آگے چل کر یہ گروہ مذہبی تنظیم سے بڑھ کر معاشی اجارہ داری قائم کرنے والا گروہ بنا، پھر معاشی طور پر مستحکم یہ گروہ دنیا کی سیاست میں دخیل ہو کر ''بادشاہ گر'' بن گیا۔ پس پردہ رہتے ہوئے دنیا کی حکومتوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا اس کا مخصوص ہنر ٹھہرا۔ اس کے بعد اس کا رُخ عسکریات کی طرف ہوا۔ یہودی روایتی تاریخ کے حوالے

سے یہ خود میدان میں آ کر کبھی نہیں لڑا۔ یہ دوسرے کو لڑوا کر فتح کے ثمرات اپنی جھولی میں ڈالنے کا عادی رہا ہے۔ لہٰذا دنیا کی اقتصادیات، سیاسیات اور عسکریات پر کنٹرول قائم کر کے یہ اس خواب کی تکمیل کے لیے جت گیا جس کی تعبیر انتہائی خوفناک ہے یعنی ابلیس کی عالمی حکمرانی کا قیام اور "دجال کی عالمی ریاست" کی تشکیل۔ ہم اس گروہ کی درجہ بدرجہ پیش قدمی (مذہب سے معیشت، معیشت سے سیاست یعنی جمہوریت، سیاست سے عسکریت اور پھر عالمی حکومت) کا جائزہ لیتے ہوئے آگے چلیں گے تاکہ انسانیت کے خلاف ماضی، حال اور پھر مستقبل قریب میں جو کچھ اس زیر زمین پنپنے والے گروہ نے کیا، کھل کر سامنے آ سکے اور وقت ہاتھ سے نکلنے سے پہلے اس غیر انسانی بلکہ شیطانی منصوبے کے راستے میں مضبوط روک کھڑی کی جا سکے۔ اس کی تاریخ سامنے آنے سے یہ سوال بھی حل ہو جائے گا کہ "دجال" تو یہودیوں کی امیدوں کا آخری سہارا ہے۔ صلیبی جنگجوؤں کا اس یک چشم یہود نواز فتنے کے نام پر قائم ہونے والی ریاست سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟؟؟ (جاری ہے)

نائٹس ٹمپلرز سے فری میسن تک

(دوسری قسط)

ہیکل کے کھنڈر کے قریب:

اگرچہ ارض مقدس پر مسیحی اقتدار مختصر عرصہ کے لیے تھا، لیکن ان کا یہ مختصر قبضہ پوری دنیا کی تاریخ کو تبدیل کرنے والا حادثہ ثابت ہوا۔ اس مختصر عرصہ کے دوران نائٹس کی ایک خصوصی تنظیم تشکیل دی گئی۔ جس کا مقصد بظاہر مسیحی زائرین کو مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ رکھنا تھا۔ یہ ایک مذہبی تنظیم تھی جس کے فرائض میں "مقدس معبد" (بیت المقدس: ہیکل سلیمانی) کو کافروں (یعنی مسلمانوں) سے بچانا بھی شامل تھا۔ چنانچہ یہ تنظیم اور اس کے ارکان دنیا بھر کے عیسائیوں کے لیے قابل احترام بن گئے۔ اپنے مذہبی فرائض اور مسیحی طرز حیات کی وجہ سے انہیں "راہب" کہا جاتا تھا۔ بعد ازاں یہ خطاب ترک کر کے انہیں ٹمپلرز یعنی "معبدی" کہا جانے لگا۔ "ٹمپل" معبد یعنی عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔ ٹمپلر کا معنی ہوا: معبد یعنی عبادت گاہ سے وابستہ خفیہ گروہ۔ یہ تنظیم بہت جلد منظم عسکری تنظیم بن گئی اور "نائٹس ٹمپلرز" (معبدی سردار) کہلانے لگی۔ پینگوئن ڈکشنری آف ریلیجنز میں نائٹس ٹمپلرز کے بارے میں کچھ اس طرح تحریر ہے:

"ایک مذہبی عسکری تنظیم جو 1119ء میں یروشلم میں تشکیل دی گئی جس کا مقصد مسیحی زائرین کو مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ رکھنا تھا۔ یہ معبد یعنی ہیکل سلیمانی کے کھنڈر کے قریب رہتے تھے۔ ان کی بود و باش راہبوں جیسی تھی، لیکن ان کی سرگرمیاں بنیادی طور پر عسکری اور انتظامی تھیں۔ ارض مقدس میں یورپی صلیبی سلطنت کی نگہداشت میں اہمیت رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی املاک یورپ میں بھی تھیں اور وہ بین الاقوامی بینکاروں کی حیثیت سے بھی کام کرتے تھے۔ وہ

اپنے داخلی امور سخت رازداری کے ساتھ سرانجام دیتے تھے۔

مقدس تبرکات کے محافظ:

اس تنظیم کے باقاعدہ قیام کے حقیقی اغراض کے بارے میں مختلف داستانیں پائی جاتی ہیں۔ شروع میں انہوں نے اپنے آپ کو "ہیکل کا محافظ" کہلوایا۔ سوال یہ ہے یہ لوگ کس چیز کا تحفظ کر رہے تھے اور کس سے کر رہے تھے؟ اس نکتہ پر کچھ محققین رائے رکھتے ہیں کہ ٹمپلرز...... ان کی تعداد بارہ تھی...... دراصل کسی خزانے یا مقدس تبرکات کی حفاظت کر رہے تھے جو بیت المقدس یا ہیکل سلیمانی سے ملے تھے۔ قدیم زمانے میں جب یہودی یروشلم میں آ کر آباد ہوئے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صندوق بھی ساتھ لائے تھے جسے بعدازاں ہیکل سلیمانی میں رکھا گیا۔ اس صندوق کو "تابوتِ سکینہ" یا "تابوتِ یہود" کہا جاتا تھا اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والے تورات کی تختیاں (الواحِ تورات) رکھی گئی تھیں۔ عہد نامہ قدیم یعنی تورات کا کہنا ہے یہ تابوت خالص سونے کا بنا ہوا تھا۔ عہد نامہ میں اس کی شکل و صورت اور لمبائی چوڑائی کی تفصیلات موجود ہیں۔ عہد نامہ کے مطابق اس صندوق یا تابوت میں وہ اصل الواح (تختیاں) موجود تھیں جو کوہِ سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا (قرآن کریم کے مطابق یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا) اور "من و سلویٰ" کا برتن بھی اس تابوت میں محفوظ تھا۔ تاریخ یہ تو بتاتی ہے کہ اسے ہیکل سلیمانی میں رکھا گیا تھا لیکن یہ نہیں بتاتی کہ بعدازاں اس کے ساتھ کیا ہوا؟ ٹمپلرز کے دور میں ہیکل سلیمانی کا یہ حصہ زائرین کے لیے کچھ عرصہ تک مرمت کے نام پر ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ (ایک روایت کے مطابق 9 سال اور دوسری کے مطابق 13 سال) اس دوران اسے ٹمپلرز نے کسی مخصوص خفیہ مقام پر منتقل کر دیا تھا یا خود ٹمپلر کو بھی یہ تبرکات ہاتھ نہ لگے اور وہ دنیا کو دھوکا دینے کے لیے خود کو پُراسرار مشہور کیے ہوئے ہیں؟ روایات مختلف ہیں اور اس حوالے سے مشہور مذہبی داستانوں میں زبردست تعارض پایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قدیم ٹمپلرز ہوں یا جدید فری میسن،

یہودی قوم کے روحانیت یعنی سفلی جادوگر ہوں یا دجال کے خروج کے منتظر یہودی ربائی، ان سب میں سے بھی کسی کو نہیں معلوم کہ یہ مقدس تبرکات کہاں ہیں؟ وہ ان کی تلاش میں سرگرداں ہیں کہ ان کو دنیا پر دوبارہ غلبہ ان کے بغیر نہیں مل سکتا، لیکن یہ تبرکات ان کو مل کے نہیں دے رہے...... اور نہ یہ ان کو کبھی ملیں گے۔ انہیں تو حضرت مہدی رضی اللہ عنہ برآمد کریں گے (کہاں سے؟ اس سوال کا جواب ''دجال'' نامی کتاب میں دے دیا گیا ہے) حضرت کے ہاتھوں ان کی برآمدگی دیکھ کر وہ معتدل مزاج یہود جن کی قسمت میں ایمان ہے، مسلمان ہو جائیں گے اور وہ شقی مزاج یہود جو ان تبرکات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں دیکھ کر بھی ان کی اطاعت کرنے میں لیت و لعل کرتے رہے تھے، وہ اب بھی دجال کے ساتھ رہنے پر ہی اڑے رہیں گے اور پھر بالآخر اس کے ساتھ اپنے دردناک انجام کو پہنچیں گے۔

نائٹ ٹمپلرز اور سودی بینکاری:

تبرکات کے محافظین کے طور پر صلیبی دنیا میں مذہبی حیثیت مستحکم کرنے کے بعد ٹمپلرز کو...... جو درحقیقت موجودہ فری میسن تنظیم کی سابقہ شکل تھے...... اپنی مالی حیثیت مستحکم کرنے اور اسے مستقل بنیادوں پر ترقی دینے کی فکر سوار ہوئی۔ عوام کی تجوریوں میں محفوظ دولت جسے ہر وقت لوٹ لیے جانے کا خطرہ درپیش رہتا ہے، سے بہتر وہ کون سا ذریعہ ہو سکتا تھا جو دوسروں کے مال پر مفت کا عیش کرنے کی عادی قوم یہود کے کام آتا۔ پیسہ عوام کا، محنت سرمایہ کاروں کی اور بیچ میں مفت کے مزے یہودی سود خور مہاجنوں کے۔ یہودی کی سود خورانہ ذہنیت کے حوالے سے اس سے بہتر کیا صورت ہو سکتی تھی کہ سرمایہ کسی اور کا ہو اور نفع یہودی سود خوروں کو ملتا رہے؟ چنانچہ یہ وہ لمحہ تھا جب دنیا میں سودی بینکاری کا آغاز ہوا۔ اس کی ابتدا یہودی صرافوں نے کی۔

صرافوں، یعنی سناروں نے دنیا کے سامنے سب سے پہلے تجوریوں (لاکرز) کا نظام متعارف کرایا۔ انہوں نے لوگوں کے زیورات، سکے اور سونا اجرت لے کر محفوظ کرنا شروع کر دیا۔ حفاظتی نقطۂ نظر سے یہ ''ڈیپازٹ سسٹم'' لوگوں کو پسند آیا اور بہت جلد مقبول ہو گیا۔ آہستہ آہستہ

یہودی صرافوں نے اس میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کی۔ لوگ جب سونے کے سکوں کے عوض کوئی چیز خریدتے تھے تو پہلے یہودی صرافوں کو رسید دکھا کر اپنا سونا لیتے، پھر اسے اس شخص کے حوالے کرتے جس سے انہوں نے کچھ خریدا ہوتا۔ بیچنے والا اس سونے کو پھر کسی یہودی سنار کے پاس رکھوا کر رسید لے لیتا۔ رسید بنانے اور سکے جمع کرانے کا یہ عمل یکسانیت اور طوالت رکھتا تھا۔ اس کا حل یہودی ساہوکاروں نے یہ نکالا کہ حفاظت کے لیے اپنی تحویل میں رکھے گئے لوگوں کے سونے کو دوسرے لوگوں کو فروخت کرتے ہوئے اسے عملاً پرانے مالک کو واپس کر کے پھر نئے مالک سے لے کر تحویل میں رکھنے کے بجائے ''ایکسچینج چٹ'' یعنی تبادلے کی تحریری یادداشت متعارف کرائی گئی۔ یعنی رسیدوں پر لین دین شروع ہوگیا۔ تبادلے کے اس نظام سے سونا ایک دفعہ وصول کرنے اور پھر اسے دوبارہ جمع کرانے کا جھنجھٹ ختم ہوگیا۔ کاغذوں کے یہ پرزے کرنسی نوٹوں، ٹریولر چیکوں اور کریڈٹ کارڈوں کی بنیاد ہے اور وہ وقت دور نہیں جب کہ الیکٹرونک کرنسی کی شکل میں واحد عالمی ذریعہ تبادلہ متعارف ہو جائے گا۔

ٹائنٹ ٹمپلرز اور سودی بینک:

اگلا مرحلہ ہنڈی یا بیمے کا تھا۔ کچھ لوگوں کو دور دراز کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ سفر کے دوران انہیں اپنی اور اپنے قیمتی سامان کی حفاظت کی پریشانی رہتی تھی۔ ٹمپلرز نے لوگوں کے خالی ہاتھ سفر کرنے لیکن اس کے باوجود دولت ایک سے دوسری جگہ لے جانے کا محفوظ طریقہ وضع کیا۔ ٹمپلرز ایک شہر میں لوگوں سے سونا اور چاندی وغیرہ وصول کر کے انہیں ایک چٹ جاری کر دیتے جس پر کوڈ ورڈز درج ہوتے۔ ان کوڈ ورڈز کو صرف ٹمپلرز ہی سمجھتے تھے۔ دوسرے شہر جا کر لوگ یہ چٹ وہاں کے ٹمپلرز کو دیتے اور ان سے مطلوبہ مالیت کا سونا، چاندی یا کرنسی وصول کر لیتے۔ ان چٹوں پر گاہک کا نام پتا اور پچھلے شہر میں جمع کرائے گئے سونے یا چاندی کی مالیت وغیرہ درج ہوتی تھی۔ کچھ ہی عرصہ بعد جمع کرائے گئے سونے (ڈیپازٹس) کو قرضے کے طور پر جاری کرنا شروع کر دیا گیا حالانکہ حفاظتی تحویل میں پڑے سونے کی شرط یہ تھی کہ وہ عندالطلب مالکان کو لوٹایا جائے۔ مالکان چونکہ عرصہ دراز

تک اپنا سونا وصول کرنے کے لیے نہیں آتے تھے۔ ان کا کام "چٹوں" سے چلتا تھا، اس لیے اپنے پاس پڑے "بے مصرف" سونے کا یہ مصرف ڈھونڈا کہ اسے سودی قرض کے طور پر لوگوں کو دے کر سود کمایا جائے۔ سونا کسی اور کا تھا، اس پر سود کوئی اور بھر رہا تھا اور مفت میں موج وہ لوگ کر رہے تھے جن کا ہوس زدہ دماغ اس طرح کے شیطانی منصوبے سوچنے کا ماہر تھا۔

الغرض جب صرافوں نے دیکھا کہ ان کے پاس جمع کرائے جانے والے سونے کی صرف معمولی مقدار مالکان نکلواتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس میں سے کچھ سونا دوسروں کو سود پہ "عاریتاً" دینا شروع کر دیا۔ اس کے بدلے وہ اصل رقم اور سود کے لیے ایک "پرامیسری نوٹ" یا دستاویز لکھوا لیتے۔ اس طرح وقت کے ساتھ ساتھ کاغذی سرٹیفکیٹ، جن کے بدلے سونے کے سکے لیے جا سکتے تھے گردش میں آ گئے۔ اس سے پہلے لین دین کے لیے صرف سونے کے سکے گردش میں رہتے تھے۔ شروع میں یہ سرٹیفکیٹ یا نوٹ جمع شدہ سونے کی مالیت کے برابر ہوتے تھے۔ پھر ہوا یہ کہ گردش میں رہنے والے نوٹوں کی مالیت جمع شدہ سونے کی مالیت سے زیادہ ہو گئی۔

سودی بینکاری کا پہلا ماڈل:

سرمایہ محفوظ کرنے، قرض دینے اور ضمانت حاصل کرنے کا یہ قدیم طریقہ آج کے جدید بینکاری نظام کی بنیاد بنا۔ سیکولر زندہ بیں پس منظر رکھنے کی وجہ سے لوگوں کے لیے قابل بھروسہ تھے۔ تمام یورپی ممالک یہاں تک کہ مشرق وسطیٰ اور ارض مقدس میں ان کی شاخیں اور دنیا بھر میں ان کے نمائندے موجود تھے۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) میں حصہ لینے والے دولت مند خاندانوں مثلاً فلورنس، اٹلی کے میڈیکس خاندان نے بھی اس نظام کی اعانت کی اور رفتہ رفتہ یہ نظام ترقی کر کے باقاعدہ مستقل ادارے یعنی "بینک" کی شکل میں وجود میں آ گیا۔ پہلا ماڈرن بینک سویڈن کا دی ریکس بنک 1656ء میں وجود میں آیا پھر بنک آف انگلینڈ 1694ء میں سود خوری کے منظم ادارے کی شکل میں قائم کر دیا گیا۔ سترھویں صدی عیسوی کے انگریز صرافوں نے دنیا کو سودی بینکاری کا ماڈل مہیا کر دیا اور آہستہ آہستہ دنیا سودی لعنت کے اس جال میں پھنس

گئی۔ مقامی بینک، مرکزی بینک سے اور مرکزی بینک عالمی بینک سے منسلک ہو گیا اور اس طرح دنیا کی معیشت ان لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی جو دجال کے خروج سے پہلے ہر شخص کے سینہ میں حرام کا لقمہ پہنچاتے یا اس کے تاک میں رہتے تاکہ حرام کے عالمی سوداگر کا جب ظہور ہو تو ابلیسی حرام خواہوں کے لیے میدان ہموار ہو چکا ہو۔

سود سے ٹیکس تک:

بائبل کی تعلیمات سود کی ممانعت کرتی ہیں چنانچہ اس زمانے میں عیسائی معاشروں میں بھی سود سے گریز کیا جاتا تھا، لیکن ٹمپلرز..... مقدس سمجھے جانے والے ٹمپلرز..... اس کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتے تھے۔ وہ نہ صرف قرضوں پر سود وصول کرتے، بلکہ یہ بھاری شرح کے ساتھ سود عائد کرتے تھے۔ ایک موقع پر ایک قرض دار کو 60% تک سود در سود ادا کرنا پڑا۔ قدیم زمانے میں منظم بینکاری نظام کے ساتھ یہ لوگ اپنے دور کے جدید سرمایہ کار بن گئے۔ عوام تو عوام، حکومتیں تک ان سے قرض لیا کرتی تھیں۔ یہ من مانی شرائط پر انہیں سودی قرضے دیا کرتے تھے۔ بہت سی بادشاہتیں ان کے قرضوں کے بوجھ تلے دب گئیں۔ بقیہ یورپی ممالک کو تو رہنے دیجیے، انگریز حکمران خاندان بھی ٹمپلروں کا مقروض تھا۔ بادشاہ جان، ہنری سوم اور ایڈورڈ اول بھی ٹمپلروں سے قرضہ لیتے تھے۔ 1260ء سے 1266ء کے درمیان بادشاہ ہنری نے اپنے تاج کے ہیرے ٹمپلروں کے پاس رہن رکھے ہوئے تھے۔ مختلف بادشاہوں کو مقروض کرنے کے بعد ٹمپلرز آگے بڑھے۔ حکمرانوں کے تاجوں میں جڑے ہیرے گروی رکھنے کے بعد اب وہ عوام کو بھی اپنے پاس گروی رکھنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے جو طریق کار وضع کیا وہ ان کی سنگدلانہ شیطانی سوچ کا عکاس تھا۔ اس طریقے نے آج تک دنیا کو ان کے ہاتھوں معاشی غلام بنا رکھا ہے۔ انہوں نے حکمرانوں کو دیے گئے قرضوں کی وصولی کو یقینی بنانے کے لیے وقت ضائع کیے بغیر پابندی عائد کروی کہ ٹیکس کی وصولی صرف ٹمپلرز کریں گے۔ ٹیکس وصولی کے اختیار نے ان کی طاقت اور دولت میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ اب نہ صرف وہ پاپائیت کو دیے جانے والے عطیات وصول

کرتے بلکہ بادشاہوں (حکومتوں) کی طرف سے ٹیکس بھی وصول کرتے۔ ٹمپلرز نے اپنی دولت اور قوت میں تیزی سے اضافہ کیا۔ یہاں تک کہ اب وہ اپنے مشن کے تیسرے مرحلے کا آغاز کرنے کے قابل ہو گئے۔ مذہبی و مالی حیثیت کے استحکام کے بعد اب اقتدار اور عسکریت کی طرف ان کا سفر شروع ہوا۔

ابلیسی سیاست یا صیہونی عسکریت:

اس کے لیے انہوں نے یہ طریق کار وضع کیا...... اور بلاشبہ انسانیت کا خون بہانے اور انسانیت کی رگوں سے خون چوسنے والے ایک طریق کار کو "ابلیسی سیاست" کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا...... کہ دنیا میں جہاں جنگ ہوتی یہ جنگ میں شریک دونوں فریقوں کو قابو میں رکھتے، ان سے فائدہ اٹھاتے۔ اگر کہیں جنگ نہیں ہو رہی تو یہ بغاوت تخلیق کرتے اور پھر دونوں فریقوں کو اسلحہ فراہم کرتے۔ چنانچہ جنگ میں شریک دونوں فریق ان کے مقروض اور زیرِ اثر ہو جاتے۔ کھوئے ہوئے یروشلم کو واپس لینے اور پوری دنیا پر غلبہ پانے کا یہ سفاکانہ مشن ہر طرح کی اخلاقیات اور انسانی روایات کو پامال کرتے ہوئے جاری تھا کہ یہاں تک کہ اکتوبر کی تیرہ تاریخ اور جمعہ کا دن آ گیا۔ تیرہ تاریخ نائٹ ٹمپلرز کی تاریخ کا سیاہ ترین دن ہے۔ (جاری ہے)

تیرہ تاریخ کا جمعہ

(تیسری اور آخری قسط)

جمعہ، 13 اکتوبر:

ہوا یوں کہ ٹمپلرز برادری کی ترقی، یورپ کے حکمرانوں اور معیشت پر کنٹرول، عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا۔ یہاں تک کہ خود یورپی بادشاہ بھی ایک طویل عرصہ تک اس بات کو نہ سمجھ سکے کہ "برادری" ان کے ساتھ کیا کر رہی ہے اور کیا کرنا چاہتی ہے؟ بالآخر فرانس کا بادشاہ فلپس چہارم اس سازش کو سمجھ گیا۔ وہ ان سے اپنا اور اپنی قوم کا پیچھا چھڑانا چاہتا تھا، لیکن چرچ اور عیسائیت اس کی راہ میں حائل تھی۔ ٹمپلرز نے عیسائی عوام کی مذہبی حمایت حاصل کر رکھی تھی۔ ان کے خلاف کارروائی آسان نہ تھی۔ چرچ چونکہ ٹمپلرز کے ساتھ تھا اس لیے وہ ان کی اجارہ داری نہ توڑ سکا۔ اس نے حکمت سے کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے اس نے اس وقت کے ٹمپلرز کے ساتھ ملے ہوئے پوپ "بونی فیس ہشتم" سے جان چھڑائی اور پھر اس کے جانشین "بینی ڈکٹ یازدہم" سے چھٹکارا حاصل کیا۔ 1305ء میں بادشاہ فلپس نے نئے پوپ "کلیمنٹ پنجم" کا تقرر کیا۔ اس منصف پوپ کی مدد سے بادشاہ نے ٹمپلرز کے معاملات کی مکمل چھان بین کرائی۔ تحقیقات کے نتیجے میں جو حقائق سامنے آئے وہ توقع سے زیادہ خطرناک تھے۔ خطرے کی سنگینی نے اسے فوری اور سخت قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ اس نے ملک بھر میں سرکاری عمال کو سربمہر احکامات بھیجے۔ ترتیب یہ بتائی گئی کہ ان احکامات کو ہر جگہ بیک وقت یعنی جمعہ 13 اکتوبر 1307ء کی صبح طلوع آفتاب پر کھولا جانا تھا۔ ان خفیہ احکامات کے مطابق ملک بھر میں اس تنظیم کو معطل کر کے ٹمپلرز کو گرفتار اور ان کی املاک کو ضبط کر لیا گیا۔ ٹمپلرز پر توہین مسیح، بت پرستی اور ہم جنس

پرستی کے الزامات عائد کیے گئے۔ ان الزامات نے پورے یورپ میں ٹمپلرز کے خلاف نفرت وکراہیت پیدا کر دی۔ ہر جگہ انہیں مشکوک قرار دے کر گرفتار کر لیا گیا۔ مجرم ثابت ہونے والوں کو پھانسی دے دی گئی۔

جمہوریت کا آغاز:

پوپ کلیمنٹ نے باضابطہ طور پر 1312ء میں ٹمپلرز کی تنظیم "ٹمپل" کو کالعدم قرار دے دیا۔ تنظیم کے آخری گرینڈ ماسٹر جیکس ڈی مولائے کو 1314ء میں دھیمی آنچ پر رکھ کر کباب بنا دیا گیا۔ ٹمپلرز اپنے گرینڈ ماسٹر کی اس قربانی کو آج بھی یاد رکھے ہوئے ہیں اور اس کی یادگار کو اپنی تقریبات میں مذہبی رسم کے طور پر منعقد کرتے ہیں۔ جب ایک دفعہ راجے عامہ ان کے خلاف ہو گئی اور چرچ ان کا دشمن ہو گیا تو پھر برادری ان الزامات سے تنظیم کو مزید تحفظ دینے میں ناکام ہو گئی۔ ان کی زیادہ تر املاک یورپ بھر میں ضبط کر لی گئیں۔ بظاہر ٹمپلرز کا خاتمہ ہو گیا لیکن انہوں نے اس صورتحال سے ایک سبق سیکھا اور مستقبل میں اس پر عمل کیا: "ایک ہاتھ میں قوت واقتدار خطرناک ہو سکتا ہے چنانچہ اسے تقسیم کر دیا جانا چاہیے۔" اس فیصلے نے دنیا میں نئے طرز حکمرانی کو متعارف کروایا اور دنیا "جمہوریت" نامی نئے نظام حکومت سے واقف ہوئی جو برادری کے لیے شکست کھا جانے کے بعد دوبارہ میدان میں آنے...... اور...... خم ٹھونک کر آنے کا ذریعہ ثابت ہوا۔ ٹمپلرز زیر زمین چلے گئے اور اب ایک نئے دور کا آغاز ہوا...... "جمہوریت" کا آغاز...... جو کہ بادشاہت کا متبادل نظام تھا۔ برادری نے سمجھ لیا تھا کہ "خفیہ گرفت" ہی ان جیسی کسی خفیہ تنظیم کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ یہ خفیہ گرفت موروثی بادشاہت لے کر تخت پر آنے والے مطلق العنان بادشاہوں کی بہ نسبت عوامی نمائندوں پر آسانی سے قائم کی جا سکتی ہے۔ جب اسمبلیوں میں بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے جمع ہوں گے تو ان کی بولی لگانا اور ان کی بولی کو اپنی مرضی کا رخ دینا آسان ہوگا۔ "عوامی نمائندے" اپنے انتخاب کے لیے ہمیشہ سرمائے اور تشہیر کے محتاج رہتے ہیں۔ برادری کا سودی سرمایہ اور دروغ گو میڈیا نہایت آسانی سے ان نمائندوں کی

''عوامیت'' ختم کر کے انہیں برادری کا تابع بنا سکتا ہے۔ پھر جمہوری فیصلوں میں ابہام بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کچھ پتا نہیں کس نے کس رائے کے حق میں خفیہ ووٹ ڈالا۔ ابہام جس قدر زیادہ ہوگا ''ان'' کا تحفظ بھی زیادہ ہوگا۔ اگر آپ کو اپنے دشمن کا علم نہیں ہوگا تو کیا کریں گے؟ آپ خود کو الزام دیں گے یا کہیں گے: ''وقت ہی برا چل رہا ہے۔''

فری میسن کی شکل میں ٹمپلرز کا نیا ظہور:

فرانس کے بادشاہ فلپس چہارم کے دلیرانہ اقدام اور حکمت سے بھرپور کارروائی نے ٹمپلرز کو اس کی تاریخ کا سب سے بڑا دھچکا لگایا تھا۔ یہ ادھ موئے ہو گئے تھے۔ اگر ان کو ایک موقع نہ مل گیا ہوتا تو ان کا خاتمہ یقینی ہو جاتا اور انسانیت کی جان ان سے چھوٹ جاتی۔ وہ موقع اسکاٹ لینڈ کے مخصوص حالات کی وجہ سے ان کو مل گیا۔ بچ جانے والا ٹمپلرز کا گروہ اپنی جان بچا کر سکاٹ لینڈ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ سکاٹ لینڈ کافی عرصے سے آزادی کی جنگ لڑ رہا تھا۔ ٹمپلرز کے آنے سے سکاٹ لینڈ کے بادشاہ وقت رابرٹ بروس کو ہتھیار مل گیا۔ یہ ہتھیار ان کے اور قرضے دے کر دو سو سالہ جنگی تجربہ تھا جو انہوں نے مسلمانوں کی عظیم افواج کے خلاف لڑائی میں حاصل کیا۔ 1314ء میں رابرٹ بروس کی اتحادی فوجوں نے 25000 انگریز فوج کو شرمناک شکست سے دو چار کیا۔ اس شکست سے ''ٹمپلرز'' کی نئی زندگی نے جنم لیا۔ ٹمپلرز اپنے آپ کو پستیوں سے نکالنے میں کامیاب ہوئے اور اس مرتبہ زیادہ شان کے ساتھ اب وہ آزاد سکاٹ لینڈ کے بادشاہ کو کنٹرول کر رہے تھے۔ 1603ء میں کوئین الزبتھ اول کی موت کے بعد سکاٹ لینڈ کا بادشاہ جیمز پنجم برطانیہ کا بھی بادشاہ بن گیا۔ یعنی اس نئی وسیع ریاست کا نظام ٹمپلرز کے ہاتھ میں آ گیا۔

یوں پورے برطانیہ پر ان کا تسلط قائم ہو گیا۔ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک کر پیتا ہے۔ ٹمپلرز کو نیا ٹھکانہ مل گیا تھا لیکن وہ انتہائی محتاط تھے۔ تقریباً سو سال تک ٹمپلرز بالکل پس پردہ چلے گئے۔ اپنے کام کم کر دیے تاکہ لوگ ان کو بھول جائیں مگر انہوں نے برطانیہ پر اپنی گرفت کم نہیں کی۔ بڑے بڑے عہدوں کے حصول میں سرگرم رہے۔ یہاں تک کہ ان کی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہوتا

چلا گیا۔ 1717ء میں ٹمپلرز یورپ میں پھر سے ابھرتے ہیں۔ اس مرتبہ تعداد اور طاقت دونوں میں ہم پلہ ہیں۔ یہ نئی شناخت ان کی ماضی کی شہرت سے زیادہ طاقتور اور موثر ہے اور یہ شناخت ان کو برطانیہ کی بادشاہت دے رہی ہے۔ اپنے خفیہ ہتھکنڈوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ اپنے نام "ٹمپلرز" کو ختم کر دیں۔ اب جو نام انہوں نے اپنے آپ کو متعارف کرانے کے لیے رکھا وہ "فری میسن" تھا۔ "FREEMASON" اس لفظ کو بہت سے لوگ جانتے تھے مگر اس کا مفہوم کم لوگ جانتے تھے۔ ٹمپلرز کے نئے نام فری میسن گروپ کا برطانوی شاہی خاندان میں سے پہلا ممبر پرنس آف دی ویلز فریڈرک تھا۔ بعد میں آنے والوں میں پرنس فلپ، اڈنبرا کا ڈیوک اور ملکہ الزبتھ دوم برطانیہ شامل ہیں۔ برطانوی جمہوری حکمرانوں میں وزیر اعظم ونسٹن چرچل اور وزیر خارجہ جیمز بالفورڈ کا نام نمایاں ہے۔ برطانوی لارڈز کی ایک طویل فہرست ہے جو "برادری" کا رکن بن کر دجالی نفرت انگیز ریاست کے لیے دانستہ یا نادانستہ بنیاد رکھتے گئے۔

اجتماعی آبادی سے اجتماعی بربادی تک:

اس نئی شناخت اور گروہ میں شامل ہونے والے لوگ معاشرے کے سربرآوردہ لوگ تھے۔ معاشرے میں ان کی عزت اور مقام نے فری میسن کی قدر و قیمت میں اضافہ کیا۔ اور وہ اس قابل ہوتے چلے گئے کہ "یروشلم واپسی کے سفر" کا پھر سے آغاز کریں اور مستقبل کی دنیا کے عظیم ترین سانحے "تیسری جنگ عظیم" کی بنیاد رکھ سکیں۔ برطانوی شاہی خاندان میں اثر و رسوخ حاصل کرنے، برطانوی جمہوری حکمرانوں کو بس میں کرنے اور یہودی سرمایے سے برطانوی مقروض ریاست کا بھرم رکھنے کے عوض قدیم ٹمپلرز اور جدید فری میسن نے یہودی دجالی برادری کے لیے "سلطنت عظمیٰ" برطانیہ اور اس کے "شاہی تاج" کو بے دریغ استعمال کیا..... انگریز جنرل ایلن بی کے ہاتھوں فلسطین کو خلافت عثمانیہ سے چھیننے سے لے کر اسرائیل کے قیام کے اعلان تک برطانیہ کو استعمال کرنے کے حوالے سے فری میسن کی کامیابی کے دعووں کی طویل تاریخ ہے۔ یہودی زعما ارض مقدس میں دجالی ریاست کے قیام کو اپنی سب سے بڑی کامیابی سمجھتے ہیں لیکن وہ

جیسے جیسے اس ریاست کو عظیم سے عظیم تر بنانے کا خواب پورا کر رہے ہیں ویسے ویسے وہ اپنے منطقی انجام کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ اسرائیل کی نو تعمیر شدہ بستیوں میں ان کی اجتماعی آبادی ان شاء اللہ ان کی اجتماعی بربادی پر ختم ہوگی۔ ان کی یہ بربادی صرف ''دجالی ریاست'' کا ہی اختتام نہ ہوگا بلکہ دنیا سے شر اور فساد کے مکمل خاتمے کی نوید بھی ہوگا۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس زمانے میں زندہ ہوں گے اور توفیق الٰہی سے ''عالمی دجالی ریاست'' کے منصوبے کو ناکام بناتے ہوئے ''عالمی اسلامی خلافت'' قائم کریں گے۔ ایسی خلافت جو کائنات میں بسنے والے ہر ذی روح کے لیے سایۂ رحمت ہوگی۔

رحمانی خلافت سے دجالی ریاست تک

برادر اسلامی ملک ”ترکی“ دنیا کا وہ ملک ہے جو دنیا کے دو مشہور براعظموں کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ دونوں براعظم رنگ و نسل کے اعتبار سے ہی نہیں، مذہب و نظریے کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کے متضاد اور باہمی تاریخی جدلیت کے حامل رہے ہیں۔ اس کا جغرافیائی محل وقوع ایسا ہے کہ یہاں سے عیسائیت کے گہوارے ”براعظم یورپ“ میں داخلے کا راستہ کھلتا ہے۔ اس راستے کے نکڑ پر عیسائیت کا روحانی مرکز اور مضبوط عسکری قلعہ قسطنطنیہ تھا۔ اس لیے اس کے فاتحین کے لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم بشارتیں سنائی تھیں۔ اس شہر کی فتح کا واقعہ جتنا عظیم الشان تھا، اس کے سقوط اور خلافت عثمانیہ کے انہدام کا حادثہ اتنا ہی دلدوز اور اندوہناک تھا۔ 1288ء کے ایک مبارک دن میں یہاں رحمانی ریاست خلافت عثمانیہ کی بنیاد پڑی تھی اور 1924ء کے ایک نامبارک دن میں خلافت کے سقوط اور دجالی ریاست کے راستے میں حائل رکاوٹ کے خاتمے کا اعلان ہوا۔ آیئے! اس آغاز اور اختتام، اس تضاد اور تقابل پر ایک نظر ڈالتے ہیں کہ مستقبل قریب میں پھر یہی کہانی معکوس انداز میں کردار کے اختلاف کے ساتھ دہرائی جانے والی ہے۔

موجودہ جمہوریہ، خلافت عثمانیہ (1288ء۔1924ء) کی جانشین ریاست ہے۔ خلافت عثمانیہ اس روئے زمین پر آخری خلافت تھی۔ اس کے سقوط سے اس زمین پر الٰہی ریاست اور الٰہی نظام والی مملکت کا اختتام ہوا اور دجالی ریاست کے قیام کا آغاز ہوا۔ یہ آغاز تکمیل سے پہلے ان شاء اللہ اختتام کو پہنچے گا اور پھر اللہ کے حکم سے اللہ کے مقرب بندے پوری دنیا میں عالمی الٰہی خلافت قائم کریں گے جو صحیح معنوں میں رحمانی ریاست ہوگی۔ خلافت عثمانیہ، خلافت راشدہ (232ء

661ء)، خلافت بنوامیہ مشرق (661ء ۔ 750ء) خلافت بنوامیہ مغرب (756ء ۔ 1492ء) اور خلافت عباسیہ (750ء ۔ 1285ء) کے بعد قائم ہوئی تھی۔ خلافت عثمانیہ کو یہ منفرد اعزاز ملا کہ اس نے 1453ء میں قسطنطنیہ (سلطنت روم کا دارالحکومت اور عیسائیت کا دل) کو فتح کیا اور اسلامی سلطنت کی سرحدیں یورپ کے اہم علاقوں تک پھیلادیں۔ سلطنت عثمانیہ کے عروج کے زمانے میں اس میں موجودہ ترکی کے علاوہ افریقہ کے بعض علاقے (مصر، طرابلس)، جزیرہ نمائے عرب یعنی حرمین وحجاز، یورپ میں سے آسٹریا اور ہنگری تک کے علاقے اور علاقہ بلقان کا بیشتر حصہ (سربیا، کروشیا، بوسنیا ہرزیگوینا، مقدونیہ، مونٹی نیگرو، البانیہ، بلغاریہ، رومانیہ اور یونان) شامل تھا۔ گویا وہ تین براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے اہم خطوں پر بیک وقت حکمران تھی۔ اس کمال کے بعد زوال نے شامت اعمال کے نام سے ہماری راہ دیکھ لی۔ اب ہم زوال کی آخری حد سے گزر رہے ہیں اور جب اپنے آنسوؤں اور خون سے اپنے گناہوں کو دھو ڈالیں گے تو ان شاء اللہ دوبارہ عروج ہمارا مقدر ہوگا اور وہ ایسا تابناک ہوگا کہ تاریخ انسانی نے اس کی مثال نہ دیکھی ہوگی۔

یورپی ممالک اس عظیم اسلامی سلطنت کو کیسے برداشت کر سکتے تھے جو ان کے قلب میں ہلال والا پرچم بلند کیے ہوئے تھی؟ ان کی ہمدردیاں بلقان کے عیسائیوں کے ساتھ تھیں اور وہ انہیں ترکوں کے خلاف بغاوت پر اکساتے رہتے تھے۔ یورپ نے یہاں لسانیت اور قومیت کا آزمودہ ہتھیار استعمال کیا۔ دانشوروں اور شاعروں نے پہلے یونانیوں کو ان کے ماضی کی یاد دلا کر انہیں ترکوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ جس سے "مشرقی مسئلہ" (Eastern Question) پیدا ہوا اور یورپی ممالک کی مداخلت سے یونان مارچ 1829ء میں آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یونان کے بعد دوسری یورپی ریاستیں بھی آزادی کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگیں۔ ساتھ ساتھ سلطنت عثمانیہ کے خلاف یورپی طاقتوں اور صیہونی منصوبہ سازوں کی مسلسل ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں کئی دوسرے افریقی اور یورپی علاقے ترکوں کے قبضے سے نکلنے لگے۔ 1830ء میں

فرانس نے الجزائر پر اور 1882ء میں برطانیہ نے مصر پر قبضہ کرلیا۔ اٹلی نے 1911ء میں طرابلس (موجودہ لیبیا) کا علاقہ چھین لیا۔ اس کے بعد مغربی مؤرخین نے ترکی کا حوصلہ پست کرنے کے لیے ''مرد بیمار'' کی اصطلاح ایجاد کرلی۔ اس زمانے میں سلطنت عثمانیہ کی اندرونی حالت بڑی نازک تھی۔ فری میسن ہر طرف سرگرم تھے۔ قدامت پسند اور ترقی پسند سیاست دان ایک دوسرے سے دست وگریباں تھے۔ اپریل 1909ء میں فری میسن کے تیار کردہ ترقی پسند گروہ (باغی گروہ) نے سلطان عبدالحمید کو تخت وتاج سے معزول کر کے سلطان محمد خامس کو تخت خلافت پر بٹھا دیا۔ اس کی پوزیشن ''شاہ شطرنج'' سے زیادہ نہ تھی۔

اکتوبر 1912ء میں روس کے اکسانے پر بلقانی ریاستوں نے ترکی کے ٹکڑے کرنے کے لیے اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس جنگ میں ترکی کو بے پناہ جانی اور مالی نقصان ہوا۔ اس کے متعدد علاقوں پر عیسائیوں نے قبضہ جما کر لوٹ مار اور قتل عام کا بازار گرم کر دیا۔ 30 مئی 1913ء کو لندن میں فریقین کے درمیان صلح ہوگئی، لیکن اس صلح نامے کی رو سے سلطنت عثمانیہ اپنے کئی علاقوں اور جزیروں کی ملکیت سے دستبردار ہوگئی۔

28 جولائی 1914ء کو پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی۔ ترکی، جرمنی، آسٹریا، ہنگری اور بلغاریہ کا حلیف بن گیا۔ دوسری طرف برطانیہ، فرانس، روس، جاپان اور امریکا تھے۔ ترکی کو امید تھی کہ فتح کے بعد جرمن حکومت روسی ترکستان، مصر، لیبیا، تیونس اور الجزائر کو اتحادی طاقتوں سے چھین کر ترکی کے حوالے کر دے گی۔ اسے یہ بھی توقع تھی کہ مغربی مقبوضات کے مسلمان ترکی کے حق میں بغاوت کر دیں گے اور سلطنت کے عرب مسلمان ترکوں سے پورا پورا تعاون کریں گے لیکن ترکی کی یہ خواہشیں پوری نہ ہوئیں۔ جنگ شروع ہوتے ہی مشہور انگریز شاطر کرنل لارنس حجاز مقدس (سعودی عرب) پہنچ گیا اور حسین (شریف مکہ) اور اس کے بیٹوں امیر فیصل اور امیر عبداللہ کو ترکوں کے خلاف بغاوت پر اکسانے لگا۔ برطانوی حکومت نے ''شریف مکہ'' سے وعدہ کیا کہ ترکی میں خلافت کے خاتمے کے بعد اسے خلیفہ تسلیم کرلے گی اور اس کے فرزند فیصل کو شام کا اور عبداللہ کو

فلسطین واردن کا بادشاہ بنا دے گی جبکہ انگریز نے کسی کو خلیفہ تسلیم کرنا تھا نہ خلافت کے ادارے کو باقی چھوڑنا تھا۔ اسے تو اسلام کی سربلندی کی ہر علامت سے دشمنی تھی۔ ایک انگریز مصنف نے اپنی کتاب ''جزیرۃ العرب'' میں صاف صاف لفظوں میں لکھا ہے:

''برطانیہ اور اسلام دونوں اس دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتے''۔

اس کا کہنا تھا: ''دو قوتیں دنیا میں برتری کے لیے کوشاں ہیں: ایک انگریز اور دوسری مسلمان۔ دو زبانیں دنیا میں چھانا چاہتی ہیں: انگریزی اور عربی اور ان دو میں سے ایک کو فنا ہونا چاہیے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی کی ترویج کتنی ضروری اور اس کے ذریعے اسلامیت کی تبلیغ کتنی مفید ہے۔

اس نے لکھا تھا: ''جب تک اسلام کی مرکزیت نہ ختم ہو اور جزیرۃ العرب اس کی مرکزیت سے علیحدہ کر کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیا جائے اسلام کی طاقت کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔''

اس نے بعد میں دنیا کو یہ بھی بتایا تھا: ''انگریز کیمیاوی طریقوں سے اپنے چمڑے گندمی رنگ میں رنگ کر خلافت کے زیر انتظام علاقے کی حدود میں وہاں کے مدرسوں اور مکانوں میں رہتے تھے تاکہ عربوں کی کمزوریوں کو معلوم کر سکیں اور ان کو ترکوں کے خلاف اکسا سکیں۔ عرصے کی مشقت، ریاضت اور قربانی کا نتیجہ تھا کہ مشہور فری میسن ایجنٹ کرنل لارنس کو وہ مواد ملا کہ جس سے وہ عربی لباس پہن کر جنگ عظیم اول (19-1914) کے دوران عربوں سے ترکوں کو قتل کراتا تھا اور ہر ترک کے قتل پر انعام مقرر کر رکھا تھا۔ خود کرنل لارنس نے جو تکالیف برداشت کیں اور جس طرح جان پر کھیل کر یہ تماشا کیا وہ ایک عجیب داستان ہے۔''

وسط جون 1916ء میں عرب مسلمانوں نے نادانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حسین (شریف مکہ) کی سربراہی میں اپنے اقتدار اعلیٰ اور خلیفہ کے خلاف بغاوت کر دی اور انگریزوں کی مدد سے حجاز مقدس میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ برطانیہ کی یہ حکمت عملی دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ سبق

آموز بھی ہے جس کے ذریعے اس نے مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا۔ اس بغاوت سے قبل جنگ عظیم میں ترکوں نے جس جانبازی وجواں مردی کا ثبوت دیا تھا وہ ان کی شجاعانہ کارروائیوں میں بھی عدیم المثال ہے، لیکن عربوں کی ناسمجھی اور فری میسن کے ہاتھوں بغاوت سے ترکوں کو شکست در شکست کا سامنا کرنا پڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام عرب علاقے عراق، مصر، شام، اردن اور فلسطین اتحادیوں کے زیر تسلط آ گئے۔ 30 اکتوبر 1918ء کو مدارس کے مقام پر التوائے جنگ کے سلسلے میں بات چیت کا آغاز ہوا۔ بالآخر 14 مئی 1920ء کو ترکی کے ساتھ نام نہاد صلح کی یکطرفہ شرائط "معاہدہ سیورے" کے نام سے مشتہر کر دی گئیں۔

اس جانبدارانہ صلح نامے کی رو سے ترکی کو تمام عرب علاقوں سے محروم کر دیا گیا۔ حجاز مقدس میں شریف مکہ کی خودمختار حکومت کو تسلیم کر لیا گیا۔ درہ دانیال اور تمام دیگر اہم درے بین الاقوامی کنٹرول میں دے دیے گئے۔ مختصر یہ کہ اتحادیوں نے ترکوں کی قومی آزادی کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا اور ترکی اتنا بے بس تھا کہ اس نے 10 اگست 1920ء کو اس معاہدے کی توثیق کر دی۔ دجالی قوتوں کو خطرہ تھا کہ عیسائیت کے دل میں خلافت قائم کرنے والی اس ریاست کے آثار قدیمہ میں بھی اتنا دم خم ہے کہ یہ پھر سے نشاۃ ثانیہ کی تحریک شروع کر سکتی ہے۔ اس کے سدباب کے لیے فوج کو جمہوریت کا نگران بنایا گیا۔

معاصر دنیا میں ترکی کے سیاسی نظام کی یہ ایک منفرد خصوصیت ہے کہ اس میں سیاسی انتشار اور جمہوری ہنگاموں پر قابو پانے کے لیے مسلح افواج کو مستقل طور پر آئینی کردار دیا گیا ہے۔ ترکی کی فوج نہ صرف ملکی سلامت وسالمیت کی ضامن، بلکہ کمال اتاترک کی نام نہاد اصلاحات اور مسخ شدہ تہذیبی ورثے کی بھی محافظ ہے۔ چنانچہ فوج کی پیشہ ورانہ تربیت مخصوص غیر مذہبی (سیکولر) ماحول میں کی جاتی ہے جس کے نتیجے میں فوج کا مجموعی مزاج سیکولر ہو گیا ہے اور وہ اتاترک کی مغربی طرز کی اصلاحات کو حقیقی روح کے مطابق نافذ کرنے کے لیے کوشاں رہتی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے فوج کو 1960ء اور 1980ء میں سول حکومت کو برطرف کرنا پڑا۔ علاوہ ازیں 1961ء

اور 1982ء کے آئین کے تحت قومی سلامتی کونسل کی تشکیل بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ فوجی سروس کو قومی خدمت قرار دے کر ہر ترک شہری پر 18 ماہ کے عرصے پر محیط لازمی فوجی تربیت کی پابندی لگائی گئی ہے۔ اس طرح ہر شہری کچھ عرصہ فوج سے منسلک رہتا ہے۔ اس اقدام کا مقصد یہ ہے کہ ہر ترک شہری سیکولر مزاج اپنائے اور سیکولر نظام کی محافظ فوج سے زندگی بھر ہم آہنگ رہے۔

ترکی کے سیاسی نظام میں فوج کا آئینی کردار متعین کرنے سے سول معاملات میں فوج کا اثر ورسوخ بہت بڑھ گیا ہے۔ اس سے ایک طرف فوج کی پیشہ ورانہ کارکردگی متاثر ہوئی ہے تو دوسری طرف فوج کا سیکولر مزاج عوامی خواہشات کے سامنے رکاوٹ بن گیا ہے۔ اب یہ فوج پر منحصر ہے کہ وہ جس کی چاہے اس کی حمایت کرے، خواہ عوام اسے پسند کریں یا نہ کریں۔ ترکی کے سیاسی نظام میں فوج کا آئینی کردار فری میسن سے ذہن لینے والے فوجی حکمرانوں کے ذہن ہی کی اختراع ہے۔ ترکی میں اسے بدنام زمانہ فری میسن جنرل جمال گرسل نے متعارف کرایا تھا۔ ترکی میں فوج کے آئینی کردار کے تعین کے بعد فوج کو اب مارشل لا لگانے کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ وہ خود ہی ''بادشاہ گر'' بن گئی ہے اور وہ لازمی طور پر عثمانی سلاطین کی جگہ لینے کے لیے ایسے بادشاہوں کا انتخاب کرتی ہے جو کسی حالت میں ترکی کو جو دنیا کے اہم ترین جغرافیائی خطے میں واقع ہے، اسلام کی طرف اللہ اور اس کے دین کی طرف یعنی رحمانی ریاست والے نظام کی طرف نہ جانے دے۔ یہ سارا کارنامہ انجام دینے کے لیے صیہونی طاقتوں نے ترکوں کے جس بدترین دشمن کا انتخاب کیا اسے ''اتاترک'' (ترکوں کا باپ) کا لقب دیا جبکہ وہ قوم یہود کا ادنیٰ غلام تھا۔ جی ہاں! وہ کوئی اور نہیں، فری میسن کا تراشا ہوا فن پارہ مصطفیٰ کمال تھا۔

مصطفیٰ کمال کا والد سالونیکا (یورپی ترکی) میں ''چنگی'' کا محرر تھا۔ بعد ازاں لکڑی کا کاروبار کرنے لگا۔ مصطفیٰ کمال ابھی کمسن ہی تھا کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ بہت دین دار لیکن نہایت غریب خاتون تھیں۔ اس نے مصطفیٰ کمال کو ایک دینی مدرسے میں داخل کرا دیا لیکن مصطفیٰ کمال کو بچپن ہی سے فوجی افسر بننے کا شوق تھا۔ چنانچہ چند برسوں بعد وہ خود ایک ملٹری اسکول میں

داخل ہو گیا۔ اسکول کی تعلیم کرنے کے بعد قسطنطنیہ (استنبول) کے ملٹری کالج میں چلا گیا اور 1904ء میں کالج سے لیفٹیننٹ بن کر نکلا۔ فوجی ملازمت کے سلسلے میں اس کو شام، فلسطین، مصر اور البانیہ وغیرہ میں گھومنے پھرنے کا موقع ملا۔ یہاں وہ برادری کے ''بگ ماسٹرز'' کی نظر میں آ گیا۔ چنانچہ اس کے ''انجمن اتحاد و ترقی'' کے انقلاب پسند ممبروں سے تعلقات قائم ہو گئے۔ یہ انجمن جیسا کہ نام سے ظاہر ہے صیہونی دماغوں نے تخلیق کی تھی۔ نوجوان اور تعلیم یافتہ ترکوں نے سلطان عبدالحمید خان ثانی سے نجات حاصل کرنے کے لیے قائم کر رکھی تھی۔ اپریل 1909ء میں ترکی فوج نے علم بغاوت بلند کیا اور معمولی کشمکش کے بعد سلطان کو تخت سے اتار دیا گیا۔

مصطفیٰ کمال نے اقتدار میں آتے ہی ترکی کو ''ترقی پسند'' ملک بنانے کے لیے ہر شعبہ زندگی میں مغربی طرز کی جدید اصلاحات رائج کیں۔ اس شخص نے چھ برسوں کے مختصر عرصے میں قریبی دانش وروں کی مدد سے ترکی کے سماجی، قانونی، تعلیمی اور سیاسی نظام کو مکمل طور پر بدل دیا۔ اتاترک کی اصلاحات کی بنیاد اس کے درج ذیل چھ طاغوتی اصول تھے جن میں سے ہر ایک اصطلاح پکار پکار کر اپنے وضع کرنے والے دماغوں کی نشان دہی کر رہی ہے کہ وہ کون تھے اور کیا کرنا چاہتے تھے؟ وہ چھ پُرفریب اصول یہ تھے:

۱- جمہوریت پسندی	Republicanism
۲- قوم پرستی	Nationalism
۳- عوامیت پسندی	Populism
٤- لادینیت	Secularism
٥- اصلاح پرستی	Reformism
٦- مملکتی اشتراکیت	Etatisme (Fr) Statism

یہودی گماشتے مصطفیٰ کمال نے ترکی کو یہودی سپنوں کے مطابق مغربیت کے رنگ میں رنگنے، روحانی نظام کے خاتمے اور دجالی نظام کی سربلندی کے لیے 4 مارچ 1924ء کو خلافت کا

بابرکت عہدہ، جو مسلمانوں کے لیے ٹھنڈا سایہ اور رحمت کا سائبان تھا، ختم کر دیا۔ اس کے ایک ماہ بعد قومی اسمبلی نے دیوانی معاملات میں شرعی عدالتوں کے اختیارات کو کلیتاً ختم کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی وزارت اوقاف اور مذہبی تعلیمی درسگاہوں کو ختم کر دیا۔ علماء اور طلباء کو منتشر کرتے ہوئے مدرسوں اور خانقاہوں کو بند کر دیا گیا۔ شیخ الاسلام کا عہدہ پہلے ہی 1922ء میں ختم کیا جا چکا تھا۔ مذہبی معاملات سے نپٹنے کے لیے اختیارات سے محروم اور اسلامی روح سے عاری ''مذہبی امور کا بورڈ'' اور ''متروکہ عمارات کا بورڈ'' قائم کیا گیا۔ 24 اپریل 1924ء کو ترکی کا نیا آئین منظور کیا گیا۔ آئین کی دفعہ 2 کے تحت ترکی کو ایک نیشنلسٹ ری پبلک، سیکولر اور سوشل ریاست قرار دیا گیا ور اقتدار اعلیٰ (Sovereignty) کا سرچشمہ ترک قوم کو مانا گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے مقابلے میں اس انسان کو حاکمیت کا اختیار دیا گیا جو دوسرے انسانوں کے ہاتھوں میں کھیلتے ہوئے یہ تک نہیں سمجھتا کہ وہ کھلاڑی نہیں کھلونا ہے۔

ترکی میں سیکولر طرز زندگی کو فروغ دینے کے لیے شرعی قوانین کی جگہ یورپ کے نظام ہائے قانون کو اپنایا گیا۔ سوئٹزر لینڈ کے نمونے پر سول ضابطہ قوانین، اطالوی نمونے پر فوجداری ضابطہ قوانین اور جرمن نمونے پر تجارتی قوانین رائج کیے گئے۔ ''مذہبی اصلاحات'' کا نام نہاد عنوان دے کر صوفیائے کرام کے حلقوں اور ان کی خانقاہوں پر پابندی لگا دی گئی۔ رومی اور ہجری کیلنڈر کی جگہ عیسوی کیلنڈر رائج کیا گیا۔ پردے اور تعدد ازدواج (ایک سے زیادہ شادیوں) کو قانوناً ممنوع قرار دیا گیا۔ عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دیے گئے جو محض خیالی اور فرضی تھے۔ ان پر تمام ملازمتوں کے دروازے کھول دیے گئے، صرف گھر کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ 1934ء میں ایک آئینی ترمیم کے ذریعے عورتوں کو رائے دہی کا حق دیا گیا اور اس کے فوراً بعد بہت سی عورتیں اسمبلی کی ممبر منتخب ہوئیں۔

ترک قوم پرستی (ترکیت) کے جذبے کو ابھارنے کے لیے بھی متعدد اقدامات کیے گئے۔ مثلاً ترکی زبان سے عربی اور فارسی کے حروف کو خارج کر دیا گیا اور اس کے لیے عربی رسم الخط کے

بجائے لاطینی رسم الخط اختیار کیا گیا۔ حکومت نے ترک زبان کو ترقی دینے کے لیے زبردست تحریک چلائی اور اس کی ترقی و ترویج کا نیا دور شروع ہوا۔ مسجدوں اور دیگر مذہبی اداروں میں عربی زبان کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا حتی کہ اذان، نماز اور قرآن کی تلاوت کے لیے بھی عربی زبان کا استعمال ناجائز ٹھہرایا گیا۔ ان جغرافیائی ناموں کو جن سے بیرونی الفاظ کی بو (یا خوشبو) آتی تھی، خالص ترکی ناموں سے تبدیل کردیا گیا۔ قسطنطنیہ کا نام استنبول رکھا گیا، ایڈریانوپل کو "ادانہ" اور سمرنا کو ازمیر میں تبدیل کیا گیا۔ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے نام خالص ترکی میں رکھیں۔ چنانچہ عصمت پاشا نے عصمت انونو اور مصطفیٰ کمال پاشا نے مصطفیٰ کمال کا نام اختیار کیا۔ غازی، پاشا اور "بے" کے پرانے خطابات جو دورِ خلافت کی یادگار تھے، ختم کردیے گئے۔ استنبول کے بجائے انقرہ کو دارالحکومت قرار دیا گیا۔ نئے دارالحکومت میں جدید طرز کی عمارتیں تعمیر کی گئیں اور شہر کے نئے حصے میں کوئی مسجد تعمیر نہیں ہونے دی گئی۔ یورپی قوموں کو اندھی تقلید میں ملک بھر میں شبینہ کلبوں، تھیٹروں اور ناچ گھروں کا جال بچھا دیا گیا۔ اس طرح اسلامی معاشرے کی جگہ دجالی معاشرے نے لے لی۔ جو قوم دنیا کے مضبوط ترین نظریے کی ترجمان اور عالم اسلام کی نمائندہ تھی وہ قومیت کے نام پر ایسی پستی میں چلی گئی کہ خود اسے بھی شعور نہیں کہ اس سے کیا چھین کر کیا تھما دیا گیا ہے۔ پوری اسلامی دنیا ترکوں کو اپنا قائد اور محبوب مانتی تھی، اسلامی اخوت کی جگہ قومیت کے چکر میں پڑتے ہی ترکی دنیا کی نظروں سے گر گیا۔ پوری دنیا کے مسلمان ترکوں کے ساتھ جینے اور ان کے ساتھ مرنے پر فخر کرتے تھے۔ خلافت کی جگہ جمہوریت کے آتے ہی ترکوں سے یہ اعزاز جاتا رہا۔ ہمارے ہاں بھی "اسلامیت" کی جگہ پاکستانیت لے رہی ہے، جبکہ جن لوگوں نے یہ نعرہ (سب سے پہلے پاکستان) لگایا تھا خود ان میں پاکستانیت نام کی کوئی چیز نہ کبھی تھی اور نہ آج ہے۔

ایک انگریز مدبر اور سیاست دان گلیڈ اسٹون (Gladstone) نے قوم پرستی میں مبتلا ترک قوم کی حالت زار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "اس ملک یا قوم کی سیاہ بختی کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا جو ایک دم اپنے ماضی کی روایات سے اپنا تعلق منقطع کرلے۔"

ترکی، ایران اور افغانستان اسی غلطی کا شکار ہوئے۔ مصر نے بھی یورپ کی اندھی تقلید کرتے ہوئے مصری قومیت کا نعرہ لگایا مگر ہر حالت میں ان اسلامی ممالک کو خوفناک نتائج بھگتنے پڑے۔ ترقی کا راز لباس میں نہیں ہوتا۔ پانچ کلیوں والی ٹوپی کی جگہ انگریزی ہیٹ سر پر رکھ لینے سے انگریز کی چستی، فرض شناسی اور حب الوطنی کی صفات راسخ نہیں ہو جاتیں۔ ترقی کا راز پاکیزہ اخلاق، فوجی تربیت اور کسی متحرک نظریہ کو اپنانے میں ہوتا ہے۔ اس راز کو اپنی بصیرت کے فقدان کے باعث امان اللہ خان، رضا شاہ پہلوی اور مصطفیٰ کمال نہ سمجھ سکے۔

اسلام چونکہ غالب رہنے کے لیے آیا ہے، اس لیے عالمی صہیونیت جو اسلامی خلافت کی جگہ اسرائیلی ریاست کو برتر دیکھنا چاہتی ہے، کی تمام تر کوششوں کے باوجود ترکی میں اسلام کی طرف رجوع کی تحریک علماء اور صوفیا کی زیر سرپرستی چل رہی ہے اور جب آخری وقتوں میں آخری معرکے کا ایک اہم راؤنڈ ایشیا یورپ کے اس سنگم یعنی ارض اسلام اور ارض عیسائیت کے اس ملاپی نکتے میں لڑا جائے گا تو ترکی کے مسلمان ان شاء اللہ کالے جھنڈے والوں کے ساتھ ہوں گے۔ وہ اس خطے میں عیسائی اتحادیوں کو قلت تعداد کے باوجود حیرت انگیز اور زبردست شکست دیں گے اور جب عیسائی ادھ موئے ہو چکے ہوں گے تو ابلیس کے بعد بدی کا سب سے بڑا علمبردار "دجال اکبر" عیسائیوں کو شکست خوردہ اور مسلمانوں کو تھکا ماندہ دیکھ کر خروج کرے گا۔ یہ وہ لمحہ ہوگا جب دجالی کارندوں اور رحمانی مجاہدین کے درمیان فیصلہ کن معرکے کا آغاز ہو جائے گا۔ اہل حق قلیل تعداد، قلیل وسائل اور بے شمار آزمائشوں کے باوجود استقامت سے ڈٹے رہیں گے۔ ان کے مجاہدے وجہاد کی برکت اور اللہ کے فضل سے طاغوتی قوتوں کے منصوبوں میں پلتا دجالی ریاست کا خواب ایسا چکنا چور ہوگا کہ ابلیس کے ماننے والوں اور اس کی مدد سے دنیا میں شیطانی نظام قائم کرنے والوں کے دماغ سے دنیا پر حکومت کا خیال نکل جائے گا اور متقی مجاہدین کی قربانیوں کے جلو سے رحمانی ریاست کا وہ چمکتا دمکتا سورج برآمد ہوگا جس سے پھوٹنے والی امن اور خوشحالی کی کرنیں پوری دنیا کو روشن کر دیں گی۔ ان شاء اللہ العزیز!

عالمی دجالی ریاست کا خاکہ

(پہلی قسط)

ڈاکٹر "جون کولمین" (پیدائش 1935ء) برطانیہ کی مشہور انٹیلی جنس ایجنسی "ایم سکس" کے سابق آفیسر ہیں۔ وہ طویل عرصے تک دنیا کے نمایاں ترین خفیہ اداروں میں شمار ہونے والی اس سیکرٹ سروس کے اعلیٰ عہدیدار رہے۔ خود کو تفویض کیے جانے والی خدمات کی ادائی کے دوران انہوں نے محسوس کیا کہ اکثر عالمی معاملات کا پس منظر وہ نہیں جو کہ ارض کے اکثر باشندے سمجھتے ہیں۔ خود برطانیہ جو عالمی برادری کا اہم رکن سمجھا جاتا ہے، کے اہم معاملات کو کوئی نادیدہ قوت کنٹرول کرتی ہے جو برطانوی عوام یا عیسائی دنیا کے مفادات کے بجائے کچھ اور نہ ذکر کیے جانے والے مقاصد میں دلچسپی رکھتی ہے۔ انہیں یہ چیز چونکاتی اور متعجب کرتی رہی۔ اس نادیدہ قوت سے متعارف ہونے اور اس کا سراغ لگانے کی خواہش نے انہیں اتنا بے چین کردیا کہ انہوں نے معاملات کو کھوجتی نظروں سے دیکھنے اور تنقیدی نگاہ سے کریدنے کی عادت بنالی۔ انہیں محسوس ہوا کہ دنیا میں کچھ سازشی عناصر ایسے ہیں جو کسی قومی، علاقائی یا بین الاقوامی حدود کو خاطر میں نہیں لاتے۔ جو اتنے طاقتور ہیں کہ تمام ملکوں کے قوانین سے بالاتر ہیں اور سیاست کے علاوہ تجارت، صنعت، بینکاری، انشورنس، معدنیات حتیٰ کہ منشیات کے کاروبار تک پر کنٹرول رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی "برادری کے بڑوں" کے علاوہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ اس برادری کے "دانا بزرگ" (بگ برادرز یا گریٹ ماسٹرز) خود تو عالمی واقعات پر گرفت رکھتے ہیں لیکن سوائے چند لوگوں کے ان کے وجود سے کوئی باخبر نہیں۔ یہ خفیہ نگران، عالمی اداروں، گورنمنٹ ایجنسیوں اور بہت ساری تحریکوں اور تنظیموں کے ذریعے...... جو انہوں نے پروان چڑھائی ہیں...... دنیا پر خاص

قسم کے دستوری حکمرانی کے خواہاں ہیں۔ اس کے لیے وہ فریب دینے یا جبر کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ان کے لیے کوئی مذہبی یا اخلاقی قدر، کوئی قانونی روایت یا کوئی انسانی اصول...... غرض کہ کوئی چیز رکاوٹ نہیں۔ ترقی یافتہ ممالک ہوں یا پسماندہ دنیا، سب ان کے لیے مسخر ہیں۔ سب میں ان کے ایجنٹ زندگی کے اہم شعبوں میں موجود ہیں یا موجود کر لیے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر کولمین نے ان سہولتوں کے سبب جو انہیں ایک عالمی سطح کی انٹیلی جنس ایجنسی کا اعلیٰ عہدیدار ہونے کی حیثیت سے حاصل تھیں، نیز اپنے فطری تجسس سے مجبور ہو کر وہ معاملات کو کسی اور رخ سے دیکھنے لگے۔ وہ رُخ جو عام لوگوں سے پوشیدہ ہے۔ رفتہ رفتہ وہ جس نتیجے تک پہنچے اس کو دنیا تک...... بالخصوص مغربی دنیا تک...... پہنچانے کو انہوں نے اپنا فرض سمجھا۔ اس احساس ذمہ داری نے ان سے کئی کتابیں تصنیف کروائیں جو پوری دنیا کے لیے چشم کشا بھی ہیں اور معلومات افزا بھی۔ ڈاکٹر کولمین کا مقصد ان کتابوں سے جو بھی رہا ہو لیکن ان کی تحریروں سے حقیقت کی گرہ کشائی اور مشکلات کے حل تک رسائی میں بہر حال مدد لی جا سکتی ہے۔ یہ تصنیفات تحقیق و جستجو کا شاہکار اور محتاط اندازوں کی بنیاد پر مرتب کی گئی معلومات کا ذخیرہ ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

(1) The Committee of 300 (دی کمیٹی آف 300) (2) Beyond The Conspiracy (بے یونڈ دی کانسپریسی) (3) The Club of Rome (دی کلب آف روم) (4) What you should know about the United States Constitution and the Bill of Rights (آپ کو امریکی قرارداد کے بارے میں کیوں جاننا چاہیے؟) (5) Illumination in America (الیومینیشن ان امریکا) (6) Diplomacy by Deception (ڈپلومیسی بائی ڈیسیپشن) (7) One World Order (ون ورلڈ آرڈر) (8) Nuclear Power: anathema to the New World Order (نیوکلیئر پاور: آنتھیمن ٹو دی نیو ورلڈ آرڈر) (9) Tavistock Institute of

Human Relations (ٹیوسٹاک انسٹیٹیوٹ آف ہیومن ریلیشن) (10) The
Rothschild Dynasty (دی روتھ چائیلڈ ڈائینسٹی) (11) We Fight For Oil
(وی فائٹ فار آئل)

ان کتابوں کے ذریعے انہوں نے مغرب کو..... بالخصوص امریکا و برطانیہ کے باشندوں کو..... بتایا کہ ایک خفیہ گروپ ہماری زندگی کے مختلف شعبوں پر حاوی ہے اور اپنی مرضی سے ہمارے معاملات کی ڈور ہلا رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''اگرچہ کسی نظر نہ آنے والی قوت کا ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر قابو پانا ہماری سمجھ سے باہر ہے اور ہم میں سے اکثریت کے لیے ایسے کسی گروپ کا وجود ناممکن لگتا ہے..... لیکن یہ ایک حقیقت ہے اور اگر آپ کا بھی یہی خیال ہے تو آپ بھی اس اکثریت میں داخل ہیں۔'' اکثر امریکی یہ کہتے ہیں اور ایسا کہنے میں وہ خود کو حق بجانب سمجھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے اصول اور قوانین، ہماری تہذیب اور دستور اس کی اجازت نہیں دیتے۔ ہماری ترقی یافتہ تہذیب کو کوئی ہائی جیک نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر کولمین کہتے ہیں: ''لیکن..... ایسا ہو رہا ہے۔ آپ کے اصولوں کو پامال کر کے ایسا ہو رہا ہے۔''

ڈاکٹر کولمین کی کتاب ''Conspirators Hibrarchy'' 1992ء میں شائع ہوئی۔ یہ کئی برسوں کی تحقیق کا نتیجہ تھی۔ اس میں مستقبل کی دنیا کا جو نقشہ کھینچا گیا تھا، اس میں سے بہت مناظر سامنے آ چکے ہیں اور ''منتخب جمہوری حکومتوں'' کی طرف سے قانونی طور پر ''تعلیم یافتہ جدید دنیا'' کے باسیوں پر مسلط کیے جا چکے ہیں۔ بہت سے ابھی زیر تشکیل ہیں اور اخلاقی اقدار، انسانی ہمدردی اور صحت عامہ کے نقاب میں نمودار ہونے والے ہیں۔ ڈاکٹر جان کولمین نے کرۂ ارض پر آنے والے دنوں میں جس مقتدر عالمی حکومت کا نقشہ کھینچا ہے، اس کے متعلق انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اس کا ''سربراہِ اعظم'' کون ہو گا؟ نیز اس کے دستور کی بنیاد کیا ہو گی؟ اس حکومت کو کس نظریے کے حامل لوگ چلائیں گے؟ اس پہلو پر انہوں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ انہوں نے گرد و پیش کا مشاہدہ کر کے دور اندیشی پر مشتمل اپنی معلومات اور اندازے بیان کیے ہیں..... لیکن

انہوں نے وحی کی رہنمائی سے مدد نہیں لی، لہٰذا وہ حقائق و واقعات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے۔ جبکہ یہ بات یقینی ہے کہ اس "عالمی ریاست" کا سربراہ اعظم، ملعونِ اکبر، دجال اعظم ہوگا اور یہ ریاست یہود کی قائم کردہ "عالمی دجالی ریاست" ہوگی۔ ہم اس دعوے کی وضاحت کے لیے یہاں تین چیزیں بیان کریں گے جس سے ان شاء اللہ وہ کمی پوری ہو جائے گی جو اکثر کولین کی وقیع کاوشوں کے باوجود باقی ہے اور انصاف پسند دنیا کے سامنے وہ حقیقت آ جائے گی جس تک مغربی مفکرین وحی سے ناآشنائی اور اس کی عصری تطبیق سے ناواقفیت کے سبب نہیں پہنچ سکے۔

(1) قومِ یہود اور اس کی "خفیہ برادری" کا اصل ہدف۔

(2) اس ہدف کے حصول کے لیے موجودہ حکمت عملی۔

(3) اس حکمت عملی کے نتیجے میں حاصل ہونے والی دجالی ریاست کا خاکہ۔

اس درد سری اور مغز خوری کا ایک ہی مقصد ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی غلامی کی طرف متوجہ کیا جائے اور شیطان کے ان چیلوں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کی ہمت بیدار کی جائے۔ شیطان کے ان نمائندوں کا دنیا بھر میں پھیلا ہوا نیٹ ورک اپنا کام تیز کر چکا ہے اور بے تحاشا وسائل استعمال کر کے صرف عالم اسلام نہیں پوری بنی نوع انسان کو گمراہ کر کے، شیطانی کاموں میں مبتلا کر کے، شیطانی حکومت کا غلام بنانا چاہتا ہے۔ ان حالات میں "رحمان" کے شیدائیوں کے لیے مناسب نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام انسانیت کو ان گمراہیوں اور گناہوں سے بچنے کی توفیق دے جن کا منصوبہ شیطان اور اس کی نمائندہ انسانی طاغوتی قوتوں نے بنا لیا ہے اور پوری دنیا کو اس میں ملوث کرنے کے لیے عالمگیر مہم چلا رہے ہیں۔

(1) عالمی خفیہ برادری کا اصل ہدف:

حتمی ہدف جو "برادری" حاصل کرنا چاہتی ہے وہ کرۂ ارض پر مکمل اور بلا شرکت غیرے کلی غلبہ ہے۔ چاہے یہ معاشی، تعلیمی، ذہنی، مذہبی ہو یا پھر قدرتی یا ذاتی وسائل ہوں۔ اس ہدف کے

حصول کے لیے وہ صدیوں سے کام کر رہے ہیں۔ اپنے ہدف سے یہ لوگ کتنے دور ہیں؟ بدقسمتی سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ ہر دن، ہر گھنٹہ، ہر منٹ اور ہر لمحہ جو ہم ضائع کر رہے ہیں، اجتماعی مقاصد سے ہٹ کر اپنے معمولی ذاتی مفادات کے حصول میں مصروف ہیں، درگزر کے بجائے باہمی اختلافات کو ہوا دے رہے ہیں، یہ لوگ اُلٹی گنتی میں تیزی سے "عالمی ریاست" کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔

یہ کسی دیوانے کی بڑ نہیں ہے نہ یہ کوئی خبطیوں کا گروہ ہے جو محض خیالی پلاؤ پکا کر پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ نہیں! یہ انتہائی زیرک، تعلیم یافتہ، منصوبہ ساز اور ترقی یافتہ لوگوں کا ایک نیٹ ورک ہے۔ ان کے پاس زیادہ سے زیادہ وسائل ہیں جن کے ذریعے وہ ہماری کمزوریوں کو استعمال کرتے ہیں۔ جب بھی ہم صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ انہوں نے قوموں کے درمیان اختلافات تخلیق کیے ہیں اور انہیں برقرار رکھا ہے تاکہ جنگیں برپا کر سکیں۔ ان کے نتیجے میں متاثرہ ممالک ان لوگوں کا اسلحہ، قرضے اور ملنے والی مدد استعمال کر رہے ہیں۔ اس طرح یہ قومیں اور ملک خود کو "برادری" کے ہاتھوں مفلوج کر رہے ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم نے نہ صرف "برادری" کو آدھی سے زیادہ دنیا مقروض کرنے میں مدد دی بلکہ یہ بنی نوع انسان کو دو طرح کے اقتصادی نظاموں میں تقسیم بھی کر گئی۔ یہ نظام تھے اشتراکیت اور سرمایہ داری۔ دونوں طرف یہود تھے اور اونٹ جس کروٹ بیٹھتا، فائدہ یہود کو ہی ہوتا تھا۔ ان نظاموں کے برپا کرنے سے نظریاتی تخریب کے علاوہ اقتصادی غلبہ بھی یہود کا مقصود تھا۔

کتنی دلچسپ بات ہے؟ برادری اس انداز میں دونوں فریقوں کا شکار کرتی ہے۔ دونوں کو اپنی گرفت میں رکھتی ہے۔ دونوں طرف کے لوگوں کو محسوس ہوتا ہے وہ انقلاب لا رہے ہیں۔ وہ آزادی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جبکہ وہ یہود کی غلامی کے مراحل طے کر رہے ہوتے ہیں۔ نظریاتی غلامی، اقتصادی غلامی اور بالآخر کلی غلامی۔ یہ ہے انتخاب اور یہ ہے انتخاب کی آزادی اور

یہ ہے جمہوریت۔ ان متحارب نظاموں کا برپا کرنا ایک عالمی حکومت کی تشکیل کی طرف اہم قدم تھا۔ اسے تین مرحلوں میں مکمل کیا جانا تھا:

(1) قومی مرحلہ: قومی معیشتوں پہ عالمگیر سطح پر سینٹرل بینکوں کا قبضہ۔

(2) علاقائی مرحلہ: علاقائی معیشتوں کی مرکزیت، یورپی مانیٹری یونینز اور ریجنل ٹریڈ یونینز مثلاً: "NAFTA" کے ذریعے۔

(3) عالمی مرحلہ: عالمی معیشت کی مرکزیت، ایک ورلڈ سینٹرل بینک اور عالمی کرنسی کے ذریعے اور "GATT" جیسے معاہدوں کے ذریعے خودمختار قومی محاصل کا خاتمہ۔

پہلے دو اہداف پوری طرح حاصل کر لیے گئے ہیں۔ اپنے ملک کے کرنسی نوٹوں پر ایک نظر ڈالیے۔ انہیں کون جاری کرتا ہے؟ حکومت یا اسٹیٹ بینک؟ یہ اسٹیٹ بینک کس کے ماتحت ہوتا ہے؟ سب جانتے ہیں۔ تیسرا ہدف عالمی بینک کس حد تک مکمل ہے۔ "ایک عالمی دولت" یا "ایک عالمی کرنسی" کا ہدف ڈالر اور عالمی معیشت کے ڈالر اسٹینڈرڈ (معیار زر سے آزاد) کی مستحکم پوزیشن کے ذریعے تقریباً حاصل ہو چکا ہے۔ بقیہ ہدف یورپ میں یورو ڈالر اور عالمی سطح پر امریکن ٹریولرز چیکس کے ذریعے حاصل کیا جا رہا ہے۔

تیسرا ہدف...... یعنی خودمختار قومی محاصل کا خاتمہ اقوام متحدہ کی افواج کے ذریعے حاصل کیا جا رہا ہے۔ جب ایک ملک مقروض ہو کر نادہندگی کی حالت تک پہنچ جائے تو آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی ذمہ داریوں کے تحت اقوام متحدہ کی فوجوں کو مکمل اختیارات حاصل ہیں کہ وہ اس ملک میں داخل ہو جائیں اور اقتصادی اور بدعنوانی کے مسائل کا "حل" یقینی بنائیں۔

کچھ عرصے پہلے بی بی سی ون کے ایک پروگرام "The Future War" میں امریکی فوج کی مشقیں دکھائی گئی تھیں۔ یہ مشقیں امریکی ریاستساؤتھ کیرولینا میں کی گئیں۔ ان مشقوں میں امریکی فوجی اس بات کی مشق کر رہے تھے کہ دو متحارب گروپوں میں منقسم شہر کا کنٹرول کس طرح حاصل کرنا ہے؟ اس کا مطلب ہے امریکی یا اقوام متحدہ کے فوجی اس وقت جنگ میں شریک ہوں

گے جب اس کا فیصلہ ہو جائے گا یا ہونے کے قریب ہوگا کہ ملک کا دیوالیہ نکل گیا ہے یا خانہ جنگی کے نتیجے میں طوائف الملوکی پھیل گئی ہے اور وہ خانہ جنگی میں مبتلا شہروں کا کنٹرول سنبھالنے کے لیے آگے آئیں گے۔

(2) ان اہداف کے حصول کے لیے حکمت عملی:

ان اہداف کا حصول بہت وسیع پیمانے پر وسائل کے علاوہ بہت اعلیٰ سطح کی ذہانت، نظم ونسق، معیاری منصوبہ بندی اور اس پر مہارت و دلجمعی سے عمل چاہتا ہے۔ قوم یہود نے جو صدیوں سے اس ابلیسی مشن کے لیے سرگرم عمل ہے۔ اس غرض کے لیے مربوط حکمت عملی تشکیل دی ہے۔ ایک مربوط تحقیق "برادری" کی اس حکمت عملی کی تفصیل کچھ یوں بتاتی ہے:

"(1) ایک عالمی حاکمیت قائم کی جائے...... [جسے اقوام متحدہ کہتے ہیں] اس کی ذیلی تنظیمیں بھی ہوں [مثلاً: ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن وغیرہ......] یہ عالمی حاکمیت باقاعدہ عالمی حکومت میں تبدیل کی جائے جو کرۂ ارض پر ہر ایک کی زندگی پر کنٹرول کے اختیارات رکھتی ہو۔

(2) دنیا بھر میں تنازعات کے اسباب کو جاری رکھا جائے اور سوویت یونین کے بعد القاعدہ جیسے خطرات کو استعمال کیا جائے تاکہ ایٹمی اور روایتی ہتھیاروں کی تیاری کے لیے اخراجات میں زبردست اضافہ ہوتا رہے۔ اس طرح ایٹمی جنگ کے خوف میں اضافہ ہوتا رہے اور عالمی سطح پر تحفظ کے مطالبات میں شدت آئے۔ امریکی یورپی دفاعی اتحاد (نیٹو) تشکیل دیا جائے اور اقوام متحدہ کے تحت عالمی امن فوج کا قیام عمل میں لایا جائے اور پھر ان دونوں کو بین الاقوامی تنازعات کھڑے کر کے آپس میں ملا کر عالمی فوج بنا دیا جائے۔

(3) یورپ، امریکا اور ایشیا کے براعظموں میں تین آزاد تجارتی خطے تخلیق کیے جائیں۔ انہیں ابتدا میں محض تجارتی گروپوں کو فروخت کیا جائے لیکن پھر بتدریج ان کو مرکزی سیاسی یونٹس میں تبدیل کیا جائے جن کا ایک سینٹرل بینک اور ایک کرنسی ہو۔ [یہ اقدامات وہ سنگِ بنیاد ہوں جن پہ عالمی سطح کے ادارے تعمیر کیے جائیں۔ یوروپین اکنامک کمیونٹی (EEC) اور یورپی یونین (EU)

اس طرح کے اولین ادارے تھے۔ بقیہ خطوں میں ایسے ادارے زیرِ تکمیل ہیں۔]

(4) رائے عامہ پر قابو پانے کے لیے پیش رفت، اس ضمن میں تحقیقی کام اور انسانی نفسیات کو استعمال کرنے کی سمجھ بوجھ میں اضافہ کرنے کے اقدامات کیے جائیں تا کہ افراد اور گروہوں کو اپنی خواہشات کے مطابق استعمال کیا جا سکے۔ [آج کل اس ایجنڈے میں لوگوں کی مائیکرو چپنگ اور ایک گلوبل کمپیوٹر کے ساتھ مستقل تعلق کا ہدف شامل ہے۔]

(5) ایک فلاحی ریاست تخلیق کی جائے اور معاشی نظام کے متبادلات کو تباہ کر دیا جائے اور جب مطلوبہ حد تک لوگ دست نگر ہو جائیں تو ریاست کی فلاحی سرپرستی ختم کر دی جائے تا کہ ایک وسیع زیردست طبقہ وجود میں آ جائے جو نا اُمید اور بے بس ہو۔ [آج کل یورپی ممالک کے فلاحی نظام کی بہت سے لوگ مثال دیتے ہیں اور ان "ویلفیئر اسٹیٹس" اور کو "دورِ فاروقی" کی اسلامی ریاست کا نمونہ بتاتے ہیں۔ مگر انہیں اس "فلاح و بہبود" پر مشتمل نظام کے قیام کو اس رُخ سے بھی دیکھنا چاہیے جس کا تذکرہ اس شق میں ہوا]

(6) ان سب عزائم کی تکمیل کے دوران بے تحاشا دولت "طبقۂ اشرافیہ" کے کنٹرول میں دیے گئے بینکوں اور کمپنیوں کے ذریعے کمائی جائے۔

(7) عوام، کاروباری اداروں اور ریاستوں پر قرضوں کے بوجھ میں مسلسل اضافہ کر کے ان پر کنٹرول بڑھایا جائے۔"

ایک اور ریسرچ انکشاف کرتی ہے:

"تیسری جنگِ عظیم تمام تر تنازع پیدا کر کے چھیڑی جائے گی۔ "برادری" کے ایجنٹ سیاسی صہیونیوں اور اسلامی دنیا کے لیڈروں کے درمیان فساد کھڑا کر دیں گے۔ یہ جنگ اس انداز میں آگے بڑھائی جائے گی کہ تمام عرب اور صہیونی اسرائیل ایک دوسرے کو تباہ کر دیں گے۔ اسی دوران بقیہ ممالک ایک دفعہ پھر اس مسئلہ پر منقسم ہو جائیں گے۔ انہیں مجبور کیا جائے گا کہ اس طرح آپس میں برسرِ پیکار ہوں کہ جسمانی، ذہنی، روحانی اور اقتصادی طور پر ایک دوسرے کو مفلوج

کر دیں۔ ایک عالمی حکومت کو برسر اقتدار لانے کے لیے یہ اسٹیج تیار کیا جائے گا۔"

(3) عالمی دجالی حکومت کا خاکہ:

درج بالا حکمتِ عملی کے نتیجے میں جو مطلق العنان غلبہ حاصل ہوگا اور اس کے ذریعے جو مستحکم عالمی حکومت قائم ہوگی، کیا اس میں انسانیت کی بھلائی کا کوئی عنصر موجود ہوگا؟ کیا اس سے بنی نوع انسان کے لیے کسی ہمدردی یا خیر خواہی کی کوئی اُمید رکھی جا سکتی ہے؟ بدقسمتی سے ایک فیصد بھی ایسی امید نہیں ہے۔ ذیل میں مستقبل کی اس عالمی حکومت کا خاکہ ملاحظہ کیجیے جس کے متعلق ڈاکٹر کولیمن جیسے تحقیق کار بھی تاحال بے خبر ہیں کہ اس کی باگ ڈور درحقیقت کس کے ہاتھ میں ہوگی؟ یہ اس عالمی دجالی حکومت کا بلیو پرنٹ ہے جس کی طرف ہم لمحہ بہ لمحہ بڑھتے جا رہے ہیں اور اس سے بچنے کی کوئی شکل انسانیت کے پاس سوائے رجوع الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے موجود نہیں ہے۔ "عالمی دجالی حکومت" کے بنیادی خدوخال کچھ یوں ہوں گے۔ (جاری ہے)

مستقبل کی عالمی دجالی ریاست

(دوسری قسط)

''ایک عالمی حکومت اور ون یونٹ مانیٹری سسٹم، مستقل غیر منتخب موروثی چند افراد کی حکومت [یعنی بنی اسرائیل کے ستر منتخب افراد اور پھر ان ستر افراد کے اوپر بارہ منتخب ترین افراد۔ دوسرے لفظوں میں بنی اسرائیل کے ستر افراد پر مشتمل گرینڈ جیوری اور پھر ان کے اوپر آل داؤد میں سے بارہ گرینڈ ماسٹرز۔ بنی اسرائیل کے ستر معتبر افراد کا ذکر سورۂ اعراف کی آیت نمبر 155 میں اور بارہ نقیبوں کا ذکر سورۂ مائدہ کی بارہویں آیت میں ہے۔] کے تحت ہوگا جس کے ارکان قرونِ وسطیٰ کے سرداری نظام کی شکل میں اپنی محدود تعداد میں سے [یعنی دنیا بھر کے فری میسنری تھنک ٹینکس میں سے] خود کو منتخب کریں گے۔ اس ایک عالمی وجود میں آبادی محدود ہوگی اور فی خاندان بچوں کی تعداد پر پابندی ہوگی۔ وباؤں، جنگوں اور قحط کے ذریعے آبادی پر کنٹرول کیا جائے گا۔ [جیسا کہ امریکا کی دریافت کے وقت ریڈ انڈینز کو محدود کرنے کے لیے کیا گیا تھا] یہاں تک کہ صرف ایک ارب نفوس رہ جائیں جو حکمران طبقہ کے لیے کارآمد ہوں اور یہ بے اختیار مخلوق ان علاقوں میں ہوگی جن کا سختی اور وضاحت سے تعین کیا جائے گا اور یہاں وہ دنیا کی مجموعی آبادی کی حیثیت سے رہیں گے۔

صرف ایک مذہب کی اجازت دی جائے گی اور وہ ایک ''عالمی سرکاری کلیسا'' کی شکل میں ہوگا [یہ 1920ء سے وجود میں آچکا ہے۔] شیطنت، ابلیسیت اور جادوگری کو ایک عالمی حکومت کا نصاب سمجھا جائے گا۔ کوئی نجی یا چرچ اسکول نہیں ہوگا۔ تمام مسیحی گرجے پہلے ہی سے زیر و زبر ہو چکے ہیں۔ چنانچہ مسیحیت اس عالمی حکومت میں قصۂ پارینہ ہوگی۔ ایک ایسی صورت حال تشکیل

دینے کے لیے جس میں فرد کی آزادی کا کوئی تصور نہ ہو، کسی قسم کی جمہوریت، اقتدار اعلیٰ اور انسانی حقوق کی اجازت نہیں ہوگی۔ قومی تفاخر اور نسلی شناخت ختم کر دیے جائیں گے اور عبوری دور میں ان کا ذکر بھی قابل تعزیر ہوگا۔

شادی کرنا غیر قانونی قرار دے دیا جائے گا۔ اس طرح کی خاندانی زندگی نہیں ہوگی جس طرح آج کل ہے۔ بچوں کو ان کے ماں باپ سے چھوٹی عمر میں علیحدہ کر دیا جائے گا اور ریاستی املاک کی طرح وارڈز میں ان کی پرورش ہوگی۔ اس طرح کا ایک تجربہ مشرقی جرمنی میں "ایرک ہونیکر" کے تحت کیا گیا تھا۔ اس منصوبے کے تحت بچوں کو ان والدین سے الگ کر دیا جاتا تھا جنہیں ریاست وفادار نہیں سمجھتی تھی۔ خواتین کو آزادیٔ نسواں کی تحریکوں کے ذریعے ذلیل کیا جائے گا۔ جنسی آزادی لازم ہوگی۔ خواتین کا بیس سال کی عمر تک ایک مرتبہ بھی جنسی عمل سے نہ گزرنا، سخت ترین سزا کا موجب ہوگا۔ خود استقاط حمل سے گزرنا سکھایا جائے گا اور دو بچوں کے بعد خواتین اس کو اپنا معمول بنالیں گی۔ ہر عورت کے بارے میں یہ معلومات عالمی حکومت کے علاقائی کمپیوٹر میں درج ہوں گی۔ اگر کوئی عورت دو بچوں کو جنم دینے کے بعد بھی حمل سے گزرے تو اسے زبردستی استقاط حمل کے کلینک میں لے جایا جائے گا اور آیندہ کے لیے بانجھ کر دیا جائے گا۔

تمام ضروری اور غیر ضروری ادویاتی مصنوعات، ڈاکٹروں، ڈینٹسٹوں اور ہیلتھ کیئر ورکروں کو سینٹرل کمپیوٹر ڈیٹا بینک میں رجسٹر کیا جائے گا اور کوئی دوا یا علاج اس وقت تک تجویز نہیں کیا جاسکے گا جب تک ہر شہر، قصبہ یا گاؤں کا ذمہ دار "ریجنل کنٹرولر" اس کی تحریری اجازت نہیں دے گا۔

سینٹرل بینک، بینک آف انٹرنیشنل سیٹلمنٹ اور ورلڈ بینک کام کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے۔ پرائیویٹ بینک غیر قانونی ہوں گے۔ بینک آف انٹرنیشنل سیٹلمنٹ (BIS) منظر میں غالب ہیں۔ پرائیویٹ بینک، "بڑے دس بینکوں" کی تیاری میں تحلیل ہو رہے ہیں۔ یہ بڑے بینک دنیا بھر میں بینکاری پر BIS اور IMF کی رہنمائی میں کنٹرول کریں گے۔ [امریکی بینکوں کے حالیہ دیوالیہ

پن (نومبر 2008ء) کی بہت سی وجوہات ڈھونڈی جارہی ہیں...... لیکن اس پہلو پر اکثر تجزیہ نگاروں کی نظر نہیں گئی] اجرتوں کے تنازعات کی اجازت نہیں دی جائے گی، نہ ہی انحراف کی اجازت دی جائے گی۔ جو بھی قانون توڑے گا اسے سزائے موت دے دی جائے گی۔

طبقۂ اشرافیہ [ایلیٹ کلاس جو یقیناً آل داؤد میں سے ہوگی] کے علاوہ کسی کے ہاتھوں میں نقدی یا سکے نہیں دیے جائیں گے۔ تمام لین دین صرف اور صرف کریڈٹ کارڈ کے ذریعے ہوگا (اور آخر کار اسے مائیکرو چپ پلانٹیشن کے ذریعے کیا جائے گا) ''قانون توڑنے والوں'' کے کریڈٹ کارڈ معطل کردیے جائیں گے۔ [قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ قانون توڑنے والوں سے یہاں کون مراد ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے اس سے مراد دجال اور اس کے شیطانی قانون کی خلاف ورزی کے مرتکب لوگ ہیں] جب ایسے لوگ خریداری کے لیے جائیں گے تو انہیں پتا چلے گا کہ ان کا کارڈ بلیک لسٹ کردیا گیا ہے۔ وہ خریداری یا خدمات حاصل نہیں کرسکیں گے۔ [پھر بینکوں میں پیسے رکھوانے والوں کا انجام بھوک، بیماری اور اذیت ناک موت ہوگا] پرانے سکوں سے تجارت کو غیر معمولی جرم قرار دیا جائے گا اور اس کی سزا موت ہوگی۔ ایسے قانون شکن عناصر جو خود کو مخصوص مدت کے دوران پولیس کے حوالے کرنے میں ناکام رہیں ان کی جگہ سزائے قید بھگتنے کے لیے ان کے کسی گھر والے کو پکڑ لیا جائے گا۔

متحارب گروہوں اور فرقوں کے اختلافات بڑھا دیے جائیں گے۔ انہیں ایک دوسرے کو ختم کرنے کے لیے جنگ چھیڑنے کی اجازت ہوگی۔ انہیں یہ جنگیں نیٹو اور اقوام متحدہ کے مبصرین کی نظروں کے سامنے لڑنا ہوں گی۔ یہی ہتھکنڈے وسطی اور جنوبی ایشیا میں سکھوں، پاکستانی مسلمانوں اور بھارتی ہندوؤں کے لیے استعمال کیے جائیں گے۔ یہ تصادم ایک عالمی حکومت کے قیام سے پہلے جنم لیں گے۔''

☆......☆......☆

تو جناب من! یہ ہیں ہماری بربادی کے وہ مشورے جو زمین پر خدا بننے کے شوقین، شیطان

کے پجاریوں نے سوچ رکھے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک کتابچہ ہاتھ لگا جس کا نام تھا: ''دی نیو میلینئم'' اسے بائبل چھاپنے والے ایک ادارے نے ہمدردی کی نیت سے بڑی تعداد میں مختلف ذرائع سے دنیا بھر میں تقسیم کیا تھا۔ شاید آپ میں بھی کسی کے ہاتھ آیا ہو۔ اس میں مستقبل کی منظر کشی کچھ اس انداز میں کی گئی تھی:

''آلودگی، بیماری اور غربت ناقابلِ تصور تعداد میں اموات کا سبب بنیں گی۔ مستقبل میں ہونے والی جنگ کے ممکنہ اعداد و شمار زیادہ تباہ کن ہیں۔ مختلف علاقوں میں تشدد غیر معمولی حدود کو پہنچ جائے گا۔ نسلی، قبائلی اور مذہبی منافرتوں سے پیدا ہونے والا یہ تشدد اگلی ربع صدی میں تصادم کی انتہائی عام شکل اختیار کرلے گا۔ ہر سال ہزاروں لوگ مارے جائیں گے۔''

یہ درحقیقت ہمدردی نہیں، مستقبل کے دجالی منصوبوں کے لیے ذہن کو تیار کرنے کی ساحرانہ کاوش ہے کہ جب غیر متوقع چیزیں ہونے لگیں تو انہیں متوقع سمجھ کر خود کو ''عالمی حالات'' کے ریلے میں بہنے دیا جائے اور ہاتھ پیر ہلائے بغیر قوم یہود کی مسلط کردہ ذلت یا موت کو قبول کرلیا جائے۔ یہ سب خطرات بنی نوع انسان کو بالعموم اور عالم اسلام کے لیے بالخصوص بیداری پر آمادہ کرنے کے لیے کافی ہیں...... مگر...... مشکل یہ ہے کہ مسلم دنیا ہو یا غیر مسلم...... ساری دنیا کے عوام بے حس ہیں۔ دنیا حالتِ جنگ میں ہے مگر اسے کسی کی پروا نہیں۔ وہ یہ جنگ ہار رہی ہے مگر اس مرحلے پر پہنچ چکی ہے کہ صبح کے سینڈوچ، دوپہر کے برگر اور شام کی شراب کے علاوہ کسی اور مسئلے پر سوچنے کی زحمت ہی نہیں کرتی۔ کیا ہم سب ''آزاد معماروں'' کی برپا کردہ اس صورت حال کو من و عن قبول کرلیں؟ نہیں! ہرگز نہیں......!!! ہم میں سے جو اللہ اور اس کی رحمانی طاقتوں سے جتنا قریب ہوسکتا ہے اسے ہونا چاہیے۔ جو شیطان اور اس کے یہودی چیلوں سے جتنا دور ہوسکتا ہے، دوسروں کو دور کرسکتا ہے...... اسے پوری انسانیت کو شر کے ان محوروں سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دجال ملعون کے شیطانی منصوبوں کے خلاف مقدور بھر جدوجہد کرنی چاہیے۔ اسے رحمانی طاقتوں کا ساتھ دینے کے لیے...... چاہے وہ ضعیف، کمزور اور بے حیثیت معلوم ہورہی ہوں......

دجالی ریاست کے قیام کے لیے ذہنی تسخیر کی کوششیں

جادو، ایم کے الٹرا، مائیکرو چپنگ، شارٹ ویژن، بیک ٹریکنگ

افغانستان کے نہتے مسلمان مسلسل آٹھ سال سے دنیا کی جابر ترین اور ترقی یافتہ قوتوں کی اجتماعی یلغار کی زد میں ہیں۔ عراق میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ کشمیر اور چیچنیا کا مسئلہ اُمت مسلمہ کے جسم کا رِستا زخم ہے۔ ابھی یہ زخم ہرے تھے کہ فلسطین کا دردناک المیہ پیش آ گیا۔ اس مرتبہ سنگ دل، بے رحم اور انسانیت سے عاری یہود کی یلغار انتہائی جارحانہ اور سفاکانہ ہے۔ فلسطین میں نوجوانوں کی خون آلود لاشیں، ملبے تلے دبے ننھے منے زخمی پھول، بے یارومددگار زخمی، بے گوروکفن شہداء...... شہید مساجد، تباہ شدہ اسکول اور ہسپتال، ملبے کا ڈھیر بنی شہری عمارتیں اور ان سب کے بیچ میں کھڑے حیران و سرگرداں فلسطینی مسلمان جنہیں سمجھ نہیں آتا کہ وہ کہاں جائیں؟ کس سے مانگیں؟ کسے اپنا دکھڑا سنائیں؟ کوئی ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے تیار نہیں۔ کوئی ان کے لیے ہمدردی کے دو بول کہنے پر آمادہ نہیں۔ کوئی ان کے لیے خطرہ مول لینے کی جرأت نہیں کر رہا۔ مصر نے زخمیوں اور مہاجروں کے لیے اپنی سرحد بند کر رکھی ہے۔ وہ خوراک جانے دینے پر تیار ہے نہ دوائیں۔ اس نے اسرائیل سے تو گیس اور پٹرول کی فراہمی کا پچیس سالہ معاہدہ کیا ہے لیکن وہ مظلوم فلسطینیوں کو منہ مانگی قیمت پر بھی بجلی، گیس اور پیٹرول پچیس دن کے لیے بھی فروخت کرنے پر تیار نہیں۔ اس نے الجزائر کے بھیجے ہوئے دواؤں سے بھرے دو جہاز روک لیے

ہیں۔ مصری حکمرانوں کا کہنا ہے کہ وہ انہیں اس وقت جانے دیں گے جب دواؤں کی مدت ختم ہو جائے گی۔ اتنی سنگ دلی، اتنی بے حسی، اتنی بے دردی! یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟ ناروے میں 40 روکلا نے اسرائیل کے خلاف جنگی مقدمہ درج کرنے کی تحریک چلانے کے اتفاقیہ پر دستخط کیے ہیں لیکن پاکستان میں فلسطینیوں کے حق میں تین ہزار سے زائد افراد جمع نہیں ہو سکے۔ اس سے زیادہ افراد تو روز "جناح پارک" کی سیر کو جاتے ہیں۔ اس بے حسی پر جو عذاب آنے والا تھا وہ لگتا ہے اب آ کر رہے گا...... لیکن اس کی وجوہات کیا ہیں؟ اس کا سبب آخر کیا ہے؟ ہم سے ایسا کون سا گناہ ہوا ہے کہ ہم سے ایمان کی آخری علامتیں بھی چھنتی جا رہی ہیں۔ بندہ عرصہ دراز تک اس کی ٹوہ میں لگا رہا۔ سود خوری، فحاشی، حرام خوری و حرام کاری یا کچھ اور...... پرنٹ و الیکٹرونک میڈیا کے ذریعے سماعت و بصارت، اور سماعت و بصارت کے راستے دل و دماغ پر گرفت نے یہ دن دکھایا ہے یا کوئی اور معشوق بھی اس پردۂ زنگاری کے پیچھے ہے......؟ آخر مسلمان جتنا بھی گناہ گار ہو، اپنے مسلمان بھائی کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپتا ضرور تھا...... اس مرتبہ عالم اسلام کو ہوا کیا ہے؟ وہ کون سی چیز ہے جس نے سکوت مرگ طاری کر رکھا ہے۔ رونے والی آنکھ ہے نہ تڑپنے والا دل۔ نفسا نفسی اور آپا دھاپی ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ وہ کہیں رکنے میں نہیں آ رہی۔ کسی کو اس کی سمجھ نہیں آ رہی۔ بندہ ایک عرصے تک دل کے زخموں کو جگر کے آنسوؤں سے پونچھتا رہا۔ جو سمجھ میں آیا پیش خدمت ہے۔

اب ہم سلسلۂ کلام وہیں سے جوڑتے ہیں جہاں سے پچھلی قسط پر ٹوٹا تھا۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس وقت مغرب کی تجربہ گاہوں میں جن بڑے منصوبوں پر کام ہو رہا ہے ان میں زیادہ خطیر رقم کا حامل منصوبہ انسانی ذہن کو کنٹرول میں لینے اور اس سے حسب منشا کام کروانے کا ہے۔ اس منصوبے پر ہمہ جہت اور مختلف النوع کام ہو رہا ہے۔ یہود کی روحانی شخصیات جو جادو کی بدترین اقسام کی ماہر ہوتی ہیں (اس لیے انہیں سفلی شخصیات کہنا چاہیے) اپنا زور لگا رہی ہیں۔ انسانی دماغ اور نفسیات پر کام کرنے والے یہودی و غیر یہودی سائنس دان اپنا

زور لگا رہے ہیں۔ نہیں معلوم کہ قوانین فطرت کی خلاف ورزیاں اور انسانی ذہنوں کی تسخیر کی یہ جنونی کوششیں مستقبل قریب میں انسانیت کے لیے کیسے کیسے المیے جنم دیں گی؟ ذیل میں ہم اس طرح کی چند غیر انسانی بلکہ شیطانی کوششوں کا تذکرہ کریں گے کیونکہ ان سے انسانیت کی بھلائی کے لیے ذرا بھی کام نہیں لیا گیا، نہ لیا جائے گا۔ یہ تمام تر کوششیں شیطان کے سب سے بڑے ہرکارے "دجال اکبر" کے ابلیسی نظام کے پوری دنیا پر غلبے کے لیے کی جارہی ہیں۔

1- جادو اور سفلیات

شریعت اسلامیہ میں بلکہ تمام آسمانی مذاہب اور مہذب دساتیر میں جادو حرام اور ناجائز ہے۔ یہ دراصل کائنات میں موجود کچھ مخفی قوتوں کا غلط استعمال ہے۔ یہ خیر و شر کے معرکہ میں فاؤل کھیلنے اور بے ایمانی کے بل بوتے پر جیتنے کی کوشش کا نام ہے۔ یہ اللہ کی نصرت وحمایت کے مقابلے میں شیطان اور شیطانی قوتوں کو ناجائز طریقوں سے خوش کر کے ان کی فانی اور پُرفریب جھوٹی طاقت کو ساتھ لینے کا نام ہے۔ کائنات میں موجود مخفی رازوں کو دریافت کرنے کا ایک طریقہ سائنس ہے اور دوسرا جادو۔ آپ انہیں "سخر" اور "سحر" بھی کہہ سکتے ہیں۔ پہلے کی اجازت ہے دوسرا مکمل ممنوع۔ "سخر" کے تحت وہ امور آتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر بنایا ہے یعنی اس کے اختیار میں دیا ہے، جبکہ سحر کے تحت وہ امور آتے ہیں جن کو انسان نے از خود اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر "مسخر" کیا ہے بلکہ اُس کے منع کرنے کے باوجود اُن پر اختیار حاصل کرلیا ہے۔ ان دونوں کے مابین وہی فرق ہے جو "Merchandise" (قابلِ فروخت وخرید اشیا) اور "Contraband" (وہ اشیا جن کا حصول، درآمد، برآمد، خرید وفروخت ممنوع ہے) کے مابین ہوتا ہے۔ یہود دونوں میں مسابقت لے جانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ سائنس میں نوبل انعام جیتنے کی طرح یہود کے ماہرین سفلیات جادو میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ دنیا بھر میں اس فن میں ان کی ممتاز حیثیت کی وجہ ان کی اعتقادی نجاست اور بدباطنی ہے۔ جو شخص اپنے ظاہر میں جتنا پلید اور باطن میں جتنا خبیث ہوگا، اس کو شیطان سے اتنا ہی قرب حاصل ہوگا اور شیطانی قوتیں اس کے جادو میں جھوٹی تاثیر کے لیے اتنا ہی اس کا ساتھ دیں گی۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی

گستاخی سے بڑھ کر باطنی نجاست کیا ہوگی؟ یہود تو خدا کے بھی گستاخ ہیں۔ حضرت جبریل و دیگر مقرب فرشتوں کے بھی اور انبیائے کرام اور ان کے ساتھیوں کے تو یہ قاتل ہیں۔ اس لیے ان کا جادو شیطان کی شیطنت کا سب سے بڑا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ جن شخصیات پر دور سے بیٹھ کر جادو کے ہتھکنڈے کامیاب نہ ہوں، یہودی حسیناؤں کو جادو سکھا کر ان کے قریب بھیج دیتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال شاہ فیصل شہید کے قاتل کی ہے۔ آج تک تمام تجزیہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ یہ قتل پیچ در پیچ الجھنوں تلے چھپا ہوا ہے۔ اکثریت کا کہنا ہے کہ قاتل کا دماغی توازن درست نہ تھا لیکن کیا دماغی توازن سے محروم لوگ اتنی درستی سے اپنا ہدف حاصل کر لیتے ہیں؟ اگر ایسا ہونے لگ جائے تو دیوانوں کی اس دنیا میں فرزانوں کا گزر ہی ممنوع ہو جائے۔

شاہ فیصل کا یہ بھتیجا 25 / مارچ 1975ء کو ٹرانس کی سی کیفیت میں تھا۔ یہ اس جادوگر یہودی حسینہ کا کیا دھرا تھا جو اس سے امریکا میں تعلیم کے دوران ٹکرائی تھی اور اپنی ایک جھلک دکھا کر اس کو ایسا دیوانہ بنا گئی کہ وہ اس کے وصال کے لیے ہر مشکل سے مشکل شرط پوری کرنے پر آمادہ تھا...... حتی کہ اپنے اس چچا کو بھی قتل کرنے پر تیار تھا جو نہ صرف اس کے خاندان کا ممتاز ترین فرد تھا بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے وفادار دوست، مشفق باپ اور سراپا ہمدرد تھا۔ اس یہودی حسینہ کی شرط تھی کہ وہ اگر بہادر اور اس کے عشق میں سچا ہے تو اپنے چچا کو قتل کر کے دکھائے جس نے تیل کی دولت کو جنگ کا ہتھیار بنا کر مغرب کے خلاف کامیابی سے استعمال کیا تھا۔ علاوہ ازیں اس نے 1967ء میں پاکستان سے سعودی افواج کو تربیت دینے کا معاہدہ کر کے اپریل 1968ء میں تمام برطانوی فوجی ماہرین کو ارض حرم سے رخصت کر دیا تھا۔ عشق کا جنون ایسا چڑھ کر نہیں بول سکتا تھا...... اس میں سامری کے طلسم کی آمیزش ضروری تھی۔ تمام عینی شاہدین کا کہنا ہے اور تمام مبصرین کا اتفاق ہے قاتل اس دن نیم مدہوشی کی کیفیت میں تھا جب وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا شیطانی کام کرنے جا رہا تھا۔

نہ صرف اس نے عالمِ اسلام کو ایک جری حکمران سے محروم کیا بلکہ اسے وہ حسینہ بھی پھر کبھی نظر نہ آئی جس نے سحری سفلیات اور ذہنی تسخیر کے دیگر ہتھکنڈوں کے بل بوتے پر یہ رذیل ترین حرکت کرنے پر اسے ایک بے بس معمول (روبوٹ) کی طرح آمادہ کر لیا تھا۔ جادو اور ایم کے الٹرا کے امتزاج کی یہ ایک اور بدترین اور افسوسناک ترین مثال ہے۔

2- ایم کے الٹرا

''مانٹریال'' کینیڈا کا مشہور شہر ہے۔ اس کے وسط میں ایک پارک ہے۔ باہر سے یہ بے آباد اور ویران نظر آتا ہے۔ یہ اگرچہ عوامی پارک ہے لیکن اس کے دروازے عوام پر بند ہیں۔ حیرت انگیز طور پر اس کے گرد باڑ لگا کر اسے غیر ضروری افراد کا داخلہ روکنے کے لیے بالکل بند کر دیا گیا ہے۔ اس پارک کے اندر قدیم طرز کی ایک عمارت ہے۔ باڑ اور درختوں میں گھری ہونے کی بنا پر یہ دور سے اچھی طرح نظر بھی نہیں آتی۔ کوئی جھانک کر دیکھ بھی لے تو اس بوسیدہ اور اجاڑ عمارت پر توجہ نہیں دیتا۔ کینیڈین عوام خود کو تعلیم یافتہ اور معلومات کے لحاظ سے اپ ڈیٹ سمجھتے ہیں...... لیکن انہیں علم نہیں کہ ان کے ایک اہم شہر کے وسط میں موجود اس متروک عمارت میں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے؟ امریکا اور کینیڈا کی حکومتیں، خفیہ ادارے اور ان اداروں کے تنخواہ یافتہ شیطانی دماغ رکھنے والے سائنس دان یہاں کیسا گھناؤنا اور خطرناک کھیل کھیل رہے ہیں؟ یہاں کھیلے جانے والے کھیل کا نام ''ایم کے الٹرا'' (MK Ultra) ہے۔ عام طور پر کوئی کھیل کھلاڑی آپس میں کھیلتے ہیں لیکن یہ کھیل سادہ لوح اجنبیوں کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ عام طور پر کسی کھیل کو کوچ، منیجر اور ریفری کھلواتے ہیں، لیکن یہ کھیل ایسا ہے جس کی نگرانی تھنک ٹینکس، سائنس دان اور یہودی سرمایہ دار کرتے ہیں۔ ''رینڈ کارپوریشن'' جیسا بدنام زمانہ تھنک ٹینک اس کھیل کا نگران، ایون کیمرون جیسے ذہین یہودی سائنس دان اس کے کوچ اور راک فیلر جیسا یہودی سرمایہ دار اس کا اسپانسر ہے۔

ایم کے سے مراد ''مائنڈ کنٹرول'' ہے۔ M، Mind کے لیے اور K، Kontrol کے لیے ہے۔ موخر الذکر لفظ کے ہجے جرمن طرز پر کیے گئے ہیں۔ کھیل کے نام اور کام میں مناسبت آپ

کے لیے ناما نوس نہیں ہونی چاہیے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس کھیل میں لوگوں کے ذہنوں سے کھیلا جاتا ہے۔ ان کی مرضی کے بغیر ان کے دماغوں کو مخصوص پیغامات بھیجے جاتے ہیں۔ لہروں اور شعاعوں کے ذریعے تسلسل کے ساتھ بھیجے جانے والے یہ پیغامات لوگوں کے ذہن کو رفتہ رفتہ اپنا معمول بنا لیتے ہیں اور وہ بے خودی اور خود فراموشی کے عالم میں سوچے سمجھے بغیر وہ سب کچھ کرتے چلے جاتے ہیں جو "برادری" ان سے کروانا چاہتی ہے۔ مانٹریال میں موجود اس پارک میں مصروف عمل یہودی روحانی ماہرین، طبیعات اور ماوراء الطبیعات یعنی جادو اور سائنس کے امتزاج سے اس پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں جسے "ایم کے الٹرا پروجیکٹ" کا نام دیا گیا ہے۔ پروجیکٹ کو "رینڈ کارپوریشن" نامی عالمی دماغ یہودیوں کا ادارہ چلا رہا ہے اور اس کے لیے ایون کیمرون جیسا نابغہ روزگار سائنس دان جو یہودیوں کے خفیہ جادوئی علم "قبالہ" کا ماہر اور ان کی خطرناک روحانی شخصیات...... جنہیں شیطانی شخصیات کہا جائے تو زیادہ بجا ہے...... میں سے ایک ہے۔ ایون کیمرون کا کوڈ نام "ڈاکٹر وہائٹ" رکھا گیا ہے۔ کوڈ نام کی ضرورت واضح کر رہی ہے کہ اس پروجیکٹ کے پیچھے سی آئی اے کے ماہرین بھی اپنا تجربہ اور مہارت لیے کامیابی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ سی آئی اے کے سابقہ ڈائریکٹر "این ڈیولز" اس پارک کے چکر تسلسل سے لگاتے رہے ہیں۔ یہ وہی شخصیت ہیں جنہوں نے راک فیلر جیسی مال دار یہودی فیملی کے سرمائے سے اس پروجیکٹ کے اخراجات پورا کرنے کے لیے بیچ کے آدمی کا کام تندہی سے انجام دیا ہے۔

یہود کو آخر اس پروجیکٹ میں کیا دلچسپی ہے؟ وہ اس پر خطیر رقم کیوں خرچ کر رہے ہیں؟ اس طرف جانے سے پہلے بہتر ہوگا ہم سمجھ لیں کہ اس پروجیکٹ میں کس قسم کی ٹیکنالوجی استعمال ہو رہی ہے؟ آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں کی اکثریت دنیا کی تازہ ترین ایجادات سے آگاہ ہے۔ اسے اپنی معلومات کا زعم ہے لیکن ایم کے الٹرا میں انسانی ذہن کو مسخر کر کے اپنا تابعدار بلکہ غلام بنانے کے لیے کس طرح کام کیا جا رہا ہے؟ اس سے دنیا کے تعلیم یافتہ حضرات کی اکثریت آگاہ نہیں۔ جبکہ یہ آگاہی آج کے دور کے انسانوں کے لیے نہایت ضروری ہے۔ خصوصاً ان انسانوں کے لیے

جو مسلمان کی موجودہ بے حسی کا راز جاننا چاہتے ہیں۔ مانٹریال کے اس پارک کے بیچ واقع "شیطان گھر" سے "ہائی فریکوئنسی مائیکرو ویوز" خارج ہوتی رہتی ہیں۔ یہ اپنے ہدف کو ٹرانس میں لاکر اس کے لاشعور کو گرفت میں لے لیتی ہیں اور اس کا لاشعور اس کے شعور کو وہ پیغامات ٹرانسفر کرتا ہے جو یہاں بیٹھے شیطان نما انسان، فرد یا افراد کے ذہنوں میں منتقل کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ شعاعیں کسی بھی انسان کو (الا ماشاء اللہ جس کی اپنی روحانیت مضبوط اور تعلق مع اللہ مستحکم ہو) کسی بھی مقصد کے لیے کچھ بھی کرنے پر آمادہ کرسکتی ہیں۔ یہ اس پر ایسی مخصوص کیفیت طاری کر دیتی ہیں کہ وہ روبوٹ کی طرح احکام پر عمل کرتا چلا جاتا ہے اور اس کا اپنا ارادہ و اختیار دور کھڑا تہذیب یافتہ انسانوں کی بے بسی اور یہود کی عیاری و مکاری پر افسوس کرتا اور طنزیہ مسکراہٹ بکھیرتا رہتا ہے۔ جو شخص ایک مرتبہ معمول بن جائے وہ "خفیہ برادری" کے "بگ ماسٹرز" کے کہنے پر قتل، زنا بالجبر، اور کھلے مجمع پر بلا خوف و خطر فائر تک کھول سکتا ہے۔

دنیا میں بہت سے حادثات ہیں جنہیں اتفاقیہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے یا نظر انداز کر دیا جاتا ہے..... لیکن بغور دیکھا جائے تو وہ اچانک رونما نہیں ہوتے بلکہ ان کے پیچھے انتہائی محتاط اور سائنٹفک قسم کی منصوبہ بندی پوشیدہ ہوتی ہے جو واقعے کی ابتدا سے اس کے وقوع پذیر ہونے تک اور وقوع پذیر ہو جانے کے بعد اس کے عواقب و نتائج کو ملحوظ رکھ کر انتہائی باریک بینی اور عمل ورد عمل کے متبادل اصول پر کی جاتی ہے۔ بے جا نہ ہوگا اگر ہم یہاں اس کی ایک دو مثالیں ذکر کردیں۔

(1) جان ایف کینیڈی وہ کیتھولک امریکی صدر تھا جو فری میسن نہ تھا۔ اس سبب "برادری" اسے ناپسند کرتی تھی۔ جان ایف کینیڈی کا قتل ایم کے الٹرا کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اس کے قاتل کو بعد ازاں قتل کر دیا گیا تاکہ انکوائری رک جائے اور فائل بند کر دی جائے۔ بہت سے چشم دید گواہان کا کہنا ہے کہ وہ مسلسل ایک "ٹرانس" کی سی کیفیت میں تھا۔ اگر کینیڈی کو گولی مارنے والا صرف وہی شخص تھا تو پھر کینیڈی کو پہلو کے بل گرنا چاہیے تھا لیکن ویڈیوز میں صاف نظر آتا ہے کہ وہ پیچھے

کی طرف گرا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اسے سامنے سے گولی ماری گئی اور اس کے آگے کون بیٹھا تھا؟ اس کا اپنا باڈی گارڈ! علاوہ ازیں کینیڈی کی کار کے آگے والی کار کو چار گارڈز گھیرے ہوئے تھے لیکن اس کی کار کے ساتھ کوئی گارڈ نہیں تھا۔ کیوں؟ سی آئی اے کے سابق عہدیدار ایلمتھ شیرر (1957ء تا 1975ء) کا کہنا ہے:

"قاتل اور قتل کا مقدمہ محض ایک ڈرامہ تھا اور اصل کہانی کبھی بتائی یا بے نقاب نہیں کی گئی۔"

(2) دوسری مثال جان کینیڈی کے بھائی رابرٹ کینیڈی کی ہے۔ کینیڈی کے قتل کے بعد تمام تر شور و غوغا کے باوجود کیس ختم کر دیا گیا۔ یہ اقدام عوام اور کینیڈی خاندان کے لیے نہایت پریشان کن تھا۔ اس کے بھائی رابرٹ کینیڈی اور اس کی بیوی جیکولین کینیڈی نے ذمہ داری سنبھالی۔ رابرٹ کینیڈی نے عزم کیا کہ وہ اس سازش کے خلاف کھڑا ہوگا۔ اپنے بھائی کے قتل کے مقدمہ کو انجام تک پہنچائے گا اور مقدمہ کھلی عدالت میں لائے گا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ بھائی کے قتل کی تحقیقات کو از سر نو شروع کرائے گا۔ اس نعرے نے اسے زبردست مقبولیت دی اور اگلے صدارتی انتخابات میں اس کے جیتنے کے امکانات قوی ہو گئے لیکن "برادری" کے ایجنڈے میں یہ چیز شامل ہی نہیں تھی۔ ان کے پاس ایک ہی راستہ رہ گیا کہ وہ رابرٹ سے جان چھڑالیں۔ چنانچہ رابرٹ بھی قتل ہو گیا۔ اس کے قتل کا شبہ "سرہان" (تنہا پاگل: Lone Nutter) پر کیا گیا۔ پانچ جون 1968ء کو سرہان نے رابرٹ کینیڈی پر فائر کھول دیا جس سے رابرٹ کینیڈی کی موت واقع ہو گئی۔ تفتیش کے مطابق دیوار پر گولیوں کے نشانات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں سرہان کے علاوہ بھی کسی نے فائرنگ کی تھی کیونکہ سرہان کی گن میں پائی جانے والی گولیوں کی تعداد سے زیادہ گولیوں کے نشانات موجود تھے۔ باقی گولیاں کس نے چلائیں؟ تمام ثبوت اور شواہد پولیس نے ضبط کر لیے۔ ایک فوٹو گرافر نے وقوعے کے بعد تصاویر کھینچی تھیں وہ بھی پولیس نے قبضے میں لے لیں۔ جب پولیس پر عوامی دباؤ بڑھا کہ یہ تصاویر شائع کرے تو وہ مجبوراً تیار ہو گئی لیکن ہوا کیا؟ پریس جاتے ہوئے راستے میں پولیس کار سے تصاویر چوری کر لی گئیں۔ واہ واہ! بے نامرے کی

بات۔ ”برادری“ کی کارروائیاں اسی طرح کی ہوتی ہیں۔

(3) ایم کے الٹرا کی تیسری بڑی مثال جان لینن کے مشہور قتل کی ہے۔ اس کے قاتل نے اسے اتنا آسان لیا کہ لینن کو قتل کرنے کے بعد وہ سڑک کی دوسری طرف کھڑا ہو کر ”Catcher in the Rye“ نامی کتاب پڑھنے میں مصروف ہو گیا تا کہ بلڈنگ کے گارڈ کو اتنا وقت مل جائے کہ وہ عمارت سے باہر فون باکس پر آ کر پولیس کو مطلع کر سکے۔ تعجب ہے کہ قاتل نے جائے وقوعہ سے کوئی حرکت نہ کی اور اطمینان سے اپنی گرفتاری کا انتظار کرتا رہا۔ کیا وہ ایک اور تنہا پاگل ”Lone Nutter“ تھا؟! لینن کے بیٹے کو سو فیصد یقین تھا کہ یہ سی آئی اے کا کام ہے البتہ اسے یہ علم نہیں تھا کہ سی آئی اے کے پیچھے کون تھا؟ اس حقیقت کو افسانے میں بدلنے کے لیے ہالی ووڈ نے ایک فلم اسی واقعہ کے حوالے سے بنائی۔ اس کے کرداروں میں بروس ولس اور جولیا رابرٹ جیسے مہنگے اور مشہور اداکار تھے۔ فلم کا نام ”کانسپی ریسی تھیوری“ رکھا گیا۔ ہالی ووڈ دراصل ”برین واشنگ“ (ذہنی تخریب) کرنے والا جدید ترین آلہ اور ذریعہ ہے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگوں کی آواز اور حقیقت کی عکاس ہے، وہ غلطی پر ہیں۔ ہالی ووڈ فری میسنری کی آواز اور اس کے مقاصد کی عکاس ہے۔ اور ٹھیک اس وقت سے ہے جب امریکی فلمی صنعت کے بانی ڈی وی ڈبلیو گرفتھ نے ”دی برتھ آف اے نیشن“ (1915ء) بنائی تھی۔ اس کے بعد سے میڈونا اور مائیکل جیکسن تک یہی صورت حال ہے۔ کوئی مائی کا لال نہیں جو یہودی پروڈیوسروں اور سرمایہ کاروں کو خوش کیے بغیر اس آزاد خیال ادارے میں ترقی کا سوچ بھی سکے۔ یہاں ان سب کی فہرست دینے کا موقع نہیں لیکن قارئین کو یہ بتانا ضروری تھا کہ ہالی ووڈ پر غلبہ رکھنے والے لوگ کون ہیں؟ ہالی ووڈ زیادہ ”ہولی“ (پاک) نہیں ہے، بلکہ بالکل بھی نہیں ہے۔ درحقیقت ”برادری“ تفریح کو طویل عرصے سے استعمال کر رہی ہے۔ یہ ہر دور کے بڑے بڑے نامور فنکاروں کی سرپرست تھی اور اس نے ان کو جی بھر کے استعمال کیا ہے۔ آگے چل کر ان شاء اللہ ہم بتائیں گے کہ اسکرین اور موسیقی کو کس طرح سے برادری اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہی ہے۔

یہ تو چند مثالیں تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکا اور کینیڈا کی حکومتوں کی سرکاری سرپرستی میں رواں دواں اس پروجیکٹ نے جو گل کھلائے ہیں، انہیں منظر عام پر لایا جائے تو بھونچال آجائے گا۔ اس طرح کی معلومات کو یہودی منصوبہ ساز اور امریکی فوج وخفیہ ادارے سختی کے ساتھ چھپا رہے ہیں۔ وہی فوج جو دنیا میں امن کی دعوے دار ہے، وہ اسرائیل میں دنیا کی سب سے بڑی بدامنی پر لوگوں کے جذبات مشتعل نہ ہونے دینے کے لیے اسی پروجیکٹ پر جادوگر سائنس دانوں کے ذریعے دنیا والوں کے اذہان کو طلسم میں جکڑنے کی سرتوڑ کوشش کررہی ہے۔ آپ کو یقین نہ آئے گا لیکن بل کلنٹن...... جی ہاں! سابق کامیاب ترین امریکی صدر...... نے 1995ء میں ایک کھلی کانفرنس میں تسلیم کیا تھا کہ امریکی حکومت لوگوں کے علم میں لائے بغیر ذہنوں پر کنٹرول کرنے اور دیگر غیر اخلاقی تجربات میں گزشتہ پچاس برس سے مصروف ہے۔ [ذرا دہرا لیجیے۔ گزشتہ 50 سال سے!] بل کلنٹن کا کہنا تھا کہ وہ اس پر شرمندہ ہیں۔ ہمیں ان کی اس معذرت کی سچائی پر یقین کرلینا چاہیے...... لیکن ہمیں اس یقین کے بعد یہ سوچنا ہوگا کہ اس شرم شرم میں گزشتہ 15 سال (1995ء تا 2009ء) کے دوران ان شرمناک غیر اخلاقی تجربات کا دائرہ کہاں تک پھیل چکا ہوگا؟ اپنے اردگرد دیکھیے! بے حسی اور مُردنی کا شکار کھوئے کھوئے مسلمانوں کا شرمناک جمود ہمیں کیا کہانی سناتا ہے؟

امریکی صدر کے اس اعتراف کے بعد کینیڈا کے متروکہ پارک میں جاری شیطانی کھیل کے نگراں حکام مشکل میں پڑ گئے تھے۔ خبر آئی تھی کہ اس اعتراف کے بعد "ایم کے الٹرا پروجیکٹ" کے ذمہ داران اسے منظر عام پر لانے کے لیے کاغذات کی "چھانٹی" کررہے ہیں۔ یہ بڑی خوبصورت اصطلاح تھی۔ یوں کہہ لیجیے کہ یہ طے کیا جارہا تھا کہ سادہ لوح امریکی عوام کو کون سی بات بتائی جائے اور کون سی لپیٹ لی جائے؟ پھر یہ بیان بھی آیا کہ اس پروجیکٹ کو ختم کیا جارہا ہے...... ذرا دیر کے لیے ہم تسلیم کرلیتے ہیں کہ تقریباً گزشتہ 65 برس سے جاری یہ پروجیکٹ جس پر بلا مبالغہ کروڑوں اربوں ڈالر خرچ ہوچکے ہیں، مریل سے احتجاج پر ختم کردیا گیا ہے......

ہم اسے تسلیم کر لیتے ہیں...... لیکن کیا لوگوں کے ذہنوں کو بدلنے اور انہیں دجالی پیغامات کا تابع اور معمول بنانے کے لیے یہی ایک طریق کار تھا جسے ختم کرنے سے یہودی سامری سائنس دانوں کے ہاتھوں ستائی ہوئی سادہ لوح دنیا دجال کے طلسمی چکر سے نکل جائے گی......؟؟؟ نہیں! بات اتنی سی نہیں! اس سے کہیں آگے کی ہے اور یقینی طور سے چند اور جال ایسے بھی ہیں جو ہمارے گرد چند حرام چیزوں کے استعمال کی عادت ڈلوانے کے دوران تانے جا چکے ہیں...... علمائے کرام منع کرتے رہے لیکن ہمارے منچلے، جیالے اور روشن خیال رہنماؤں نے قوم کو ان کے گرداب میں پھنسا کر چھوڑا اور آج نئی نسل کے مسخ شدہ ذہن اپنی شناخت تک بھولتے جا رہے ہیں۔ آیئے! دیکھتے ہیں سامری جادوگری کے اور کون کون سے سفلی طلسمی پھندے ایسے ہیں جن میں ہم اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو، اپنی اگلی نسل کو جھونک رہے ہیں اور علماء و مشائخ کے منع کرنے کے باوجود چند مخصوص گناہوں کا نشہ ہمیں یہود کے شکنجے میں ایسا پھنساتا جا رہا ہے کہ اگر اب بھی توبہ نہ کی تو عنقریب وہ وقت آ جائے گا جب اس جال سے نکلنے کے لیے ہم جتنا پھڑکیں گے، وہ کھال کے اتنا ہی اندر اترتا چلا جائے گا۔

3- مائیکرو چپس

ماوراء الطبعیات کے بعد اب طبعیات کی طرف آتے ہیں۔ یہودی کوششیں دونوں میدانوں میں بھرپور طریقے سے جاری وساری ہیں۔ ایسی چپ (Chip) ایجاد ہوگئی ہے جس سے ہائی فریکوئنسی مائیکرو ویوز خارج ہوتی رہتی ہیں۔ یہ چپ کسی کے بدن میں چپکا دی جائے تو اس کے دماغ میں آوازیں گونجنے لگتی ہیں۔ وہ انسانی روبوٹ کی طرح ہر حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ خصوصاً اگر اسے شراب یا منشیات کا عادی بنا دیا جائے یا جادو ٹونے سے اس کی ''قوت ارادی'' توڑ کر اسے نفسیاتی مریض جیسا کر دیا جائے تو اس کے ذہن کو کنٹرول کرنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے اور اسے ٹرانس میں لانے اور مرضی کا کام کروانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ پھر اسے کیمپ ڈیوڈ (امریکی یہودی جادوگروں کے طلسم کا سب سے بڑا مرکز) بلا کر کسی معاہدے پر دستخط کروا لیے جائیں، ورلڈ جیوش کانگریس جیسے بدنام فورم پر بلا کر دوستی کی پینگیں بڑھائی جائیں یا کوئی ایسی شرط منظور کروائی جائے یا ایسا حکم منوایا جائے جو اس کی پوری قوم کے مفادات کے خلاف ہو...... وہ سب کچھ کرتا چلا جاتا ہے اور ریٹائرمنٹ کے بعد بھی اسے خبر نہیں ہوتی کہ میں کیا کر گزرا؟؟؟

ایم کے الٹرا کا راز فاش ہونے کے بعد اگلا پروجیکٹ ''EDOM'' کے تحت چلایا جا رہا ہے۔ اس سے مراد ''Electronic Dissolution of Memory'' ہے۔ EDOM کا ایک حصہ یہ ہے کہ انسانوں کو اغوا کر کے ان میں مائیکرو چپس کی پیوند کاری کی جائے۔ ان چپس کو انجینئروں کے ایک ''کنسورشیم'' نے ترقی دے کر اس ٹیکنالوجی کی چوٹی تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ ان چپ انجینئروں کا تعلق موٹرولا، جنرل الیکٹرونکس، آئی بی

ایم اور بوسٹن میڈیکل سینٹر جیسے شہرۂ آفاق امریکی اداروں سے ہے۔ مائیکروچپنگ کے تحت چلنے والے بڑے پروگراموں میں سے ایک منصوبہ ''ون ورلڈ الیکٹرونک کرنسی'' کا ہے جو دجال کی عالمی ریاست میں چلنے والا واحد سکہ رائج الوقت ہوگا۔ یہ کرنسی ایک عالمی مالیاتی بحران کے بعد...... شاید عنقریب ہی...... متعارف کروائی جائے گی۔ آپ کو یہ سب کچھ دیوانے کی بڑ محسوس ہو رہی ہو...... لیکن...... ٹھہریے......! کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ان شواہد پر ایک نظر ڈال لیجیے جو اس طرح کے اندازوں کی تصدیق کرتے نظر آتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

یہ افریقا یا ایشیا کے کسی پسماندہ ملک کا نہیں، برطانیہ اور سویڈن جیسے ملکوں کا قصہ ہے۔ پہلے کا تعلق فردِ واحد سے اور دوسرے کا بچوں کے ایک پورے گروپ سے ہے۔ ابتدا ہم گوروں کے دیس میں پیش آنے والے ان کالے کرتوتوں سے کرتے ہیں جن کا تعلق سویڈن کے ایک شہر سے تھا۔ سویڈن کو دنیا کے حسین ترین ملکوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ خوشحال، ترقی یافتہ اور مہذب دنیا کے لیے رول ماڈل سمجھے جانے والا یہ ملک یہودی جادوگروں کا سب سے بڑا مسکن ہے۔ اس کے بعد جنوبی افریقا کا نمبر آتا ہے۔ اس کے بعد..... خیر چھوڑیے! بات لمبی ہو جائے گی۔ سویڈن کے مرغزاروں کو جس طرح سامری طلسم گروں نے جہنم زار بنایا ہے اور اس ٹھنڈے ملک کو جس طرح شیطانی آگ کی تپش سے جھلسا رکھا ہے، اس کو جاننے والے یورپ کے باسیوں پر ترس کھانے لگتے ہیں۔ آج اس ملک کے دارالحکومت کے ایک باسی کا واقعہ آپ کو سناتے ہیں جو بے خبر انسانوں کے ساتھ خفیہ شیطانی کھیل کی بدترین مثال ہے۔

رابرٹ نیز لینڈ اسٹاک ہوم کا رہنے والا تھا۔ وہ مارکیٹنگ کے شعبے سے وابستہ ایک تعلیم یافتہ انسان تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوا۔ بیماری اتنی سنگین نہ تھی پھر بھی اسے آپریشن کا ''مشورہ'' دیا گیا۔ وہ ایک مقامی ہسپتال میں چھوٹے سے آپریشن کے لیے گیا۔ آپریشن

کے بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کی شخصیت تبدیل ہورہی ہے۔ عجیب وغریب خیالات اس کے ذہن میں اتر رہے ہیں۔ اس کے دماغ میں آوازیں گونجتی رہتی ہیں۔ گویا وہ کہیں سے بھیجے گئے سگنل کیچ کررہا ہے۔ اس نے یہ بھی بھانپ لیا کہ اس کا پیچھا کیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ خفیہ طور پر اس کی حرکات وسکنات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ جب صورت حال زیادہ خراب ہوگئی تو اس نے ایکسرے کرانے کا فیصلہ کیا۔ ایکسرے میں دکھائی دیا کہ اس کے دائیں نتھنے میں ایک ٹرانسمیٹر نصب ہے۔ وہ بھونچکا ہوکر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ سب کیا ہے اور اس کے ساتھ کیوں ہورہا ہے؟ اسے یوں لگا جیسے اس کی ناک میں نکیل ڈال دی گئی ہے۔ وہ کسی نادیدہ قوت کا غلام ہوگیا ہے۔ اس نے خاموشی سے یہ ٹرانسمیٹر نکلوایا اور اس کا تجزیہ کرانے کے لیے ایک لیبارٹری میں لے گیا۔ وہاں اسے کہا گیا کہ دس دن کے بعد واپس آئے اور پھر دس دنوں کے بعد کیا ہوا؟ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں؟ ٹرانسمیٹر گم ہوچکا تھا۔ لیبارٹری سے ہسپتال اور ہسپتال سے لیبارٹری تک پھیلا ہوا ''برادری'' کا جال منظم ہوکر کام کررہا تھا۔

اب دوسرے واقعے کی طرف آیئے! برطانیہ کے ساحلی شہر لیورپول میں ایک عظیم طبی خیانت کا انکشاف ہوا۔ ''فرسٹ لیورپول چلڈرن'' نامی ہسپتال کے متعلق پتا چلا کہ یہاں بچوں کا ''دماغ'' چرالیا جاتا ہے۔ دنیا کے سامنے...... جی ہاں! مہذب دنیا کے سامنے...... یہ حقیقت پہلی مرتبہ سامنے آئی کہ دماغ کے افعال سمجھنے کے لیے فری میسن برادری کے ڈاکٹروں نے والدین کی اجازت لیے بغیر معصوم بچوں کو گنی پگز (Guinea Pigs) کی طرح استعمال کیا ہے۔ یہ معمول تیس برس تک برطانیہ جیسے ترقی یافتہ ملک کے ایک بڑے شہر کے ہسپتال میں جاری رہا۔ یہ صرف ایک ہسپتال کی کہانی ہے۔ بالآخر جب یہ خبر باہر نکلی تو متعلقہ ہسپتال...... ''فرسٹ لیورپول ایلڈر ہے چلڈرن ہاسپٹل'' نے ایسے امکان کی بھی سختی سے تردید کردی۔ میڈیا کو قابو کرنے کا فن ''برادری'' سے زیادہ کس کو آتا ہے؟ بچوں

کے والدین نے ہمت نہ ہاری۔ وہ اپنے جگر گوشوں کے ساتھ یہ دلخراش سلوک کیسے بھول سکتے تھے؟ بالآخر 146 خاندانوں کی جدوجہد سے ہسپتال مجرم ثابت ہو گیا اور ہسپتال انتظامیہ کو اعتراف کرنا پڑا کہ ان کے پاس بچوں کے کئی اعضا ہیں۔ جب کچھ صحافی پیچھے پڑے اور گھیرا تنگ ہوا تو ہسپتال نے بالآخر تسلیم کر لیا: ''اس کی تحویل میں 146 گرام مغز (دماغ کا دس فیصد) ہیں۔'' لیکن ساتھ ہی بنی اسرائیل کی روایتی دروغ گوئی کا سہارا لیتے ہوئے یہ عذر تراش لیا گیا: ''یہ ایک طالب علم نے اپنے استعمال کے لیے حاصل کیے تھے جو پی ایچ ڈی کے لیے بچوں کے دماغ کے اوزان جانچ رہا تھا۔'' یہ پی ایچ ڈی مقالہ کبھی شائع نہ ہوا۔ یہ بات آپ کو کیا بتاتی ہے؟ کیا پی ایچ ڈی 146 بچوں سے زیادہ اہم تھی؟ وہ کون خصوصی طالب علم تھا جسے قوانین اور انسانی اقدار سے بالاتر قرار دے دیا گیا اور جس نے اپنی پی ایچ ڈی کے لیے بیس سال لگا دیے۔ یہ بات اطلاعات کے حصول کے حق پر زور دینے والے اس ملک میں کبھی نہ بتائی گئی۔ دماغ کے تمام خلیے بچوں کے والدین کو واپس کیے گئے۔ والدین کو اپنے ان بچوں (کے دماغوں) کی دوبارہ تدفین کی اذیت سے گزرنا پڑا جنہیں وہ ایک مرتبہ پہلے ہی دفن کر چکے تھے۔ لیکن بات اتنی ہی نہ تھی۔ دل دوز انکشافات کا سلسلہ ابھی جاری تھا۔ کچھ عرصہ بعد انسانی دماغوں کے کچھ اور خلیے برآمد ہوئے جو جان بوجھ کر چھپا لیے گئے تھے اور کبھی واپس نہ کیے گئے۔ اس نے مزید اذیت ناک صورت حال پیدا کی۔ والدین اپنے معصوم بچوں کی تیسری تدفین کی تیاری کرنے لگے۔ انہیں مطمئن کرنے کی ضرورت تھی۔ یہ وسطی افریقہ یا جنوبی ایشیا کا کوئی پسماندہ ملک نہ تھا کہ والدین رو پیٹ کر خاموش ہو جاتے۔ اس دفعہ ایلڈر ہے این ایچ ایس ٹرسٹ اور یونیورسٹی نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا جو ''برادری'' کے بے رحم دل اور جھوٹ کی عادی زبان کا عکاس ہے: ''یہ خلیے الگ سے ذخیرہ کیے گئے تھے اور تحقیقی مطالعہ کی غرض سے رکھے گئے تھے۔'' حیرت کی بات یہ ہے کہ اس دفعہ ہاسپٹل اور این ایچ ایس ٹرسٹ مل کر تیسری

بار بھی جھوٹ بول رہے تھے۔ بالآخر 26 جنوری 2001ء کو انہوں نے اعتراف کرلیا:
''بچوں کے اعضا پرائیویٹ اداروں کو فروخت کیے جارہے تھے۔''

یہ کون سے پرائیویٹ ادارے تھے جو برطانیہ جیسے انسانی حقوق کی ''محافظ'' ریاست کے تحت گیر قانون اور انسانی اقدار سے بالاتر تھے؟ کیا صرف ان کے پاس یہی خلیے رہ گئے تھے یا مزید باقی تھے؟ اس اعتراف کے بعد ان کے خلاف سخت ترین کارروائی کیوں نہ ہوئی؟ ابھی بات ختم نہیں ہوتی۔ ڈرامے کا آخری پردہ 31 جنوری 2001ء کو اٹھا۔ جب ایک ڈچ پیتھالوجسٹ ''ڈک وان ویلزن'' کو قربانی کا بکرا بنایا گیا۔ ''برادری'' نے اپنے سارے ''طبی جرائم'' اس ڈاکٹر کے سر ڈال دیے۔ برطانوی میڈیا میں اس کو ''بے بی بوچر'' (بچوں کا قصاب) کا نام دیا گیا۔ شکر ہے ایدھی صاحب کو غزہ جانے سے روک دیا گیا ہے لیکن انہیں یہ خطاب نہیں دیا گیا۔ ایدھی صاحب نے بچوں، بوڑھوں، مردوں، عورتوں، یتیموں اور لاوارثوں...... سب کی خدمت کی ہے اور اس میں وہ اتنا آگے گئے ہیں کہ اپنا قبرستان تعمیر کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر وان میں اور ان میں بس اتنا فرق ہے کہ وہ بچوں پر توجہ دیتا تھا، ایدھی صاحب ہر مردے کو نوازتے ہیں۔ ڈاکٹر ''وان'' نے بچوں کے دل، دماغ، پھیپھڑے، گردے، جگر، آنکھیں...... سب کچھ چرایا۔ صرف ان کی روحیں نہ چرا سکا۔ ایک لاکھ سے زیادہ اعضا، جن میں دماغ، دل، پھیپھڑے اور مردہ پیدا ہونے والے بچوں کے پورے پورے جسم لے لیے۔ کچھ بچوں کو محض خول کی حالت میں دفن کیا گیا۔ یہ سارا معاملہ خالصتاً ''میسونک'' ہے۔ کیا صرف ایک آدمی اتنی بڑی سفاکی کا ذمہ دار تھا؟ اس سارے قصے کا ذمہ دار صرف ایک شخص کو ٹھہرانا کم فہمی اور ناواقفیت ہے۔ اس کے پیچھے انسان کے بھیس میں وہ تمام شیطان موجود ہیں جو دنیا پر شیطان اکبر کی جھوٹی خدائی مسلط کرنے کے لیے سرگرم ہیں۔ اس کے پیچھے قوم یہود کے وہ ماہر ڈاکٹر ہیں جنہوں نے میڈیکل میں نوبل انعام حاصل کیا۔ وہ سرمایہ دار ہیں جنہوں نے شیطان کو خوش کرنے کے لیے بے دریغ پیسہ

اٹھایا۔ وہ سائنس دان ہیں جو دجال کو غیر معمولی تسخیری طاقتیں فراہم کرنے کے لیے دن رات تجربہ گاہوں میں سرگرم ہیں۔ برسر اقتدار رہنے والی حکومتیں بھی مجرم ہیں جنہوں نے یہ سب کچھ ہونے دیا۔ اور وہ سب لوگ اس کے ذمہ دار تھے اور آج تک ہیں جو برطانیہ جیسے ملک میں انسانی دماغوں کو تسخیر کرنے والے یہودی ڈاکٹروں اور فری میسن سائنس دانوں کے ان کرتوتوں کے سامنے آنے کے بعد بھی خاموش ہیں۔

4- شارٹ ویژن

آپ کے گھر میں ٹیلی ویژن موجود ہے؟ آپ نے اسے اپنے بچوں کو تفریح فراہم کرنے اور انہیں اپ ڈیٹ رکھنے کے لیے گھر میں لایا ہوگا..... شام کو بچوں کو ٹیلی ویژن کے سامنے دیکھ کر آپ کو خوشی محسوس ہوتی ہوگی کہ آپ کے بچے گھر میں آپ کی آنکھوں کے سامنے بخیریت موجود ہیں اور اپنی معلومات میں اضافہ اور ذہن کو وسیع کر رہے ہیں..... لیکن آپ کے وہم و گمان میں نہ ہوگا کہ یہ بے ضرر دکھائی دینے والا آلہ ذہنی تخریب کے لیے ایک خاص تکنیک کے تحت استعمال کیا جاتا ہے۔ ''شارٹ ویژن'' (Short Vision) ایک اور کامیاب پروجیکٹ ہے جو لوگوں کے ذہنوں تک پیغام پہنچانے کے لیے چلایا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے ٹیلی ویژن سیٹ کو مخصوص سگنل نشر کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ متحرک تصویر، جو ٹیلی ویژن اسکرین یا سینما اسکرین پر ناظرین دیکھتے ہیں، وہ ایک سیکنڈ میں 45 فریمز یا فوٹوز پر مشتمل ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں 45 ساکن تصویریں ایک سیکنڈ کا متحرک منظر بناتی ہیں۔ اگر اس ایک سیکنڈ کے درمیان ایک ساکن تصویر دکھائی جائے تو یہ سیکنڈ کا پینتالیسواں حصہ لیتی ہے۔ جو انسانی آنکھ سے قابل دید نہیں۔ اگرچہ یہ آنکھ سے قابل دید نہیں ہوتی لیکن ہمارا لاشعور اسے دیکھ لیتا ہے کیونکہ یہ ہمارے شعور سے زیادہ تیز ہوتا ہے اور پیغام وصول کر لیتا ہے۔ چنانچہ نہ جانتے ہوئے یا نہ سمجھتے ہوئے بھی ہم لاشعوری طور پر اس پیغام سے تحریک لے لیتے ہیں۔ اس کو ایک مثال سے سمجھیں: اس پروجیکٹ کے تحت ایک تجربہ کیا گیا۔ جس میں کوکا کولا کی ایک بوتل شارٹ ویژن سینما کے تماشائیوں کو وقفہ سے کچھ دیر پہلے دکھائی گئی۔ یہ شارٹ ویژن پیغام موثر ثابت ہوا اور وقفہ کے دوران فلم بینوں کی اکثریت نے کوکا کولا خریدا۔ یہی تکنیک ترقی پذیر ممالک میں انتخابی مہم کے دوران استعمال کی جاتی

ہے۔ انتخابات کے دوران قومی ٹیلی ویژن اسٹیشن اپنے "بہترین پروگرام" نشر کرتے ہیں۔ لوگ ٹیلی ویژن سیٹوں کے سامنے جمے بیٹھے ہوتے ہیں۔ نشریات کے دوران انتخابات کو بھرپور اہمیت دی جاتی ہے۔ جمہوریت میں لوگوں کی دلچسپی بڑھائی جاتی ہے اور اس دوران "شارٹ ویژن" کسی مخصوص امیدوار کو منتخب کروانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ پہلے سنگل ٹی وی چینلز پر یہ سب کچھ ہوتا تھا۔ اب یہ ایجنڈا اسٹیلائٹ چینلز نے سنبھال لیا ہے۔ آج کل کے والدین ٹی وی کی تباہ کاریوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنے بچوں کو مطلوبہ تفریح مہیا کرنے اور انہیں اپ ڈیٹ رکھنے کے لیے ٹیلی ویژن اسکرین میں جھونکے رکھتے ہیں اور اس بات سے قطعاً بے خبر ہوتے ہیں کہ شارٹ سگنلز کے ذریعے ان کے بچوں کے دماغ میں جھانکے جا رہے ہیں۔

5- بیک ٹریکنگ

ذہنوں کو گرفت میں لینے کی ایک اور تکنیک ''بیک ٹریکنگ'' ہے۔ علمائے کرام کہتے ہیں کہ حدیث شریف کے مطابق موسیقی ''شیطان کی آواز'' ہے۔ عوام نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں اس کے بغیر گاڑی نہیں چلتی۔ وقت نہیں گزرتا۔ آیئے دیکھتے ہیں موسیقی سے چلنے والی گاڑی اور اس کی دھنوں میں محو ہو کر گزارا ہوا وقت کیا بھیانک نتیجہ لاتا ہے؟ موسیقی کے شائقین جو کچھ سنتے ہیں وہ ٹریک کا ''فارورڈ پلے'' ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ریورس میں ''ٹریک میسج'' چھپا ہوتا ہے۔ اس کا معاملہ عجیب متضاد ہوتا ہے۔ یہ ہمارے شعور کی گرفت میں نہیں آتا لیکن لاشعور اسے قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ ہمارے شعور پر منکشف نہیں ہوتا لیکن ہمارا لاشعور اسے ڈی کوڈ کر کے قبول کر لیتا ہے۔ جب ٹریک کو بیک ورڈ چلایا جائے تو اس میسج یا پیغام کو سنا جا سکتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک ریکارڈ یا کیسٹ کو الٹا چلایا جاتا ہے۔ اصل پیغام اسی میں چھپا ہوتا ہے۔ اس ذہنی گرفت والے طریقہ کار کا تجربہ خود کیجیے یا پھر وہ آڈیو کیسٹ سنیے جنہیں ''شیڈ وز'' کہا جاتا ہے۔ عملی مثال بھی ملاحظہ فرمائیے: آسٹریا وسطی یورپ کا وہ ملک ہے جو یہود کا گڑھ رہا ہے۔ اس کا دارالحکومت ویانا موسیقی کے حوالے سے دنیا بھر میں شہرت رکھتا ہے۔ یہاں کے اوپیرا اور ان میں مصروف کار پیانو بجانے کے ماہر دنیا بھر میں اپنی علیحدہ شناخت رکھتے ہیں۔ آسٹریا کے باشندوں کو ان پر فخر ہے...... لیکن کیا ایسی چیز پر فخر کرنا معقول ہو سکتا ہے جس کے متعلق پوری قوم کو معلوم ہی نہیں کہ نادیدہ ہاتھ نادیدہ ذرائع کی مدد سے ان کے ساتھ بھیانک کھیل کھیل رہے ہیں۔ وولف گانگ امیڈس موزارٹ آسٹریا کا نامور ترین موسیقار ہے۔ اس نے ایک دھن بنائی جسے ریلیز ہوتے ہی افسانوی شہرت مل گئی۔ برادری اپنے منصوبوں کو یونہی آگے بڑھاتی ہے۔ اس دھن کا نام ''دی

میجک فلوٹ" رکھا گیا۔ الو کھا اور پرکشش نام۔ برادری کا اسٹائل کچھ ایسا ہی ہے۔ اس میں چرچ کا متبادل پیش کیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے "ایکویم مینس" بھی لکھی تھی۔ یہ بھی ہٹ ہوئی۔ دنیا میں اس طرح کی بہت سی چیزیں ہٹ ہوتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر چھوٹے بڑے کے ذہن میں گونجتی اور دماغوں پر چھا جاتی ہیں۔ اس کے پیچھے کون ہوتا ہے؟ ان کے پس منظر میں کیا پیغام ہوتا ہے؟ حدیث شریف کے مطابق موسیقی دل میں نفاق کے جذبات اگاتی ہے۔ اس طرح کی موسیقی سننے والے کے دل کی تاریں جب جھرجھری لیتی ہیں تو اسے کیا محسوس ہوتا ہے؟ اس کا دل کیا کچھ کرنے کو چاہتا ہے؟ یہ اس پیغام کا معکوس نقش ہے جو اس کے کانوں کے ذریعے اس کے دماغ کے نہاں خانوں تک پہنچا تھا، اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ ہر چند مہینوں کے بعد ہمیں "تنہا پاگلوں" (Lone Nutters) کی کہانیاں سننے کو ملتی ہیں۔ امریکا میں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ اچانک کوئی شخص اٹھ کر لوگوں پر فائرنگ شروع کر دیتا ہے۔ اب یہ واقعات یورپ میں بھی رونما ہو رہے ہیں۔ یہ درحقیقت ذہنی طور پر گرفت میں لیے گئے لوگوں کی ایک شیطانی مثال ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ پاپ میوزک کے بیک ورڈ میں مختلف قسم کے شیطانی پیغامات مثلاً: "Kill your Felose-mum" فیڈ کر دیے جاتے ہیں۔ جب بچے یا نوجوان یہ میوزک سنتا ہے تو ان کے پیچھے موجود اس طرح کے بے ہودہ پیغامات...... جن کی مزید مثال لکھنے سے قلم قاصر ہے...... آہستہ آہستہ اس کے لاشعور میں جاگزیں ہو جاتے ہیں۔ وہ کچھ عرصہ بعد اندرونی ذہنی تحریک کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ سب شیطانی کام کر گزرتا ہے جن کا خود اسے بھی پتا نہیں ہوتا کہ یہ سب کچھ اس نے کیوں کیا؟

انسانی ذہنوں سے یہ شیطانی کھیل کھیلنا قوم یہود کے ان کارناموں کی جھلک ہے جن کی بنا پر وہ بندر اور خنزیر بنائے گئے...... اس مردود قوم کے ہتھکنڈوں کو سمجھنے سے پہلے ان کا شکار ہونے پر ملامت نہیں، افسوس تو اس پر ہے جو ان شیطانی حربوں سے واقف ہو کر بھی ڈش اور موسیقی نہ چھوڑے۔ اپنی نگاہوں اور کانوں کی حفاظت نہ کرے۔

بہرحال! شیطان کے کارندوں کی یہ کارستانیاں اپنی جگہ... لیکن رحمٰن کے رضاکاروں کی جدوجہد بھی رائیگاں نہیں جاتی۔ دنیا بھر میں مساجد، مدارس، خانقاہوں اور تبلیغی مراکز میں روحانیت کو پھیلانے اور رحمانیت کو غالب لانے کی جو کوششیں ہورہی ہیں، وہ ان دجالی حرکتوں کا شافی علاج ہیں۔ ان حضرات کے مجاہدے اور شہدا کے خون کی برکت سے اللہ تعالیٰ حق کو غالب کرکے رہیں گے۔ ان کی معمولی محنت جب سنت کے مطابق ہوتی ہے تو چاہے وہ ایک عصا ہو، جادوگروں کی ساری رسیوں اور سانپوں کو نگل جاتا ہے۔ یہود کے تمام تر شیطانی منصوبوں اور حیوانی کوششوں کے باوجود تحریک اسلام آباد کے نوجوانوں جیسی چنگاریاں ابھی ہمارے خاکستر میں باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے اور ہم سب کو سنت سے محبت اور مسنون اعمال کی پابندی نصیب فرمائے۔

شیطان کی سرگوشیاں

حضرت ابولبابہ شاہ منصور صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا مضمون "شارٹ ویژن اور بیک ٹریکنگ" پڑھا۔ اللہ رب العزت آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ کی قلمی کاوشیں گرانقدر ہیں۔ اور اس پرفتن دور میں عامۃ الناس کے لیے رہنمائی کا بیش بہا ذریعہ ہیں۔ بالخصوص آپ کے اس مضمون سے جس طرح آپ نے تصویری اور بصری سازشوں کو بے نقاب کیا ہے وہ آپ ہی کا خاصہ ہے۔ دل سے دعا نکلتی ہے: "اے اللہ! تو اس قلم کی حفاظت فرما۔" آمین

موسیقی اور نشری تصاویر کے جو حقائق، تحقیق کے ساتھ آپ نے پیش فرمائے ہیں، وہ آج کے باخبر اور باشعور افراد کی سمجھ میں فوراً آتے ہیں۔ بین السطور حقائق سائنسی جدت اور دلیل کے ذریعے ہی سامنے لائے جاسکتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اس اہم اور نفیس تحقیق اور اصل حقیقت کو وڈیو سی ڈی کے ذریعے (جس میں جاندار کی تصویر نہ ہو) عوام تک پہنچائیں۔ ان مثالوں کو عملی طور پر دکھایا جائے تاکہ حق کا پیغام زیادہ زور اور طاقت کے ساتھ پہنچے۔ ان شاء اللہ اس کے دوررس اثرات مرتب ہوں گے اور گناہوں سے بچنے کی بڑی خیر سامنے آئے گی۔ اس ضمن میں ہماری ٹیم جو وڈیو پروڈکشن کا تھوڑا بہت تجربہ رکھتی ہے، اس کی خواہش ہے کہ وہ اس مضمون پر کام کرے۔ اس خط کے ذریعے آپ کی اجازت بھی مطلوب ہے۔ مزید عملی مثالوں کا مواد بھی۔ ہم اس موضوع پر وڈیو سی ڈی بنانا چاہتے ہیں۔ ہمیں قوی امید ہے کہ ان شاء اللہ ہم آپ کا پیغام آپ کی تحقیق اور علمی کاوش کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

والسلام...... تمیم، ووڈ ٹریڈ انٹرنیشنل

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ تعالیٰ آپ کے دینی جذبات میں ترقی دے اور اس نیک مقصد میں آپ کو کامیابی عطا فرمائے۔ بیک ٹریکنگ کی شیطانی تکنیک پر مواد اور مثالیں پیش کرنے سے پہلے ہم تین چیزوں پر غور کر لیں تو بات سمجھنی آسان ہو جائے گی:

(1) انسانی ذہن کیسے کام کرتا ہے؟

(2) بیک ٹریکنگ کیسے کی جاتی ہے؟

(3) کیا اس کا انسانی ذہن پر اثر ہوتا ہے؟

ان تین نکات کو مختصراً سمجھ کر ہم ان شاء اللہ اس کی چند مشہور مثالیں پیش کریں گے۔ ایک مسلمان کے لیے اصل خوش نصیبی کی بات تو یہ تھی کہ جب اس کے رب اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرما دیا تھا کہ گانا اور موسیقی شیطان کی آواز ہے۔ یہ اس کا خطرناک جال ہے جس میں وہ آدم کے بیٹوں کو پھنساتا اور ان کے اماں ابا سے دشمنی کا انتقام لیتا ہے، تو ایک مسلمان کے لیے اتنا ہی کافی ہونا چاہیے تھا...... اسے یہ گندا شیطانی کام چھوڑ دینا چاہیے تھا...... لیکن ناس ہو "شیطانی برادری" کے ان چیلوں کا جنہوں نے اس "حرام قطعی" کو بھی "مباح اصلی" باور کرانے میں کسر نہیں چھوڑی حتی کہ یہ گناہ کبیرہ اب سرے سے گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ بہر حال! اب ہم ان شاء اللہ تحقیقی شواہد کی روشنی میں ثابت کریں گے کہ شیطان کی آواز موسیقی کی دھنوں میں مدغم ہو کر کس طرح ہمارے بچوں کو خدا کی عبادت سے چھڑا کر اپنی غلامی میں جکڑ رہی ہے؟ اللہ کرے اس سے قارئین کو حقیقت حال سمجھنے اور سادہ لوح مسلمان بھائیوں کو سمجھانے میں مدد ملے۔

(1) انسانی ذہن کیسے کام کرتا ہے؟

ذہن پورے جسم میں ماسٹر کنٹرول کا کام کرتا ہے۔ یہ نہ صرف مختلف Senses (حسیات) کے ذریعے مسلسل اطلاعات وصول کرتا ہے، بلکہ ساتھ ساتھ پچھلی معلومات جو گزشتہ تجربات سے

حاصل کی گئی ہوں، ان کو بھی محفوظ کر لیتا ہے۔ یہ کام وہ مسلسل کرتا رہتا ہے اور ذہن کے ان دو مسلسل کاموں سے سیکھنے اور یاد رکھنے کا عمل ممکن ہوتا ہے۔ ذہن دو حصوں میں منقسم ہے۔ دایاں حصہ اور بایاں حصہ۔ دایاں حصہ پیچیدہ بصری خاکے اور جذبات کے اظہار کے لیے مخصوص ہے جبکہ بایاں حصہ زبان کے استعمال، حساب کتاب اور دلائل کے سسٹم کو کنٹرول کرتا ہے۔ ان دونوں حصوں کے درمیان ایک اسکرین "Membrane" ہے۔ کوئی بھی اطلاع جو دماغ کو بھیجی جاتی ہے وہ بائیں حصے سے داخل ہوتی ہے۔ دماغ کا یہ حصہ اس کو جانچتا ہے۔ اب یہ جانچ پڑتال اس شخص کے اپنے عقائد، تعلیم، یقین اور پہلے سے محفوظ کردہ معلومات کی کسوٹی پر ہوتی ہے۔ اگر کوئی اطلاع اس کی اقدار، علم، تجربے، یقین یا مشاہدے کے خلاف نہ ہو تو پھر یہ اطلاع اسکرین سے پار ہو کر دماغ کے دائیں حصے میں داخل ہوتی ہے جہاں ذہن تمام اطلاعات کو جمع کر کے قبول کر لیتا ہے۔ ''بیک ٹریکنگ اور بیک ماسکنگ'' (Backmasking and Back Tracking) کے طریقہ کار کی ذہن کے عمل میں اثر انگیزی اور اس میں خلل اندازی دیکھیں کہ اس طریقہ کار میں چھپے ہوئے پیغامات کو کان ذہن تک پہنچا دیتا ہے۔ ذہن اس کو قبول اور وصول تو کرتا ہے لیکن سمجھ نہیں پاتا۔ کیونکہ یہ پیغامات تحریف شدہ اور سمجھ میں نہ آنے والی حالت میں ذہن کو ملتے ہیں۔ ذہن کا بایاں حصہ (جس نے پیغام وصول کیا) ایک کشمکش کی حالت میں ہوتا ہے کہ اس پیغام، جملے یا الفاظ کے ساتھ کیا کیا جائے؟ اسی کشمکش کے دوران بایاں حصہ پیغام کو اسکرین سے گزرنے دیتا ہے اور یہ پیغام دائیں حصے میں پہنچ جاتا ہے۔ وہاں یہ اطلاعات قبول کر لی جاتی ہیں اور دماغ اس کو ایک حقیقت کے طور پر مان لیتا ہے۔ یہ پیغام وہاں پر اپنی جگہ بنا لیتا ہے اور مستقبل میں کبھی کھل کر ظاہر ہو کر اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ ذہن و عقل کو مسرائیز کر کے پیغامات کو وصول کرنے کا ثبوت بہت جگہوں سے مل رہا ہے۔ یہاں پر صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ پیرس میں تقریباً ہر ماہ نوجوانوں کی شب بیدار محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ جن میں جون ہولیڈے (Jahn Holiday) گاتا ہے۔ اس نوجوان کی عمر 18 سال سے زیادہ نہیں جسے پرائمری اسکول سے نکال دیا گیا تھا اور

جو آج لاکھوں ڈالر کا مالک ہے۔ ٹکٹوں کی قیمت انتہائی زیادہ ہونے کے باوجود تقریباً 10,000 لڑکے اور لڑکیاں اس گلوکار کو سننے آتے ہیں۔ یہ محفل رات کے نو بجے شروع ہوتی ہے اور اس وقت ختم ہوتی ہے جب لوگ بے خود ہو کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ سر پھٹول سے زخمی ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ پولیس، فائر بریگیڈ، امدادی پارٹیاں اور والدین پہنچ جاتے ہیں۔

(2) بیک ٹریکنگ کیسے کی جاتی ہے؟

الیکٹرونک انجینئرز کے مطابق میوزک آرکسٹرا پر 9 ٹریکس ہوتے ہیں۔ یہ ٹیکنالوجی کمپیوٹر میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ عموماً میوزک ریکارڈنگ کے لیے 8 ٹریکس استعمال ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک ٹریک پر موسیقار "Backtracking" کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے عموماً چوتھے یا پانچویں ٹریک کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ان کے پاس ضروری سامان اور مشینری سب کچھ ہوتا ہے۔ ایک الیکٹرونک انجینئر ریکارڈنگ Equipment کی مدد سے اس کو بآسانی Monitor کر سکتا ہے۔ "Backmasking" ایک اور ایسی تکنیک کا نام ہے۔ اس میں ایک لفظ کو الٹا بولتے ہیں جیسے لفظ SATAN (شیطان) کو الٹا کر کے NATAS بولیں گے۔ ایک لفظ Kill ہے، یہ اس کو Llik کر دیں گے۔ آج کل بہت سے گروپس یہ تکنیک "بیک ورڈ ٹریکنگ" کے بجائے فارورڈ ٹریکنگ "Forword Tracking" میں استعمال کر رہے ہیں۔ Forword Tracking دراصل ہپناٹزم یا برین واشنگ کی ایک قسم ہے جو بہت تباہ کن اثرات کی حامل ہے۔

ملائشیا کے ایک مشہور موسیقار کا حیرت انگیز قصہ ہے۔ وہ گٹار بجانے کا بے انتہا شوقین تھا۔ اس کے پاس 300 سی ڈیز کا ایک بڑا ذخیرہ بھی تھا۔ ایک روز جب یہ موسیقار گٹار بجا رہا تھا تو اس کو ایک بوڑھا شخص ملا۔ اس بوڑھے نے اس سے پوچھا: "کیا وہ خوبصورت گٹار بجانا چاہتا ہے؟" اس کے شوقیہ اثبات کے جواب میں اس نے اس جوان کو چوراہے پر گٹار بجانے کا مشورہ دیا اور بتایا کہ وہاں ایک شخص تمہیں آکر ملے گا جو تمہیں دنیا کے خوبصورت ترین میوزک سے متعارف

کروائے گا، اس کو اپنا لینا۔ پوری دنیا میں تمہارے میوزک کی دھوم مچے گی۔ یہاں تک پہنچ کر ملاشین موسیقار خاموش ہو گیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ خاموش کیوں ہوا؟ اس کو جو البم دیا گیا اس پر جڑواں لوگوں کے ایک گروپ کی تصویر ہے۔ جس کے درمیان میں ایک شخص کی تصویر ہے۔ اس شخص کی تصویر مائیکل جیکسن کے مشہور زمانہ البم "Dangerous" کے کور پر بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ ہم اوپر شیطان کے اس پجاری کے متعلق کچھ تفصیل دے چکے ہیں۔ اس شخص کی حقیقت کچھ یوں ہے کہ یہ فطرۃً ایسا شقی القلب اور خبیث النفس تھا کہ اس کے اپنے والدین نے اسے "خونخوار جنگلی" کا لقب دیا تھا۔ اس نے "Satanic Bible" کے نام سے کتاب مرتب کی اور اس کتاب کا استعمال "Satianic" نامی چرچ میں ہوا۔ "Alistair Crowley" جس نے اس چرچ کی بنیاد رکھی۔ اس نے اپنی کتاب "Magic" میں یہ شیطانی نصیحت کی ہے: "Backward" لکھنا سیکھو۔ "Backward" ریکارڈ اور "Play" کرنا سیکھو۔" اس سے اندازہ لگائیں کہ شیطانی برادری (فری میسن) اس تکنیک پر کتنا زور دے رہی ہے؟ اور ایک ہم ہیں اور ہمارے روشن خیال حکمران اور نوجوان نسل ہے کہ ان شیطانی لہروں میں بہے چلے جا رہے ہیں۔

ایک اور پروفیشنل میوزیشن نے توبہ کے بعد اس شیطانی تکنیک سے آگاہ کیا۔ اس کا میوزک پورے ریڈیو Lotus اور دوسرے بہت سے اسٹیشن سے سنا جاتا تھا۔ یہ میوزیشن کبھی نماز پڑھنے مسجد آیا تھا لیکن یکا یک وہ نماز کے لیے جانے لگا۔ مزید اس نے یہ کیا کہ اپنے گھر سے ریڈیو، ٹی وی اٹھا کر پھینک دیے۔ استفسار پر اس نے بتایا کہ اس نے خود ایک تکنیک کے ذریعے معلوم کیا کہ یہ چوتھے یا پانچویں Note پر جس کو میوزیشن "Keynote" کہتے ہیں۔ فری میسن موسیقار اس Note پر خاص طریقے سے ایک لفظ "Add" کر دیتے ہیں جس کا ذکر "Backmasing" میں ہم نے کیا کہ لفظ کو الٹا بول دیتے ہیں۔

اس طرح انگریزی گانے ہوں یا اردو...... بالی ووڈ کے تیار کردہ ہوں یا بالی ووڈ کے...... ہر

چوتھے یا پانچویں Keynote پر یہی سلسلہ جاری ہے اور جو لفظ Add ہوتے ہیں، وہ اُلٹے ہو لے جاتے ہیں۔ اگر ان کو مرتب کر کے جوڑا جائے تو ایک مکمل جملہ بن جاتا ہے۔ جو دراصل ایک خفیہ پیغام "Hidden Message" ہوتا ہے۔ جب ان گانوں کے Keynotes کے الفاظ کو ترتیب دیا گیا تو کچھ اس طرح کے پیغامات ملے: "Kill your Sister! Kill your Mother" اور مزید ایسے جملے تھے جو انتہائی بے ہودہ اور فحش تھے۔ میوزیشن نے مزید بتایا کہ جب یہ الفاظ ان مخصوص "Keynotes" پر ظاہر ہوتے ہیں تو آپ یہ محسوس کریں گے کہ اگر یہ کوئی جنسی پیغام "Sexual Message" ہے تو سننے والے جنسی عمل "Sexual Action" کریں گے۔ اگر کوئی تشدد بھرا پیغام "Voilent Message" ہے تو آپ گانا سننے والوں کو ویسے ہی ایکشن کرتا دیکھ سکیں گے۔ دنیا بھر کے مشہور ترین میوزیشن یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ عام لوگ اس حقیقت سے آشنا نہیں۔ البتہ ایک چیز ایسی ہے جس سے ہر شخص اس شیطانی طلسم کو پہچان سکتا ہے۔ ان گلوکاروں کے پروگراموں "کنسرٹس" میں حاضرین پر دیوانگی چھا جاتی ہے۔ پھر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر کھلم کھلا ناشائستہ حرکات ہوتی ہیں۔ شیطان کے چیلے اس ناچنے اور نچوانے کو، اس بے خودی اور خود فراموشی کو، اس شہوانی مستی اور نفسانی موج میلے کو "وجد" کا نام دیتے ہیں۔ روح کی غذا بتاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ وجد ہے، اگر یہ روح کی غذا ہے تو پھر اس میں سارے کام شیطان کی پوجا والے کیوں ہوتے ہیں؟

وہ نوجوان جو مغربی موسیقی سن رہے ہیں یا انڈین یا پاکستانی گانے یا پھر کسی بھی ملک کی موسیقی سننے کے شوقین ہیں، ان سب کو میوزک ہپناٹائز ڈ، مسمرائز ڈ کر رہا ہے۔ عوام الناس پر یہ حقیقت اس وقت ظاہر ہوگی جب دجال اپنے فتنے کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ فتنہ دجال کی احادیث کے سلسلے میں یہ ذکر ملتا ہے کہ لوگ دجال کی آواز کے پیچھے چلیں گے وہ ایک نیم بے ہوشی (Hyponosiso) کے عالم میں ہوں گے اور دجال اس کیفیت کو متحرک (Activate) کرے گا۔

(3) کیا اس تکنیک کا انسانی ذہن پر اثر ہوتا ہے؟

کیا Back Tracking کا ذہن پر اثر ہوتا ہے؟ بہت سے لوگ اس کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ میں تو بچپن سے میوزک سن رہا ہوں۔ مجھ پر تو کچھ اثر نہیں ہوا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ Back Tracking کا اثر لاشعوری طور پر ذہن سے ہوتا ہوا روح تک پہنچتا ہے۔ اب یہ اس شخص کی روحانی، ذہنی اور جسمانی کیفیت پر منحصر ہے کہ جو ذہن اس پوشیدہ پیغام کو "Decode" کر رہا ہے، اس کی کیا کیفیت ہے؟ جیسے دوا کی مثال ہے۔ ایک شخص کو پہلی خوراک سے فائدہ ہو جاتا ہے۔ دوسرے کے لیے یہی خوراک زیادہ دفعہ ہوگی تو اثر کرے گی۔ اسی طرح موسیقی ہے۔ کوئی شخص صرف ایک دفعہ سن کر متاثر ہو جاتا ہے۔ کسی دوسرے پر یہ اثر 10 دفعہ سننے کے بعد ہوگا۔ کسی پر 20 دفعہ سننے کے بعد۔ جو لوگ اعصاب کے مضبوط ہوتے ہیں، عبادات توجہ سے کرتے ہیں، کم جذباتی اور کم وہمی ہوتے ہیں، نشہ استعمال نہیں کرتے، ڈپریشن کا شکار نہیں ہوتے، ان پر یہ پوشیدہ شیطانی پیغامات دیر سے اثر انداز ہوں گے۔ اس کے برعکس نشے کے عادی، شہوات سے مغلوب اور گناہوں کی شامت سے آئی ہوئی بدحالی کا شکار لوگ جلد اس جال میں پھنس جاتے ہیں۔ فحاشی اور شراب نوشی سے ان کی قوت مدافعت اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ وہ زیادہ دیر تک اس شیطانی نفسیاتی یلغار کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ اور وہ جلد ہی..... چند ہی کیسٹیں خریدنے کا شوق پورا کرنے کے بعد ہی..... اپنے اندر کی ایمانی طاقت کو شیطان کے چیلوں کے ہاں گروی رکھوا دیتے ہیں۔

ہمارے مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ جو بچے (یا بڑے) موسیقی سے شغف رکھتے ہیں، ان کی اکثریت مسجدوں کا رُخ کرنے سے گھبراتی ہے۔ ان کا دل قرآن پڑھنے میں نہیں لگتا اور اگر ان کو اس شوق موسیقی سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے تو یا تو وہ "Voilent" ہو گئے یا پھر "A Busive" برا بھلا کہنے والے بن گئے۔ موسیقی سنتے وقت ایسا شخص اپنے آپ کو مست اور بے خود محسوس کرتا ہے۔ جسے آج کے دور میں Alter State of Conciousness (شعور کی بدلی ہوئی کیفیت) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا اور وہ اپنی انگلیوں سے

موسیقی کی تان کا ساتھ دیتے ہوئے اپنے آپ کو ایک دوسری ہی دنیا میں محسوس کرتا ہے۔ لیکن جب موسیقی بجنا بند ہو جاتی ہے تو ایسا شخص مکمل طور پر Demoralised (اخلاقی طور پر بدحال) ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر اس موقع پر والدین اپنے بچوں کو کچھ بتانا چاہیں جس کو وہ پسند نہ کریں تو ان بچوں کو مکمل طور پر بدتمیز اور بد اخلاق محسوس کیا جا سکتا ہے۔ آسٹریلین ایڈیلیڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے اپنی حکومت سے کچھ مخصوص میوزیکل گروپس کے متعلق درخواست کی کہ ان گروپس کو Ban کیا جائے کیونکہ جو عوام ان کا میوزک سن رہے ہیں اُن میں سے کچھ خودکشی کر لیتے ہیں۔ اس المیے کے حوالے سے دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

(1) روزنامہ ''جنگ'' لاہور میں مورخہ 12 ستمبر 1998ء کو ایک خبر چھپی جو بغیر کسی تبصرے کے حاضر ہے۔ بچی کے قاتل ماں باپ کا بھید کھل گیا۔ ٹیپ اُلٹی چلانے سے سچ سامنے آجائے گا۔ تفصیل ''لاہور جنگ فارن ڈیسک'' ٹیپ ریکارڈ کی آوازوں کی ٹیکنالوجی کے ماہر ڈیوڈ جون اوٹس نے ننھی جن بینٹ کے ماں باپ کے بیانات پر مشتمل ٹیپ کو نارمل رفتار سے اُلٹا چلا دیا تو ان کے تمام الفاظ اُلٹے سنائی دیے۔ ان لفظوں میں Vovels کہلانے والی آوازوں کو اس نے جوڑ کر سنا تو ان کے معنی بھی اُلٹے ہو گئے۔ پتا چلا کہ اس بچی کو ماں باپ نے قتل کیا ہے۔ ہفت روزہ جدید ''ورلڈ نیوز'' نے لکھا ہے کہ ڈیوڈ جون اوٹس نے اس کے بعد یہ اعلان کر دیا کہ ٹیپ پر ریکارڈ ہونے والے تمام بیانات کو اُلٹے چلا کر ہر جھوٹ کی اُلٹ کہانی سنی جا سکتی ہے اور جھوٹ پکڑا جا سکتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ شعوری طور پر جھوٹ بولنے والے کی آواز کو اُلٹا کر دیا جائے تو اس کے لاشعور کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ جو جھوٹ کے بجائے سچ کو سامنے لے آتی ہیں۔ امریکی ماہر نے اپنی اس ایجاد کو انٹرنیٹ پر دے دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ جس نے میری اس ایجاد کو سمجھنا ہے وہ انٹرنیٹ پر مندرجہ ذیل الفاظ سے وہ ویب سائٹ کا وزٹ کرے www.reversespeech.com۔

(2) انٹرنیٹ سے حاصل کی گئی ایک خبر کے مطابق ''نویڈا'' شہر میں رہنے والے دو بھائیوں جن کی عمر بالترتیب 18 اور 20 سال ہے۔ گانوں کا ایک مخصوص البم "Judas Priest" بہت شوق اور

باقاعدگی سے سنتے تھے۔ 23 دسمبر 1985ء میں ان دونوں بھائیوں نے اس وقت خودکشی کی کوشش کی جب وہ یہ البم سن رہے تھے۔ ایک بھائی "رے" تو اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ جب کہ "جیمز" نے اپنے آپ کو زخمی کر لیا۔ پھر یہ بھی 3 سال کے بعد اسی زخم کے باعث مر گیا۔ ان کے والدین نے اس مخصوص میوزک گروپ کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ ان کا یقین تھا کہ ان کے بچوں کی خودکشی کا ذمہ دار اس میوزک گروپ کے گانے کے پیغامات تھے۔ بعد میں ماہرین نے بھی اس کی تصدیق کی کہ ان مخصوص گانوں کے بولوں میں یہ پیغامات تھے: "Do it"، "Let's be dead" (کرو۔ آؤ چل کر مر جائیں۔ چلو ایسا کرتے ہیں)

شیطان کے پھندے

موسیقی۔ گانے۔ فلم۔ کارٹون۔ فرضی کہانیاں۔ ناول۔

بیک ٹریکنگ کی چند مثالیں:

(1) مائیکل جیکسن پاپ میوزک کی دنیا کا بے تاج بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے البم نے دنیا میں ریکارڈ بزنس کیا۔ یہ فری میسنز سے منسلک تھا۔ اس کے کئی شواہد ہیں۔ بعد میں ایسی اطلاعات بھی آتی رہیں کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اسلام کی برکت سے ان کی پچھلی ساری لغزشیں معاف فرمادے۔ فی الحال ہم ایک ایسی چیز کا ذکر کر رہے ہیں جو ان کے "زمانۂ جاہلیت" سے منسوب ہو کر سامنے آئی تھی۔ ہماری غرض اس سے قطعاً یہ نہیں کہ ان کی پچھلی غلطیاں دنیا کو یاد دلاتے پھریں۔ اگر وہ سچے دل سے اسلام لے آیا تھا تو اسلام پچھلے گناہ ختم کر دیتا ہے۔ ہم کون ہوتے ہیں کہ ان کا تذکرہ کرتے پھریں۔ ہماری غرض فقط یہ ہے کہ "برادری" دنیا کی مقبول ترین شخصیات کو بھی ان کی بے خبری میں اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتی ہے۔ مائیکل جیکسن کے ایک البم "Dangerous" یعنی "خطرناک" کے کور پر بدنام زمانہ فری میسونک علامت ایک آنکھ بنی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ایک جھیل کی تصویر ہے جس میں جلتے ہوئے شعلے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے جو بھی اس پانی میں داخل ہو گا دراصل آگ میں کودے گا۔ شیطان آگ سے بنا ہے اور یہ جھیل خطرناک شیطانی مرکز "برمودا" کی طرف اشارہ ہے۔ کور پر ایک آدمی "ایرسل کرولے" کی تصویر ہے جو ایک بدنام زمانہ فری میسن تھا۔ یہ وہ بدبخت شخص ہے جس نے شیطان کا پجاری بن کر ایک کتاب لکھی: "The New Law of Man" یعنی "انسان کا نیا قانون"۔ اس کے مطابق نعوذ باللہ قرآن کو ایک دن انسان کے قانون سے بدل دیا

جائے گا۔ شیطان اور اس کے چیلوں کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ قرآنی آوازیں اور قرآن کا دستور ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ ہر قیمت پر شیطانی آوازوں اور شیطانی نظام کو غالب کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں مدارس اور مکاتب میں چٹائی پر بیٹھے معصوم بچوں کی روح پرور آوازیں تو بری لگتی ہیں لیکن جہنم کی وادیوں کی طرف ہنکانے والی شیطانی صداؤں کو وہ روح کی غذا ٹھہراتے ہیں۔

(2) بیک ٹریکنگ کے ذریعے شیطان کی عبادت دنیا میں پھیلانے کی ایک اور مثال گلوکارہ میڈونا کی ہے۔ اس کے ایک البم کا مشہور گانا "Like a prayer" سنا جائے تو اس کے بول ہیں:

When you call my name ,

It's like a little prayer ,

I'm down on my knees,

I wanna take you there in the midnight hour !!

"جب تم میرا نام پکارتے ہو تو یہ مجھے ایک دعا کی طرح لگتا ہے۔ میں اپنے گھٹنوں کے بل جھک جاتی ہوں اور تمہیں آدھی رات میں اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔"

یہ الفاظ دراصل خدا سے مخاطب ہو کر نہیں، شیطان سے مخاطب کر کے کہے جا رہے ہیں۔ جب ان الفاظ کو Backward چلایا جائے تو بآسانی یہ الفاظ سنے جا سکتے ہیں: "O, hear us satan" (اے شیطان! ہمیں سنو!)۔

(3) بیک ٹریکنگ کی ایک اور مثال ایگل گروپ "The Eagles" سے سامنے آتی ہے۔ ان کے ایک گانے کا نام ہے ہوٹل کیلی فورنیا The meal is on the ceiling۔ اس گانے میں Yeah satan بآسانی Backward کر کے سنا جا سکتا ہے۔ اس گانے کے پیچھے بھی ایک انتہائی پراسرار شیطانی کہانی چھپی ہوئی ہے۔ گانا آگے کی طرف چلایا جائے تو یہ مصرعے یوں ہیں:

I fell on the Felling she put Shamane on ice she said we

are all just prisoners here of our owndevice in the masters champer gathered for bigfeast gathered with the feeling but they just can't feel.

گانے کو الٹا چلایا جائے تو یہ الفاظ واضح سنائی دیتے ہیں: YEH SATAN: یہ شیطان۔

اس پیغام کے ساتھ گانا بذات خود ایک داستان ہے۔ گانے کا نام کیلی فورنیا کوئی ہوٹل نہیں، دراصل امریکا میں موجود ایک سڑک ہے۔ اس سڑک پر ایک چرچ کا ہیڈ کوارٹر ہے لیکن یہ وہ چرچ نہیں جس میں عیسائی حضرات جمع ہوکر خدا کی عبادت کرتے ہیں، بلکہ یہ تو شیطان کا چرچ ہے جس میں شیطان کی پوجا ہوتی ہے۔ اس کے بانی کا نام "انٹھنی سینزو ولیتی" ہے جو "شیطانی بائبل" کا لکھنے والا ہے۔ امریکا کے چوٹی کے مشہور اداکار ٹی وی اور فلم کے ذریعے اسی چرچ کی تعلیمات کو فروغ دے رہے ہیں۔ یہ لوگ فلم اور موسیقی کے ذریعے شیطان کے مبلغ کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ جیسا کہ "رولنگ اسٹون" نامی گروپ کے لیڈ سنگر "میکجا" نے ایک گانا لکھا: "Sympathy for the devil" (شیطان سے ہمدردی) جب "برادری" کے زیر انتظام یہ چرچ شروع ہوا تو دکھاوے کے لیے عیسائیت کی تعلیمات کو فروغ دے رہا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ اس نے اصل روپ دکھایا اور مذہب سے مکمل بغاوت کی جانب رواں دواں ہوگیا۔ آج اس میں شیطانی عناصر جمع ہیں۔ یہ امریکا میں شیطان کی پوجا کا مرکز اور اس کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔ جو والدین اپنے بچوں کو مغربی موسیقی سننے کی سہولتیں فراہم کرتے ہیں، وہ سوچ لیں کہ اپنے معصوم جگر گوشوں کو کن لوگوں کا معمول بنا رہے ہیں۔

(4) اس حوالے سے ایک میوزک گروپ "Cheap Trick" کی مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ اس میوزک گروپ کے ایک البم کے تعارف میں اس کا "Lead Singer" اس کا وصف کرتا ہے: "This song is the first from our album" یہ گانا ہمارے البم کا پہلا گانا ہے۔

اس ادا کو نصرت کو Anti Clockwise چلایا جائے اور مختلف تکنیک سے Backtrack کیا جائے تو یہ الفاظ سنے جا سکتے ہیں: "My servant is a Musician" (میوزیشن میرا غلام ہے)۔ سچ ہے موسیقی کا کام کرنے والے شیطان کے غلام ہیں۔

(5) ایک اور مثال ایک دوسرے گروپ "Styx" کی ہے۔ گریک میتھ (Greek Myth) کے مطابق یہ نام ''جہنم کے ایک دریا'' کا ہے۔ ان کے ایک البم کا نام "Paradise Threatre" ہے۔ اس البم کا ایک گانا ہے جس کے بول Snowblind ہیں۔ اس گانے کو سنیں۔ اس کے بول کچھ یوں ہیں: I try so hard to make it so (یعنی میں اس کام کے لیے کس قدر محنت کرتا ہوں؟) انہی بولوں کو اسی ترتیب اور اسی پوزیشن میں Backword چلایا گیا تو یہ بول کچھ یوں تھے: O Satan move in our Voices (او شیطان! ہماری آوازوں میں گردش کرو)

اسی گروپ "Styx" کے ایک دوسرے البم کے ایک گانے کے بول ہیں: "I am Ok" (میں ٹھیک ہوں) جب گانا آگے سنیں تو اگلے بول ہیں: I had finally found person, i have been searching for...... ''میں نے بالآخر اس شخص کو پالیا جس کی مجھے تلاش تھی......'' آپ ان معنی خیز بولوں کو ملاحظہ کیجیے۔ گلوکار کس کی تلاش میں ہے کہ جس کو اس نے پالیا اور اب وہ اس کی خوشی منانا چاہتا ہے؟ جب ان الفاظ کی Back Tracking کی گئی تو اس سوال کا جواب بھی مل گیا: I am your servent we shall stick by the, serpent of Alpha۔ ''میں تمہارا غلام ہوں۔ ہم شیطان کی غلامی پر جمے رہیں گے۔'' لفظ "Serpent" (سانپ) دراصل عیسائیت کے اس تصور کی نشاندہی کرتا ہے کہ جب شیطان نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا تو اس موقع پر وہ سانپ کے بہروپ میں تھا۔ اس نے سانپ کا بھیس بدلا ہوا تھا۔ آج وہ آدم کی اولاد کو ورغلانے کے لیے پھر سانپ کی شکل میں آرہا ہے۔ آپ اپنے ارد گرد غور کریں۔ بہت سی چیزوں پر بلاوجہ سانپ کی شبیہ، رسیاں یا لہریں بنی ہوئی دکھائی دیں

گی۔ یہ شعوری یا لاشعوری طور پر شیطان کی موجودگی، اس سے مدد مانگنے اور اس کی توجہ کھینچنے کے لیے بنائی گئی ہوتی ہیں۔

(6) اوپر گانوں میں جن "Hidden Messages" (پوشیدہ پیغامات) کا ذکر کیا گیا ہے، ان شیطانی پیغامات کی ترسیل کا یہ کام دنیا کی ہر زبان کی موسیقی میں ہو رہا ہے۔ کیا پاکستان میں بھی کسی نے دیسی اسٹائل میں ایسا کچھ کرنے کی کوشش کی؟ تحقیق کی جائے تو جواب اثبات میں ملتا ہے اور کیوں نہ ملے کہ پاکستان تو ''برادری'' کا خصوصی ہدف ہے۔ 21 مارچ 99ء کو ایک انگریزی اخبار کے آرٹیکل سے معلوم ہوتا ہے کہ 1995ء کے آغاز میں لاہور کے ایک صحافی نے گانوں کی کچھ کیسٹوں کی 500 کاپیاں خود تیار کروا کے لوگوں میں مفت تقسیم کیں۔ لوگوں نے ان کیسٹوں کی آوازیں سن کر محسوس کیا کہ ان Tapes میں کچھ پراسرار آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ ان لوگوں کی تصدیق کچھ تو بعض کے آرٹیکلز سے ہوئی۔ ان گانوں کو غور سے سننے پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی پکار رہا ہو: ''ابلیس ابلیس!'' کسی کیسٹ میں 'Jewcola' '' کے الفاظ سنائی دیتے۔ ان گانوں کے کیسٹ ''آتش راج'' کے فرضی نام سے تیار کیے گئے اور بینڈ کا نام ''عذاب'' تھا۔ (ابلیس کا مادہ آگ سے بنا ہے اور آگ جہنم کا اصل عذاب ہے) جب کیسٹ تیار کرنے والے کی ملاقات ایک صحافی سے ہوئی اور اس نے ان کیسٹوں کی پراسرار آوازوں کی حقیقت پوچھی تو اس نے یہ کہہ کر مذاق میں ٹال دیا کہ دراصل اس نے یہ پیغامات معاشرے کے اوپر ایک طنز اور ایک انتقامی ردعمل کے طور پر ریکارڈ کروائے۔ یہ شخص جلد مزید Tapes مارکیٹ میں لانے کا ارادہ رکھتا ہے۔''

خبر کے آخری جملے کا مطلب ہے ایسی اور بھی کیسٹیں مارکیٹ میں آئیں اور انہوں نے ''ابلیس ابلیس'' پکار کر جہنم کی آگ اور عذاب کو دنیا میں ہی ہمارے اردگرد بھڑکا دیا۔ حال ہی میں ہمارے ہاں کے مشہور ترین ٹی وی چینل نے اپنا میوزک چینل ''آگ'' کے نام سے شروع کیا ہے۔ اس کی بھڑکائی ہوئی آگ کی لپٹیں نئی نسل کے ایمان، حب الوطنی اور مثبت صلاحیتوں کو چاٹ

رہی ہیں۔ ان میں مٹکنے اور تھرکنے کے منفی جذبات پیدا کر رہی ہیں۔ سوچا جانا چاہیے کہ موسیقی جیسی ''لطیف'' چیز کا آگ جیسی بھڑکتی بھڑکاتی چیز سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ یقینی بات ہے کچھ لوگ، ہم سے کھیل رہے ہیں اور اس وقت تک کھیلتے رہیں گے جب تک ہم دین کی طرف لوٹ کر اللہ کی پناہ میں نہیں آجاتے۔ اور ایسا اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک ہم شیطان کے چنگل سے نکلنے کا عزم کر کے شیطانی کام چھوڑنے کا تہیہ نہیں کر لیتے۔

موسیقی پر کیا موقوف ہے؟ ساری انٹرٹینمنٹ کی دنیا فری میسن کی نشانیوں اور کارستانیوں سے بھری پڑی ہے۔ امریکی فلم انڈسٹری میں یہ بات مکمل طور پر نمایاں ہے مگر ٹی وی بھی اس سے پیچھے نہیں۔ عام پروگراموں کو تو رہنے دیجیے۔ فری میسنز نے بچوں کے کارٹونوں تک کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ بچوں کی کہانیاں اور ناول تک اس سے محفوظ نہیں۔ بطور نمونہ سب کی ایک ایک مثال دی جا رہی ہے۔

ٹی وی اور فلمز:

ٹی وی کے ذریعے ایک بہت بڑی تعداد میں ناظرین کو ایک نئے خیال سے متعارف کرایا جا رہا ہے اور وہ وقت شاید بہت زیادہ دور نہیں جب وہ خیال حقیقت بن کر دنیا کے سامنے آجائے گا۔ بس دنیا کے ذہنوں میں اس خیال کے جاگزیں ہونے کا انتظار ہے۔ وہ خیال ہے: ''ایک گلوبل لیڈر جو دنیا کو مسائل سے نجات دلا سکے۔ آپ آج کل گلوبل کا لفظ بہت سنتے ہوں گے۔ گلوبل ویلیج، گلوبل یونین، گلوبل...... یہ سب کیا ہے؟ عالمی دجالی ریاست کے عالمی لیڈر ''دجال'' کے لیے ذہن سازی ہے۔'' ریڈیارڈ کپلنگ'' ایک فری میسن مصنف ہے۔ اس کی کتاب "The Jungle Book" پر ہالی ووڈ کی فلم بنائی گئی جس میں شان کونرے، مائیکل کین اور سعید جعفری جیسے میسونک اداکاروں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ کتاب دو سپاہیوں کی کہانی ہے جو انڈیا کے ''قریب'' ایک ملک میں جاتے ہیں۔ ملک کا نام ''کافرستان'' ہے۔ پہنچتے ہی وہاں کے لوگ جنہیں ''کافر'' کہا جاتا ہے انہیں گرفتار کر لیتے ہیں۔ جب انہیں قتل کیا جانے لگتا ہے تو ان میں

سے ایک سپاہی کی گردن کے گرد ہار ڈالتا ہے جس پر میسونک آنکھ کا سمبل کھدا ہوتا ہے۔ کافر اس کو خدا سمجھنے لگتے ہیں اور بعد میں سپاہی بھی اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگتا ہے۔ قیدی سپاہی کو خدا کے درجے تک پہنچانے کا کیا مطلب ہے؟ یہ دجال کے خروج کی ریہرسل ہے۔ گلوبل لیڈر کون ہے؟ مسلمانوں کے نظریے کے مطابق دجال ہے۔ حدیث میں آتا ہے: ''کافروں میں سے ایک شخص اٹھے گا جو اپنی ایک آنکھ سے پہچانا جائے گا۔ وہ دنیا کا لیڈر ہونے کا اعلان کرے گا اور بعد میں خدائی کا دعویٰ۔''

کارٹون:

میٹ گراؤننگ ایک مصدقہ فری میسن ہے۔ یہ ''مسٹر سمپسن'' Mr. Simpsons نامی کارٹون سیریز کا خالق ہے۔ وہ کھلے عام اقرار کرتا ہے کہ: ''وہ ایسے طریقے سے اپنے خیالات کو لوگوں تک پہنچا رہے ہیں کہ وہ بآسانی انہیں ہضم کر سکیں۔'' یہ کارٹون ہمارے بچوں کو دراصل کیا سکھا رہے ہیں؟ ان تک بآسانی ہضم ہونے والے کون سے پیغامات پہنچا رہے ہیں؟ کارٹونوں کے ذریعے بہت سے شیطانی سبق ہمارے بچوں کے معصوم ذہنوں میں انڈیلے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ ماں باپ سے بغاوت، حکومت کی جانب سے لگائی گئی جائز پابندیوں کو توڑنا، برے اخلاق اور نافرمانی وغیرہ۔ اخلاقیات کی یہ پامالی معمولی چیز ہے۔ ''برادری'' تو انسانیت کو اس سے کہیں آگے اس مقام پر لے جانا چاہتی ہے۔ جہاں شیطان حکم الٰہی کا انکار کر کے پہنچ گیا تھا۔ فرعون اور شداد نے تو بادشاہی کے بعد خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ فری میسنری بیماری سے شفایاب ہونے والے مریض کو خدائی کا دعوے دار بنا رہی ہے۔ آیئے! دیکھتے ہیں کیسے؟ امریکا جیسے ملک میں کھلے عام یہ سب کچھ کیسے ہو رہا ہے؟

اس کارٹون سیریز کی ایک قسط میں انتہائی پریشان کن صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ اس قسط میں سمپسن فیملی کا سربراہ ''ہومر سمپسن'' ایک گروہ کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ یہ گروہ درحقیقت دجال کی راہ ہموار کرنے والی عالمی یہودی تنظیم ''فری میسنری'' کا ہے۔ گروہ کے ممبران ہومر

سمپسن کے جسم پر پیدائشی نشان دیکھتے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ تم اللہ کے بیٹے ہو یہ ہومر سمپسن کا ثبوت اتفاقی ہے۔ یہ نیا رتبہ ہومر سمپسن کو اپنے آپ کو خدا سمجھنے پر مجبور کر دیتا ہے جس کا اقرار وہ ان الفاظ میں کرتا ہے: ''میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ کیا کوئی خدا ہے؟ اب مجھے پتا چلا کہ وہ کون ہے! وہ تو میں خود ہوں۔'' کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ صرف ایک مذاق ہے مگر اللہ کی قسم! یہ مذاق نہیں۔ یہ بے ہودہ مہم ہے۔ یہ ایک بہت بڑا پروپیگنڈا ہے جس کے ذریعے غیر محسوس طریقوں سے لوگوں کی سوچ بدلی جا رہی ہے۔

کہانیاں:

ہیملین کی "Pipe Piper" انگریزی ادب کی مشہور زمانہ لوک کہانی ہے۔ ریڈرز ڈائجسٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق یہ لوک کہانی فرضی نہیں بلکہ حقیقی کہانی تھی جو کالے جادو اور شیطانیت کے پوشیدہ اسرار پر مبنی تھی۔ شیطان کی پجاری ''برادری'' نے جادو کی تاثیر اور شیطان کی طاقت لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کے لیے یہ کہانی تحریر کروائی اور اسے انگریزی خواں طبقے کے گھر گھر تک، بچے بچے تک پہنچا دیا۔ یہ کہانی کچھ یوں ہے کہ ایک بستی میں چوہوں نے فصلیں تباہ کر دیں۔ لوگوں کے گھروں میں چوہوں نے چیزیں کتر ڈالیں۔ بستی کے لوگ اس آفت سے بہت تنگ آ گئے اور ان کی کوئی تدبیر چوہوں کو مارنے کی کارگر ثابت نہ ہوئی۔ ایسے وقت میں ایک اجنبی اس بستی میں داخل ہوا۔ اس کو اس مسئلے کا علم ہوا تو اس نے بستی والوں کو اپنی خدمات پیش کیں کہ وہ اس فتنے سے ان کو نجات دلا سکتا ہے۔ اگر بستی والے اس کو مقررہ مقدار میں سونا (سکے) پیش کریں۔ بستی والے اس کی اس شرط پر راضی ہو گئے۔ اس شخص نے شرط طے کرنے کے بعد ایک پائپ (بانسری) منہ کو لگایا اور ایک دھن نکالی۔ اس دھن کا سننا تھا کہ بستی کے ہر کونے سے چوہوں نے نکلنا شروع کر دیا۔ وہ شخص وہ دھن بجاتا ہوا بستی سے باہر نکلا اور تمام چوہے بھی اس دھن کے پیچھے چلتے گئے۔ حتیٰ کہ وہ اجنبی تمام چوہوں کو دریا کے کنارے لے گیا اور تمام چوہے دریا میں گر کر ہلاک ہو گئے۔ یوں بستی والوں کو چوہوں سے نجات ملی۔ لیکن اس شخص کو وعدے کے

مطابق سونا (رقم) کی ادائی نہیں کی۔ بستی والوں کی اس وعدہ خلافی کا اس شخص نے اس طرح بدلہ لیا کہ اس نے پھر اپنا پائپ منہ کو لگایا اور ایک دوسری دھن نکالی۔ اس کا سننا تھا کہ تمام بستی کے بچے اس دھن کے پیچھے چل پڑے اور وہ شخص دھن بجاتا ہوا بچوں کو اپنے ساتھ لے کر ایسا غائب ہوا کہ پھر وہ شخص ملا نہ بچے۔ موسیقی، کالا جادو اور شیطانی کرتوت تینوں چیزوں کو اس کہانی میں ایسی چابک دستی سے سمو کر پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا غیر شعوری طور پر ان کالی شیطانی چیزوں کے رعب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ یوں انگریزی ادب کے مطالعے کا فیشن اسے جو روگ لگاتا ہے، مرتے دم تک اس کی تلافی نہیں ہو پاتی۔

ناول:

ہیری پوٹر کے ناولوں نے مثالی شہرت حاصل کی اور ریکارڈ بزنس کیا۔ ہمارے ہاں کچھ والدین ایسے تھے جو یورپ کے والدین کی تقلید کرتے ہوئے اپنے بچوں کو یہ ناول پڑھتے دیکھ کر خوش ہوتے تھے کہ ان کے بچے دنیا کے ساتھ چلنا سیکھ رہے ہیں۔ ایسے حضرات مدرسے کے بچوں پر ترس کھاتے تھے...... جن کا ذہن ان شیطانی اثرات سے آلودہ نہ ہوا تھا...... کہ وہ کیا جانیں دنیا کا اسٹائل، آرٹ اور انہیں کیا معلوم ادب لطیف کیا ہوتا ہے؟ ان ناولوں میں کیا تھا؟ جادو، شیطانی طاقتوں، بدروحوں اور ماورائی جادوئی طاقتوں کی محیر العقول کارستانیاں...... ان ناولوں کو پڑھ کر ہمارے بچوں نے کیا حاصل کیا؟ جادو کی ہیبت، اس کے کمالات، اس کے ذریعے مشکل کشائی...... یہ سب کچھ غیر محسوس طریقے سے ان کے معصوم ذہنوں میں فیڈ کر کے انہیں ان ناپاک چیزوں سے مانوس کر دیا گیا تاکہ کل وہ آسانی سے ''عالمی دجالی ریاست'' کے وفادار شہری بن سکیں۔ گویا ہم نے اپنے ہاتھوں اپنے بچوں کو شیطان کے پجاریوں کا وہ فرسودہ مواد خرید کر دیا جو انہیں رحمان سے بغاوت سکھا سکے۔ جو انہیں شیطان کی عبادت کے قریب لے جائے۔

الغرض شیطان کی محنت جاری ہے۔ وہ اور اس کے چیلے ہر رخ سے حملہ آور ہو رہے ہیں۔ وہ انسانیت کو گناہ میں مبتلا کر کے جہنم کا ایندھن بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں وہ خوش نصیب

لوگ ہیں جو بے سروسامان ہیں۔ بے وسائل اور بے آسرا ہیں لیکن خدا کی محبت کی آس میں، اس کی نصرت کے آسرے پر انسانیت کو جہنم سے بچانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ وہ دین کی طرف رجوع کی دعوت ہر حالت میں دے رہے ہیں۔ وہ شریعت کے نفاذ کی جدوجہد میں ہر لمحے لگے ہوئے ہیں۔ سعادت مند ہے وہ شخص جوان مبارک کوششوں میں اپنا حصہ ڈالے اور خود کو، اپنے بچوں کو اور تمام مسلمانوں کو شیطان کے چنگل سے چھڑا کر رحمن کی آغوش میں لانے کی جدوجہد میں شامل ہو، ان تمام گناہوں کو چھوڑنے اور چھڑانے کی جدوجہد کرے جو مغربی تہذیب کے جلو میں ہمارے معاشرے میں پھیلتے چلے جارہے ہیں۔ موسیقی، فلم، ناول، کارٹون جیسے شیطانی پھندوں سے انسانیت کو چھڑا کر دین خالص کی ابدی نعمتوں کا شوق دلانے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا امتی اور اس فتنہ زدہ دور کا نجات یافتہ خوش قسمت ہے۔

[قارئین کرام کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ان مضامین کی اشاعت کے کچھ عرصے بعد ایسی ڈاکومنٹر یز تیار ہو کر آنا شروع ہو گئیں جن سے ان مضامین میں بیان شدہ ایک ایک امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس موقع پر اکثر احباب رابطہ کر کے پوچھتے ہیں کہ آپ کی معلومات کا ''ذریعہ'' کیا ہے۔ یہ عاجز ان سے عرض کرتا ہے کہ ان معلومات کو آپ تک پہنچانے کا مقصد کیا ہے؟ اس کو آپ سمجھ لیں اور آگے سمجھانا شروع کر دیں تو ایک ''دیسی مولوی'' کی محنت ٹھکانے لگ جائے گی جو آپ کے لیے مغرب کے واقف کاروں سے پہلے شیطانی ہتھکنڈوں کی حقیقت بمع شرعی لائحہ عمل کے پہنچانے کے لیے کوشاں ہے۔ انسان کو ''مقصدیت پسند'' ہونا چاہیے نہ کہ شخصیت پرست۔]

دجالی ریاست کے قیام کے لیے جسمانی تسخیر کی کوششیں

(پہلی قسط)

"چونکہ ایک طاقت کی حتمی سلامتی کا مطلب باقی ساری طاقتوں کی حتمی غیر سلامتی ہے اس لیے اس کا حصول صرف فتح سے ممکن ہے۔ جائز فیصلے سے ایسا کبھی نہیں ہوتا۔" (ہنری کسنجر: دی مائٹ آف نیشن، ورلڈ پولیٹکس ان اوور ٹائم: نیویارک، 1965ء)

☆☆☆

عنوان پڑھ کر پہلے آپ کو کچھ سنسنی محسوس ہوئی ہوگی پھر آپ نے اسے معمول کی چیز یا سنسنی پھیلا کر توجہ حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہوگا۔ ہم آپ کے کسی ردعمل کی نفی نہیں کرتے نہ اسے یکسر ناواقفیت قرار دے کر رد کرتے ہیں۔ ہماری آپ سے درخواست ہے کہ پہلے ذیل کا ایک اقتباس پڑھ لیجیے، پھر کچھ ایسے حقائق جو مغرب کے منصف مزاج اور انسانیت پسند محققین نے نادیدہ آنکھوں کی نگرانی اور خفیہ ہاتھوں کی کارستانیوں کی پروا نہ کرتے ہوئے دنیا کے سامنے پیش کیے اور آخر میں ایک نوجوان کا وہ خط جو اس نے جان کی پروا نہ کرتے ہوئے تحریر کیا۔ اس خط سے جہاں دنیا بھر میں سرگرم انسانیت دشمن دجالی قوتیں بے نقاب ہوتی ہیں، وہیں یہ بات بھی سامنے آجاتی ہے کہ پاکستان پر دجال کے کارندوں کی خصوصی نظر ہے اور تاریکی کے فتنے "دجال اعظم" کے خلاف جو ہدایت یافتہ لشکر اٹھے گا، اس میں اہل پاکستان کا بھی بہت بڑا کردار ہوگا۔ تو آئیے! پہلے مستقبل کی دنیا کا ایک خاکہ جو دجالی قوتوں نے ترتیب دیا، دیکھ لیتے ہیں تاکہ یہ سمجھنے میں

آسانی ہو کہ رحمان کے بندے اس شیطانی مہم سے آگاہی کے بعد کیا کچھ کر سکتے ہیں؟

بارہ سرداروں کے ایک ارب غلام:

ایک عالمی حکومت اور ون یونٹ مانیٹری سسٹم، مستقل غیر منتخب موروثی چند افراد کی حکومت کے تحت ہوگا۔ جس کے ارکان قرونِ وسطیٰ کے سرداری نظام کی شکل میں [یعنی بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے بارہ سرداروں والے نظام کی شکل میں] اپنی محدود تعداد میں سے خود کو منتخب کریں گے۔ اس ایک عالمی وجود میں آبادی محدود ہوگی اور فی خاندان بچوں کی تعداد پر پابندی ہوگی۔ وباؤں، جنگوں اور قحط کے ذریعے آبادی پر کنٹرول کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ صرف ایک ارب نفوس رہ جائیں جو حکمران طبقے کے لیے کارآمد ہوں اور ان علاقوں میں ہوں گے جن کا سختی اور وضاحت سے تعین کیا جائے گا اور یہاں وہ دنیا کی مجموعی آبادی کی حیثیت سے رہیں گے۔"

اس اقتباس میں مستقبل کی ان منصوبوں کی نقشہ کشی کی گئی ہے جو دنیا کی ایک مخصوص قوم کے فتور زدہ دماغ میں پلتے ہیں۔ دنیا میں درپردہ مصروف کار ایک مخصوص گروہ دراصل کرۂ ارض پر بلاشرکت غیرے حکمرانی چاہتا ہے۔ اس کی اپنی تعداد چونکہ بہت کم، محدود اور قلیل ہے اس لیے وہ ہر صورت میں رنگ دار نسلوں اور صاحب ایمان افراد کو ختم یا کم کرنا چاہتا ہے۔ یہ تعصب مذہبی بھی ہے اور نسلی بھی۔ اس کی زد میں رنگ دار پسماندہ اقوام بھی آتی ہیں اور جھوٹی خدائی اور جھوٹی نبوت کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو جانے والے صاحب عزیمت اہل ایمان بھی۔ اس گروہ کو اپنی نسلی برتری کا جھوٹا زعم ہے۔ اس کے خیال میں وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔ ان کے منصوبے کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام رنگ دار اقوام کم تر اہلیت اور اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کے باوجود خدشہ یہ ہے کہ وہ محض اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے زور پر دنیا میں تسلط اور غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ رنگ دار اقوام کی اس بڑھتی ہوئی آبادی کا مقابلہ کرنے کے لیے امریکا اور یورپ کا اپنی آبادی کو بڑھانا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔ کیونکہ امریکا اور یورپی اقوام خود اپنے ہی دام میں پھنس کر اپنی آبادی کی شرح خطرناک حد تک کم کر چکی ہیں اور نوبت اب یہاں تک پہنچ چکی ہے

کہ عام یورپی اور امریکی فرد خاندان اور بچوں کے کسی جھنجھٹ میں پڑنا ہی نہیں چاہتا اور "Enjoy thyself" کے معروف مغربی اصول کے تحت اپنی زندگی ذمہ داری سے پاک اور عیش وعشرت سے بھرپور گزارنا چاہتا ہے۔ چنانچہ مغربی پالیسی سازوں کو اب یہی حل نظر آتا ہے کہ دوسرے خطے کے لوگوں کی آبادیاں بھی اس حد تک کم کردی جائیں کہ کبھی ان کے مقابل آنے کا خطرہ پیدا نہ ہوسکے۔ اس کے لیے گزشتہ کئی دہائیوں سے ایک ہمہ جہت مہم چلائی جارہی ہے۔ علمی ونظریاتی سطح پر لٹریچر کی تیاری اور اشاعت، ابلاغی محاذ پر سرگرمی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی میدانوں میں آبادی کے حوالے سے مطلوب پالیسی اقدامات اور ان اقدامات کے لیے بااثر حلقوں کی حمایت کا حصول اس ہمہ گیر مہم کے اہم عنوانات ہیں۔ حکمت عملی یہ ہے کہ براہ راست بھی اور بالواسطہ طور پر عالمی اداروں کے ذریعے بھی غربت کے خاتمے، اقتصادی ترقی اور ماں بچے کی صحت جیسے پروگرامات کے پردے میں تحدید آبادی کی مہم کو کامیاب بنایا جائے۔ اس ضمن میں اگر ترغیب وتحریص سے کام نہ نکل سکے تو جنگ، جبر، زور زبردستی حتیٰ کہ ایٹمی اور کیمیائی جنگ کے بارے میں بھی سوچنے اور عمل کرنے کے لیے تیار رہا جائے۔ انسانی آبادی کم کرنے کی مہم کو "فلاح وبہبود" کا نام دیا جاتا ہے۔ مختلف بیماریوں کے علاج کے لیے مفت گولیوں، ٹیکوں اور قطروں کی فراہمی کو انسان دوستی کہا جاتا ہے۔ یہ نہ فلاح وبہبود ہے اور نہ انسان دوستی۔ یہ انسان کشی کی وہ سنگدلانہ مہم ہے جو انسانیت کو اپنی مرضی کے تحت محکوم ومحدود بنانے کے خبط میں مبتلا ایک گروہ نے برپا کی ہے۔ آپ شاید اس کو مبالغہ یا حساسیت قرار دیں گے لیکن اس مضمون کے اختتام تک ہمارے ساتھ چلتے رہے تو آپ یقیناً اس نتیجے تک پہنچ جائیں گے جو تحقیق اور حقائق کی تہہ سے برآمد ہوا ہے۔

انسانیت کے خلاف جراثیمی جنگ:

اس وقت ہم دنیا میں خاندانی منصوبہ بندی، تولیدی صلاحیت کم کرنے والی ویکسین وغیرہ کی شکل میں جو عالمگیر مہم چلتی دیکھ رہے ہیں، یہ درحقیقت ایک مخصوص انسانی گروہ (جو خوفناک حد تک

سنگدل اور خود غرض ہے) کے مفاد کے لیے کھیلا جانے والا طاقت، سیاست اور مفادات کا عالمی کھیل ہے جو کہیں ترغیب و تحریص اور کہیں جبر و دباؤ کے ذریعے کھیلا جا رہا ہے۔ کبھی اس کے لیے انسانیت کا لبادہ اوڑھ لیا جاتا ہے اور کہیں بوقت ضرورت ریاستی طاقت اور ریاستی ادارے جبر و تشدد کا ہتھکنڈا استعمال کرتے ہیں۔ مانع حمل گولیوں سے لے کر متعدی جراثیمی بیماریاں پھیلانے تک ایک لرزہ خیز شیطانی سلسلہ ہے جو ابلیس کے نمایندۂ اعظم "الدجال الاکبر" کی عالمی حکومت کا خواب پورا کرنے کے لیے چلایا جا رہا ہے۔ آئیے! ایک نظر اس شیطانی مہم پر اور پھر یہ دلیرانہ عزم کہ ہم ان شاء اللہ شریعت سے چپٹے رہ کر ساری عمر گزار دیں گے کہ اسی میں ہمارا بچاؤ ہے۔ اس عالمگیر تباہی سے جس سے ابلیس کے کارندے انسانیت کو دوچار کرنا چاہتے ہیں۔

1970ء کی دہائی تک یہ بات زیادہ سے زیادہ واضح ہوتی جا رہی تھی کہ یورپ اور سفید فام امریکا کی آبادی تیزی سے کم ہو رہی ہے۔ اگر کچھ نہ کیا گیا تو تیسری دنیا کی اقوام کی آبادی کا بڑھتا ہوا حجم "فری میسنز" کے زیر کنٹرول ممالک کی قومی سلامتی کو شدید خطرے سے دوچار کر دے گا۔ مغرب جس جنسی آزادی اور بے راہ روی کا شکار ہو گیا ہے، اس کے بعد اب وہ بچوں کی ذمہ داری سنبھالنے پر کسی صورت تیار نہیں۔ مختلف قسم کی ترغیبات اور مراعات کے باوجود مغرب کی مادر پدر آزاد نئی نسل خاندان کی کفالت کرنے یا بچوں کی تربیت کا بوجھ اٹھانے کے لیے آمادہ نہیں۔ خاندانی نظام کی اس تباہی کا نتیجہ یہ ہے کہ بچوں کی تعداد خوفناک حد تک کم ہوتی جا رہی ہے اور صورت حال یہی رہی تو مغرب کی قوت صارفین (Consumer Power) اور پیداواری صلاحیت کم ہو جائے گی اور نتیجے کے طور پر وہ مکمل طور پر تیسری دنیا کی آبادی پر انحصار کرنے والے بن جائیں گے۔ اس تناظر میں کسی نہ کسی طرح مغربی آبادی اور تیسری دنیا کی آبادی کے درمیان حائل اس خلیج کو پاٹنے کی ضرورت تھی تاکہ عالمی سطح پر مغربی برتری یا زیادہ واضح انداز میں "میسن برادری" کے تسلط کو بحال کیا جا سکے۔ 1970ء کی دہائی میں صدر جمی کارٹر نے "عالمی رپورٹ برائے 2000ء" تیار کرانے کو کہا۔ رپورٹ کے نتائج میں دنیا بھر کے تقریباً تمام مسائل کا ذمہ دار

"غیر سفید فام" لوگوں کی آبادی میں اضافے کو ٹھہرایا گیا۔ رپورٹ میں یہاں تک سفارش کی گئی کہ مغرب کی برتری کو بحال کرنے کے لیے 2000ء تک تیسری دنیا کے ممالک کی کم از کم 2 بلین آبادی کو سطح زمین سے مٹا دیا جائے۔ اس کی صورت کیا ہو؟ انسانی آبادی کے خاتمے کا ایک طریقہ تو جنگ ہے، لیکن اس کو شروع کرنا تو انسان کے بس میں ہوتا ہے، ختم کرنا انسان کے بس میں نہیں ہوتا، اس لیے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا جو اس منصوبے کو چلانے والی قوتوں کی انتہائی سنگدلی اور انسانیت دشمنی پر دلالت کرتا ہے۔ وہ طریقہ اب تک سامنے آنے والی بیماریوں میں سے سب سے زیادہ خطرناک بیماری پھیلانے کی شکل میں تھا۔ مجھے یقین ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں "ایڈز" کا ذکر کر رہا ہوں۔ جی ہاں! ایڈز قدرتی بیماری نہیں، مصنوعی جرثوموں کے ذریعے پھیلایا گیا موت کا جال تھا۔

رحم دل عیسائی محققین:

یہ بات انتہائی قابل غور ہے کہ 70ء ہی کی دہائی میں...... یعنی جب یہ مندرجہ بالا رپورٹ پیش کی گئی...... ایڈز کی وبا پھوٹ پڑی جس نے تیسری دنیا کی اقوام کی بہت بڑی آبادی کے ساتھ ساتھ امریکا میں ہسپانوی نژاد، لاطینی امریکا میں آبادی کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ کہا یہ گیا کہ اس بیماری کے وائرس کی ابتدا افریقہ کے سبز بندروں سے ہوئی۔ 2 جون 1988ء کو لاس اینجلس ٹائمز نے ایک آرٹیکل چھاپا جس میں اس آئیڈیا کی تردید کی ہے کہ انسانی وائرس سبز بندروں سے پھیلے ہیں۔ اس سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ DNA...... اپنی مثل پیدا کرنے والا مادہ جو جنسی یا خلقی خصوصیات کے خاکے کا حامل ہوتا ہے...... ایڈز کے مادہ کی ساخت سبز بندروں کے مادے کی ساخت سے قطعاً جداگانہ تھی۔ بلکہ حقیقت میں یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ایڈز وائرس قدرتی لحاظ سے کہیں بھی نہیں پائے جا سکتے ہیں اور نہ ہی یہ انسانی زندگی کے سسٹم کے اندر زندہ رہ سکتے ہیں۔ اگر وائرس قدرتی لحاظ سے نہیں پایا جاتا تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ وائرس اچانک کہاں سے آگیا ہے؟ اس سوال کے جواب کے لیے دنیا کو ایک غیر صیہونی امریکی ماہر ڈاکٹر رابرٹ اسٹریکر کا

شکر گزار ہونا چاہیے کہ سب سے پہلے انہوں نے اس راز سے پردہ اٹھایا۔ راقم دجال (1) میں عرض کر چکا ہے کہ وہ عیسائی حضرات جو صہیونیت کا شکار ہو کر شدت پسند یہودیوں کے ہم نوا نہیں ہوئے اور ان کے دل میں انسانیت کے لیے رحم اور ترس ہے۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول کے بعد ان شاء اللہ مسلمان ہو کر مجاہدین اسلام کے ساتھ قافلہ حق میں شریک ہو جائیں گے۔ ہم سب کو ان کی ہدایت اور خاتمہ بالخیر کے لیے دعا کرنی چاہیے۔

ڈاکٹر رابرٹ بی اسٹریکر ایم ڈی، پی ایچ ڈی 1983ء میں لاس اینجلز میں میڈیسن میں پریکٹس کرتے تھے۔ وہ مشہور پیتھالوجسٹ اور وہ فارماکولوجی میں پی ایچ ڈی بھی رکھتے تھے۔ ان کے بھائی "تیڈ اسٹریکر" اٹارنی تھے۔ وہ 1983ء میں کیلیفورنیا میں سیکورٹی پیسفک بینک کے لیے صحت عامہ سے متعلق تجاویز مرتب کر رہے تھے۔ اس وقت دونوں بھائیوں نے نئے مرض "ایڈز" سے متعلق تفصیلات معلوم کرنے کے لیے تحقیق کا آغاز کیا اور انہیں ایسے نتائج حاصل ہوئے جو نہ صرف حیرت انگیز بلکہ ناقابل یقین تھے۔ انہوں نے اپنی تحقیقات پر مشتمل مقالہ کو "اسٹریکر میمورنڈم" کا نام دیا۔

انہوں نے اپنے میمورنڈم میں ثابت کیا ہے کہ ایڈز کے وائرس انسان کے تخلیق کردہ ہیں۔ اس حوالے سے انہوں نے متعدد دستاویزی ثبوت پیش کیے ہیں۔ دوسری طرف امریکی حکومت نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ ایک افریقی باشندے کو ایک سبز بندر نے کاٹ لیا جس کے سبب ایڈز کا مرض پیدا ہوا۔ لیکن جیسے جیسے ڈاکٹر اسٹریکر کی تحقیقات میں پیش رفت ہوتی گئی، یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ایک مخصوص مذہبی طبقے سے تعلق رکھنے والے سائنسدانوں نے نہ صرف ایڈز کے وائرس تخلیق کیے بلکہ انہیں پھیلایا بھی گیا۔ اس طرح اب انسانوں کے وجود کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے کیونکہ ایڈز کے وائرس وہی کام کر رہے ہیں جن کے لیے انہیں تخلیق کیا گیا تھا۔ ایڈز کے وائرس متعدی امراض کے وائرس کے سہارے انسانوں میں کینسر کا مرض بھی پیدا کرتے ہیں۔ تحقیق کے اس مرحلہ پر ڈاکٹر اسٹریکر کو یہ بات کھٹکنے لگی کہ امریکی حکومت، ایڈز کے نام نہاد ماہرین اور ذرائع

ابلاغ عوام کو غلط معلومات فراہم کر کے گمراہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر اسٹریکر نے اپنے میمورنڈم میں حقائق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"1- ایڈز کا مرض انسان کا تخلیق کردہ ہے۔

2- ایڈز ہم جنسیت کے سبب لاحق نہیں ہوتا۔

3- ایڈز کا مرض مچھروں کے ذریعے بھی پھیلتا ہے۔

4- کنڈوم استعمال کر کے ایڈز سے محفوظ نہیں رہا جا سکتا۔

5- کسی بھی ویکسین سے ایڈز کا علاج ممکن نہیں۔

ڈاکٹر اسٹریکر نے خطرناک دستاویزات پر مشتمل اپنی ایک رپورٹ "بائیو الرٹ اٹیک" (Bio Alert Attack) کے نام سے مرتب کی اور امریکا کی ہر ریاست کے گورنر، صدر، نائب صدر، ایف آئی، بی آئی اے، ناسا اور کانگریس کے منتخب ارکان کو بھیجی، لیکن ڈاکٹر اسٹریکر کو اس وقت حیرت ہوئی جب حقائق پر مبنی رپورٹ موصول ہونے پر صرف تین گورنروں نے جواب دیے، اور حکومت کی طرف سے تو کوئی جواب ہی نہیں ملا۔ چنانچہ 1985ء میں ڈاکٹر اسٹریکر نے حکومت سے کہا کہ ہر وہ شخص جس میں ایڈز کے وائرس موجود ہوں، قبل از وقت انتہائی اذیت کے ساتھ مر جائے گا، لیکن حکومت نے اس کے جواب میں کہا: "یہ بیہودگی ہے۔"

ڈاکٹر اسٹریکر نے ایک اچھے سائنسدان کی طرح متعدد مقالے لکھ کر امریکا میں تمام ممتاز میڈیکل جرنل کو بھیجے، لیکن انہوں نے اسے شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ڈاکٹر اسٹریکر نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ یورپ میں شائع کرانے کی کوشش کی، لیکن یہاں بھی انہیں یہ دروازہ بند ملا۔ پھر انہوں نے امریکی ٹی وی پر اپنی رپورٹ پیش کرنے کی کوشش کی، لیکن یہاں بھی انہیں ناکامی ہوئی، تاہم ایک نیشنل ریڈیو نیٹ ورک نے ایک ممتاز کمپیئر کی موجودگی میں ڈاکٹر اسٹریکر کا انٹرویو کیا، لیکن بعد ازاں اس نے بھی اسے نشر کرنے سے انکار کر دیا اور وجوہات بھی ظاہر نہیں کیں۔ چنانچہ اس صورتحال میں یہ امر قابل غور ہے کہ ڈاکٹر اسٹریکر کی تحقیقاتی رپورٹ میں

ایسی کون سی دھماکہ خیز بات ہے جسے امریکی ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات نے شائع کرنے سے انکار کر دیا۔

حکومت یا ذرائع ابلاغ عوام کو حقائق سے آگاہ کرنے میں کیوں پس و پیش کر رہے ہیں؟ ہم سب یہ جانتے ہیں کہ ایک بادشاہ کے لیے جھوٹ کو سچ کر دکھانا آسان ہوتا ہے، لیکن ایک گداگر کے لیے حق بات کو عام کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ بہر حال ڈاکٹر اسٹریکر نے کہا کہ بہر صورت ہم ایڈز کے متعلق حقائق بیان کر رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہزاروں مریضوں کے متعلق حقائق سے آپ کو آگاہ نہیں کیا جا رہا۔

ڈاکٹر اسٹریکر نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ ماہرین سبز بندروں اور ہم جنسی کو اس موذی امراض ایڈز کی بنیاد کیوں بتاتے ہیں؟ جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ انسان نے ایڈز کے وائرس تخلیق کیے تو وہ کیوں ہم جنسی اور منشیات کو اس کی بنیاد قرار دیتے اور اس کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں؟ اگر افریقہ میں یہ مرض مختلف جنسی امراض کے ذریعے پھیلا اور اگر حقیقت میں سبز بندر ہی اس موذی مرض کا منبع ہے تو پھر افریقہ، ہیٹی، برازیل، امریکا اور جنوبی جاپان میں یہ مرض ایک ہی وقت میں کیوں پھیلا؟ اس لیے کہ ایڈز کے وائرس یہودی سائنس دانوں نے تجربہ گاہوں میں تیار کیے اور یہ خود بخود وجود میں نہیں آئے۔ چنانچہ ڈاکٹر اسٹریکر نے اس موقف کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اگر ایسا آدمی جس کے نہ ہاتھ ہوں اور نہ پیر، اور وہ ایک تقریب میں اچھا لباس پہن کر آئے تو اس کا یہ مطلب ہوگا اس کو کسی نے کپڑے پہنائے ہیں۔''

ڈاکٹر تھیوڈور اسٹریکر کی تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''نیشنل کینسر انسٹیٹیوٹ'' اور ''عالمی ادارۂ صحت'' نے مشترکہ طور پر فورٹ ڈیٹرک (اب NCI) کی تجربہ گاہوں میں ایڈز کے وائرس تخلیق کیے، انہوں نے دو مہلک وائرسز ''بوین لیکومیا وائرس'' (Bovine Leukemia Virus) اور ''شیپ وسنا وائرس'' (Sheep Visna Virus) کو ملایا اور انہیں انسانوں کی بافتوں میں انجکشن کے ذریعہ داخل کیا، جس کے نتیجہ میں ایڈز کے وائرس پیدا ہوئے اور جن انسانوں میں یہ

وائرس تخلیق کیے گئے وہ صد فیصد مہلک ثابت ہوئے۔ رفتہ رفتہ دوسروں کو تباہ کرنے کی کوشش خود امریکیوں کے گلے کا پھندا بن گئی اور لاکھوں امریکی اس کی ہلاکت کا باعث ثابت ہوئی۔

ڈاکٹر اسٹریکر کی یہ تحقیق سامنے آنے کے بعد 4 جولائی 1984ء کو انڈیا میں دہلی کے نیوز پیپر The Patriot میں ایک آرٹیکل چھپا جس میں ایڈز کے متعلق پہلی بار یہ تفصیل بیان کی گئی کہ ایڈز حیاتیاتی جنگ کا ایک متوازی ذریعہ بنتا جا رہا ہے۔ اخبار نے ڈاکٹر اسٹریکر کو ایک گمنام امریکن ماہر ظاہر کر کے نقل کیا کہ ایڈز کا وائرس امریکی آرمی کے ماتحت چلنے والی ایک حیاتیاتی لیبارٹری میں جو فریڈرک کے قریب فورٹ ڈیٹرک میں ہے، میں تیار کیا گیا۔ پھر 30 اکتوبر 1985ء کو سوویت یونین کے روزنامہ "Litermia Gazetta" میں ایک کالم نگار "Glitterg" نے وہی الزام دہرایا جو انڈین نیوز پیپر کی جانب سے لگایا گیا تھا جس کی وجہ سے یہ ایک بین الاقوامی بحث کی شکل اختیار کر گیا۔ تاہم "برادری" کے تحت چلنے والے میڈیا نے یہ سب کچھ کمیونسٹوں کی بلیغانہ بھڑک قرار دے کر رد کر دیا۔

26 اکتوبر 1986ء کو سنڈے ایکسپریس وہ پہلا مغربی اخبار تھا جس نے اس موضوع پر "فرنٹ پیج اسٹوری" کا آغاز کیا جس کا عنوان 'AIDS made in lab shocks' تھا جس نے انڈیا اور سوویت یونین کے انکشافات کی تصدیق کی۔ اس آرٹیکل میں دو نامور ماہرین ڈاکٹر جان سیل اور پروفیسر جیکب سیگال جو برلن یونیورسٹی کے شعبہ حیاتیات کے ریٹائرڈ ڈائریکٹر ہیں، ان دونوں کے حوالے سے یہ حتمی رائے نقل کی گئی کہ ایڈز وائرس انسانی بنائے ہوئے ہیں۔ ان دونوں کے اس بیان نے گویا اس موضوع پر بحث کو ختم کر دیا اور یہ بات حتمی طور پر سامنے آ گئی کہ ایڈز کی شکل میں پسماندہ انسانیت کو موت کا تحفہ دینے والے سنگ دل یہودی سائنس دان عام انسانوں کے لیے رتی بھر ترس کے جذبات دل میں نہیں رکھتے۔

یہاں تک اتنی بات تو طے ہو گئی کہ طبی تاریخ میں خطرناک ترین سمجھا جانے والا "ایڈز وائرس" انسانوں نے خود بنایا ہے۔ یہ خطرناک چیز کیوں بنائی گئی ہے اور پھیلائی کیسے جاتی ہے؟ اس کی

طرف آتے ہیں۔ ایڈز کا ہنگامہ ویکسین پروگرام کے ساتھ دنیا بھر میں جوڑا جاتا رہا ہے۔ معروف انٹرنیشنل نیوز پیپر "London Times" نے ایک فرنٹ اسٹوری آرٹیکل شائع کیا جس کا عنوان تھا: "Small packs vaccine Triggered AIDS" یہ آرٹیکل چیچک ویکسین پروگرام اور ایڈز کے ہنگامے اور پھوٹ پڑنے والی وباؤں کے درمیان تعلق ثابت کرتا ہے۔ ان علاقوں میں جن میں ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن اس ویکسین پروگرام کو منظم انداز میں چلا رہی تھی ایڈز کا پھیلاؤ واضح طور پر سامنے آ رہا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق "عالمی تنظیم صحت" یہ پروگرام 50 سے 70 ملین لوگوں کے درمیان وسطی افریقہ کے مختلف ممالک میں چلا رہی تھی۔ یاد رہے کہ "ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن" اقوام متحدہ کا ذیلی ادارہ ہے جو کرۂ ارض کے باشندوں کی صحت کے "تحفظ" اور "بہتری" کے لیے بنایا گیا ہے۔ یعنی وہی دجل وفریب جو دجالی قوتوں کا خاصہ ہے یہاں بھی اپنا آپ دکھاتا اور منواتا نظر آ رہا ہے۔

ویکسین پروگرام کی آڑ میں:

ماہرین کے مطابق متعدد شہادتیں ثابت کرتی ہیں کہ ایڈز ایک جینیاتی وائرس ہے جو ویکسین پروگرام کے ذریعے تیسری دنیا کے ممالک میں پھیلایا جا رہا ہے۔ یہ جراثیمی جنگ کمزور اور معصوم لوگوں کے خلاف ہے جس کا مقصد ذہنی وسطحی خلقت کو مکمل طور پر تباہ کرنا ہے۔ ایڈز اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ یہ دجالی "برادری" کے گرینڈ ماسٹرز کا اپنی آبادی کی کمی اور "غیر برادری" کی کثرت کے باوجود دنیا پر تسلط حاصل کرنے کا آخری حل ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ "جیوش اکانومک پالیسی" کو دنیا پر مسلط کیا جائے جس کی وجہ سے کرۂ ارض کی مکمل سلطنت فری میسن کے ہاتھ میں ہوگی۔

دجالیات کے نامور ماہر اسرار عالم کی شہادت ملاحظہ فرمائیے۔ وہ اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں:

"اسی ذیل میں ابلیس اور یہودیت کا ایک اور ذہن کارفرما ہے اور وہ ہے اہل ایمان کے تعلق

سے۔ چنانچہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں اگر انہیں بھی ملائکہ کی طرح Genome اور جینیٹک کوڈ معلوم ہو جائے تو وہ بھی اپنے دشمنوں اور بالخصوص اہل ایمان اور اہل اللہ کو اسی طرح ''بندر''، ''کتا'' اور ''خنزیر'' میں بدل ڈالیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو بدل ڈالا ہے۔ ''جین تھیراپی'' (Gene Theraphy) کے تحت بنیادی طور پر اسی مشن کو پورا کیا جا رہا ہے۔ بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ ہیپاٹائٹس بی (Hepatitis B) نامی خود ساختہ اقدامی بیماری کے علاج کے لیے جو ٹیکہ دیا جاتا ہے اسے کیرون کارپوریشن کی ویکس ایچ بی (Chiron's Recombivax HB) کہا جاتا ہے جو در اصل ایک جینیٹک انجینئرڈ ویکسین ہے۔ ہیپاٹائٹس بی کی حقیقت صرف اس بات سے معلوم ہو جائے گی کہ WHO کے مطابق یہ بیماری اسرائیل کو چھوڑ کر ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ دنیا میں اب تک 50 کروڑ لوگوں کو اس کا ٹیکہ دیا گیا۔ اسرائیل میں نہ یہ بیماری پائی جاتی ہے اور نہ ٹیکہ دیا گیا۔ اس کی مہمیں ساری دنیا میں چلائی جا رہی ہیں۔ آنے والا وقت بتائے گا کہ یہ علاج ہے نہ علاج کا تجربہ۔ یہ تو اس مشن کے ہزاروں تجربوں میں سے ایک تجربہ ہے جس کے تحت اپنے دشمنوں کی نسل کو نسلاً بعد نسل بندر، کتا اور خنزیر بنانے کی بات سوچی جا رہی ہے۔'' (معرکہ دجال اکبر، ص:81)

کہانی آگے بڑھتی ہے:

ایڈز کے علاوہ بھی کچھ وائرس بنائے جا چکے ہیں، لیب میں محفوظ ہیں اور بوقت ضرورت بے دھڑک استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ سن کر آپ کو انتہائی صدمہ ہوگا کہ ہمارا ملک پاکستان ان جراثیمی بیماریوں کے پھیلاؤ کا مرکزی ہدف ہے۔ مجھے بھی شدید صدمہ ہوا تھا اور یہ صدمہ اس وقت شدید ترین ہو گیا جب مجھے ان افواہوں کی تصدیق ایک مضمون کی شکل میں موصول ہوئی۔ اس مضمون میں ایک صاحب قلم نے جو اپنا نام پردہ اخفا میں رکھنا چاہتے تھے، میں شہزاد نامی نوجوان کی سچی کہانی کے ذریعے اس طرف توجہ دلائی تھی کہ ہمارے ملک میں ایک ظالمانہ شیطانی مہم منظم طریقے سے چل رہی ہے۔ میں آپ کو اس صدمے میں اپنے ساتھ شریک کرتا ہوں جو مجھے یہ کہانی

دجال کے سائے

ایک بگڑے نوجوان کی آپ بیتی

دجال کے ہرکاروں اور دشمنان انسانیت کے کالے کرتوت،

اسرائیل سے قادیان تک پھیلی ہوئی ابلیسی تحریک

(دوسری قسط)

پاکستان کے خلاف حیاتیاتی جنگ:

"یہ جولائی 2007ء کی بات ہے۔ لاہور کا ایک خوبرو نوجوان شہزاد ملک کے ایک مشہور ومعروف قومی اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اخبار کے ورق الٹتے ہوئے اچانک اس کی نظر کلاسیفائیڈ اشتہارات پر پڑی۔ پھر ان میں سے ایک اشتہار پر اس کی نگاہیں گڑ کر رہ گئیں: "دوستیاں کیجیے..... کامیاب بنیے" اشتہار میں بتایا گیا تھا کہ ہر نوجوان دیے گئے رابطہ نمبروں پر کال کر کے نئے دوست تلاش کر سکتا ہے۔ جوڑے بھی ہو سکتے ہیں اور لڑکیاں بھی..... یہ نئے تعلقات اس کی زندگی میں نئی جان ڈال دیں گے۔

شہزاد ان دنوں ویسے بھی فارغ تھا۔ اس کی زندگی بے مزہ گزر رہی تھی۔ ایسے اشتہارات اس نے پہلے بھی دیکھے تھے مگر اب اس نے پہلی بار انہیں آزمانے کا ارادہ کیا۔ اس نے اشتہار میں دیے گئے نمبروں پر رابطہ کیا۔ اس رابطے کے نتیجے میں اسے کئی لڑکوں اور لڑکیوں کا تعارف کرایا گیا۔ ان کے فون نمبر دیے گئے۔ شہزاد نے ان میں سے ایک لڑکی "روبی" کو دوستی کے لیے منتخب کیا اور اس کے نمبر پر کال کی۔ دونوں میں ہیلو ہائے ہوئی۔ پھر باقاعدہ ملاقات کے لیے جگہ کا تعین ہوا۔ لڑکی نے خود بتایا کہ وہ لاہور کے فلاں جوس سینٹر میں مل سکتی ہے۔

شہزاد وہاں پہنچ گیا۔ اس طرح روحی سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات نے اسے ایک نئی دنیا کی سیر کرائی۔ عیش و عیاشی کی دنیا، رنگ رلیوں کی دنیا، جہاں شرم و حیا نامی کوئی شے نہیں ہوتی۔ روحی اس دنیا میں داخلے کا دروازہ تھی۔ آگے لڑکیوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ شہزاد کی دوستیاں بڑھتی چلی گئیں۔ اسے ہوش تب آیا جب اسے جسم میں شدید توڑ پھوڑ کا احساس ہوا۔ اس نے ڈاکٹروں سے معاینہ کروایا تو پتا چلا کہ وہ ایڈز کا مریض بن چکا ہے۔ شہزاد کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ وہ اپنا علاج کراتا۔ تب انہیں گروہ کے سرکردہ افراد نے علاج کی پیش کش کی مگر شرط یہ تھی کہ وہ ان کے گروہ کے لیے کام کرے۔ شہزاد کو موت سامنے نظر آرہی تھی۔ وہ ہر خطرناک سے خطرناک اور ناجائز سے ناجائز کام کے لیے تیار ہوگیا۔ ویسے بھی حلال و حرام کا فرق تو وہ کب کا بھول چکا تھا۔

گروہ کے منتظمین خود سات پردوں میں تھے۔ وہ شہزاد کو اپنی لڑکیوں کے ذریعے مختلف کام بتاتے تھے۔ یہ کام عجیب و غریب تھے۔ شہزاد ایک پڑھا لکھا اور ذہین نوجوان تھا۔ جلد ہی وہ گروہ کے کاموں کو خاصی حد تک سمجھ گیا۔ گروہ کے منصوبے آہستہ آہستہ اس پر عیاں ہونے لگے۔ یہ منصوبے بے حد خوفناک تھے۔ یہ گروہ ملک میں ایڈز کا وائرس پھیلا رہا تھا۔ ہیپاٹائٹس سی کی بیماری کو فروغ دے رہا تھا۔ ہزاروں افراد اس کا نشانہ بن چکے تھے۔ آزاد خیال نوجوان، ہسپتالوں کے مریض اور جیلوں کے قیدی اس کا خاص ہدف تھے۔ آزاد خیال نوجوانوں کو دوستی کے اشتہارات کے ذریعے پھنسایا جاتا تھا۔ یہ اشتہارات میڈیا میں مختلف عنوانات سے آرہے تھے۔ ان کے ذریعے نوجوانوں کا تعلق جن لڑکیوں سے ہوتا تھا وہ ایڈز اور دوسری مہلک بیماریوں میں مبتلا تھیں۔ ان سراپا بیمار عورتوں کو مختلف این جی اوز سے اکٹھا کیا گیا تھا۔ ان عورتوں کی بیماری اس درجے کی تھی کہ ان کے ساتھ اختلاط سے بھی انسان ایڈز میں مبتلا ہوسکتا تھا، مگر گروہ کے لوگ اس پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ ان کا انتظام اتنا پختہ تھا کہ لڑکی سے پہلی ملاقات کے وقت نوجوان جو مشروب (جوس، کولڈ ڈرنک یا شراب) پیتا تھا، اس میں پہلے سے خطرناک جراثیم ملا دیے جاتے تھے۔ ایڈز

کے کسی کارکن کو کسی ملازمت کے لیے جو مطلوبہ سند درکار ہوتی ، اس کا انتظام اس طرح ہوتا تھا کہ پہلے کمپیوٹر پر اپنے کارکن کی ولدیت سے ملتے جلتے نام والی ولدیت سرچ کی جاتی۔ مثلاً: ظفر ولد جمیل کو کہیں بھرتی کرانا ہوتا تو نیٹ سے جمیل نام کی ولدیت رکھنے والے افراد کی فہرست حاصل کرلی جاتی۔ پھر ظفر کا تبدیلیٔ نام کا اشتہار شائع کرا کے تبدیل کر دیا جاتا۔ اس طریقے سے گروہ کے ان گنت افراد کو ڈپلی کیٹ اسناد دلوا کر پولیس ، خفیہ ایجنسیوں اور فوج میں بھرتی کیا جا رہا تھا۔ جیل خانوں ، ہسپتالوں اور پاگل خانوں میں بھی ان کی خاصی تعداد پہنچا دی گئی تھی۔

گروہ کی آمدن کے کئی ذرائع تھے۔ شہزاد کو اتنا معلوم ہو سکا کہ بڑی گرانٹ اسے باہر سے ملتی ہے۔ دیگر ذرائع خفیہ تھے۔ البتہ ایک ذریعہ آمدن بہت واضح تھا۔ وہ ایڈز اور دوسرے مہلک امراض کی ادویہ کی تجارت کا۔ ایک طرف تو خود یہ گروہ ان امراض کو پھیلا رہا تھا اور دوسری طرف ان کی ادویات منہ مانگے داموں فروخت کر کے بے تحاشا دولت کما رہا تھا۔

ایک مدت تک شہزاد بھی اپنا دین وایمان بھول کر اس گروہ کے لیے کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ان کے قابل اعتماد کارکنوں میں شامل ہو گیا۔ تب ایک دن گروہ کے سرکردہ افراد نے اسے طلب کیا اور حیرت انگیز حد تک پرکشش مراعات کی پیش کش کی مگر ساتھ ہی ایک غیر متوقع مطالبہ بھی کیا۔

''تم قادیانی بن جاؤ۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو آخری نبی مان لو۔'' شہزاد ہکا بکا رہ گیا۔ آج اسے معلوم ہوا کہ یہ گروہ قادیانی ہے۔ اس نے سوچنے کی مہلت طلب کی اور اس کے بعد مزید کھوج میں لگ گیا۔ اس جستجو میں گروہ کی ایک پرانی کارکن ''روبینہ'' نے اس کی مدد کی۔ روبینہ نے جو انکشافات کیے وہ شہزاد کے لیے کسی ایٹمی دھماکے سے کم نہیں تھے۔ اس نے بتایا: ''بلاشبہ یہ قادیانی گروہ ہے مگر اکیلا نہیں۔ یہ ایک بیرونی خفیہ ایجنسی کی سرپرستی میں کام کر رہا ہے۔ یہ کام ایک وسیع جنگ کے تناظر میں ہو رہا ہے۔ اسے ہم حیاتیاتی جنگ (Biological war) کہہ سکتے ہیں۔''

قارئین! شہزادی کی یہ سچی کہانی چند روز قبل ہی سامنے آئی ہے۔ اسے پڑھ کر میں لرز گیا ہوں۔ میں اس پر یقین نہ کرتا شاید آپ بھی اسے سچ ماننے میں متذبذب ہوں۔ کیونکہ یہ بات حلق سے اترنا واقعی مشکل ہے کہ آیا کوئی گروہ بلا تفریق لاکھوں کروڑوں پاکستانیوں کو اس طرح خفیہ انداز میں قتل کرنا کیوں چاہے گا؟ امریکا کی جنگ تو مجاہدین سے ہے۔ قادیانیوں کی لڑائی تو علماء اور ختم نبوت والوں سے ہے۔ انہیں عوام کے اس قتل عام سے کیا حاصل ہوگا؟ شہزادی کی کہانی میں اس کا جواب نہیں ملتا، مگر اس کا جواب خود یورپی میڈیا پر آنے والی رپورٹوں سے مل سکتا ہے۔ ان رپورٹوں کے مطابق اس وقت یورپ اور امریکا میں انسانی آبادی تیزی سے سمٹنے کا خطرہ واضح طور پر محسوس ہو رہا ہے۔ وہاں کے "فری سیکس" معاشرے میں اب کوئی عورت ماں بننا چاہتی ہے نہ کوئی مرد باپ۔ تقریباً ہر فرد کا یہ ذہن بن چکا ہے جب جنسی تسکین کے لیے آزاد راستے موجود ہیں تو شادی کا بندھن اور بچوں کا جھنجھٹ سر کیوں لیا جائے؟ اس بظاہر پُرفریب خیال کے پیچھے اجتماعی خودکشی کا طوفان چلا آ رہا ہے۔ جس قوم کے اکثر لوگ بچے پیدا نہ کرنا چاہتے ہوں وہاں شرح پیدائش کیوں کم نہ ہوگی؟ چنانچہ وہاں اب آبادی تیزی سے سمٹنے لگی ہے۔ سابق امریکی صدارتی اُمیدوار پیٹرک جے بیوکانن نے واضح طور پر لکھا ہے: "2050ء تک یورپ سے دس کروڑ افراد صرف اس لیے کم ہو جائیں گے کہ متبادل نئی نسل پیدا نہیں ہوگی۔" اس نے لکھا ہے: "2050ء تک جرمنی کی آبادی 8 کروڑ سے گھٹ کر 5 کروڑ 90 لاکھ رہ جائے گی۔ اٹلی کی آبادی 5 کروڑ سے کم ہو کر صرف 4 کروڑ رہ جائے گی۔ اسپین کی آبادی میں 25 فیصد کمی ہو جائے گی۔"

یہ وہ صورت حال ہے جس سے گھبرا کر مغربی دنیا کی حکومتیں عوام کو افزائش نسل کی ترغیبات دینے پر مجبور ہو گئی ہیں مگر کتے بلیوں کی طرح آزادانہ جنسی ملاپ کے عادی گورے اب کسی بھی قیمت پر یہ آزادی کھونا نہیں چاہتے۔ کوئی بڑے سے بڑا انعام انہیں بچے پالنے کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے سنجیدہ نہیں بنا سکتا۔ یہ بات درجہ یقین کو پہنچ گئی ہے کہ اس صورت حال کا تدارک نہ ہونے کے باعث 50، 60 سال بعد دنیا میں عیسائی اقلیت میں رہ جائیں گے اور کرۂ ارض پر 60

سے 65 فیصد آبادی مسلمانوں کی ہوگی جو اپنی نسل مسلسل بڑھا رہے ہیں۔ خود یورپی ممالک میں کئی بڑے بڑے شہروں میں مسلم آبادی 50 فیصد کے لگ بھگ آجائے گی۔ اس صورت حال میں مغربی طاقتوں نے اپنے ہاں افزائش نسل سے زیادہ توجہ مسلم دنیا کی نسل کشی پر دینا شروع کردی ہے۔ پاکستان کو اس مقصد کے لیے پہلا ہدف اس لیے بنایا گیا ہے کہ یہ مسلم دنیا میں آبادی کے لحاظ سے تین بڑے ملکوں میں سے ایک ہے۔ پھر یہاں کی آبادی اپنی اسلام پسندی، علماء و مدارس کی کثرت اور جہادی پس منظر کی وجہ سے پہلے ہی مغرب کا خاص ہدف ہے۔ اس کے علاوہ یہاں مغرب کے مددگار قادیانیوں کا مضبوط نیٹ ورک ہے۔ چنانچہ یہودی لابی اس مقصد کے لیے متحرک ہوگئی ہے۔ اس کے لیے پاکستان کے قادیانی اس کے شریک کار بن گئے ہیں۔ شہزاد جیسے ہزاروں لڑکے اور روبی جیسی ہزاروں لڑکیاں ان کے چنگل میں ہیں۔ اپنے ایڈز زدہ جسموں کے ساتھ وہ طوعاً و کرہاً ان کے لیے کام کر رہے ہیں۔

شہزاد کے بیان کے مطابق قادیانی گروہ ایک بیرونی خفیہ ایجنسی کے اس تعاون کو پاکستان کے سیکیورٹی اہداف کے خلاف بھی استعمال کر رہا ہے۔ جراثیم زدہ لڑکیوں کا نیٹ ورک ملٹری فورسز اور دوسرے خفیہ اداروں کے محب وطن افراد تک پھیلانے کی کوششیں پوری سرگرمی سے جاری ہیں جن کا نوٹس لینا ضروری ہے۔

مجھے یہ حساس ترین معلومات دیتے ہوئے شہزاد نے واضح طور پر آگاہ کیا کہ اسے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہوچکا ہے۔ قادیانیوں نے اسے مرزا پر ایمان لانے کی پیشکش کر کے اس کی سوئی ہوئی ایمانی غیرت کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ شہزاد نے ان کی پیش کش ان کے منہ پر دے ماری اور اس گروہ کی جڑوں کو کھود کر ان کا کچا چٹھا صحافی برادری تک پہنچا دیا۔ شہزاد اپنا کام کر چکا، اب اس کا جو بھی انجام ہو وہ بھگتنے کے لیے تیار ہے۔ میں اپنا فرض سمجھتے ہوئے یہ حقائق آپ تک پہنچا رہا ہوں۔

ہم چیف جسٹس، چیف آف آرمی اسٹاف اور آئی ایس آئی کے سربراہ سے بطور خاص گزارش کرتے ہیں کہ اس بارے میں تحقیقات کر کے پاکستانیوں کی نسل کشی کے اس خوفناک منصوبے کو

ناکام بنائیں۔ ورنہ مستقبل میں جہاں آبادی سے محروم یورپ و امریکا خودکشی کریں گے وہاں پاکستان بھی لق و دق صحرا بن کر اپنی پہچان سے محروم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس برے وقت سے پہلے ہمیں سنبھلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اخبارات اور چینلوں پر آنے والے دوتی کے اشتہارات پر نظر رکھیں اور ان کے خطرات سے اپنے متعلق احباب کو خبردار کریں۔"

☆......☆......☆

شہزادی کی یہ کہانی مجھے ملک کے ایک معروف لکھاری اور مصنف نے لکھ کر بھیجی کہ آپ کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے، اسے شائع کر دیجیے۔ میں نے ان سے اصرار کیا کہ میں کہانی کے اصل کردار اور راوی سے ملنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے تلاش کے بعد بتایا کہ وہ رابطے میں نہیں ہے۔ بھیس بدل کر مفروروں جیسی زندگی گزار رہا ہے۔ اس پر میں نے مطالبہ کیا کہ اس کا اصل خط بھیجا جائے۔ انہوں نے اصل خط روانہ کر دیا۔ میں نے بنظر غائر کئی مرتبہ اس کا مطالعہ کیا اور قیافہ شناسی کے جو گر آتے تھے انہیں بروئے کار لاتے ہوئے نقل و اصل میں فرق اور داستان و زیب داستان میں امتیاز کی بھرپور کوشش کی۔ سچ کا پلڑا بھاری محسوس ہوتا تھا...... لیکن مبینہ حقائق و واقعات اتنے تہلکہ خیز تھے اور بہت سے ایسے چہروں سے پردہ اٹھتا کہ زلزلہ آجاتا۔ زلزلے کے یہ جھٹکے اتنے لطف آور اور حوصلہ آزما ہوتے کہ ان کا دیا ہوا جھولا جھولنے کی پہلے سے تیاری ضروری قرار پاتی تھی۔ لہٰذا بندہ نے یہ خط لاہور بھیج دیا۔ وہاں کے کچھ اللہ والوں نے جب خط میں نشان زدہ جگہوں کا گشت کیا تو انہیں بھی حقیقت کا شبہ گمان کے اندیشے پر غالب محسوس ہوا۔ اس پر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ خود موقع واردات پر جانا چاہیے اور جائے وقوعہ پر پہنچ کر شواہد و قرائن اکٹھے کرنے چاہییں تاکہ سند رہیں اور بوقت ضرورت کام آئیں۔ کہانی کی سچائی کو زمینی حقائق کی کسوٹی پر پرکھنے کا عمل بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف تھا...... لیکن اسلام اور پاکستان کے خلاف مصروف کار ان بھڑوں کا ڈنک اس کے بغیر نکالنا بھی ممکن نہ تھا لہٰذا بندہ نے اللہ کا نام لیا، رخت سفر باندھا اور

لاہور جا پہنچا۔ شہر زندہ دلاں لاہور میں کیا کچھ بدتمیزیاں ہو رہی تھیں اور کیسی کچھ بدتہذیبی کا طوفان برپا کیا گیا تھا، یہ داستان المناک بھی ہے اور توجہ طلب بھی۔ اگر ایمان کی رمق انسان میں باقی ہو اور غیرت کی چنگاری بالکل بجھ نہ گئی ہو تو یہ پڑھنے سننے والے کو اس داستان کے مکروہ کرداروں کے خلاف اپنے حصے کا کام کرنا چاہیے۔ یہ ہمارے ایمان و غیرت کا تقاضا بھی ہے اور ہمارے تحفظ و بقا کا مسئلہ بھی۔ موقع واردات پر کیا کچھ دیکھا؟ یہ آپ کو پوری طرح سمجھ نہ آئے گا جب تک آپ اس گمنام نوجوان کا خط نہ پڑھ لیں۔ لہٰذا پہلے یہ خط ملاحظہ فرمائیے پھر چند مصدقہ مشاہداتی اطلاعات، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وطن عزیز پر ''دجال کے سائے'' پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔ تاریکی کے یہ سائے اہل وطن کا امتحان ہیں اور ان کے خاتمے کے لیے خیر کی دعوت و اشاعت کے ذریعے نور حق کی کرنیں پھیلانا ہمارے لیے ایک زبردست چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔

(جاری ہے)

دجال کے بے دام غلام

فری میسنری اور قادیانیوں کی ملی بھگت کی روداد
ایک بھٹکے ہوئے نوجوان کی عبرت آموز آپ بیتی

(تیسری قسط)

''میری دوستی ایک قادیانی سے رہی ہے۔ یہ بغیر علم کے دوستی تھی یعنی اس سے قبل مجھے علم نہیں تھا کہ وہ قادیانی ہے۔ یہ دوستی ایک روزنامہ میں شائع ہونے والے دوستی کے ایک اشتہار کے ذریعے شروع ہوئی۔ گزشتہ دو سال کی دوستی میں اس کی جماعت اور خود اس کے ذریعے سے جو حقائق میرے سامنے آئے ہیں وہ ہوش گم کردینے والے ہیں۔ اس روزنامے کا پورا کلاسیفائیڈ سیکشن قادیانی جماعت استعمال کررہی ہے۔ اس سیکشن میں لڑکیوں سے دوستی کے اشتہارات مختلف عنوانات کے تحت شائع ہوتے ہیں۔ (روزنامہ ''خبریں'' میں 2005ء سے لے کر اب تک کے شمارے دیکھیں)

لڑکیوں سے دوستی کے یہ تمام اشتہارات قادیانی جماعت اور ''عالمی فری میسنری'' کے مقاصد کی تکمیل کے لیے کام کرنے والی مشترکہ لابی کی جانب سے ہوتے ہیں جو اپنی طاقت بڑھانے کے لیے شب و روز کوشاں ہے۔ ان اشتہارات کے جواب میں جو خواتین ملتی ہیں وہ مختلف بیماریوں کا شکار ہوتی ہیں۔ یہ بہت ہی آزاد خیال خواتین بڑی آسانی سے آپ کی خواہشات پوری کرنے پر تیار ہوجاتی ہیں، کیونکہ ان کی بہت بڑی اکثریت ایڈز کے عارضے میں مبتلا ہوتی ہے۔ کچھ ٹی بی کے عارضے میں مبتلا ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ بوس و کنار کرنے والا بھی بہت سے عوارض میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ قادیانیوں کی یہ دانستہ کوشش ہے کہ لاہور اور اس کے

گردونواح میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد کو مختلف بیماریوں میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ ارتدادی مہم کے ذریعے اپنے لوگوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ میں ایسی چند خواتین سے ٹکرا چکا ہوں۔ میں جو انکشافات کرنے جا رہا ہوں ان میں سے بہت سی معلومات کا ذریعہ یہ خواتین بھی ہیں۔ دوستی اشتہار کے ذریعے ملنے والی ایک خاتون سے مجھے کافی معلومات ملی ہیں۔ جو سب سے اہم انکشاف ہوا وہ یہ تھا کہ قادیانیوں کا گروہ ایڈز کی مریضاؤں کے ذریعے پاکستان خصوصاً لاہور کے شہریوں میں ایڈز کا وائرس پھیلا رہا ہے۔ ایڈز کی ان مریضاؤں کو مختلف این جی اوز اور خصوصی ذرائع سے اکٹھا کیا گیا ہے۔ اس کارروائی کا مقصد انتہا پسندوں کی آنے والی نسلوں تک کو برباد کر دینا ہے۔ ان لوگوں کے پاس ایڈز اور دیگر امراض میں مبتلا مرد اور خواتین رضاکاروں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ ممکنہ طور پر ان خواتین میں سے کچھ بھارت سے بھی تعلق رکھتی ہیں۔ ان خواتین کو مال و دولت کے لالچ اور ان کے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے بہانے قبضے میں لے کر بلیک میل کیا جاتا ہے۔ اس منصوبے میں کچھ بیرونی قوتیں بھی اس گروپ کی بھرپور معاون ہیں یعنی اس منصوبے میں "را"، "سی آئی اے"، "موساد" اور یہودی و قادیانی لابی پارٹنر ہیں اور یہ لوگ لاہور میں "گراس روٹ لیول" پر کام کر رہے ہیں۔ ان کی بھرپور کوشش ہے کہ ہمارے ملک خصوصاً پنجاب کے قحبہ خانوں میں موجود خواتین کو ایڈز کے عارضے میں مبتلا رضاکاروں کے ذریعے اسی عارضے میں مبتلا کر دیا جائے، تاکہ یہ خواتین ایک کیریئر بن کر آگے یہ عارضہ پھیلائیں۔ ان خواتین کے پاس جانے والے لوگ بھی اس مرض میں مبتلا ہو جائیں اور اپنی جائز وحلال بیویوں اور آنے والی معصوم نسلوں کو بھی زہر آلود کریں۔ اس طرح آنے والے برسوں میں بے شمار لوگ متاثر ہوں گے اور ان بیماریوں کی دستیاب ادویہ کو بیچ کر قادیانی جماعت بے حساب منافع کمائے گی۔ اس کا مقصد آنے والے برسوں میں سرمائے اور بائیولوجیکل لڑائی کے ذریعے لاہور اور اس کے گردونواح میں اسرائیل کی طرز پر ایک قادیانی ریاست کی داغ بیل ڈالنا ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ آنے والے وقت میں ایڈز کے مریضوں کی تعداد میں بہت تیزی سے

اضافہ ہوگا۔ اول تو ایڈز کے تشخیصی مراکز کی تعداد خاصی کم ہے اور جو ہیں ان پر اس لابی کا کنٹرول ہے۔ یہ لوگ لیبارٹری (ELIZA) ٹیسٹ کروانے والے لوگوں کو نیگیٹو رپورٹ دیتے ہیں، تاکہ طویل عرصے تک لاہور میں کسی کو بھی ایڈز کی تباہ کاریوں کا اندازہ نہ ہو سکے۔

ایڈز کے علاوہ ہیپاٹائٹس کو بھی پوری طاقت سے پھیلایا جا رہا ہے۔ صرف مشرف دور میں جبکہ ان وطن دشمنوں کو پھلنے پھولنے کے خوب ذرائع میسر تھے، لاکھوں لوگ ہیپاٹائٹس سی میں مبتلا ہوئے جبکہ اس سے قبل یہ عارضہ بہت ہی کم پایا جاتا تھا۔ یاد رہے کہ "ہیپاٹائٹس سی" صرف خون کے انتقال سے پھیلتا ہے اور اس کے بارے میں یہ تاثر کہ گندے پانی سے پھیلتا ہے، درست نہیں۔ جگر کے کسی بھی ماہر ڈاکٹر سے ملیں یا انٹرنیٹ پر ہیپاٹائٹس سی کی وجوہات کو جانا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہیپاٹائٹس سی لاحق ہونے کا گندے پانی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ گندے پانی کا تعلق صرف ہیپاٹائٹس اے یعنی پیلے یرقان سے ہے۔ آج پاکستان میں کروڑوں لوگ (کم و بیش ایک تہائی آبادی) ہیپاٹائٹس میں مبتلا ہے اور ان میں سے 99.99 فیصد لوگ انتقالِ خون کے مرحلے سے کبھی نہیں گذرے۔ ان میں سے بے شمار لوگ ایسے ہیں جنہوں نے کبھی ناک، کان نہیں چھدوائے اور نہ ہی کبھی دانتوں کا علاج کروایا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ ہیپاٹائٹس سی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ امراضِ جگر کے ہر ماہر کے لیے یہ امر باعثِ حیرت ہوگا کہ لوگوں کی اتنی بڑی تعداد مسلسل ہیپاٹائٹس سی میں کس طرح مبتلا ہو رہی ہے؟ تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ مشرف دور میں قادیانیوں کے تعاون سے پاکستان کے طول و عرض میں ہیپاٹائٹس کے خون سے آلودہ کروڑوں سرنجیں پھیلائی گئیں۔ خصوصاً سرکاری ہسپتالوں میں دی جانے والی سرنجوں میں سے مخصوص تناسب کی سرنجیں جراثیم آلودہ ہوتی تھیں اور یہ سلسلہ شاید اب تک جاری ہو۔ ساتھ ہی ساتھ منظم طریقے سے پروپیگنڈا بھی کیا گیا کہ ہیپاٹائٹس سی گندے پانی کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے۔ ان کا ٹارگٹ یہ ہے کہ آئندہ دس پندرہ برس کے دوران پاکستان کے کم و بیش تمام شہریوں کو ہیپاٹائٹس کی کسی نہ کسی قسم یا ایڈز میں ضرور مبتلا کر دیا جائے اور ساتھ ہی دوائیں اور منرل واٹر بیچ کر

بے حساب منافع کمایا جائے۔

ایک سوال یہ ہے کہ اتنی سرنجوں کو آلودہ بنانے کے لیے خون کہاں سے آتا ہے؟ قادیانی جماعت اس کے لیے دو طریقے استعمال کر رہی ہے۔ پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ لاہور کے پاگل خانے میں موجود زیادہ پاگلوں کو مختلف بیماریوں میں مبتلا کرنے کے بعد ان کے جسم سے خون حاصل کیا جاتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جیل میں موجود منتخب قیدیوں کو ایڈز میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ ایسا کرنے سے قبل ان قیدیوں کا بیک گراؤنڈ اور نفسیاتی کیفیت اچھی طرح جانچ لی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے بہت ہی منفی اور لادین ذہنیت رکھنے والے افراد کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ ان کی بے راہ روی کا ثبوت بھی حاصل کر لیا جائے۔ حال ہی میں لاہور کے قیدیوں کا چیف جسٹس کے حکم پر طبی معاینہ کیا گیا تو ان میں سے 46 ایڈز کے مریض نکلے ہیں لیکن یہ کہانی کا صرف ایک حصہ ہے۔ ہوا یہ کہ چیف جسٹس ایک منصوبے کے تحت یہ اطلاع دی گئی کہ لاہور میں قیدیوں پر ظلم ہو رہا ہے اور ان کا طبی معاینہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ جب چیف جسٹس کے حکم پر یہ طبی معاینہ کیا گیا تو مریضوں کا انکشاف ہوا۔ اب ایڈز کے یہ مریض آہستہ آہستہ رہا ہوں گے اور سال چھ مہینے کے بعد ان کو ہر کوئی بھول جائے گا۔ اس کے بعد ان سے رابطہ کرنے کے بعد قادیانیوں اور اسرائیلیوں کے لیے کام کرنے کی آفر کی جائے گی۔ ان لوگوں کی منفی ذہنیت کی پہلے ہی تصدیق کر لی گئی ہے۔ لہٰذا ان ایڈز کے مریضوں کے راضی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ایسے رضاکاروں سے پنجاب کے مختلف قحبہ خانوں میں موجود خواتین کو ایڈز زدہ کرنے کا کام لیے جانے کا منصوبہ ہے تاکہ یہ خواتین ایک chain کی صورت اختیار کر کے اپنے گاہکوں اور ان کے گاہک آگے اپنے بیوی بچوں کو ایڈز زدہ کر دیں۔ اس طریقے سے لاکھوں لوگوں کو بیماریوں میں مبتلا کرنے کی سازش کی جا رہی ہے اور یہ سلسلہ کئی برسوں سے جاری ہے۔ ایسے قسم کے ایڈز زدہ رضاکاروں کو ایڈز پھیلانے کے لیے باقاعدہ ٹارگٹ دیے جاتے ہیں جن کی تکمیل پر بہت خطیر انعامات دیے جاتے ہیں۔ اس صورت حال میں چیف جسٹس کو ایک منصوبے کے تحت استعمال کیا گیا ہے تاکہ

ایڈز کے مریضوں کو ان کے مرض سے آگاہ کرنے کا جواز پیدا ہو سکے اور مریضوں کو شبہ بھی نہ ہو۔
یہ Biological War ہے جو یہودیت کے لیے کام کرنے والے قادیانیوں نے پاکستان پر مسلط کی ہے۔ اس طریقے سے کروڑوں لوگوں کو ہیپاٹائٹس اور ایڈز میں مبتلا کر کے موت کی جانب گامزن کر دیا گیا ہے۔ انسانی تاریخ کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے، شاید کشمیر اور فلسطین سے بھی بڑا، لیکن اس کا کسی کو احساس تک نہیں ہے۔ الٹا اس کے باوجود مسلمانوں کو دہشت گرد سمجھا جاتا ہے۔

بائیولوجیکل لڑائی کا یہ سلسلہ صرف پاکستان تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہودیوں اور قادیانیوں کی باہمی ملی بھگت سے چین اور انڈونیشیا تک پھیلا ہوا ہے۔ بدنام زمانہ یہودی تنظیمیں پاکستان پر پاؤں پھیلانے کے لیے قادیانیوں کی مدد کر رہی ہیں تو قادیانی چین میں بیماریاں پھیلانے کے لیے افرادی قوت مہیا کر رہے ہیں۔ اس کا بڑا مقصد مستقبل میں چین کی اقتصادی ترقی کو متاثر کرنا ہے۔ انڈونیشیا میں بھی اس قسم کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے انڈونیشیا کی قادیانی کمیونٹی کو استعمال کیا جا رہا ہے۔

اس بائیولوجیکل جنگ لڑائی کے دوسرے طریقے میں اپنے ٹارگٹ کو جوس میں ملا کر ہلکا زہر نما محلول دیا جاتا ہے۔ جوس میں ملائے جانے والے اس بائیولوجیکل میٹریل کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ جگر کو شدید طور پر متاثر کرتا ہے، لیکن فوری طور پر انسان کا خودکار دفاعی نظام حرکت میں آتا ہے اور متاثرہ جگر کے گرد چربی کی تہہ جم جاتی ہے جو جگر کو بکھرنے نہیں دیتی یعنی جگر چربی زدہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس طریقے سے انسان فوری طور پر نہیں مرتا لیکن اس کی زندگی کا دورانیہ کم ہو جاتا ہے۔ ہمارے ملک کے ایک معروف قانون دان اس کی واضح مثال ہیں۔ جنہیں دوران قید اس کا نشانہ بنا کر معذور بنا دیا گیا ہے۔ یہ لوگ نہ صرف یہ عوارض پھیلاتے ہیں بلکہ ان کی ادویہ بیچ کر بے حساب منافع کما چکے ہیں۔ اس لابی کے ایجنٹوں میں اس وقت برین ہیمبرج کا سبب بننے والی ادویہ بہت مقبول ہیں۔ انہیں عموماً ہائی پروفائل ٹارگٹس کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ دوا

انسان کی شریانوں کو بلاک کردیتی ہے جس سے برین ہیمبرج یا ہارٹ اٹیک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

معاشرے سے آزاد خیال لوگوں کو چھانٹنے کے لیے پورے شہر میں جگہ جگہ ایسے جوس کارنر قائم کیے جارہے ہیں جہاں جوڑوں کو مل بیٹھنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ یہاں پر ایسے لوگوں پر خاص طور پر نظر رکھی جاتی ہے اور نسبتاً زیادہ آزاد خیال لوگوں کو ٹریپ کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو جوس میں مختلف مضرِ صحت اشیاء ڈال کر ذہنی معذور اور بیمار بنایا جاتا ہے۔ اس کا محرک یہ ہے کہ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا آزاد خیال شخص جب شدید بیمار ہوجاتا ہے تو پھر اس کی زندگی کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ مرنے سے قبل زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرکے اپنے پیاروں کی زندگی کو تحفظ دے جائے۔ ایسا شخص درست یا غلط کی پہچان کو بھلا کر دولت کی خاطر بڑے سے بڑا رسک لینے کے لیے تیار ہوجاتا ہے اور جب کوئی شخص اس اسٹیج پر پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ فری میسنری اور ان کے بے دام غلام قادیانیوں کے لیے کام کا آدمی قرار پاتا ہے۔ ایسے تیار لوگوں سے ہیروئن اسمگلنگ، قبائلی علاقوں میں جاسوسی اور بیماریاں پھیلانے کے پُرخطر کام لیے جاتے ہیں۔ حیلے بہانوں سے ایسے لوگوں کے بچے بھی قبضے میں لے لیے جاتے ہیں جس کے بعد ایسا شخص مزاحمت کے بالکل بھی قابل نہیں رہتا اور ساتھ ہی ساتھ قادیانیوں کی وفادار اور بظاہر مسلمان ایک نئی نسل تیار کی جارہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ لابی اپنے زیادہ تر ایجنٹوں کو بیمار کرنے کے بعد استعمال کرتی ہے اور یہ معاہدہ تمام زندگی پر محیط ہوتا ہے۔ اپنے ایجنٹوں کو بیمار کرنے کے پس منظر میں یہ سوچ کارفرما ہے کہ بہت زیادہ بوڑھا آدمی مذہب کی جانب راغب ہوکر سدھر سکتا ہے، ویسے بھی بوڑھا آدمی زیادہ کام کا نہیں رہتا۔ اس لیے یہ سنگ دل لوگ اپنے لوگوں کا لائف پیریڈ کم کردیتے ہیں۔

ان لوگوں کو دنیا کا جدید ترین ٹیلی کمیونیکیشن نظام مہیا کیا گیا ہے۔ آپ کو یہ جان کر بالکل حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ پاکستان میں کسی بھی شخص کا فون ان لوگوں کی پہنچ سے باہر نہیں ہے اور روشن خیالوں اور انتہا پسندوں کو چھانٹنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ GPS کے ذریعے مذکورہ فرد کی

لوکیشن بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔ ان آلات کا غلط استعمال بھی زوروں پر ہے۔ یہ لوگ انسداد منشیات کے اعلیٰ اہلکاروں کے فون ٹیپ کرتے ہیں۔ جس سے انہیں منشیات کی اسمگلنگ میں آسانی رہتی ہے۔

اب آتے ہیں لڑکیوں سے دوستی کے اشتہارات کی جانب۔ ہوتا یہ ہے کہ لڑکیوں سے دوستی کے اشتہارات سے رابطہ کرنے کے بعد ملنے والی لڑکی اپنی مرضی کے جوس کارنر یا ریسٹورنٹ لے کر جاتی ہے۔ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہ جوس کارنر یا ریسٹورنٹ خود ان لوگوں کی ہی ملکیت ہوتا ہے۔ مجھے ملنے والی خواتین مجھے نہر کے کنارے ''حسن جوس کارنر'' نزد لال پل لاہور لے کر گئیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جو جوس لڑکی کے سامنے رکھا جاتا ہے وہ بالکل ٹھیک ہوتا ہے لیکن جو جوس آپ کے سامنے رکھا جاتا ہے اس میں ہلکا زہر ملا ہوتا ہے۔ یہ آہستہ آہستہ انسانی ذہن کو معذور اور انسانی جسم کو مفلوج کرتا ہے۔ ان کا خاص اڈہ ہے۔ ''حسن جوس کارنر'' کے علاوہ مجھے جی ٹی روڈ نزد شالامار پر واقع صدیقی کلینک پر بھی متعدد مرتبہ لے جایا گیا۔ قادیانیوں کی ایک این جی او کا دفتر 40 ڈی ماڈل ٹاؤن میں بھی قائم ہے۔ اگر قانون نافذ کرنے والے ادارے صرف صدیقی کلینک، حسن جوس کارنر اور D-40 پر اپنی توجہ مبذول کر لیں تو انہیں ثبوت مل جائیں گے۔ جن قحبہ خانوں کا میں نے ذکر کیا، ان میں سے ایک کے بارے میں جانتا ہوں۔ یہ لاہور کے لیاقت آباد کے علاقے میں گندے نالے کے قریب واقع ہے۔ یہاں گھروں کے نمبر واضح نہیں ہیں۔ یہ سالار اسٹریٹ کے درمیان ایک گلی نمبر 21 ہے۔ اسے قائد اعظم اسٹریٹ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ پہلے آنے والا گھر نکڑ کا ہے۔ اس کا گیٹ چھوٹا سا سبز رنگ کا ہے۔ یہاں رہنے والے کرائے یا گروی پر آباد ہیں۔ انہیں اس علاقے میں کوئی نہیں جانتا اور یہ قادیانیوں کے ایڈریشن پر ہیں۔

کبھی روزنامہ ''خبریں'' کا کلاسیفائیڈ دیکھیں۔ اس میں تبدیلی نام اور ولدیت کے بہت سے اشتہارات موجود ہوتے ہیں۔ یہ دراصل دوسرے لوگوں کی اسناد کو استعمال کرنے کا منصوبہ ہے۔ (2005ء سے اب تک کے اخبارات ضرور دیکھیں) کیا کسی اور اخبار میں تبدیلی نام اور

ولدیت کے اس قدر اشتہارات دیکھے گئے ہیں؟ مشرف دور میں بورڈ کے سیکریٹری ان کے غلام تھے۔ جس شخص کو سند دلوانا ہوتی ہے، کمپیوٹر پر اس کی ولدیت سے ملتی جلتی ولدیت کو سرچ کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں نام کو اشتہار شائع کر کے تبدیل کروا لیا جاتا ہے۔ اس طریقے سے لوگوں کے نامعلوم گروہ (ممکنہ طور پر قادیانی) کو ڈپلیکیٹ اسناد کی بہت بڑی تعداد جاری کی اور ملازمتیں دلوائی جاتی رہی ہیں۔ ایسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد کو پولیس میں کانسٹیبل بھرتی کروایا گیا ہے، تا کہ ہر علاقے میں موجود اپنے قحبہ خانوں، جوس کارنرز کی مدد اور انتہا پسندوں کی نشاندہی کی جا سکے۔ ایسے لوگ اپنے نام اور ولدیت سے بظاہر مسلمان ہی لگتے ہیں، کوئی ان پر شک کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اسی کلاسیفائیڈ سیکشن میں آپ کو قرضہ مہیا کرنے والے بہت سے اداروں کے اشتہارات ملیں گے۔ یہ بھی معاشی طور پر مجبور لوگوں کو استعمال کرنے کی کوشش ہے، حالانکہ قانوناً اس قسم کے اشتہارات ممنوع ہیں۔ ان لوگوں کے پاس بے شمار شناختی دستاویزات موجود ہوتی ہیں جنہیں بوقت ضرورت استعمال کیا جاتا ہے۔

اسی روزنامہ میں ضرورت رشتہ کے مخصوص اشتہارات بھی ذرا غور سے دیکھیں۔ خاص طور پر "فارن پیشنٹی" کے حامل اشتہارات۔ 2005ء سے 2008ء تک ضرورت رشتہ کا ایک ہی اشتہار شائع ہوتا رہا۔ اس اشتہار کی آڑ میں بہت سی مذموم سرگرمیاں جاری ہیں۔ اب بھی کبھی کبھار یہ اشتہار شائع ہوتا رہتا ہے۔ مجھے بھی متعدد مرتبہ یورپین ممالک کی سیر اور عمرے پر لے جانے کی پیشکش کی گئی تھی جسے میں نے مسترد کر دیا تھا۔

مسلمانوں کو تباہ کرنے کی لڑائی کے تیسرے مرحلے میں یہ لوگ سرکاری ہسپتالوں پر مکمل کنٹرول حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بہت سے سرکاری ہسپتال کافی حد تک ان کے کنٹرول میں ہیں بھی۔ خاص طور پر شالامار ہسپتال، جنرل ہسپتال، شیخ زائد ہسپتال وغیرہ۔ المیہ یہ ہے کہ یہ کنٹرول نچلے لیول پر ہے۔ حکومت زیادہ سے زیادہ ایم ایس یا پرنسپل کو تبدیل کرتی ہے جس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ بعض ہسپتالوں میں علاج کے نام پر بھی لوگوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ٹارگٹ کو پہلے

بیمار یا زخمی کیا جاتا ہے اور بعد میں علاج کے نام پر پار کر دیا جاتا ہے۔ میں اس قسم کے ایک واقعے سے آگاہ ہوں جو شالامار ہسپتال میں ہوا۔ مختلف جراثیم کو حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ شالامار ہسپتال ہے۔ جہاں لاہور کے تمام ہسپتالوں سے ویسٹ (Waste) کو انسینی ریٹر میں جلانے کے لیے لایا جاتا ہے۔ جلانے سے قبل اس ویسٹ میں سے مختلف بیماریوں کے جراثیم جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے حاصل کر لیے جاتے ہیں۔ اس وقت شالامار ہسپتال کا چیف ایگزیکٹو بھی قادیانی ہے۔ یہ بات بھی مدنظر رکھیں کہ مختلف حیلے بہانوں سے امریکی ڈاکٹروں کی سب سے زیادہ آمد شالامار ہسپتال میں ہی ہے۔ کسی بھی دوسرے سرکاری یا غیر سرکاری ہسپتال میں امریکیوں یا غیر ملکیوں کی اس قدر زیادہ آمد کا کوئی سراغ دور دور تک نہیں ملتا۔ یہ ڈاکٹرز پاکستانیوں کے خلاف بائیولوجیکل لڑائی میں مدد دینے کے لیے آتے ہیں۔ پنجاب میڈیکل کالج سے قادیانی ڈاکٹروں کے اخراج کے بعد شالامار ہسپتال میں میڈیکل کالج قائم کیا جا رہا ہے، تا کہ قصاب نما قادیانی یا بظاہر مسلمان نما قادیانی ڈاکٹر وافر مقدار میں تیار کیے جا سکیں۔ اس میڈیکل کالج کا پروجیکٹ ڈائریکٹر بھی قادیانی ہے۔

یہ لوگ پاکستان کے مختلف تعلیمی اداروں پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک کوشش ایک طلبہ تنظیم کے ذریعے پنجاب یونیورسٹی پر قبضہ کرنے کی تھی جسے جمعیت نے ناکام بنا دیا تھا۔ اسی طرح سی آئی اے اور قادیانیوں کی کوشش ہے کہ پولیس ٹریننگ اسکولوں میں بھی اپنے افراد داخل کیے جائیں۔ ان کا خیال ہے کہ ملک پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے بڑے تعلیمی اور تربیتی مراکز پر کنٹرول ہونا ضروری ہے۔ اس حکمت عملی کے ذریعے بھارت نے مشرقی پاکستان کو جدا کیا تھا۔ بقیہ پاکستان پر کنٹرول کے لیے بھی یہی حکمت عملی استعمال کی جا رہی ہے۔

چونکہ میں اپنی ہی قوم اور وطن کے خلاف اس خوفناک لڑائی کا حصہ نہیں بننا چاہتا، اس لیے ان لوگوں کے خیال میں، میں انتہا پسند ہوں۔ میں نے متعدد نقصانات برداشت کیے ہیں لیکن متعدد مرتبہ آفر کے باوجود قادیانیت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ایسا کبھی نہیں کروں گا۔ اس کی پاداش

میں مجھے متعدد مرتبہ ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس مقصد کے لیے بہت بے ضرر طریقے اختیار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی سابقہ دشمنی کی آڑ میں کسی شخص کو ختم کر دیا جاتا ہے اور کبھی کسی کو حادثے میں پار کر دیا جاتا ہے۔ میں خود ان حربوں کا سامنا کر چکا ہوں اور میرا زندہ رہنا اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابھی آسمان پر موجود ہے۔ یہ لوگ میٹھے زہر کی طرح پاکستان کے رگ و پے میں اتر رہے ہیں۔ یہ پاکستان کو اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں اور یہ سوچنے کا تکلف ہرگز مت کیجیے گا کہ یہ سب کچھ نہیں ہو رہا۔ جو قوم جنگ جیتنے کے لیے جیتے جاگتے شہروں پر ایٹم بم گرا سکتی ہے، وہ پاکستان میں جنگ جیتنے کے لیے کسی حد تک بھی جا سکتی ہے۔ بارک اوباما کو تبدیلی کی علامت کہا جاتا ہے۔ میں نے ایک پاکستانی نہیں، بلکہ بین الاقوامی معاشرے کے دردمند فرد کی حیثیت انھیں خط لکھا ہے جس میں ان سے اپیل کی گئی ہے کہ بے گناہ پاکستانیوں کی بدترین نسل کشی کو روکیں۔

سر دست منظر پر آنا مقصود نہیں اس لیے نام کا دوسرا حرف مکمل نہیں لکھ رہا ہوں، لیکن اگر مجھے مارا گیا تو اس کے ذمہ دار پاکستان کے قادیانی ہوں گے، اور میری شناخت اور مزید اہم تفصیلات منظر عام پر ضرور آئیں گی۔"

یاسر ع، لاہور

☆......☆......☆

دُعا اور دوا:

تو یہ ہے جناب! ایک بے راہ اور نوجوان کی آپ بیتی۔ وہ جب نفس پرستی کی بے آب و گیاہ وادیوں میں بھٹکتے بھٹکتے تنگ آ گیا تو اس کے اندر موجود نیک فطرت نے اسے مجبور کیا کہ وہ ان لوگوں کو بے نقاب کر کے اپنی لغزشوں کا کسی حد تک کفارہ دے جو وطن عزیز کو مہلک بیماریوں اور موذی جراثیم کا تحفہ دے کر اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔

راقم الحروف نے جب یہ خط لاہور کے بعض احباب کو بھیجا تو انہوں نے تصدیق کی کہ مذکورہ جگہیں واقعی مشکوک اور تہمت زدہ معلوم ہوتی ہیں۔ اتنا قرینہ ملنے کے بعد موقع واردات کا مشاہدہ

ضروری ٹھہرا۔ خط میں جو انکشافات کیے گئے تھے، ان میں سے اکثر تحقیق کے بعد درست نکلے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بقیہ باتیں بھی جن تک ہماری رسائی نہ ہو سکی، کسی خبطی دیوانے کی بڑیا شہرت کے خواہش مند توجہ سے محروم بے روزگار نوجوان کے من گھڑت خیالات نہیں، یہ بھی درست ہی ہوں گی۔ تحقیق کی ابتدا جب ہوئی تو رمضان کا مہینہ تھا۔ متذکرہ کلینک میں عین رمضان کے دن ایک جاہل قصاب نما ڈاکٹر صاحب نشے کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ جگہ دکھی انسانوں کی علاج گاہ نہ تھی، معصوم بچوں کی قتل گاہ تھی۔ جب کسی نوجوان لڑکے یا لڑکی سے غلطی سرزد ہو جاتی تھی تو وہ اس کا نشان مٹانے اور معصوم جان کو از قبل پیدائش زندہ درگور کرنے کے لیے یہاں موجود جاہل قصابوں کی خدمات حاصل کرتا تھا۔ یہ کلینک میٹرنٹی ہوم کے نام سے قائم کیا گیا تھا۔ کلینک کیا تھا، بس ایک دکان تھی جسے اس شیطانی کام کے لیے درکار مخصوص سہولتوں سے آراستہ کر دیا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ لاہور کے ٹمپل روڈ پر "صفیہ کلینک" میں شادی سے قبل صاحب اولاد ہو جانے والے جوڑوں کے لیے پیش کیے جانے والی مخصوص خدمات یہ کلینک بھی پیش کرتا ہے۔ وہ بے راہ رو جو گناہ سے توبہ کے بجائے ایک نیا گناہ کرنے کے لیے پُرعزم ہوں ان کے لیے یہاں ہر طرح کی سہولتیں سستے داموں دستیاب ہیں۔ ہمارے احباب کلینک کے سامنے گاڑی میں یوں بیٹھے رہے کہ کلینک کے اندر کا ماحول نظر آتا رہے اور ایک ساتھی فرضی گنہگار بن کر مسکین صورت اور عاجزانہ گفتگو کے ساتھ اپنی غربت کا رونا روتے ہوئے اندر بیٹھے جاہل قصائی کے ساتھ پیسے کم کروانے کے لیے حجت کرتا رہا۔ آخری اطلاع کے مطابق اس قصاب خانے کا شٹر اکثر آدھا گرا ہوا رہتا ہے۔ مصروف کار افراد یا گروہ محتاط ہو گیا ہے اور آنے والے کو پہلوان پورہ میں رزاق اسٹور کے ساتھ واقع لیڈیز کلینک جانے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اب نہیں معلوم کہ متذکرہ دو کلینک بھی اس خفیہ مشن سے وابستہ ہیں یا اپنے طور سے بداعمالیوں کے اس گورکھ دھندے میں ملوث ہو گئے ہیں؟

صدیقی کلینک کے بعد گشت کی اگلی منزل "حسن جوس کارنر" تھا۔ اس کا نام پہلے "رحمن جوس

کارنر" تھا۔ پھر بدل کر "حسن جوس کارنر" رکھ دیا گیا۔ نام جتنے خوبصورت ہیں، پھندا اتنا ہی خطرناک ہے۔ اس میں آپ داخل ہوں تو بظاہر جوس اور اس کے لوازمات چاٹ، برگر وغیرہ دکھائی دیں گے...... لیکن درحقیقت یہ نوجوان نسل کو ناجائز تنہائیاں مہیا کرنے کا اڈہ رہا ہے۔ اس کی دوسری منزل پر تقریباً دس کیبن بنے ہوئے ہیں۔ ان کیبنوں کے نیم تاریک ماحول میں شیطانی اٹھکھیلیاں عفت وحیا کے دامن کو تار تار کرتی ہیں۔ یہاں کے بیرے مخصوص انداز سے تربیت یافتہ ہوتے ہیں اور کسی کی تنہائی میں مخل نہیں ہوتے۔ یہاں پیش کیا جانے والا جوس اور دیگر لوازمات گھٹیا ہونے کے باوجود مہنگے ہوتے ہیں کیونکہ اصل قیمت تو حرام خلوتوں کا عوض ہوتی ہے۔ آخری اطلاع کے مطابق "حسن جوس کارنر" والے بھی محتاط ہو گئے ہیں اور اب یہ دھندا "شالامار ہسپتال" کے سامنے جاہت جوس کارنر، گڑھی شاہو میں "کوئن میری کالج" سے پہلے شوروم کے ساتھ واقع جوس کارنر اور دھرم پورہ کے ایک ڈیسنٹ میں چل رہا ہے جہاں ہماری قوم کے نونہال گھروں سے تعلیم کے لیے نکلتے ہیں لیکن فلموں اور موبائلوں کی فتنہ پرور شیطانی ترغیبات سے متاثر ہو کر ان شیطانی گھروں میں تاریخیں لگوانے پہنچ جاتے ہیں۔ اس میدان میں نیرنگ کیفے، گلوریہ جینز اور ایسپریسو جیسے مغربی انداز کے جدید مراکز بھی کود پڑے ہیں اور حکمرانوں کے ناک تلے شہوت گردی کے یہ اڈے دجالی مشن کے فروغ میں مصروف ہیں۔ اب یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس طرح کے سب کے سب جوس کارنرز اور ریسٹورنٹ کسی خفیہ ہاتھ کے اشارے پر چل رہے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ بعض نادان زیادہ آمدنی کے لالچ میں مشروبات کے حلال کاروبار میں حرام تنہائیوں کی آمیزش کرتے ہوں، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ نوجوان نسل کی عفت وعصمت کا گلا یہیں گھٹتا ہے اور ان کا روشن مستقبل یہاں کی نیم تاریک فضا میں مکمل تاریک اندھیریوں میں دفن ہوتا ہے۔ انٹرنیٹ کیفے سے شروع ہونے والی ناجائز دوستیاں یہاں پروان چڑھتی ہیں اور حیا و پاکدامنی کو لیرالیرا کر کے اپنے پیچھے ایمانی جذبات سے محروم کھوکھلے جسم، حوصلہ سے عاری مفلوج دماغ اور عقابوں کے نشیمن میں اجڑی ویران زندگیاں چھوڑ جاتی ہیں۔ دہائی ہے کہ میری قوم کے محافظ

سو رہے ہیں اور ڈاکو کھلے پھر رہے ہیں۔

گمنام نوجوان کے اس خط میں ایک معاصر اخبار کے حوالے سے جن اشتہاری قلمی دوستیوں کا ذکر کیا گیا تھا ان کی تو تحقیق کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ آج ہی کا خبریں اُٹھائیں۔ اس میں کھلم کھلا بے حیائی کا فروغ اس ڈھٹائی کے ساتھ ہے کہ اشتہارات کے الفاظ میں بھی کسی شرم مروت، کسی طرح کی ڈھکائی چھپائی کا لحاظ نہیں۔ کھوج پر مامور احباب نے بتایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے دیے گئے فون کے دوسری طرف مادر پدر آزاد لوگوں کا پورا گروپ بیٹھا ہے جو انسانی نفس کی غلیظ چاہتوں کو حسب منشا پوری کرنے کے لیے ہر طرح کی حرام زدگیوں کو فروغ دے رہا ہے اور اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فون پر دوستی، پھر جوس کارنروں میں ملاقاتوں سے جو شیطانی سلسلہ شروع ہوتا ہے، پوش علاقوں میں واقع خفیہ قحبہ خانوں سے ہوتا ہوا اس کا اختتام قصاب نما ڈاکٹروں کے ہاتھوں میں کھیلنے تک آپہنچتا ہے۔ اس سارے ابلیسی نظام کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملتی ہیں جسے دشمنانِ انسانیت اپنے مقامی ہرکاروں کی مدد سے مربوط انداز میں چلا رہے ہیں اور دن دیہاڑے ہمارے معصوم بچوں کو تباہی و بربادی کے اس جہنم میں جھونک رہے ہیں۔

میں حیران ہوں میری قوم کے رکھوالے کہاں ہیں؟؟ دشمن کے چھوڑے ہوئے ضمیر فروش ایجنٹ نئی نسل کو گھن کی طرح چاٹ رہے ہیں اور پاکستان کی سلامتی کے ذمہ دار لمبی تان کر سو رہے ہیں۔ اوپر جو اشارے اور سراغ دیے گئے ہیں ان پر کام کر کے کوئی بھی محب وطن آفیسر اس سازش کے ذمہ داروں تک پہنچ سکتا ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ غیرت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ ہم آخر یہ کیوں برداشت کر رہے ہیں کہ ہمارے معصوم بچوں کو شیطانی حرکتوں کے ذریعے اپاہج اور ناکارہ بنایا جائے اور ہم آنکھیں بند کر کے لاتعلق رہیں۔ اس طرح تو دجالی تو تیں ایک دن ہماری دہلیز پر آپہنچیں گی۔ ہماری نظروں کے سامنے ہمارے گلشن کے پھول اور چمن کی کلیوں کو شیطان کے نمایندے غیر انسانی کی حرکتوں میں مبتلا کریں گے اور ہم اس فتنے میں پستے جانے کے علاوہ کچھ نہ کر سکیں گے۔

دجال کا شیطنت اور دجل کو تماشہ دیکھنے والوں کا برپا کردہ فتنہ جتنا بھی شر انگیز ہو اس کے مقابلے میں کوشش کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد اور انعام کے وعدے بھی اتنے ہی عظیم ہیں۔ ہمیں شر پسند اور فتنہ پرور دجالی قوتوں کے سامنے ہرگز ہتھیار نہیں ڈالنے چاہییں۔ آخری دم تک معرکۂ خیر و شر میں اپنا حصہ ڈالتے رہنا چاہیے۔ دعا بھی کرنی چاہیے اور دوا بھی۔ نجانے کس کی قربانی رب العزت کو پسند آجائے اور وہ اسے بھی دنیا اور آخرت میں سرخروئی اور سرفرازی سے نوازدے اور اس کی وجہ سے دوسروں کا بھی بھلا ہو جائے۔

دجالی ریاست کے قیام کے لیے فضائی تسخیر کی کوششیں

(پہلی قسط)

ایریا نمبر 51

نواڈا پچاس امریکی ریاستوں میں سے نسبتاً غیر معروف ریاست ہے۔ اس کے مغرب میں کیلی فورنیا، شمال میں اوریگان اور ایڈاہو، مشرق میں اوتاوہ اور جنوب مشرق میں ایریزونا ہے۔ اس کا رقبہ 1,10,567 مربع میل ہے۔ رقبے کے اعتبار سے یہ امریکا کی ساتویں بڑی ریاست ہے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جس نے اسے مستقبل...... شاید مستقبل قریب...... کے ایک بہت بڑے دجالی منصوبے کی تجربہ گاہ بنا دیا ہے۔ ریاست نواڈا کو انتظامی طور پر 51 مربع قطعات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان قطعات کو 1 سے لے کر 51 تک نمبر دیے گئے ہیں۔ قطعہ نمبر 51 خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں دجال کا اہم ترین منصوبہ پروان چڑھایا جاتا رہا ہے۔ ابتدا میں امریکی حکومت اس طرح کے کسی منصوبے یا غیر معمولی سرگرمی سے قطعی انکار کرتی تھی اور اس حوالے سے پیش کیے گئے شواہد کو سختی سے مسترد کر دیتی تھی...... لیکن اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا کہ اس نے ایریا 51 کو جانے والی شاہراہ کا نام ''غیر ارضی شاہراہ'' (Extraterestrial Highway) کیوں رکھا ہے؟ اس شاہراہ کا سرکاری طور پر روٹ نمبر 375 تھا۔ اس کا یہ

غیر معمولی نام رکھا جانا اپنے اندر چونکا دینے والی حیرانی لیے ہوئے تھا۔ یہاں اڑن طشتریاں اور خلائی مخلوق جیسی "غیر ارضی اشیا" مسلسل دیکھنے میں آتی رہتی تھیں۔ مقامی باشندوں اور ان کے غیر مقامی مہمانوں کی زبانوں پر ان کا تذکرہ عام تھا۔ امریکی حکومت ان تجسس آمیز اطلاعات کو دبائے رکھتی تھی۔ جب بات بہت آگے بڑھ گئی تو ریاست نواڈا کے بارے میں یہ مشہور کر دیا گیا کہ یہاں ایسی بڑی سائنسی سرگرمیاں زیرِ عمل لائی جاتی ہیں جن کا تعلق فیڈرل گورنمنٹ کی ایٹمی ریسرچ سے ہے۔ امریکی عوام اس سے مطمئن ہو جاتے...... بہت جلد مطمئن ہو جاتے...... اس لیے کہ انہیں فری میسن برادری نے ایسی بہت سی "ٹائم پاس" اور "مفید" سرگرمیوں میں مبتلا کر رکھا ہے جن سے ان کے پاس وقت نہیں بچتا۔ رہی سہی کسر یہودی بینکوں کی طرف سے امریکی عوام کو دیے گئے قرضوں اور یہ قرضے اُتارنے کے لیے کی جانے والی دُگنی تگنی نوکریوں نے پوری کر دی ہے۔ لہٰذا دنیا کی سب سے زیادہ تعلیم یافتہ سمجھی جانے والی امریکی قوم جلد ہی ان طفل تسلیوں سے مطمئن ہو جاتی اور ایریا 51 کو کہیں اور منتقل نہ کرنا پڑتا اگر کیلی جانسن جیسے مایہ ناز ہواباز کا واقعہ پیش نہ آتا۔

کیلی جانسن غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے والا ایک ائیر کرافٹ ڈیزائنر تھا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے پہلا سپر سانک طیارہ "یوٹو" (U-2) ڈیزائن کیا تھا۔ اسے کسی ایسے وسیع علاقے کی ضرورت تھی جہاں اس طیارے کی آزمائشی پرواز عمل میں لائی جائے۔ قدرتی طور پر اس کی نظر قطعہ نمبر 51 پر پڑی۔ اس نے "ٹونی لی واٹر" سے رجوع کیا۔ وہ شہری ہوابازی میں اس کا دوست تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا وہ خطہ نمبر 51 کا بانی تھا۔ وہاں کے منصوبے اس کے علم میں تھے۔ ٹونی نے پرانی دوستی کی لاج رکھتے ہوئے امریکی حکومت سے اس آزمائشی پرواز کی اجازت طلب کی۔ اس نے اپنے دوست کو بتایا کہ اس ریاست میں 30، 40 میل تک پرواز کی سہولتیں موجود ہیں۔ میں اس کا انتظام کروں گا اگر مرکز سے اس کی اجازت مل جائے۔ کیلی کو معلوم نہ تھا کہ اس جگہ "مرکز" اس کے بنائے گئے جدید ترین طیارے سے بھی زیادہ تیز رفتار سواری کا تجربہ کرتا رہا ہے۔ بہر حال

انہیں مرکز سے اجازت مل گئی۔ یو ٹو کی آزمائشی پرواز کامیاب رہی۔ بعدازاں اس طیارے نے سوویت یونین کے علاقے میں 26 ہزار فٹ کی بلندی پر رہتے ہوئے اور سوویت راڈاروں سے بچتے ہوئے کامیاب جاسوسی پروازیں کیں۔ ایٹمی تنصیبات کی تصاویر حاصل کیں اور امریکی حکام کے لیے یہ اجازت کافی سودمند ثابت ہوئی۔

U-2 کے بعد ایریا 51 میں دوسرا پروجیکٹ B-2 بمبار اسٹیلتھ طیارے کا تھا۔ اس کا منفرد ڈھانچہ اور رفتار موجودہ زمانے سے کئی عشرے آگے تھا۔ لوگوں کو ایسی ایڈوانس ٹیکنالوجی کی ابھی توقع اور کوئی اندازہ نہیں تھا۔ انہوں نے بی-2 اور اس طرح کے دوسرے ترقی یافتہ طیارے دیکھے تو انہیں UFO (Unidentified Flying Objects) یعنی اُڑن طشتریاں سمجھ لیا۔ 1988ء میں امریکی حکام نے سرکاری طور پر بی 12 اسٹیلتھ بمبار اور ایف 117 اسٹیلتھ فائٹر کے بارے میں عوام کو مطلع کیا۔ لوگوں نے ان کی بے پناہ تباہ کاری کا مشاہدہ فروری 1988ء میں کیا جبکہ خلیج کی جنگ نے ان کی موجودگی اور حقیقت ثابت کردی۔ B-2 کے بعد ایریا 51 میں جاری موجودہ پروجیکٹ کا نام AURORA ہے۔ یہ ایک ایسا طیارہ ہوگا جو آواز کی رفتار سے چھ گنا تیز پرواز کرتے ہوئے انتہائی ٹھیک نشانے پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ امریکی حکومت فی الوقت اس کی موجودگی سے انکار کر رہی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی زمانے میں B-2 اور F-117 کے لیے کیا گیا تھا...... لیکن کیا اس خفیہ علاقے میں صرف یہی تیز رفتار سواریاں تیار ہو رہی ہیں؟ کیا U-2 اور B-2 کی آزمائشی پروازوں کے تذکرے سے وہ بات سمجھ میں آسکتی ہے جس کا تعلق دنیا کے سب سے وہمی اور بزدل شخص "دجال اعظم" کے ظہور اور استقبال کے لیے کی جانے والی خفیہ ترین اور...... بظاہر...... عظیم ترین تیاری سے ہے؟ اگر آپ کے ذہن میں اس کا جواب نفی میں ہے تو آپ بندہ کو اپنا ہم خیال پائیں گے؟ اصل کہانی اس سے آگے کی ہے اور یہ کہانی ہمیں مشہور غیر صیہونی امریکی سائنس دان "ڈاکٹر موریس جیسوپ" کے افسوس ناک قتل سے آگے بڑھتی ہوئی ملتی ہے۔ اس کو جس بہیمانہ انداز میں ایک علمی تحقیق پر تبادلہ خیال سے روکنے کے لیے قتل کیا گیا وہ ہمیں

امریکا پر مسلط نادیدہ ہاتھوں کے جبری تسلط کی کہانی سناتا ہے۔ امریکی قوم نے جو مجسمہ آزادی نصب کر رکھا ہے اس میں جلنے والی شمع جس طرح ٹھنڈی ہے، اسی طرح امریکی قوم کی آزادی بھی ادھوری ہے۔ اس باخبر اور دنیا کی مہذب اور تعلیم یافتہ ترین سمجھی جانے والی قوم کو جس کا ہر بچہ اپ ڈیٹ رہنے کا دعویٰ کرتا ہے، کون بتائے کہ دجال کے نمائندوں کے نادیدہ دماغ ان کو اپنی مرضی سے مخصوص سمت چلا رہے ہیں؟ ڈاکٹر موریس جیسوپ کا اندوہناک قتل جس کہانی سے پردہ اٹھاتا ہے اس کا پس منظر سمجھنے کے لیے "پروجیکٹ پیپر کلپ" کے منصوبے کو سمجھنا ضروری ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکی اور برطانوی انٹیلی جنس ایجنسیاں ایک خاص مشن پر کام کر رہی تھیں۔ ان کو یہ ٹاسک دیا گیا تھا کہ وہ اعلیٰ پائے کے نازی سائنس دانوں، انجینئروں، جینیاتی انجینئروں اور "ذہنوں پر قابو پانے والے ماہرین" (ہپناٹزم، مسمریزم، ٹیلی پیتھی وغیرہ سے شغف رکھنے والے) کو جرمنی سے بحفاظت وصول کر کے امریکا کھینچ لے جائیں۔ اس منصوبے کے لیے 2,000,000,000 امریکی ڈالرز کی لاگت سے امریکی حکومت (یا اس کے پیچھے کارفرما خفیہ صہیونی دماغ) نے ایک پروجیکٹ شروع کیا جس کا کوڈ نام "پروجیکٹ پیپر کلپ" تھا۔ اس پروجیکٹ کی مدت چار سال رکھی گئی تھی۔ اس کے ذریعے قلیل مدت میں وہ ذہین اور تجربہ کار ترین افرادی قوت حاصل کر لی گئی جس کے لیے عام حالات میں نصف صدی کا عرصہ درکار ہوتا۔ اس مہم جوئی کے لیے امریکا نے اپنی خفیہ ایجنسیاں اور وسائل بے دریغ جھونک مارے۔ اس کے نتیجے میں جو سائنس دان امریکا پہنچے ان کو امریکی اور برطانوی سائنس دانوں نے اپنی "مہمان نگرانی" میں لے لیا۔ ان نقل مکانی کرنے والے سائنس دانوں نے امریکا کو پوری دنیا میں قائدانہ کردار مہیا کیا، لیکن افسوس کہ یہ علم و تحقیق اور ایجاد و اکتشاف نہ ان سائنس دانوں کے کام آئی اور نہ انسانیت کے۔ ان سائنس دانوں میں سے منتخب اور غیر معمولی ذہن رکھنے والے عبقری الصفت (جینئس) افراد امریکا سے اغوا ہو کر کسی اور "مقام" میں پہنچا دیے گئے اور ان کی ایجادات نے انسانیت کے سب سے بڑے دشمن "دجال اعظم" کے لیے میدان ہموار کیا۔ دجال تو ہم پرستی

کی آخری حد تک محتاط، بزدل اور وسواسی قسم کی مخلوق ہے۔ وہ اپنے ظہور سے پہلے دو چیزوں کی یقین دہانی حاصل کرنا چاہتا ہے:

(1) صفائی: یعنی مخالفین اور رکاوٹوں کا خاتمہ۔ مخالفین میں سرفہرست علماء اور مجاہدین ہیں اور رکاوٹوں میں اصل رکاوٹ نیکی اور تقویٰ ہے۔ دجال کو سازگار ماحول کے لیے بدی اور فحاشی درکار ہے اور دجالی قوتوں کو وہ لوگ ایک آنکھ نہیں بھاتے جو کسی بھی شکل میں خیر (یعنی اتباعِ سنت) کی دعوت اور شر کے خلاف مزاحمت یعنی قتال فی سبیل اللہ کی بات کریں۔

(2) برتری: یعنی ان تمام وسائل کا حصول جو اسے "مخالف دجال" قوتوں پر مکمل برتری دلا سکیں۔ ان وسائل میں سے ایک اہم چیز "اڑن طشتری" ہے۔ جی ہاں! وہی اڑن طشتری جو امریکا کے ارد گرد اکثر و بیشتر نظر آتی رہتی ہے اور اس کی حقیقت چھپانے کے لیے امریکا میں موجود خفیہ قوتوں کی جانب سے یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ ان طشتریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی گواہی دینے والے وہمی (Fantasy Prone) ہیں۔ اگر یہ سب وہمی ہوتے اور ان کھٹولوں میں سوار مخصوص حلیے والے لوگ کسی اور سیارے کی مخلوق ہوتے تو ڈاکٹر مائیکل جیسوپ کو موت کی نیند نہ سلایا جاتا جو ان اڑن بھرتی سواریوں کی حقیقت جاننے کے لیے تحقیق کر رہے تھے اور سراغ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ (جاری ہے)

گلوبل ویلج کا پریذیڈنٹ

(ایریا 51 کی دوسری قسط)

"20th سنچری فاکس" ایک امریکی فلم ساز ادارہ ہے۔ فاکس ٹیلی ویژن بھی اس ادارے کی ملکیت ہے۔ فاکس ٹیلی ویژن، ایکس فائلز کا پروڈیوسر بھی ہے۔ اس ادارے نے 1996ء میں "انڈیپنڈنس ڈے" (Independence Day) نامی فلم بنائی۔ اس فلم نے باکس آفس پر کامیابی کے بڑے بڑے ریکارڈ توڑ ڈالے۔ اسے دنیا کی ساتویں کامیاب ترین فلم قرار دیا گیا۔ کیوں؟ فاکس کا مالک رابرٹ مردوگ ایک فری میسن ہے۔ اس فلم میں اس نے خلائی مخلوق کی زمین پر حملہ آوری کی فکشن (داستان) کو فلمایا ہے۔ فلم میں ایک فوجی اڈا "ایریا 51" کے نام سے دکھایا گیا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جو انسان کے مستقبل کے تحفظ میں مرکزی کردار ادا کرے گا۔ اس طرح کی فرضی داستان امریکا جیسی حقیقت پسند قوم کو اتنی پسند کیوں آگئی؟ اس فلم کے ذریعے درحقیقت ہماری دنیا کے باسیوں کے ذہن ہموار کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس فلم میں کچھ تحت الشعوری پیغامات دیے گئے تھے۔ ان پیغامات نے ناظرین کو لاشعوری طور پر اتنا متاثر کیا کہ وہ بار بار اس فلم کو دیکھنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ پیغام کیا تھا؟ ہماری دنیا کا مستقبل صرف اس صورت میں محفوظ ہے جب اس کا ایک ایسا لیڈر ہو جو پوری دنیا کا متفقہ لیڈر ہو۔ یہ وہ قائد ہوگا جو دنیا کو درپیش خطرات سے تحفظ دے سکے گا۔ یہ ہماری دنیا کا نگہبان اور نجات دہندہ ہوگا۔ اس کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دنیا میں ایک ہی کرنسی اور ایک ہی فوج ہو۔ اور یہ (مالی و عسکری) طاقت ایک گلوبل لیڈر کے ہاتھ میں ہو۔ یہ گلوبل لیڈر وہی ہے جس کے انتظار میں ایک امریکی ریاست کا اصل نام "اس

خدا کا شہر جس کا انتظار کیا جارہا ہے" رکھا گیا ہے۔ اس ریاست کا نام ہم آگے چل کر بتائیں گے۔ "برادری" کو دراصل گلوبل یونین، گلوبل عدلیہ، گلوبل کرنسی اور گلوبل فوج کی ضرورت ہے۔ اقوام متحدہ، عالمی عدالت انصاف، کریڈٹ کارڈز (اور تھوڑا آگے چل کر کارڈ کرنسی یا الیکٹرونک منی) اور امن فوج "برادری" کی اس ضرورت کی تکمیل کی ابتدائی شکلیں ہیں۔ 25 مارچ 1957ء کو اس خاکے میں ذرا وضاحت سے رنگ بھرا گیا جب "یوروپین اکنامک کمیونٹی" وجود میں آئی اور "نیو ورلڈ آرڈر کے لیے ایک تجربہ گاہ" قرار پائی۔ "یورو کرنسی"، "یورو کپ" اور اسی طرح کے دوسرے تجربے فری میسنری کو "گلوبل کنٹرول" حاصل کرنے میں مدد دے رہے ہیں۔ دنیا پر تسلط کی بے تاب خواہش نے انہیں شیطانی سمندر کی شیطانی تکون میں مقید یک چشم لیڈر کے لیے سراپا انتظار بنایا ہوا ہے۔ وہ اس کا انتظار بھی کر رہے ہیں اور گلوبل حکومت کے اس گلوبل پریذیڈنٹ کے لیے راستہ بھی ہموار کر رہے ہیں اور اس کا ایک بڑا ذریعہ ہالی ووڈ کی فلمیں ہیں۔ مذکورہ بالا فلم میں خلائی مخلوق اور اس کی مخصوص سواری دکھائی گئی ہے۔ یہ سواری اور اس کے سوار آج کے کالم کا موضوع بھی ہیں اور پچھلے کالم میں کہی گئی بات آگے بڑھانے کا رابطہ اور ذریعہ بھی۔ آگے بڑھنے سے پہلے ہم فرضی خلائی مخلوق کی اس حقیقی سواری کا تعارف لیتے چلتے ہیں:

اُڑن طشتریاں کیا ہیں؟

اُڑن طشتریوں کو یو ایف او (U.F.O) یا Unidentified Flying Objects یعنی "ناقابل شناخت اڑنے والی چیزیں" کہا جاتا ہے۔ یہ گول شکل کی کسی طشتری کی مانند ہوتی ہے۔ اس کی رفتار انتہائی تیز ہوتی ہے۔ اتنی تیز کہ یہ دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو جاتی ہیں۔ اُڑن طشتری المونیم اور پلاسٹک یا اس جیسی کسی جدید قسم کی دھات سے بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اغوا کیے گئے لوگوں کے مطابق اس کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ اس میں بیٹھنے کے بعد یوں لگتا ہے جیسے زمین لپٹتی جارہی ہو۔ یہ حجم میں چھوٹی اور بڑی ہونے کی عجیب و غریب اور

سمجھ میں نہ آنے والی صلاحیت رکھتی ہے۔ یعنی ایک ہی اُڑن طشتری بیک وقت اپنا جسم بالکل چھوٹا اور اتنا بڑا کر سکتی ہے کہ اپنی آنکھوں پر شک ہونے لگے اور دیکھنے والے بے ہوش ہو جائیں۔ یہ خود بھی جب چاہے انسانی نظروں سے غائب ہو جاتی ہے نیز دوسری کسی بھی چیز کو لوگوں کی نظروں سے غائب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ فضا میں ایک ہی جگہ دیر تک کھڑی رہ سکتی ہے۔

اُڑن طشتریوں میں کون سی ٹیکنالوجی استعمال ہوتی ہے؟

اُڑن طشتری میں بنیادی طور پر دو قسم کی ٹیکنالوجی استعمال ہوتی ہے: ایک قوت کشش، دوسری لیزر شعاعیں۔ قوت کشش کی بنا پر یہ چیزوں اور افراد کو اپنی طرف دور سے ہی کھینچ سکتی ہے۔ لیزر شعاعوں کے ذریعے دنیا کے جدید ترین طیاروں کو بآسانی تباہ کر سکتی ہے۔ سمندر میں اُتر کر کسی آبدوز سے بھی زیادہ رفتار کے ساتھ پانی کے اندر سفر کر لیتی ہے۔ دنیا کے بجلی کے نظام اور مواصلاتی نظام کو جام کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔..... برمودا کے باسیوں نے غیر معمولی توانائی کی حامل ان مقناطیسی شعاعوں پر قابو پالیا ہے جو دنیا میں موجود توانائی کے حصول کے تمام ذرائع سے کئی گنا زیادہ قوت رکھتی ہیں۔ اس کی بنا پر وہ اُڑن طشتریوں میں بیٹھ کر ہماری دنیا سے اس طرح خفیہ مخول کر کے لطف لیتے ہیں جیسے کوئی شہری بابو کسی دیہات میں جا نکلے اور اپنے پاس موجود موبائل اور کمپیوٹر کے کرتب دکھا کر دیہاتیوں سے مزہ لے۔

اُڑن طشتریاں کہاں سے آتی ہیں؟

اگرچہ عام طور پر یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ یہ نامعلوم مقام سے آتی ہیں۔ ان پر اجنبی مخلوق سوار ہوتی ہے۔ ان کا راز کسی کو معلوم نہیں۔ ان کے بارے میں طرح طرح کی افسانوی داستانیں خوفناک قصے، ناقابل یقین واقعات..... سب کچھ اس طرح گڈمڈ کر کے بیان کیا جاتا ہے کہ انسان اُلجھ کر رہ جاتا ہے۔ غیر جانبدار امریکی محققین کا کہنا ہے کہ یہ برمودا تکون

سے آتی ہیں۔ متعدد مشاہدات اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُڑن طشتریاں اسی تکون سے نکلتی اور شعبدے دکھا کر اسی میں واپس گھس جاتی ہیں۔ ایک اڑن طشتریوں پر کیا موقوف، برمودا تکون میں اور بھی بہت سے غیر معمولی واقعات وحادثات ہوتے رہتے ہیں لیکن ان سے متعلق رپورٹوں پر بڑی سخت پابندی عائد کردی گئی ہے۔ نہ انہیں مشتہر کیا جاتا ہے اور نہ کسی کو اُن پر تحقیق کی اجازت دی جاتی ہے۔ ان واقعات میں فضائی اور بحری جہازوں کے غائب ہونے کے علاوہ اُڑن طشتریوں کا آسمان میں دیکھا جانا، برمودا کے سمندر میں داخل ہونا اور سمندر میں پانی کے اندر ہزاروں فٹ نیچے ان کا دیکھا جانا شامل ہے۔ 1963ء میں پیوٹوریکو کے مشرقی ساحل پر امریکی بحریہ نے اپنی مشقوں کے دوران ایک اڑن طشتری دیکھی تھی جس کی رفتار دو سو ناٹ تھی اور وہ سمندر کے نیچے ستائیس ہزار فٹ گہرائی میں سفر کر رہی تھی لیکن اس رپورٹ کو بھی سختی سے دبا دیا گیا تھا اور ڈسپلن کے پابند فوجیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس موضوع پر بات بھی نہ کریں۔

اُڑن طشتریوں کے بارے میں کٹر عیسائی حضرات کا نظریہ:

امریکا اور یورپ کو روشن خیال تہذیب کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے۔ روشن خیالی کے معنی کی تشریح سے قطع نظر یہاں کے عوام عقل اور سائنس نیز ہر چیز کی مادی تشریح اور طبیعاتی توجیہ پر اتنا زیادہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ کسی ماورائی چیز کا سرے سے انکار کرنے کو عقل پرستی کی معراج اور ایسی چیزوں کے قائل لوگوں کو رجعت پسند اور بنیاد پرست قرار دیتے ہیں لیکن اس سب کچھ کے باوجود "اُڑن طشتریوں" کے نمودار ہونے اور عقل وٹیکنالوجی کی گرفت میں نہ آنے پر ان حضرات کا تبصرہ کیا تھا؟ آیئے ملاحظہ کیجیے۔

ایک رومن کیتھولک پادری فادر فریکیڈ جو اُڑن طشتریوں کے بارے میں سند سمجھے جاتے ہیں، کہتے ہیں: "یہ سب شیطانی چرمہ ہے۔ چرچ اور ہمارے اجداد جن کو شیطان کہتے ہیں وہ اب اُڑن طشتریوں کے ہوا باز کہلاتے ہیں۔ اُڑن طشتریوں کے شاہدین ان کی پرواز کے وقت اکثر

سلفر کی بو محسوس کرتے ہیں۔ یہ شیطان کو مارے جانے والے گندھک کے پتھروں کی بو ہے۔''

فادر فریکیڈو کے کچھ اور بھی نظریات ہیں۔ ان کا کہنا ہے: ''جب سے یہ اڑن طشتریاں کیریبین سمندر پر ظاہر ہوئیں تب سے مقامی طور پر معجزات کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ مثلاً: گرجا گھر کے مجسمے رونے لگتے، یا ان کے منہ سے خون بہنے لگتا، تصویریں روشن ہو جاتیں، چرچ کے ٹاور سے روشنی کی کرنیں نکلنے لگتیں، انفرادی طور پر دائمی مریض صحت مند ہو جاتے۔'' یہ ہے عیسائی حضرات کے مذہبی رہنماؤں کی وہ رہنمائی جس سے معاملہ سلجھنے کے بجائے اور اُلجھ جاتا ہے۔

اڑن طشتریوں کے بارے میں امریکی حکام کا تبصرہ:

امریکی حکام کا تبصرہ تو انتہائی معنی خیز اور دلچسپ تھا۔ انہوں نے ہمہ وقت متجسس اور باخبر رہنے کی شائق امریکی قوم کے سامنے جوابدہ ہونے کے باوجود وقتاً فوقتاً متضاد موقف اختیار کیے۔ معاملے کو اُلجھانے کی ان کوششوں نے ہی غیر صہیونی امریکیوں کو چوکنا کر دیا اور انہوں نے جان کی پروا نہ کرتے ہوئے اس حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جس کے اردگرد اسرار و تجسس کا حصار اور موت کا پہرہ لگایا گیا تھا۔

پہلے پہل تو ان کے وجود کا ہی انکار کر دیا گیا اور ''ماہرین'' سے یہ کہلوایا گیا کہ ایسی کوئی چیز دنیا میں پائی ہی نہیں جاتی۔ اسے دیکھنے والوں کا وہم اور فرضی تخیل قرار دے کر رد کر دیا گیا۔ یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ اڑن طشتریاں دیکھنے والے وہمی (Fantasty Prone) ہیں..... لیکن اس نامعقول اور غیر قابلِ قبول چیز دیکھنے والوں کی تعداد رفتہ رفتہ اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ ان سب کے مشاہدے کو وہم، جھوٹ یا تخیل کی کارستانی قرار دے کر رد کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ نہ ہی اس کو محض نظروں کا دھوکا قرار دے کر دیکھنے والے کا مذاق اڑا کر بات کو دبایا جا سکتا تھا، کیونکہ 1947ء سے 1969ء تک اڑن طشتریاں دیکھے جانے کی جو شہادتیں اور واقعات سامنے آئے تھے وہ 12,618 تھے۔

اس کے بعد یہ مشہور کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہ خلائی مخلوق کی سواری ہے۔ کسی اور سیارے کی

رہنے والی مخلوق ان میں سوار ہو کر گھومتی گھامتی ہماری دنیا میں آنکلتی ہے۔ اس نظریے کو تقویت دینے کے لیے ذہنی رخ تبدیل کرنے کی مخصوص تکنیک استعمال کرتے ہوئے ان طشتریوں میں سوار مخلوق کو پردیسی یا اجنبی (Aleins) کا نام دیا گیا۔ ان کا حلیہ بھی ایسا مشہور کیا گیا جس سے وہ کسی اور دنیا کے باشندے لگیں جو بھٹک کر غموں اور دکھوں سے بھری ہماری اس دنیا میں تفریح اور مہم جوئی کے لیے آنکلتے ہیں۔ کیا وہ پردیسی تھے؟ اگر ایسا تھا تو امریکی حکام اور سائنس دانوں کے لیے اس سے زیادہ دلچسپ اور انکشافاتی موضوع اور کیا ہو سکتا تھا؟ انہیں تو اپنے پورے وسائل اس مخلوق کی حقیقت جاننے کے لیے جھونک دینے چاہییں تھے...... لیکن...... انہوں نے نہ صرف یہ کہ خود اس پر سنجیدہ یا غیر سنجیدہ تحقیق کی کوشش نہیں کی، بلکہ کسی کو اس پر تحقیق کی اجازت بھی نہیں دی اور مختلف ہتھکنڈوں سے ایسی کسی بھی کوشش کو ناکام بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کون سی نادیدہ طاقت تھی جس نے ان کے بارے میں تحقیق کرنے والوں کو ڈرایا دھمکایا۔ وہ کون سی خفیہ طاقت تھی جس نے حقیقت تک پہنچ جانے والے سائنس دانوں کو محض اس لیے موت کی نیند سلا دیا کہ ''ان کے نظریات بہت ایڈوانسڈ تھے اور کچھ ''لوگوں'' کو ان نظریات کا عوام کے سامنے آنا پسند نہیں تھا۔'' امریکی نظام پر اثر انداز وہ کون سی قوتیں تھیں جنہوں نے بحری جہازوں پر پابندی لگائی کہ لاگ بک (جہاز پر موجود یادداشت) میں سے ساحل پر پہنچتے ہی وہ تمام واقعات نکال دیے جائیں گے جن کا تعلق برمودا تکون یا اڑن طشتریوں سے ہوگا۔

اس سے زیادہ سنگین بات یہ ہوئی کہ اڑن طشتری کے سواروں کے ہاتھوں انسانوں کے اغوا کے واقعات بھی ہوئے۔ اب تو پوری حکومتی مشینری کو حرکت میں آجانا چاہیے تھا۔ ایک امریکی باشندہ...... عام باشندہ نہیں بلکہ ایک امریکی شہری جو کسی نہ کسی شعبے میں مثالی مہارت کا بھی حامل تھا...... اور وہ امریکا کی سرزمین سے اغوا ہو گیا، امریکی نفسیات کے مطابق اس کو ہرگز برداشت نہ کیا جانا چاہیے تھا...... مگر حیرت انگیز طور پر اس حوالے سے بھی کوئی پیش رفت نہ ہوئی۔ اغوا کا غیر

انسانی فعل دن دہاڑے وقوع پذیر ہوا اور اس کو غیر انسانی مخلوق کا کارنامہ قرار دے کر جانے دیا گیا، جبکہ اس گندے کام کے لیے کسی غیر انسانی مخلوق کی ضرورت نہ تھی۔ ہماری انسانی برادری میں یہ غیر انسانی کام کرنے والے بہت سے "برادرز" موجود ہیں۔ پیشہ ورانہ مہارت رکھنے والے یہ لوگ اغوا ہو کر کہاں گئے؟ اس کا ہم آخر میں ذکر کریں گے۔ پہلے ان باہمت لوگوں کا تذکرہ ہو جائے جو امریکی قوم کو دھوکہ دینے کی اس سرکاری سازش کا حال جاننے کی کوشش میں جان سے گزر گئے۔ (جاری ہے)

شیطانی کھٹولوں کا راز جاننے والوں کی سرگزشت

(ایریا 51 کی تیسری قسط)

ڈاکٹر موریس جیسوب امریکی ریاست کے علاقے ''روک ول'' (Rockville) کے قریب پیدا ہوا۔ وہ ابتدا سے فلکیات میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے 1925ء میں مشی گن یونیورسٹی سے فلکیات میں ''بی ایس'' کی ڈگری حاصل کی۔ 1926ء میں ایک رصدگاہ میں کام کے دوران ''ایم ایس'' کی ڈگری حاصل کی۔ 1931ء میں اس نے اپنی ''پی ایچ ڈی'' کا مقالہ مکمل کرلیا تھا لیکن وہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل نہ کر سکا تاہم اسے پھر بھی بسا اوقات ''ڈاکٹر جیسوب'' کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسوب کو 1950ء کی دہائی میں UFOs (فضا میں پائے جانے والے غیر شناخت شدہ مبہم اجسام) کے متعلق سب سے عمدہ مفروضے پیش کرنے والا شخص قرار دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے فلکیات اور زمینی آثار قدیمہ دونوں کے متعلق تعلیم حاصل کی اور اسے دونوں میدانوں میں عملی کام کا تجربہ بھی حاصل تھا۔ جیسوب نے 1955ء میں اپنی ایک کتاب کے ذریعے شہرت حاصل کی، جس میں اس نے UFO کے متعلق بحث کی اور اس بات پر زور دیا کہ یہ معاملہ اس لائق ہے کہ اس پر مزید تحقیق کی جائے۔ اس کا خیال ہے کہ UFOs کسی ٹھوس اور مبہم قسم کی دھات سے بنے ہوئے اجسام تھے جو تحقیقی مشن پر بھیجے گئے تھے۔

مزید برآں ''جیسوب'' نے ان کا تعلق قبل از تاریخ کی سائنس سے بھی جوڑا ہے۔ ''جیسوب'' نے 1956ء میں مزید دو کتابیں (UFOs and Bible) اور (The UFO Annual) اور 1957ء میں (Expandiry ase for UFO) لکھیں۔ UFO کے

بارے میں جیسوپ نے ان وسائل کے بارے میں بھی تھیوری پیش کی جو UFOs کی اڑن طشتریوں کو اڑانے میں ممکنہ طور پر زیر استعمال ہو سکتے ہیں۔ اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ ایندھن یا تو کوئی مخالف کشش ثقل مادہ ہے یا پھر برقی مقناطیس قسم کی کوئی چیز ہے۔ اس نے اپنی کتاب اور اسفار میں بار بار اس پر افسوس کا اظہار کیا لیکن انہیں توجہ نہ دی گئی ورنہ اگر انہیں اتنی توجہ دے دی جاتی جتنی راکٹ داغنے کے عمل کو دی جاتی ہے تو بھی کافی فائدہ ہوتا۔ جنوری 1955ء کو جیسوپ کے خلاف "برادری" کی سازشوں کا آغاز ہو گیا۔ "کارلس میگویکل ایلینڈ" نامی شخص کی جانب سے خط موصول ہوا جس میں لکھنے والے نے بتایا کہ اس نے ذاتی طور پر بھی ایسے جہازوں کا مشاہدہ کیا ہے جو ظاہر ہوئے پھر اچانک غائب ہو گئے۔ اس نے اپنے علاوہ کچھ اور لوگوں کے نام بھی بتائے تھے۔ ان میں ایسے افراد بھی شامل تھے جو اس واقعہ کے بعد ناگہانی موت مر گئے۔ جیسوپ نے ایلینڈ کو جوابی خط لکھا اور اس واقعہ سے متعلق مزید معلومات اور تصدیقات طلب کیں جس کا جواب مہینوں بعد آیا جس میں اس شخص (ایلینڈ) نے مزید معلومات فراہم کرنے سے معذرت کر لی تھی۔ اس دوسرے خط میں اس نے اپنے آپ کو "کارل ایلین" لکھا تھا۔ جیسوپ نے اس سے مزید رابطہ نہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

1957ء کی بہار کے موسم میں جیسوپ سے ONR کی جانب سے رابطہ کیا گیا اور اس سے اس پارسل کے مندرجات کا مطالعہ کرنے کا مطالبہ کیا گیا کہ جو انہیں موصول ہوا تھا۔ جیسوپ نے جب اسے دیکھا تو وہ حیران رہ گیا کہ یہ اس کی کتاب کا ایک غیر مجلد نسخہ تھا، جس پر طویل و عریض حاشیہ لکھا تھا۔ حاشیہ نگاری میں تین مختلف روشنائیاں استعمال کی گئی تھیں۔ کتاب جس لفافے میں بند تھی، اس پر Happy Easter لکھا تھا۔ ان طویل و عریض حاشیوں میں تین افراد کے درمیان رابطوں کا ذکر تھا جس میں سے صرف ایک کا نام "جیمی" مذکور تھا۔ باقی دو کو ان لوگوں نے Mr. A اور Mr. B کا نام دیا۔ یہ تینوں افراد ایک دوسرے سے خانہ بدوشوں کے حوالے سے گفتگو کر رہے ہیں اور خلا میں رہنے والے مختلف لوگوں کے

بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔ حاشیہ کی تحریر میں انگریزی کی لکھائی کے قواعد اور علامات ترقیم کا غلط استعمال کیا گیا تھا۔ ان میں جیسوپ کے بیان کردہ احتمالات پر بڑی مفصل بحث کی گئی تھی۔ مثلاً: ایک حوالے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا: ''اس کے پاس کوئی معلومات نہیں، محض قیاس آرائی کرتا ہے۔'' لکھائی اور مواد کی بنیاد پر کہا گیا کہ دراصل یہ ایک ہی شخص کا لکھا ہوا حاشیہ ہے اور یہ وہی شخص ہے جس نے جیسوپ کو خط لکھا تھا۔ اس نے تین روشنائیاں استعمال کی تھیں۔ کچھ عرصہ بعد ONR نے جیسوپ کو بتایا کہ جیسوپ کو ملنے والے خط کا واپسی پتا دراصل ایک متروکہ فارم ہاؤس ہے۔ جیسوپ نے کہا کہ وہ UFOs کے متعلق اب ایک جاندار تحریر لکھے گا...... لیکن یہ تحریر لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ یہ راز ڈاکٹر جیسوپ کے ساتھ ہی اس کی کار میں دفن ہو گیا۔

بات یہ تھی کہ ڈاکٹر موریس جیسوپ اختراعی ذہن رکھنے والے ذہین سائنس دان تھے۔ وہ روایتی نظریات کو اتنی جلدی قبول کرنے کے عادی نہ تھے جتنا جلد امریکی صہیونی سائنس دان امریکی قوم سے تسلیم کروا لیتے ہیں۔ انہوں نے جب اُڑن طشتریوں کے بارے میں افواہیں سنیں تو ان کے لیے چونکا دینے والی چیز محض یہ نہ تھی کہ ان کے چیٹی بند سائنس دان بھائی اس جدید ترین دور میں اس عجیب ترین چیز کو کسی اور سیارے کی مخلوق سمجھ کر آسانی سے نظر انداز کر رہے ہیں...... ان کے لیے اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ بال کی کھال اُتارنے والا امریکی میڈیا بھی اس طرح کی خبروں سے قطع نظر کرنے یا کوئی اور رُخ دینے میں ضرورت سے زیادہ چابکدستی دکھا رہا ہے۔ ان سے یہ چیز ہضم نہ ہوئی اور انہوں نے ان ''اُڑن کھٹولوں'' کا راز معلوم کرنے کی ٹھانی۔ ایک طرف تو سائنسی انکشافات کی وہ بھرمار کہ انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں اور دوسری طرف افریقا کے جنگلوں یا کوہ قاف کے پہاڑوں پر نہیں، امریکا کے اردگرد کے ''سمندروں'' اور ''ساحلوں'' پر اُڑن طشتریوں کا بار بار نمودار ہونا اور ان میں سوار مخلوق کو خلائی مخلوق اور ان کی سواری کو افسانوی کہانی سمجھ کر نظر انداز کرنا ان سے ہضم نہ ہوتا تھا۔ ڈاکٹر جیسوپ نے اپنے طور پر

تحقیق شروع کر دی۔

یہ اپریل 1959ء کا ایک خوشگوار دن تھا۔ ڈاکٹر جیسوب کئی مہینوں کی مسلسل تحقیق و جستجو کے بعد ''اڑن کھٹولوں'' کے بارے میں ایک حد تک ذہن بنا چکے تھے۔ ایک طرف تو ان انکشافات نے تعجب میں ڈال رکھا تھا جو اس دوران ان کے سامنے ہوئے، دوسری طرف وہ ان نادیدہ قوتوں سے پریشان تھے جنہوں نے آج تک اس پر پردہ ڈالے رکھا اور اب وہ ان کی نگرانی کر رہی تھیں۔ ان کو محسوس ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ ان پر مسلسل نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ان کا دل چاہا کہ وہ یہ تمام باتیں اپنے کسی ہم خیال کے سامنے بیان کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر لیں اور تحقیق کو بھی آگے بڑھائیں۔ ان کی نظر انتخاب ''ڈاکٹر مینسن ویلنٹائن'' پر پڑی۔ وہ بحری جغرافیہ کے سائنس دان تھے اور ڈاکٹر صاحب کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ اپریل کی ایک شام کو ڈاکٹر صاحب اپنے دوست سے ملنے کے لیے نکلے۔ ڈاکٹر مینسن نے انہیں شام کے کھانے پر اپنے ہاں مدعو کیا۔ ڈاکٹر جیسوب اپنی گاڑی میں سفر پر روانہ ہوئے...... لیکن ان کا یہ سفر ادھورا رہا...... کبھی مکمل نہ ہو سکا۔ نادیدہ قوتیں...... جو ان کی مسلسل نگرانی کر رہی تھیں...... فیصلہ کر چکی تھیں کہ ڈاکٹر صاحب بہت زیادہ جان چکے ہیں۔ اتنی زیادہ جانکاری ''برمودا تکون کے اندر تکونی محل میں بیٹھے بدی کی قوتوں کے یک چشم سربراہ کے لیے اچھی نہ تھی۔ لہٰذا ''اوکے ۔ کِل ہم!'' (Ok! Kill him) کا پیغام آ گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی گاڑی میں زہریلی گیس بھر دی گئی۔ وہ اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ ان کی کار کے ایگزاسٹ سے فیوز منسلک کر کے کار کے اندر لے جایا گیا تھا جس کے نتیجے میں کار کے اندر کاربن مونو آکسائیڈ گیس بھر گئی تھی۔ ڈاکٹر مینسن کا بیان ہے کہ جب ان کے دوست ان کے پاس نہ پہنچے تو انہیں تشویش ہوئی۔ وہ ان کی تلاش میں نکلے۔ پولیس ان سے پہلے کار کے پاس پہنچ چکی تھی۔ جس وقت پولیس پہنچی ڈاکٹر صاحب زندہ تھے...... لیکن ان کی موت کو خودکشی قرار دے کر کیس داخل دفتر کر دیا گیا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے ڈاکٹر صاحب کو

مرجانے دیا گیا۔ پولیس ان کو بچانے کے لیے نہیں، دم گھٹ کر مرتے دیکھنے کے لیے جائے وقوع پر پہنچی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو برمودا تکون اور اڑن طشتریوں کی حقیقت اور ان کا باہمی تعلق جاننے کے جرم میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

شیطانی مثلث اور شیطانی کھٹولوں کا راز جاننے کے لیے جان سے گزرنے والوں میں ڈاکٹر جیسوب کے بعد اگلا نام "ڈاکٹر جیمز ای ڈوبلڈ" کا ملتا ہے۔ وہ بھی ایک بڑے سائنس دان تھے۔ ڈاکٹر میکنسن تو اپنے دوست کی پراسرار موت سے خوفزدہ ہوگئے، لیکن ڈاکٹر جیمز نے ہمت نہ ہاری۔ انہوں نے اپنے آنجہانی ہم پیشہ ڈاکٹر کی تحقیق کو آگے بڑھانا چاہا۔ ان کا کام جاری تھا۔ ابھی وہ کسی نتیجے پر پہنچا ہی چاہتے تھے کہ "برادری" کی نظروں میں آگئے اور 13 جون 1971ء کی ایک گرم صبح کو مردہ پائے گئے۔ ان کے سر میں گولی ماری گئی تھی، لیکن سرکاری اعلان وہی تھا کہ انہوں نے خودکشی کی ہے۔

پے در پے "خودکشی" کرنے والے یہ امریکی سائنس دان جان سے گزر گئے، لیکن دنیا کو حقیقت کے کسی قدر قریب پہنچانے میں اپنا کردار ادا کر گئے۔ "کسی قدر قریب" کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ یہ تمام تحقیق کار مسلمان نہ تھے۔ یہ محض سائنسی انکشافات کی روشنی میں اس موضوع پر کام کر رہے تھے۔ انہیں وحی کی رہنمائی حاصل نہ تھی۔ وہ برمودا تکون اور اس میں تکتی گھستی طشتریوں کی حقیقت محض سائنسی انداز میں سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے یا پھر اس جگہ کے اسرار نے انہیں تجسس میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ اس کی کوئی سائنسی توجیہ دنیا کے سامنے بیان کرنے کے لیے دلچسپی لے رہے تھے۔

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ انسانی عقل کی پرواز اور اس کے علم کی دریافت محدود ہے۔ وحی کی رہنمائی کے بغیر وہ اگلی زندگی تو رہی ایک طرف، خود اس کائنات کے بعض "اسرار و رموز" نہیں سمجھ سکتا۔ لہٰذا اس بات میں ہمیں مسلمان محققین سے بھی مدد لینا پڑے گی۔ محمد عیسیٰ داؤد مصر سے تعلق رکھنے والے ایک اسکالر ہیں۔ انہیں برمودا تکون سے خاصی دلچسپی رہی ہے۔ اس موضوع پر ان کی معرکۃ الآرا

کتاب ''مثلث برمودا'' چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے جس کی داد دیے جانے سے پہلے ہمیں دو چیزوں کے بارے میں چند بنیادی باتیں جاننا مفید رہے گا: ایک تو برمودا تکون کے متعلق جغرافیائی معلومات اور دوسرے دجال کی سواری کے بارے میں حدیث شریف میں بتائی گئی تفصیلات۔ ان دو چیزوں کے بارے میں کچھ معروضات پیش کرنے کے بعد ہم ان شاء اللہ آگے چلیں گے۔

(جاری ہے)

شیطانی جزیرے سے شیطانی تکون تک

(ایریا 51 کی چوتھی اور آخری قسط)

برمودا تکون بحراوقیانوس (Atlantic Ocean) میں ہے۔ یہ براعظم شمالی امریکا کے جنوب مشرق تقریباً 30 ڈگری سمندر میں واقع ہے۔ بحر اٹلانٹک میں کچھ جزیرے ایک ترائی اینگل کی شکل میں بنے ہوئے ہیں اور غیر آباد ہیں۔ ان جزیروں کے درمیانی سمندر کے عین نیچے کشش ثقل (Gravitional Force) کے مقناطیسی بار کا کوئی پول ہے جو زمین کے مرکزی عمودی خط کو چھوتا ہوا زمین کی گولائی کے دوسری طرف سمندر میں 40 ڈگری سے U ٹرن لیتا ہے۔ اس مقام کے ایک جانب جاپان اور دوسری جانب فلپائن ہے۔ یہ خط قدرے جھکتا ہوا 40 ڈگری سے 20 ڈگری پر عین خانہ کعبہ کے نیچے نکلتا ہے اور یہاں کشش کے بار کا دوسرا سرا ہے۔

یہ فرضی تکون پانی کے اوپر کچھ اس طرح سے بنتی ہے کہ فلوریڈا سے پورٹوریکو، پھر پورٹوریکو سے جزیرہ برمودا اور پھر برمودا سے فلوریڈا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں اس کا شمالی سرا جزائر برمودا، جنوب مشرقی سرا پورٹوریکو اور جنوب مغربی سرا فلوریڈا میں بنتا ہے۔ یہ مشہور امریکی ریاست فلوریڈا کے قریب واقع ہے۔ اگر آپ امریکا کا نقشہ دیکھیں تو آپ کو ریاست فلوریڈا ایک عظیم الجثہ لمبی چوڑی دم کی شکل میں نظر آئے گی۔ گویا اس پر رہنے بسنے والے امریکا کی دم پر رہتے بستے ہیں۔ فلوریڈا کا صدر مقام "میامی" ہے۔ ریاست فلوریڈا مخصوص قسم کے غیر انسانی کاموں کے لیے شہرت رکھتی ہے۔ یہ غیر انسانی کام کچھ تو وہ ہیں جو اخلاقیات کی رو سے برے ٹھہرتے ہیں...... لیکن کچھ وہ ہیں جن کی دنیا کو خبر ہی نہیں۔ مثلاً: یہودی روحانیین کے نزدیک "فلوریڈا" کا معنی ہے: "اس خدا کا شہر جس کا انتظار کیا جارہا ہے" یا "وہ خدا جس کا انتظار کیا جارہا ہے" دنیا کی

اکثر قوموں کے نزدیک ایک ہی خدا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہ کون سی قوم ہے جو کسی ایسے خدا کے انتظار میں ہے جو بے چارہ اپنے ماننے والوں کے پیدا ہونے کے بعد ظاہر ہوگا؟ اور اس میں کیا راز ہے کہ اس معزز خدا کے ظہور کے لیے امریکا کی دم، جائے انتخاب ٹھہری ہے؟ برمودا تکون سے قرب اس کی وجہ ہے یا شیطانی سمندر سے شیطانی جزائر تک کا فاصلہ سمٹنے والا ہے؟ یہ سب وہ باتیں ہیں جن کے جواب پر غور کرنا بنی نوع انسانی کے لیے ضروری ہے اور اس لیے ضروری ہے کہ شاید وہ وقت دور نہیں جب اسے ان جوابوں کی شدید ضرورت پڑے گی۔

برمودا تکون 300 جزیروں پر مشتمل ہے۔ وہ جہاز راں جن کی زندگی بحر اوقیانوس کے دو کناروں کے درمیان گزری، وہ بھی اس علاقے سے دور رہنے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ کہنہ مشق اور تجربہ کار بحری کپتان ایک دوسرے سے اس طرح کا تبصرہ کرتے پائے جاتے ہیں: ''وہاں پانی کی گہرائیوں میں خوف اور شیطانی راز چھپے ہیں۔'' یہ خوف اور پراسرار راز آج کی بات نہیں، آج سے پانچ سو برس پہلے جب ''کرسٹوفر کولمبس'' یہاں سے گزرا تو اسے بھی کچھ عجیب و غریب چیزیں نظر آئیں۔ آگ کے گولوں کا سمندر میں داخل ہونا۔ سمندر کے گہرے غاروں سے آگ کے بڑے بڑے گولوں کا نکلنا اور کسی ان دیکھی چیز کا تعاقب کرنا وغیرہ۔ عوام میں ان جزائر کو ''شیطانی جزیرے'' کا نام دیا جاتا رہا ہے اور دو باتوں پر عام طور پر اتفاق پایا جاتا ہے:

(1) اس علاقے میں پانی کی سطح پر اور پانی کی گہرائیوں میں کوئی ماورائی پراسرار طاقت ہے جو عقل کے ادراک سے بالاتر ہے۔

(2) یہ طاقت خیر نہیں، شر کی علمبردار ہے۔ یہ فلاح نہیں، تباہی کی علامت ہے۔

کہتے ہیں کہ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھنا چاہیے۔ خلق کی زبان پر یہ باتیں کیسے چڑھ گئیں؟ روزِ اول سے یہاں پراسرار واقعات ہو رہے ہیں اور امریکا جیسے ترقی یافتہ ملک کا ترقی یافتہ ترین میڈیا ان پر پردہ ڈالنے اور انسانی پراسراریت میں مزید اضافہ کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ بال کی کھال اُتارنے والا میڈیا ان واقعات کی نقاب کشائی کے بجائے اس حوالے سے ابہام اور شکوک

کی چادر تانے رکھتا ہے۔ خوفناک واقعات، افسانوی داستانیں، ناقابل یقین مشاہدات...... سب چیزوں کو اس طرح خلط ملط کر کے بیان کیا جاتا ہے کہ امریکی عوام کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ ان کے ذہن میں خوف اور اسرار کا تاثر تو رہ جاتا ہے، مگر اس سے آگے وہ کچھ سوچ نہیں پاتے۔ بالآخر ان کی توجہ اس طرف سے ہٹ جاتی ہے اور وہ اسے مہمل یا نارمل چیز سمجھ کر گزر جاتے ہیں۔

آپ نے ''نقش بر آب'' کی ترکیب تو سنی ہوگی۔ پانی پر نقش کہاں ٹھہر سکتا ہے؟ تو پھر پانی پر مثلث کیسے بن سکتی ہے؟ امریکی میڈیا نے اس شیطانی علاقے کو ''شیطان کے جزیرے'' کا نام بدل کر تکون کا نام کیوں دیا ہے؟ تکون کی شکل کس شخصیت یا تنظیم کی خاص علامت ہے؟ اسے دجال یا فری میسن تنظیم کی مخصوص علامت سمجھا جاتا ہے تو کیا برمودا تکون کا دجال اور اس کے پیروکار یہودیوں سے کوئی تعلق ہے۔ کیا دجال وہی جھوٹا خدا ہے جس کا انتظار کیا جارہا ہے؟ کیا برمودا کی پراسرار طاقت ''شیطان اکبر'' یعنی ابلیس کی ان شیطانی قوتوں کی جھلک ہے جو وہ اپنے سب سے بڑے ہرکارے ''دجال اعظم'' کی حمایت میں استعمال کرے گا؟ دلچسپ بات یہ ہے کہ امریکا میں UFO ریسرچ کے لیے فنڈز ''راک فیلر'' مہیا کرتی ہے جو فری میسنری کی ایک سرپرست فیملی ہے۔ کیا فری میسنری اڑن طشتریوں پر تحقیق میں دلچسپی رکھتی ہے؟ آخر کیوں؟

ان سب سوالوں کا جواب جاننے کے لیے ہمیں اڑن طشتریوں کے موضوع کی طرف پلٹنا پڑے گا۔ جی ہاں! وہی اڑن طشتریاں جو برمودا تکون میں بار بار داخل ہوتے اور نکلتے دیکھی گئی ہیں۔ جن میں سوار ''خلائی مخلوق'' نے امریکا جیسے مہذب ملک سے ایسے لوگوں کو اغوا کیا جو اپنے شعبے میں بہترین مہارت کے حامل تھے۔ پھر ان لوگوں کا کچھ پتا نہ چلا کہ زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ ان لوگوں کو مارا نہیں گیا، ان کی صلاحیتوں کو مخصوص شیطانی مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرنے کی غرض سے ان کو ان دیکھے علاقے میں پہنچا دیا گیا ہے۔ دجال چونکہ انتہائی وہمی اور بزدل ہے اس لیے حد درجہ محتاط رہتے ہوئے ایسی تمام جادوئی و سائنسی قوتیں حاصل کرنا چاہتا ہے جن کا کوئی توڑ زمین کے باسیوں کے پاس نہ ہو۔ یہ سائنس دان بالجبر اس کی شیطانی چرخی کا

پرزہ بنا دیے گئے ہیں۔

اُڑن طشتریوں کو غیر جانبدار امریکی محققین نے صرف سائنس کی رو سے سمجھنے کی کوشش کی اور یہیں ان سے غلطی ہوئی۔ ہم حدیث شریف کی روشنی میں انہیں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ پہلی روایت مسلم شریف میں ہے۔ حضرت نواس ابن سمعان رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کی سواری کی رفتار کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''(دجال کی سواری) اس بادل کی مانند (ہوگی) جسے تیز ہوا اُڑا لے جاتی ہے۔''

دوسری روایت مستدرک حاکم کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس (دجال) کے لیے زمین ایسے لپیٹ دی جائے گی جیسے مینڈھے کی کھال لپیٹ دی جاتی ہے۔ تیسری روایت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں: ''دجال کے گدھے کے دونوں کانوں کے درمیان چالیس گز کا فاصلہ ہوگا اور اس کے گدھے کا ایک قدم تین دن کی مسافت (تقریباً 82 کلومیٹر فی سیکنڈ) کے برابر ہوگا اور وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر سمندر میں ایسے گھس جائے گا جیسے تم اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چھوٹی نالی میں گھس جاتے ہو۔''

ان احادیث میں دجال کی سواری گدھا بتائی گئی ہے۔ جبکہ کچھ محققین کا کہنا ہے کہ اس کے لیے ''دابۃ'' یعنی جانور کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور وہ کسی بھی سواری کو کہہ سکتے ہیں۔ دجال جس پر سوار ہوگا وہ ''دابۃ'' (کوئی بھی سواری) ہوگی، لیکن اگر حدیث میں لفظ حمار یعنی گدھا ہی آیا ہو تب بھی اس سے مراد کوئی بھی سواری ہو سکتی ہے۔ اب آپ برمودا تکون اور اُڑن طشتریوں کی خصوصیات کو دوبارہ پڑھیے اور دجال کو جو قوت دی گئی ہوگی ذیل میں اس کا مطالعہ کیجیے۔ مثلاً: اس کی سواری کی رفتار انتہائی تیز ہوگی۔ فضا میں اُڑنے کے ساتھ ساتھ پانی میں سفر کرنے اور سمندر پار کر لینے کی صلاحیت بھی اس سواری میں موجود ہوگی۔ وہ فضا میں معلق ہو جائے گی۔ حجم میں چھوٹا اور بڑا ہونے کی صلاحیت رکھتی ہوگی۔ کہیں بھی اُترنے یا فضا میں ٹھہر جانے کی صلاحیت اس میں ہوگی۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد اب وہ مرحلہ آ گیا ہے جب ہم مکمل کر مسلم محققین کی رائے نقل کر دیں جو وہ برمودا تکون کے بارے میں رکھتے ہیں۔ مصر کے محقق محمد عیسیٰ داؤد اور عادل فہمی نے اپنی مقالہ نما کتابوں (مثلث برمودا) میں جو کچھ کہا ہے (دونوں کی کتاب کا نام ایک ہی ہے) اس کا خلاصہ یہ ہے:

''اڑن طشتریاں دجال کی ملکیت اور اسی کی ایجاد ہیں۔ نیز برمودا تکون کے اندر اس نے تکون (Triangle) کی شکل کا قلعہ نما محل بنایا ہوا ہے جہاں سے بیٹھ کر وہ اپنے چیلوں کو ہدایات دے رہا ہے اور اپنے نکلنے کے وقت کا انتظار کر رہا ہے۔ اس پورے مشن میں اس کو ابلیس اور اس کے تمام شیاطین کی مدد حاصل ہے۔ جو تمام دنیا کے اندر سیاسی، اقتصادی، سماجی اور عسکری میدانوں میں جاری ہے۔ کس ملک میں کس کی حکومت ہونی چاہیے؟ کس ملک کو کتنی مالی امداد دینی چاہیے؟ کس ملک میں اپنی فوج اتارنی چاہیے؟ اور کس ملک کو تباہ کرنا ہے؟ نیز مسلم دنیا میں موجود دریاؤں پر کہاں کہاں ڈیم بنانے ہیں؟ اپنے حامی نظریات والی پارٹی کو اقتدار میں لانا اور ہر اس قوم اور فرد کو ابھی سے راستے سے ہٹانا ہے جو آگے چل کر دجال کے سامنے کھڑا ہو سکے۔

جہاں تک برمودا تکون میں ابلیس کے مرکز کا تعلق ہے اس پر کوئی اشکال نہیں، شیطان کا تخت سمندر پر ہی بچھتا ہے...... البتہ دجال کی وہاں موجودگی پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو مشرق میں بیان فرمایا تھا جبکہ برمودا تکون مغرب میں ہے۔ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد دجال اس طرح بندھا ہوا نہیں رہا جس طرح حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے اس کو بندھا ہوا دیکھا تھا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ زنجیروں سے آزاد ہو گیا تھا اور مستقل اپنے خروج کے لیے راہ ہموار کر رہا ہے۔ البتہ اس کی اصل حالت اسی وقت ظاہر ہوگی جب وہ دنیا کے سامنے ظاہر ہو کر اپنی خدائی کا اعلان کرے گا۔''

دارالعلوم دیوبند کے فاضل عالم دین مولانا عاصم عمر جنہوں نے آخری زمانہ کے متعلق

احادیث کی عصری تطبیق پر بہت عمدہ اور نظریہ ساز کتاب ''تیسری جنگ عظیم اور دجال'' لکھی ہے، اپنی نئی شہرہ آفاق کتاب ''برمودا تکون اور دجال'' میں تحریر کرتے ہیں:

''حقیقت جو بھی ہو لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ برمودا تکون اور شیطانی سمندر جیسی جگہیں ابلیس اور اس کے حلیفوں کی خفیہ کمین گاہیں ہیں جہاں سے وہ انسانیت کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں مکمل کر چکے ہیں۔ اب وہ فلموں، ڈراموں، اسٹیج شو اور اشتہارات کے ذریعے اپنے ماننے والوں کو پیغام دے رہے ہیں کہ ''نجات دہندہ'' کے نکلنے کا وقت قریب ہے۔ ان سازشوں میں ان کے ساتھ تمام شیاطین جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے، سب شریک ہیں۔ انہوں نے دنیا پر ابلیس کی حکومت قائم کرنے اور ہر ایمان والے کو ابلیس کے ترکش کے آخری تیر، کانے دجال کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی انتہائی خطرناک اور خفیہ تیاری کی ہے۔ لیکن کیا دشمنان اسلام کی اتنی تیاریاں دیکھ کر مسلمانوں کو اسی طرح اپنی ذمہ داریوں سے غافل اپنی زندگی میں ہی مدہوش پڑے رہنا چاہیے؟ مستقبل کے خطرات سے لاپروا سیاہ گھٹاؤں کے سروں پر آنے کے باوجود ابھی بھی ہر ایک کو یہی فکر لگی ہے کہ اس کی اپنی حیثیت برقرار رہے۔ اس کے اپنے مرتبہ و مقام اور حلقۂ عزت و جاہ پر کوئی حرف نہ آئے۔ دین بھی ہاتھوں سے نہ نکلے اور بڑی بڑی بلڈنگیں بھی قربان نہ ہوں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ بھی راضی ہو جائے اور ابلیس بھی ناراض نہ ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ابلیس کے بنائے نظام سے بغاوت بھی نہ کرنی پڑے اور وحدہ لاشریک کا دین بھی غالب آ جائے۔ ہمارے نفس نے ہمیں کیسے دھوکے میں ڈال دیا کہ اللہ کے دشمنوں سے بغاوت کیے بغیر ہم اللہ کے بن جائیں گے؟ ایسا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کے دشمنوں سے بھی ڈرتے رہیں اور متقین میں بھی ہمارا شمار ہو جائے۔ موجودہ حالات میں اگر کوئی بالکل ہی حالات سے اندھا ہو رہا ہے تو اس کی بات الگ ہے، لیکن وہ مسلمان جو تھوڑا بہت بھی حالات کا ادراک رکھتا ہے وہ کس طرح سکون سے سو سکتا ہے؟ اتنا نازک وقت جبکہ ہر مسلمان کے ایمان کی تاک میں شیطانی بھیڑیے گھات لگائے بیٹھے ہوں۔ تاریخ انسانی کے بھیانک ترین فتنے اپنے جبڑے

کھولے تمام انسانیت کو نگل جانے کے درپے ہوں۔ اگر اب بھی بیدار ہونے کا وقت نہیں آیا تو پھر یقین جانیے اس کے بعد پھر صور اسرافیل ہی سونے والوں کو جگائے گا۔"

قارئین کرام! زبان کا زور اور دل کا درد آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ایک سچے داعی کی یہی پہچان ہوتی ہے۔ بہرحال! آثار وقرائن بتاتے ہیں کہ توبہ کی مہلت زیادہ نہیں۔ "تلافی مافات" کے لیے مزید انتظار نقصان دہ ہوگا۔ ہر مسلمان کو رات کو بستر پر جانے سے پہلے خدا اور اس کے بندوں سے اپنا معاملہ صاف کر لینا چاہیے۔ اور ہر صبح بستر سے اٹھنے سے پہلے یہ عزم کر کے نکلنا چاہیے کہ: (1) آئندہ اپنے علم اور ارادے سے گناہ نہ کرے گا۔ (2) اور اسلام اور اہل اسلام کے لیے جو ہو سکا کر گزرے گا۔

شیطان اور اس کی شیطانی طاقتیں دنیا پر اپنا تسلط قریب دیکھ رہی ہیں...... جبکہ اللہ کی تدبیر کچھ اور ہی چاہتی ہے۔ وہ اپنے بندوں کو ان کے دشمن کے مقابلے میں کامیاب دیکھنا چاہتی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اللہ رب العالمین کی منشا پوری کرنے کے لیے کمر ہمت باندھ لیں اور دجالی قوتوں کی غیر معمولی ظاہری طاقت سے مرعوب ہونے کے بجائے تقویٰ کے زیور سے آراستہ ہو کر ہر سطح پر جہاد کا علم بلند کریں۔

امریکا میں خفیہ دجالی حکومت

اگرچہ عنوان پڑھتے ہی آپ چونک پڑیں گے، لیکن اگلی چند سطریں پڑھنے تک صبر کر لیں تو یقین کیجیے آپ کا تعجب اور حیرت حقیقت شناسی میں بدل سکتا ہے۔ وہ حقیقت جسے آپ اپنے گرد و پیش میں دیکھتے ہیں، لیکن اس کے پس منظر سے ناواقف تھے، آج میں آپ کو اس ادھ کھلی حقیقت سے روشناس کروانے چلا ہوں۔ امریکا کا اصل حکمران ''کونسل آف فارن ریلیشنز'' (Council of Foregin Relation's) نامی خفیہ ادارہ ہے جس کا مخفف CFR ہے۔ بظاہر یہ ایک امریکی تھنک ٹینک ہے لیکن درحقیقت یہ امریکا میں ایک چھپی ہوئی حکومت ہے۔ ایسی حکومت جو دجال کی راہ ہموار کرنے کے لیے دنیا کے اس سب سے ترقی یافتہ براعظم کو استعمال کر رہی ہے۔ اس کے قیام میں عالمی یہودی بینکروں اور الومیناتی صیہونیوں کا ہاتھ تھا۔ جن میں Jacob Schiff,Paul Warburg, John D.Rockefeller, J.P.Moergan جیسے بین الاقوامی بینکر تھے۔ وہی لوگ جنہوں نے فیڈرل ریزرو سسٹم (Federal Reseve System) کے تحت امریکا کو اپنا غلام بنالیا۔ اس راز کی حقیقت سمجھنے کے لیے ہمیں ''الومیناتی'' نامی اصطلاح سے واقفیت حاصل کرنا ہوگی۔

الومیناتی کیا ہے؟

الومیناتی کا قیام یکم مئی 1776ء کو ان کٹر یہودیوں کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا جو دجال کو مسیحا اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔ اس کا بانی Dr. Adam werishaupt تھا جو کہ Bavaria (یہ جرمنی کا ایک سب سے مضبوط اور طاقتور صوبہ ہے) کی Ingolstadt یونیورسٹی کا ایک استاد (پروفیسر) تھا۔ یہ شخص ویسے تو کٹر یہودی تھا، لیکن بعد میں یہود مردود کی روایتی دروغ گوئی

کے مطابق اس نے اپنا اصل مذہب چھپانے کے لیے کیتھولک مذہب (Catholic) اپنالیا تھا۔ وہ ایک سابقہ "jesuit Priest" تھا جو کہ اس Order سے الگ ہو گیا تھا اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی تنظیم بنائی تھی۔ "الومیناتی" (Illuminati) کا لفظ "Lucifer" سے اخذ کیا گیا ہے جس کا انجیل کے مطابق مطلب ہے: "روشنی کو اٹھانے والا اور حد سے زیادہ ذہین۔" (isaiah 14.12)۔ Lucifer درحقیقت انجیل اور تورات میں ابلیس کو دیا ہوا نام ہے۔

Weishaupt اور اس کے پیروکار اپنے آپ کو چند چنے ہوئے لوگوں میں سے سمجھتے تھے۔ ان کے زعم کے مطابق ان کے پاس یہ صلاحیت تھی کہ صرف وہی دنیا پر حکمرانی کرنے کے اہل ہیں اور کرۂ ارض پر امن قائم کر سکتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا مقصد "Nerus Oder Seclram" کا قیام تھا۔

"Nouls Order Secorum" کا مطلب ہوتا ہے "New Seclular Oder" یہی لفظ فری میسن کے لاجز اور امریکی ایک ڈالر کے نوٹ پر لکھا ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ اگرچہ اس کا مشہور New World Order ضرور ہے لیکن اس کا مطلب ایک عالمی لادینی (سیکولر) طرز حکومت کا قیام ہے۔

اس تنظیم سے وابستہ ہونے والے لوگوں (یعنی الومیناتی کے نچلے درجے کے افراد) کو بتایا گیا تھا کہ الومیناتی کا مقصد انسانی نسل کو قوم، حیثیت اور پیشے سے بالاتر ہو کر ایک خوشحال خاندان میں تبدیل کرنا تھا۔ اس کام کے لیے ان سے ایک حلف بھی لیا گیا تھا جو کہ فری میسن کے حلف کی طرح ہوتا ہے۔ جب تک کارکنوں کی وفاداری کو جانچ نہیں لیا گیا تھا، اس وقت تک ان کو الومیناتی میں شامل نہیں کیا گیا تھا اور جب تک کوئی رکن الومیناتی کے بالکل اندرونی حلقے تک نہیں پہنچ جاتا تھا، اس وقت تک اسے اس ادارے کا مقصد نہیں بتایا جاتا تھا۔

اس تنظیم کے اصل مقاصد درج ذیل ہیں:

☆ تمام مذاہب کا خاتمہ۔

☆ تمام منظم حکومتوں کا خاتمہ۔

☆ حب الوطنی کا خاتمہ۔

☆ تمام ذاتی جائیداد کا خاتمہ۔

☆ خاندانی ڈھانچے کا خاتمہ۔

☆ New World Order کا قیام یا ایک ''بین الاقوامی حکومت'' کا قیام جسے آپ ''عالمی دجالی حکومت'' کہہ سکتے ہیں۔

فطری طور سے اس تنظیم کے اصل مقاصد کو تمام ممبران کے سامنے نہیں رکھا جاتا تھا اور انہیں صرف اسی بات پر صبر کرنا پڑتا تھا کہ اس تنظیم کا مقصد انسانی نسل کی خوشحالی ہے، لیکن ان سب میں ایک چیز سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے جس پر خود الومیناتی کے ایک راہنما نے لکھا:

''سب سے زیادہ خوش آیند بات یہ ہے کہ بڑے بڑے Protestant اور Reformed فرقے کے عیسائی پادری جنہوں نے ہماری تنظیم میں شمولیت اختیار کی ہے وہ ہمیں ایک سچے اور خالص عیسائی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔''

اس پلان کو جرمنی کے Protestant حکمرانوں کے یہاں بڑی پذیرائی ملی جس کے تحت کیتھولک چرچ کی تباہی کو یقینی بنا دیا گیا تھا اور انہوں نے اس تنظیم میں شمولیت اختیار کی اور ساتھ ہی ساتھ وہ فری میسنری کا تجربہ بھی لائے جس کو انہوں نے خوب استعمال کیا اور اپنے مقصد کے حصول کی کوششیں شروع کیں۔ بالآخر 16 جولائی 1982ء کی Wilhelmsbad کے ایک اجلاس میں فری میسنری اور الومیناتی کے درمیان اتحاد قائم ہوا۔ اس اتحاد کی وجہ سے موجودہ دور کی تقریباً تمام خفیہ یہودی تنظیموں کو ملا دیا گیا اور ساری دنیا میں دجالی نظام کی برتری کے لیے مصروف عمل 30 لاکھ سے زیادہ پیروکار اس خفیہ دجالی مشن میں شامل ہو گئے۔ اس بھیانک اجلاس میں جو کچھ منظور کیا گیا یہ تو شاید باہر کی دنیا کبھی نہیں جان سکے گی، کیونکہ جو لوگ غیر شعوری طور پر اس تحریک کا حصہ بن گئے تھے، انہوں نے بھی اپنے بڑوں سے عہد کر لیا تھا کہ وہ کچھ بھی ظاہر نہیں

کریں گے۔ ایک شریف فری میسن جس کا نام Comt de virea تھا جب اس سے یہ پوچھا گیا وہ اپنے ساتھ کیا خفیہ معلومات لایا ہے؟ تو اس نے محض یہ جواب دیا:

''میں اسے آپ کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتا ہوں، میں بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ اس سے بہت زیادہ سنگین ہے جتنا کہ تم سمجھتے ہو۔ اس سازش کے جال کو اتنی اچھی طرح سے بنا گیا ہے کہ بادشاہتوں اور گرجا گھروں (کلیسا) کا اس سے بچنا ناممکن نظر آتا ہے۔'' (Wehster, world Rurrution)

اس تحریک کے چند سال بعد یورپ میں یہود کو وہ تحفظ اور سکون ملنا شروع ہو گیا جس کا اس سے پہلے تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس سے پہلے غیر یہودیوں کا میسنری کی تحریک کا ممبر بننے پر پابندی تھی جس کو اٹھا لیا گیا، لیکن سب سے اہم فیصلہ یہ کیا گیا تھا کہ الومیناتی کی نظام فری میسنری کا صدر دفتر فرینکفرٹ منتقل کر دیا گیا جو خود یہودی سرمایہ داروں بالخصوص بینکاروں کا گڑھ تھا۔

دنیا پر قبضے کا الومیناتی منصوبہ:

یورپ کی معیشت کو پوری طرح اپنی گرفت میں لینے کے بعد الومیناتی دجالیوں نے اس بات کا منصوبہ بنانا شروع کر دیا کہ دنیا کو اپنا غلام بنانے کے لیے اپنے دائرہ اختیار کو پوری دنیا میں پھیلا دیا جائے۔ چند دہائیوں کے بعد یہ بات ظاہر ہونا شروع ہو گئی کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پوری دنیا میں جنگوں کا ایک سلسلہ چھیڑنا پڑے گا جس کی مدد سے Old World Order (پرانے ورلڈ آرڈر) کا خاتمہ کیا جائے گا جبکہ New World Order (نیا عالمی نظام) کے قیام کو ممکن بنایا جائے گا۔ اس پورے منصوبے کو واضح شکل میں البرٹ پائیک (Albert Pike) نے پیش کیا جو کہ خود فری میسنری کے Ancietn and Accepted scottish rite میں Sovergin Grand Commander کے درجے پر فائز تھا جبکہ یہ امریکا میں سب سے بڑا الومیناتی تھا۔ اس شخص نے اپنے Guisseppe Mazzini کے نام خط میں اس طرح سے لکھا تھا (خط کی تاریخ 15 اگست 1871ء تھی):

"پہلی بین الاقوامی جنگ اس لیے چھیڑنی ہوگی تاکہ زار روس کو تباہ کیا جاسکے تاکہ اس پر الومیناتی ایجنٹوں کی حکومت قائم کی جاسکے۔ روس کو بعد میں ایک خطرناک ملک کی شکل دی جائے گی تاکہ الومیناتی کا پلان آگے بڑھایا جاسکے۔

دوسری جنگ کے دوران اس کشمکش سے جوکہ جرمن قوم پرستوں اور سیاسی صیہونیوں کے درمیان پائی جاتی ہے، فائدہ اٹھانا ہوگا۔ اس جنگ کے نتیجے میں روس کے اثر و رسوخ کو بڑھایا جائے گا اور ارض فلسطین میں اسرائیلی ریاست کے قیام کو ممکن بنایا جائے گا۔

جبکہ تیسری جنگ کی منصوبہ بندی اس طرح سے کی گئی ہے کہ الومیناتی ایجنٹ صیہونی ریاست اور عربوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دی جائے گی۔ یہ جھڑپ ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے گی اور اس کے ذریعے بے دین دہریوں کو سامنے رکھ کر ایک انقلابی تبدیلی لائی جائے گی جس سے تمام معاشرے متاثر ہوں گے۔ اس جنگ میں لادینیت اور وحشیوں کے انقلاب کو اتنی بھیانک طرح سے دکھایا جائے گا کہ لوگ اس سے پناہ مانگیں گے اور ان تمام چیزوں کو تباہ کرنے کی کوشش کریں گے جو ان انقلابیوں سے منسلک ہوں گی...... حتیٰ کہ وہ عیسائیت اور دوسرے مذاہب کو بھی انتشار کا شکار پائیں گے اور اس وجہ سے وہ تمام مذاہب پر چڑھ دوڑیں گے، جس کے بعد وہ خود کو صحیح راستہ Lucifer کے صاف اور روشنی بھرے راستے میں پائیں گے۔ اس طرح سے ہم ایک ہی وقت میں عیسائیت اور لادینیت دونوں پر قابو پالیں گے۔"

البرٹ پائیک کی شخصیت اور اس کے مذہب و فلسفہ کے اصول سمجھنے کے لیے ہمیں اس کی درج ذیل تحریر پر غور کرنا چاہیے جس کا نام ہے: "Morals and Dogma" (سبق اور نظریہ) اس کو اس نے 1871ء میں تحریر کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے چند احکامات ہیں جو اس نے اپنی 23 سپریم کونسلوں کو دیے تھے۔ یہ احکامات اس نے 1889ء میں Bastille Day کے موقع پر دیے تھے۔ شیطانی دماغ رکھنے والے اس شخص کی یہ انسانیت سوز تحریر ملاحظہ فرمائیے:

"طاقت لگام کے ساتھ ہو یا بے لگام، یہ اسی طرح ضائع ہو جاتی ہے جس طرح بارود کھلی فضا

میں صرف جل سکتا ہے۔ اسی طرح جس طرح بھاپ کسی ٹیکنالوجی کے بغیر ہوا ہی میں اڑ جاتی ہے اور اپنے آپ ہی کو ختم کر لیتی ہے۔ یہ صرف تباہی اور ضیاع ہے...... نہ کہ ترقی اور خوشحالی۔

لوگوں کی طاقت وہ چیز ہے جس کو ہمیں بہترین طریقے سے استعمال کرنا ہے اور اس کو قابو میں کرنا ہے...... اس کو دانش و عقل کے ساتھ لگام دینا ہے۔ انسانی نسل کے چاروں طرف تنے ہوئے توہم پرستی، تعصب اور جہالت کے مفروضوں کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے لیے اس طاقت کا ایک دماغ اور قانون ہونا چاہیے، تب ہی جا کر ہمیں مستقل نتائج مل سکتے ہیں اور تب ہی صحیح معنوں میں ترقی ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد نرم فتوحات (چھوٹی اور آسان فتوحات) کا نمبر آتا ہے۔ جب تمام طاقتوں کو ملایا جاتا ہے اور اس کو دانشوروں کے ذریعے (جو کہ روشن دماغ ہوں یعنی "Illuminated" ہوں) اور دائیں بازو کے قوانین اور انصاف کے علاوہ ایک باضابطہ تحریک اور محنت کے ذریعے لگام دی جائے گی۔ پھر وہ انقلاب جو ہم نے کئی زمانوں سے تیار کر کے رکھا ہوا تھا، شروع ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طاقت بے لگام ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انقلاب اپنے ساتھ ناکامی لاتا ہے۔"

(Morals and Dogma pp 1-2)

یہ شخص اپنے خدا اور اپنے مذہب کا تعارف کرواتے ہوئے کہتا ہے:

"ہم عوام الناس سے یہ کہتے ہیں: "ہم ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں لیکن یہ وہ خدا ہے جس پر سب بغیر توہمات کے یقین کرتے ہیں۔ میں تم Sovergn Grand Instructions General سے یہ کہتا ہوں کہ تم یہ اپنے 30، 31 اور 32 ڈگریوں کے بھائیوں کے سامنے یہ بات دہرانا:

"میسونک (فری میسن) مذہب کے تمام اونچی ڈگری کے ممبروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس مذہب کو اس کی خالص شکل میں برقرار رکھا جائے Lucifer [یعنی شیطان] کے نظریے کو مدنظر رکھتے ہوئے۔"

شیطان کے بارے میں یہ سفاک شخص کہتا ہے۔ واضح رہے کہ شیطان کے لیے اس نے Lucifer کا لفظ استعمال کیا ہے [Lucifer کے معنی ہیں: ابلیس۔ انجیل کے انگریزی ترجمے میں ابلیس کے لیے یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ راقم]:

''اگر Lucifer خدا نہ ہوتا تو کیا Adonay [یعنی خیر کا خالق، مراد اللہ رب العالمین ہیں] جس کا کام ہی انسان سے نفرت، سفاکیت اور سائنس سے دور رہنے کی تلقین ہے۔ [یہاں وہ اس (یعنی شیطان کے بالمقابل خیر کے خالق) کے مظالم کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔] اس کے علاوہ Adonay اور اس کے پادریوں نے اس کا خاتمہ کیوں نہیں کر دیا؟ [معاذ اللہ!]

''ہاں Lucifer ہی خدا ہے اور بدقسمتی سے Adonay بھی خدا ہے۔ ابدی قانون کے تحت۔ کیونکہ روشنی کا تصور تاریکی کے بغیر ناممکن ہے، جیسے خوبصورتی کا بدصورتی کے بغیر اور سفید کا سیاہ کے بغیر۔ اسی طرح ہمیشہ کے لیے دو خدا ہی زندہ رہ سکتے ہیں [معاذ اللہ!] اندھیرا ہی روشنی کو پھیلاتا ہے۔ ایک مورت کے لیے بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی گاڑی میں بریک کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔'' [معاذ اللہ]

''شیطانیت کا نظریہ محض ایک افواہ ہے اور سچا اور خالص مذہب Lucifer [ابلیس] کا مذہب ہے جو کہ Adonay کے برابر ہے (معاذ اللہ) لیکن Lucifer جو کہ روشنی کا خدا اور اچھائی کا خدا ہے وہ انسانیت کے لیے محنت کر رہا ہے Adonay کے خلاف جو کہ تاریکیوں اور برائی کا خدا ہے۔'' [معاذ اللہ]

اوپر دی گئی تحریر سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ فرقہ (الومیناتی) کس طرح سے شیطان کا پجاری ہے اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اب فری میسنری اور الومیناتی ایک ہی ہیں۔ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ گویا کہ یہودیت کی تمام شاخیں واضح طور پر شیطان کا ہرکارہ بن کر شیطان کے سب سے بڑے آلۂ کار دجال کے لیے کام کر رہی ہے۔

FBI کا ایک سابق ایجنٹ Dan Smoot لکھتا ہے کہ ''امریکا میں خفیہ طور پر حکمران اس

کونسل کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی، لیکن 1927ء میں جب راک فیلر خاندان نے اپنی دوسری فاؤنڈیشن اور ٹرسٹ کے ذریعے اس میں پیسہ بھرنا شروع کر دیا تو یہ امریکا کی سب سے طاقت ور اتھارٹی کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔'' اس کا ثبوت کہ Council of Foregin Relation's ایک خفیہ یہودی ادارہ ہے، کہیں باہر سے مانگنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اندرونی گواہی کافی ہے۔ اس کی سب سے بڑی گواہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ 1966ء میں اپنی سالانہ رپورٹ میں فری میسن کے طرز پر خفیہ نظام کار کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''اس کونسل کا ہر ممبر اپنی رکن کے توسط سے اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ کونسل کے کسی رکن کے کہنے کے علاوہ اگر وہ کوئی بات جو کہ Dissussion Groups اور کھانے کی میز یا دعوت میں کچھ بھی کہا گیا ہے وہ خفیہ نوعیت کا ہے اور اس کا انکشاف کسی بھی صورت میں کسی غیر فرد کو اس چیز کی وجہ بن سکتا ہے کہ کونسل کے بورڈ اس رکن کی رکنیت ختم کر دیں۔ کونسل کے قوانین کے تحت اور اس کی آرٹیکل ایک کے تحت۔''

Council of Foregin Relation's (CFR) کے ایک بورڈ کے ڈائریکٹروں میں سے ایک نے Christian Science Monitor کو دیے گئے ایک بیان یکم ستمبر 1961ء میں کہا تھا:

''CFR میں نمایاں افراد میں سفارتی، حکومتی، تجارتی، بینکروں، مزدور، صحافی، وکیل اور تعلیم کے شعبوں سے منسلک نمایاں افراد ہیں اور ان سب کو مدنظر رکھ کر امریکی خارجہ پالیسی کا رخ متعین کیا جاتا ہے۔''

یہی نہیں بلکہ پچاس کی دہائی سے لے کر اب تک جتنے بھی اہم حکومتی مشیر اور سیکرٹری گزرے ہیں وہ CFR کے کبھی نہ کبھی رکن ضرور رہے، خاص طور سے بش کی انتظامیہ میں تو اس کی بھرمار ملے گی۔ اسی طرح امریکی ایوان نمائندگان کے ایک رکن John Rarick نے 28 اپریل 1972ء میں کہا تھا:

"CFR ایک اسٹیبلشمنٹ ہے جس کے افراد اوپر سے مشیروں اور سیکریٹریوں کے ذریعے دباؤ ڈالتے ہیں۔ وہ ایسے لوگوں کو پیسے دیتی ہے اور فیصلہ کرنے والوں سے اپنے مطالبات نکلوالیتی ہے۔"

مشہور امریکی دانشور گرفن بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے: "CIA درحقیقت CFR کی ہی ایک شاخ لگتی ہے جبکہ Frnklin D. Rosevelt کے زمانے سے اب تک جتنے بھی امریکی انتظامیہ کے لوگ ہیں ان کا تعلق CFR سے ضرور رہا ہے۔"

امریکا کی کہانی، ایک خلاصہ:

آج کا ترقی یافتہ اور قابل رشک سمجھا جانے والا امریکی معاشرہ مسخ کر دیا گیا ہے۔ اس کی اپنی سوچ نہیں، اپنا اختیار نہیں۔ اس کے نظام کو کھوکھلا کر دیا گیا ہے۔ جو کچھ بھی ہم دیکھ رہے ہیں وہ قومی سطح پر ہو یا پھر بین الاقوامی سطح پر وہ سب اس بڑے الومیناتی منصوبے کا حصہ ہے جو کہ Adam Weishaupt نے 1776ء میں پیش کیا تھا۔

یقین نہ ہو تو آیئے امریکا مخالف کمیونسٹ سسٹم کے اہم رکن کی ایک پیش گوئی دیکھتے ہیں۔ ایک حیرت انگیز سیاسی پیشن گوئی 1920ء کی دہائی میں Nikali Leni نے کی تھی جو کہ کمیونسٹ روس کی حکومت کا ایک اہم رکن تھا، اس نے کہا تھا:

"سب سے پہلے ہم مشرقی یورپ کو قابو کریں گے اس کے بعد ایشیا کے عوام اور پھر ہم امریکا کو اس طرح سے گھیرے میں لیں گے جو کہ سرمایہ داری کا آخری قلعہ ہوگا اور ہمیں اس پر حملہ نہیں کرنا ہوگا بلکہ وہ ایک بہت زیادہ پکے ہوئے پھل کی طرح سے خود ہی ہمارے ہاتھوں میں گر جائے گا۔"

اگرچہ اب روس ٹوٹ چکا ہے لیکن اب ذرا اسی بیان کو اس بیان کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں جو کہ 1962ء میں دجالی ریاست اسرائیل کے پہلے صدر David Ben Gurion (ڈیوڈ بن گوریان) نے دیا۔ اس بیان کے بین السطور میں "عالمی دجالی ریاست" کے قیام کا عزم اور اس کا

خاکہ واضح طور پر پہچانا جا سکتا ہے:

''سوشلسٹ بین الاقوامی اتحاد جس کے پاس ایک بین الاقوامی پولیس فورس ہوگی اور اس کا مرکز القدس (یروشلم) ہوگا۔ 1987ء میں میرے ذہن میں دنیا کا نقشہ کچھ اس طرح سے ہوگا۔ سرد جنگ ماضی کا ایک قصہ ہوگی جبکہ اندرونی دباؤ اور دانشور طبقے کی صورت میں اوپر سے دباؤ کی وجہ سے سوویت یونین آہستہ آہستہ جمہوریت کے سفر پر گامزن ہو جائے گا جبکہ دوسری طرف امریکا پر محنت کشوں اور کسانوں اور سائنس دانوں کے بڑھتے ہوئے سیاسی اہمیت کی وجہ سے امریکا ایک خوشحال ریاست میں تبدیل ہو جائے گا جس کی معیشت ایک Plamned Economy کی طرح ہو جائے گی (روسی طرز کی) مشرق اور مغربی یورپ میں نیم آزاد کمیونسٹ اور خود مختار جمہوری حکومتوں کی شکل میں ہوگا جبکہ روس کے علاوہ تمام کے تمام ممالک ایک بین الاقوامی اتحاد کا حصہ ہوں گے جس کے پاس ایک بین الاقوامی پولیس فورس ہوگی۔ ساری فوجوں کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور کوئی جنگ نہیں ہوگی۔ یروشلم میں اقوام متحدہ (صحیح معنوں میں اقوام متحدہ) اور ایک پورا نظام بنایا جائے گا جس میں تمام ممالک کی یونین شامل ہوگی جو کہ ساری انسانیت کی سپریم کورٹ ہوگی تاکہ اس سے اپنے تمام اختلافات ختم کیے جا سکیں جیسے کہ Isaih نے پیشن گوئی کی تھی۔''

(As, pp, 58-60)

David Ben Gurion کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اگر غور کیا جائے تو امریکا اپنی اندرونی معیشت کو سبسڈی دینے والا سب سے بڑا ملک ہے خصوصاً زراعت کے شعبے میں۔ واضح رہے کہ اس نے یہ پیش گوئی 1962ء میں ہی کر دی تھی۔ پھر اقوام متحدہ کی ایک الگ پیس کیپنگ فورس (UN Peace Kaping Force) پر بھی نظر دوڑانا چاہیے۔ ''اقوام متحدہ نئے عالمی نظام (New World Order) کی تکمیل نہیں بلکہ اس کی شروعات ہے۔ اس کا بنیادی کردار یہی تھا کہ ایسے حالات پیدا کیے جائیں جن کی مدد سے اس سے بھی زیادہ ایک منظم تنظیم کو نئی شکل دی جائے۔'' یہ الفاظ اور کسی کے نہیں بلکہ آئزن ہاور کے پہلے سیکرٹری کے ہیں جس کا نام Jhon

Foster Dulles تھا۔

(War or Peace, Macmillan, 1950 page 40)

UNO کی تمام ایجنسیاں خاص طور سے ایک ہی مقصد کے لیے کام کرتی ہیں یعنی New World Order کے قیام کو آگے بڑھایا جائے۔ اسی طرح خلیج کی جنگ میں جو کہ 1990-91ء میں لڑی گئی تھی امریکی صدر جارج بش نے اس وقت صاف صاف کہا تھا کہ وہ نئے عالمی نظام اور اس کے مقصد کو آگے بڑھائیں گے۔ گویا اب ہمیں صاف صاف پتا چل گیا ہے کہ اس انتشار اور غیر یقینی صورتحال کی وجہ کیا ہے؟ آج جو کچھ ہم اکیسویں صدی میں دیکھ رہے ہیں، بیسویں صدی میں اس کی پوری پلاننگ کی گئی تھی۔ انسانی ریوڑ کو ایک لمبے دورانیے کے قومی اور بین الاقوامی بحرانوں کی طرف ہنکایا گیا تا کہ نئے عالمی نظام New World Order کو قائم کیا جا سکے۔

الومیناتی کے رہنما تھوڑے ہیں لیکن ان کا گروپ بہت زیادہ طاقتور ہے جس میں بین الاقوامی بینکر، سرمایہ دار، سائنس دان، عسکری اور سیاسی رہنما، تعلیم کے ماہر اور معیشت دان شامل ہیں۔ یہ سب مل کر لوگوں کو سیاسی، سماجی، نسلی، معاشی اور مذہبی گروہوں کی بنا پر بانٹتے ہیں۔ وہ ان گروپوں کو ہتھیار بھی دیتے ہیں اور پیسہ بھی تا کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں اور آپس میں لڑ پڑیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ انسانیت اپنی تباہی کی طرف خود چلی جائے اور یہ اس وقت تک جاری رہے جب تک کہ تمام دینی اور سیاسی ادارے تباہ نہ ہو جائیں اور کرۂ ارض کا اقتدار بلا شرکت غیرے ان کے پاس نہ آ جائے۔

اگر کوئی اس سب کو یہودی سازش کہے تو یہ کچھ غلط نہیں بلکہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ حقیقت کو چند الفاظ میں سمیٹ دیا جائے۔ یہ واضح طور پر ایک شیطانی سازش ہے اور زمین پر اس سازش کے نمائندے یہودی ہیں کیونکہ اس کو بنانے والے Warburg، Karl Mara، Weishaupt خاندان Jacob Schiff، Roths Childs وغیرہ سب کے سب یہودی تھے۔

بین الاقوامی سازشوں پر لکھنے والے زیادہ تر مصنفین سے سب سے بڑی غلطی یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے دشمن کی فطرت صحیح معنوں میں بیان نہیں کرتے۔ دنیا کے زیادہ تر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لوگ ایک ایسی جنگ میں مبتلا ہیں جو ان کے خون اور گوشت [یعنی جسموں] کے خلاف ہے جبکہ وہ اس بات کو مسترد کر دیتے ہیں کہ ان کا اصل دشمن شیطان اور اس کے شطونگڑوں کا جتھہ ہے جو کہ اس دنیا میں اندھیروں کے بادشاہ اور برائی کے مرکز و محور دجال اکبر کی مطلق العنان حکمرانی کے لیے کام کر رہا ہے۔"

اسی غلطی کی وجہ سے امریکا کے معتدل مزاج لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سازش کا مقابلہ محب وطن امریکی اس وقت کر سکتے ہیں جب وہ کانگریس کا کنٹرول دوبارہ حاصل کر لیں اور جب سے پر زور آواز، اچھی طرح سے علم رکھنے والے، اچھی ذہنیت والے سیاسی رہنما جنہوں نے اس پر کام بہت پہلے سے کیا ہوا ہو، اس عالمی نظام اور سازش پر پوری طرح سے حملہ کریں۔

انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ایک سیاسی یا پھر کسی مادی دشمن کا مقابلہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کا اصل دشمن تو شیطان یا (Lucifer) ابلیس ہے جو کہ الومیناتی کا خدا ہے۔ الومیناتی ابلیسی سازش ہے۔ بہت بڑے درجے پر اس ابلیسی سازش کے بانیوں کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ وہ ابلیس سے براہ راست رابطے میں ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو کہ خفیہ شیطانی تنظیموں کے مختلف درجوں سے گزرتے ہوئے اب دجال کے کارندے کہلاتے ہیں اور دنیا کو ایک زبردست بحران کی طرف لے جانے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں تا کہ اس کی مدد سے اپنے جھوٹے خدا کی حکمرانی کی راہ ہموار کریں۔ یہ شیطانی طاقت جس میں بدی ہی بدی ہے، اس کو صرف ایک روحانی قوت ہی توڑ سکتی ہے جس کے پاس اس سے بھی زیادہ اختیار اور طاقت ہو اور کے شبہ ہے کہ عظیم شیطانی طاقت کے حامل ملعون شخصیتوں ابلیس اور دجال کے مقابلے کی طاقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کو دی ہے۔ محب وطن اور منصف مزاج امریکی ہوں یا کوئی اور، اگر وہ اس سازش کا توڑ کرنا چاہتے ہیں جس نے امریکا کو اور اس کے توسط سے پورے کرۂ ارض کو جکڑ لیا

ہے اور جو صرف مسلمانوں کے خلاف نہیں، پورے عالم انسانیت کے خلاف بھیانک تصور ہے۔ انہیں ان روحانی شخصیتوں کی پیروی کرنا پڑے گی جن کے ہاتھوں اللہ رب العزت انسانیت کو اس عظیم فتنے سے نجات دلائے گا۔ انہیں سچے مسیح (سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پر سچا ایمان لانا ہوگا۔ وہ مسیح جو آخری سچے نبی پر ایمان لانے کی دعوت دے گا اور ان کے امتیوں کی قیادت کرتے ہوئے پوری دنیا کو ایک منصفانہ اور پرامن نظام دے گا۔

دجالی ریاست: مشرق و مغرب کی نظر میں

جب دجال، دجالی نظام یا دجالی ریاست کا ذکر کیا جاتا ہے تو بعض لوگ اسے "مذہبی زود حسی" یا "روحانی حساسیت" قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ ایک نا قابل توجہ یا نا قابل ذکر چیز کو غیر معمولی اہمیت دیے جانے کا غیر ضروری اور غیر مفید عمل ہے۔ تعجب ہے کہ ایسے حضرات نہ حدیث شریف سے رجوع کرتے ہیں جو ہمیں فتنہ دجال سے اس اہمیت اور اتنی تاکید کے ساتھ آگاہ کرتی ہے کہ سامعین یوں سمجھتے تھے گویا ہم مسجد سے نکلیں گے تو خروج دجال کا واقعہ ہو چکا ہوگا اور نہ یہ حضرات اپنے گرد وپیش میں دجالی علامات، دجالی اصطلاحات، دجالی پیغامات اور دجالی اخلاقیات کو کارفرما دیکھتے ہیں جو ہر لمحے ہمیں چوکنا کر رہی ہیں کہ دجال کے لیے اسٹیج ہموار کرنے کا عمل تیز تر ہوا جا رہا ہے۔ ایسے قارئین کے لیے ہم نے زیر نظر کتاب کا یہ حصہ مخصوص کیا ہے تاکہ وہ حقیقت کو وہم اور سر پہ آپہنچے خطرے کو دور دراز کی افواہیں قرار نہ دیں۔ فتنہ دجال سے آگاہ نہ ہونا اور اس کی زبردست مقاومت کے لیے تیاری نہ کرنا بجائے خود اس فتنہ میں مبتلا ہونے کی علامت ہے۔ مذکورہ بالا احباب کی تسلی و تشفی کے لیے یہاں مشرق اور مغرب سے ایک ایک تحقیق پیش کی جا رہی ہے جس میں صاف طور پر اور کھل کر عالمی نظام حکومت کو "عالمی دجالی ریاست" کا بلیو پرنٹ قرار دیا گیا ہے۔ مشرق کے اہل علم و تحقیق میں سے ہم نے جو مقالہ چنا ہے وہ ماہنامہ "فکر و نظر" میں "اسرائیل سے اسرائیل تک" کے عنوان سے شائع ہوا۔ مقالہ نگار ڈاکٹر ابرار محی الدین (شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور) کے ذوق تحقیق اور اسلوب نگارش کو تحسین پیش کرتے ہوئے ہم شکر گزاری کے گہرے جذبات کے ساتھ ان کی یہ بہترین کاوش یہاں پیش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ایک مغربی مصنف کی کتاب کی تلخیص ہمارے دعوی کا بہترین ثبوت ہے۔

معرکۂ عشق و عقل

انہدام اور قیام:

معرکۂ عشق و عقل جاری ہے۔ خدا پرستی اور مادہ پرستی آمنے سامنے ہیں۔ رحمان کے بندوں اور دجال کے چیلوں کے درمیان معرکۂ عشق و عقل اپنے عروج پر پہنچا چاہتا ہے۔ وہ معرکہ...... جو ازل سے آدم اور ابلیس، ابراہیم اور نمرود، موسیٰ و فرعون میں جاری ہے...... زوردار انداز میں پھر بپا ہو چکا ہے۔ اس کی چنگاریاں سلگتے سلگتے شعلہ بن گئی ہیں۔ یہ شعلے بھڑکتے بھڑکتے عنقریب آتش فشاں بن جائیں گے...... اور پھر...... پوری دنیا روحانیت اور مادیت، رحمانیت اور دجالیت کے درمیان بپا ہونے والی اس جنگ کے شعلوں میں لپیٹ دی جائے گی جس کی آگ عدن میں لگی ہو گی لیکن اس کی روشنی سے شام میں اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں گی۔ "دجالی ریاست" کے انہدام اور "رحمانی ریاست" کے قیام سے پہلے اس معرکے کا میدان سجنے والا ہے۔

افتتاحی اور اختتامی بنیاد:

عصر حاضر میں اس روایتی معرکے کی کئی بنیادیں ہیں۔ افتتاحی بنیاد کا ذکر کتاب کے شروع میں ہو چکا ہے۔ اختتامی بنیاد کا تذکرہ یہاں کتاب کے آخر میں کیا جاتا ہے۔ اس معرکے کی جس میں روحانیت اور مادیت آمنے سامنے ہیں، ایک بنیاد اس وقت پڑی جب خلافت عثمانیہ کے سقوط کے لیے دجالی قوتیں مل کر زور لگا رہی تھیں اور اس غرض کے لیے ارض حرمین کو اس کی سرپرستی سے نکالنا چاہتی تھیں۔ جب تک خلافت کو حرمین کی خدمت کی سعادت حاصل تھی تب تک پوری دنیا کے مسلمان اسے اپنا سرپرست اور اپنے بے آسرا سروں پر سائبان سمجھتے تھے۔ نمائندگان دجال کا اتحاد اس کوشش میں تھا کہ حرمین شریفین پر اگر خلافت عثمانیہ کا سایہ نہیں رہتا تو القدس لینا بھی

آسان ہو جائے گا۔ بیت المقدس کے صحن میں موجود مقدس چٹان کے گرد دجال کا قصر صدارت تعمیر کرنے کے لیے ضروری تھا کہ عثمانی سلاطین کی جگہ جمہوری حکمران یا علاقائی بادشاہتیں قائم ہو جائیں۔ جب یہ سازش کامیاب ہوئی تو ''بلاد الحرمین'' عثمانی خلفاء کے ہاتھ سے جاتے رہے۔ سرزمین حجاز میں عثمانی خلافت کی جگہ سعودی مملکت قائم ہو گئی۔ خلیفۃ المسلمین پوری ملت اسلامیہ کے مفاد کا محافظ ہوتا ہے جبکہ ''جلالۃ الملک'' اپنی مملکت کی حدود میں اپنے اقتدار کے تحفظ کو اولین ترجیح دیتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان اقتدار پرست ترجیحات کے باوجود جلالۃ الملک صاحبان کا نہ جلال باقی ہے نہ ملک۔ ان کا جلال اس دن رخصت ہو گیا جب ان کے ملک میں مال آیا تھا اور وہ کھجور اور دودھ والی جفاکش زندگی کے بجائے تیل اور گیس کی آمدنی سے حاصل ہونے والی سہولت پسندی کے عادی ہو گئے تھے۔

ارضِ قدس سے ارضِ مقدس تک:

تاریخ کا رخ موڑ دینے والا یہ دن 1939ء کے موسم گرما میں اس وقت آیا جب سعودی عرب کے مشرق میں ''الاحساء'' نامی مقام پر ایک کنویں کی کھدائی ہو رہی تھی۔ اس کھدائی سے قبل ارضِ حرمین ''وادی غیر ذی زرع'' تھی۔ یہاں مادیت نہ تھی، روحانیت ہی روحانیت تھی۔ اس کھدائی کے بعد یہاں مادیت پرستوں کا جھمگٹا لگنا شروع ہو گیا۔ ان کو اپنے دجالی منصوبوں کی تکمیل کے لیے جو سرمایہ چاہیے تھا وہ یہاں کی مقدس سرزمین کی نیلی رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ ان کی اس پر حریصانہ نظر تھی۔ دجل کی حد ملاحظہ فرمائیے کہ فقیر منش اہل اسلام کی دولت سے دشمنانِ اسلام کے دجالی مشن کو فراہم جاری رکھنے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے۔ یہ پچھلی صدی کی چوتھی دہائی کی بات ہے۔ ان دنوں دجال کے کارندے ایک طرف تو ارضِ قدس (سرزمین معراج) پر دجالی ریاست کے قیام کے لیے کوشاں تھے اور دوسری طرف ارضِ مقدس (سرزمین اسلام حرمین شریفین) تک پہنچنے کے لیے یہیں کی اس بے پایاں دولت کے حصول کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے جس کے متعلق ان کا اندازہ تھا کہ اس کا حصول انہیں زمین پر ناقابلِ شکست بنا دے گا۔

دجالیت کے استحکام کے لیے ان دو منصوبوں کے راستے میں جو سب سے بڑی رکاوٹ تھی یعنی خلافتِ عثمانیہ، اس کے سقوط کے لیے وہ اپنا مکروہ کردار ادا کر چکے تھے۔ ان کو علم تھا کہ اب ان کے سامنے ''خلیفۃ المسلمین'' نہیں جو عالمی اور تا حدِ افق وسیع سوچ کا مالک اور ارضِ اسلام کے چپے چپے کا محافظ ہے۔ اب ان کے سامنے مقامی اور سطحی سوچ رکھنے والے قبائلی عرب سردار ہیں جنہیں ''جلالۃ الملک'' اور ''خادم الحرمین'' کے عظیم القاب سے ملقب کر دیا گیا ہے۔

محسود عرب اور حاسد غرب:

دورِ زوال کے آخری عثمانی سلاطین بھی، جیسے بھی تھے، لیکن انہیں ناموسِ ملت اور اجتماعی فرائض کا پاس تھا، لہٰذا انہوں نے قرضوں میں ڈوبے ہونے کے باوجود سرزمین فلسطین کی خاکِ مبارک سے یہود کو ایک چٹکی دینے سے بھی انکار کر دیا تھا، جبکہ سقوطِ خلافت کے بعد سرزمین اسلام کے ٹکڑے جن جلیل العظمت پاسبان ملت میں بانٹے گئے تھے، ان کی اولوالعزمی اور ملت سے پائیدار استواری کا یہ عالم تھا کہ القدس تو کجا، وہ ارضِ حرمین میں جہاں صدیوں سے کسی غیر مسلم کی پرچھائیں نہ پڑی تھی، وہاں تیل کی شیدائی یہودی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے اہلکاروں کو بھیس بدلوا کر اپنی ذاتی حفاظت میں لیے لیے پھرتے تھے۔ اس مبہم تبصرے کی دلدوز تفصیل کے لیے ہمیں ''کنواں نمبر سات'' کی روداد تک جانا ہوگا۔ تو آیئے ''کنواں نمبر ایک'' سے بات شروع کرتے ہیں۔ یہ کنواں پینے کے پانی کے لیے نہیں کھودا جا رہا تھا۔ اس ویران صحرا میں پانی کا تصور ہی نہ تھا۔ یہ کنواں ''سونے کے پانی'' کی دریافت کے لیے کھودا جا رہا تھا۔ سونے کے اس پانی کا رنگ نہ پانی والا تھا نہ سونے والا، یہ تو کالا سیاہ تھا، لیکن یہ پانی کی طرح آبِ حیات بھی تھا اور سونے کی طرح کارزارِ حیات میں کام آنے والا سیال سرمایہ بھی۔ اس کی دریافت نہ ہوتی تو عرب اونٹوں کے دودھ اور کھجوروں کی توانائی والی روایتی زندگی گزارتے اور مزے سے رہتے۔ جس دن سے یہ دریافت ہوا عربوں سے فطری زندگی جاتی رہی۔ یہ زندگی اب صرف قبائلی پختونوں کے پاس ہے۔ اس لیے عرب سے دنیا بھر کو حسد تو ہے لیکن محسود عرب، حاسد غرب کے چنگل میں ہیں۔

پختونوں سے بھی دنیا کو کدورت ہے اور ان میں بھی محسود ہے، لیکن وہ حاسدین کے چنگل میں نہیں۔

تین جڑواں شہروں کی کہانی:

آپ کو شاید یہ بے معنی اور بے ربط باتیں سمجھ نہ آئیں گی۔ اس لیے تین جڑواں شہروں کی کہانی آپ کو سناتے ہیں جہاں حرص و ہوس کی ہنڈیا، حسد و بغض کی آنچ پر پکائی گئی تھی۔ سعودی عرب کے مشرق میں (اگر "قارئین مشرق" کا لفظ کالم خوانی کے آخر تک یاد رکھیں تو انہیں ایک نکتہ سمجھنے میں آسانی رہے گی) کویت کی سرحد کے قریب سعودی عرب کے تین جڑواں شہر واقع ہیں: (1) ظہران (جسے دہران بھی کہتے ہیں) (2) الخبر اور (3) دمام۔ یہ پنڈی اسلام آباد یا کوٹری حیدر آباد کی طرح قریب قریب واقع ہیں۔ ظہران سے الخبر دس کلومیٹر ہے اور دمام اٹھارہ کلومیٹر۔ تینوں کے بیچ میں دو رویہ صاف شفاف، وسیع اور کشادہ سڑکیں ہیں جن کی بدولت چند منٹ میں ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچا جا سکتا ہے۔ ان تین شہروں کے نیچے تیل کا سمندر موجزن ہے۔ یہاں اتنا تیل موجود ہے کہ بقیہ پوری دنیا میں موجود تیل کا غالب حصہ اس کے ایک کنویں میں آسکتا ہے جس کا نام "کنواں نمبر سات" ہے۔ یہ تیل عالم اسلام کے مرکز، سرزمین اسلام، ارض حرمین کی ملکیت ہے لیکن اس کے مالکوں کو نہ یہ اختیار ہے کہ اسے نکال سکیں، نہ یہ قدرت ہے کہ اس کی قیمت طے کر سکیں اور نہ ہی یہ حیثیت ہے کہ اس علاقے میں آزادانہ آجا سکیں۔

کشمکش کا نقشہ:

جب بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے تیل کی تلاش شروع ہوئی تو کسی غیر مسلم کی ہمت نہ تھی کہ ارض مقدس میں آمد و رفت رکھے۔ اس وقت ارض اسلام خالص روحانی مرکز تھی جہاں مادیت پرستی کا سایہ نہ پڑا تھا اور نہ یہاں دجال کے کارندوں کے قدم لگے تھے۔ ڈائریکٹر حج آف پاکستان بحر اللہ ہزاروی نے حکومت سعودیہ کے بانی، شاہ عبدالعزیز کی سوانح لکھی ہے جو حکومت سعودیہ کے شاہی خرچ پر چھپی ہے۔ اس کے صفحہ 404 سے لے کر 407 تک وہ تصاویر ہیں جن

میں ان امریکیوں کو روایتی عرب لباس میں ملبوس دکھایا گیا ہے جو یہاں تیل کی تلاش کے لیے آئے تھے، کیونکہ مغربی لباس میں کسی شخص کی آمد کا اس علاقے میں تصور بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔ آرامکو آئل کمپنی کے یہودی ڈائریکٹر نے اس کشمکش کا کسی حد تک نقشہ کھینچا ہے جو اس وقت کے مسلمانوں اور امریکیوں کے درمیان پائی جاتی تھی۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

''ہم سے تیل نکالنے کا معاہدہ کر کے ابن سعود نے بڑی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ کیونکہ یہ وہ علاقہ ہے جہاں کسی غیر مسلم نے قدم نہیں رکھا تھا۔ صحرا کے بدوؤں کے لیے کسی کافر کا اس علاقے میں قدم رکھنا نہایت خطرناک تصور کیا جاتا تھا، لیکن شاہ عبدالعزیز نے نہ صرف ہم سے تیل کا معاہدہ کیا بلکہ ہمیں وہ تحفظ دیا جس کا ہم اپنے ملک میں بھی تصور نہیں کر سکتے تھے۔ ہمارے بارے میں عربوں کو جو شکوک تھے، وہ بھی حقیقت پر مبنی تھے۔ اس لیے کہ ان دنوں عالم اسلام اور عالم عرب کے زیادہ تر ممالک مغربی کالونیاں تھیں۔''

بعد کے وقت نے بتایا کہ مسلمانوں کے شکوک و شبہات درست تھے۔ اس پورے علاقے کو بھی امریکا اور برطانیہ نے اپنی کالونی بنا لیا ہے اور یہ آزاد مملکت سعودی عرب کا حصہ ہوتے ہوئے بھی استعمار کے ماتحت ہیں۔ جب شروع شروع میں تیل نکلنا شروع ہوا تو تیل دریافت کرنے والی امریکن کمپنی ''اسٹینڈرڈ آئل کمپنی'' کو ''عربین اسٹینڈرڈ آئل کمپنی'' کا نام دیا گیا۔ بعد میں جب مستحکم بنیادوں پر کنوؤں پر گرفت مضبوط کر لی گئی تو وہ نام دیا گیا جو پوری دنیا زبان زدِ عام ہے یعنی ''عربین امریکن آئل کمپنی'' (ARAMCO)۔ اس علاقے میں تیل کی تلاش کی کہانی بھی دلچسپ ہے۔

تیل نکالنے کے بارے میں آرامکو نے جو تاریخ لکھی ہے اس کی ایک جھلک یوں ہے:

''تیل کی تلاش 1933ء میں شروع ہوئی۔ وہ امریکی ماہرین جو اس مہم میں شرکت کے لیے آئے تھے، انہوں نے ڈاڑھیاں بڑھا رکھی تھیں اور لمبی لمبی قمیص پہنے ہوئے تھے۔ [عربی لباس میں ملبوس ان امریکیوں کی تصویریں مذکورہ بالا کتاب کے صفحہ 407 پر دی گئی ہیں۔] شاہ عبدالعزیز نے اپنی

خاص پولیس کے ذریعے ان کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی تھی تاکہ بدو ان کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ سب سے پہلے جس جگہ تیل تلاش کرنے کا کام شروع کیا گیا، وہاں سے کچھ نہ ملا۔ اس کام کے لیے نہ صرف یہ کہ تمام آلات امریکا سے منگوائے گئے بلکہ کھانے اور پانی کے علاوہ صابن اور تمام متعلقہ سامان بھی امریکا سے منگوایا گیا تھا۔ پہلے تین جگہوں کی نشاندہی کی گئی لیکن تیل نہ نکلا۔ دوسری طرف وہ جس طرز زندگی سے دوچار تھے وہ اس سے بھی زیادہ مشکل تھی لیکن بہرحال کوشش جاری رہی۔ امریکیوں نے بھی نہایت حوصلہ اور صبر سے کام لیا۔ پہلا کنواں جن حالات میں کھودا گیا اس کی تفصیل بہت مشکل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے کنویں میں ناکامی کے بعد دوسرا کنواں کھودا گیا، لیکن اس میں بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تیسرے کنویں کی کھدائی میں ان کو یقین تھا کہ کچھ ملے گا۔ اس وقت اس پر ہزاروں ڈالر خرچ ہو چکے تھے۔ ورکروں کے رہنے کے لیے شروع میں خیمے ہوتے تھے۔ گرمی بھی ایسی تھی کہ جس سے چہرے جھلس جاتے تھے۔ بعد میں ریاض کے کچے گھروں کی طرح چھوٹے چھوٹے گھر بنائے گئے۔ یہ گھر بطور آثار قدیمہ آج بھی موجود ہیں۔ تیسرے کنویں کے کھودنے کے بعد اتنا پتا چلا کہ تیل تو ہے لیکن اتنا ہے جس کے لیے اتنی تکلیف برداشت نہیں کی جاسکتی ہے۔ تیل نکالنے والی کمپنی کے اعلیٰ حکام کو شک ہونے لگا...... لیکن ان میں صبر کا مادہ تھا۔ چونکہ تیل کی تلاش میں کام کرنے والوں کے زیادہ عرصہ رہنے کی وجہ سے وہ یہاں کی آب و ہوا سے خاصے مانوس ہو چکے تھے اس لیے گھبرائے نہیں۔ چوتھا کنواں جس جگہ کھودا گیا وہ پہلی جگہوں سے مختلف تھا لیکن تیل جس کے لیے اتنی اُمیدیں وابستہ کی گئی تھیں، وہاں نہ نکلا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا کمپنی فلاپ ہونے کا اعلان کرے؟ جو کچھ خرچ کرنا تھا وہ تو ہو چکا تھا۔ چنانچہ امریکا میں موجود کمپنی کے کرتا دھرتا حکام کی میٹنگ ہوئی۔ 1937ء تک جو خسارہ ہو چکا تھا وہ تیس لاکھ ڈالر کا تھا لیکن انہوں نے کام جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے نئے ماہرین کو بھیجا اور کمپنی میں کام کرنے والوں کو نئے کنٹریکٹ اور فوائد دیے تاکہ وہ کام جاری رکھ سکیں۔ ان حالات میں پانچواں کنواں کھودنے کا کام شروع ہوا۔ ماہرین کے پاس جو تجربہ اور کمال تھا وہ سب اس میں

جھونک دیا، لیکن اس کا بھی وہی نتیجہ نکلا، تاہم وہ نا اُمید نہ ہوئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک آخری کوشش اور کی جائے تاکہ اگر تیل نہ ملے تو حسرت بھی باقی نہ رہے۔

اس دوران انہوں نے ایک وقت میں دو کنویں کھودنے کا فیصلہ کیا۔ یہ چھٹا اور ساتواں کنواں تھے۔ ماہرین کے علاوہ کمپنی کے اعلیٰ حکام بھی لمحہ لمحہ کی معلومات حاصل کر رہے تھے۔ چھٹے کنویں سے بھی کچھ نہیں ملا۔ جس سے ان کی نا اُمیدی میں مزید اضافہ ہوا۔ یہاں تک کہ ظہران اور کیلی فورنیا کے درمیان یہ گمان ہونے لگا کہ کسی وقت بھی حکم آسکتا ہے تیل کی تلاش بند کر کے واپس آجاؤ۔ اچانک اطلاع ملی کہ کمپنی کے ڈائریکٹر جنرل خود آرہے ہیں اور یہ بھی کہ کمپنی کے اکاؤنٹ میں ڈالرز امریکا سے منتقل ہو چکے ہیں۔ نیا سامان بھی روانہ ہو چکا ہے...... لیکن ساتویں کنویں کو ابھی پوری طرح کھودا بھی نہ گیا تھا کہ ایک معجزہ ہوا۔ جس سے امریکیوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ زمین سے خزانہ اُبل پڑا اور اتنا تیل نکلا جس پر خود امریکی حیران و پریشان تھے۔ یہ مارچ 1938ء کی بات ہے۔ اب تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہو چکا تھا۔ یہ واقعہ نہ صرف کیلی فورنیا کمپنی کے لیے حیران کن تھا بلکہ پورے جزیرہ نمائے عرب کے لیے ایک معجزہ تھا۔ یہ کنواں آج بھی سات نمبر سے پکارا جاتا ہے۔ 1933ء سے 1938ء کے آخر تک ان پانچ سالوں میں 575 ہزار بیرل تیل نکلا لیکن صرف 1939ء میں 39 لاکھ 34 ہزار بیرل نکالا گیا۔ یعنی گزشتہ پانچ میں سالوں سات گنا۔ یہ مقدار 1940ء میں پچاس لاکھ 75 ہزار بیرل اور 1945ء میں یہ 2 کروڑ 13 لاکھ 11 ہزار بیرل تک پہنچی۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی تیل دریافت ہوا ہے یہ مقدار سب سے زیادہ ہے۔ 1946ء میں 990 لاکھ 66 ہزار بیرل ہوا یعنی سالانہ 60 ملین بیرل، 1947ء میں آٹھ کروڑ 98 لاکھ 25 ہزار بیرل یعنی نوے ملین بیرل ہو گیا۔ یہاں سے نہ صرف تیل، بلکہ گیس بھی نکلی۔"

رحمانی ریاست کی تقسیم:

یہاں سے امریکیوں کو (امریکیوں کے لبادے میں دجالی یہودیوں کو) صرف تیل اور گیس ہی نہ ملا بلکہ دنیا پر حکومت کی چابی اور عالم اسلام کے خزانوں تک رسائی کا وسیلہ بھی ہاتھ آ گیا۔

ساتھ ہی رحمانی مرکز (ارضِ حرمین) میں اثر و نفوذ اور یہاں کی دولت لوٹ کر دجالی ریاست کی تعمیر و تشکیل کا ہولناک ابلیسی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اب ایک طرف وہ ''ارضِ قدس'' میں دجالی ریاست کی بنیادیں رکھ رہے تھے اور دوسری طرف وہ ''ارضِ مقدس'' کی دولت کو ان بنیادوں میں انڈیل کر دجال کے ''قصرِ صدارت'' کو استحکام دے رہے تھے۔

امریکی یا برطانوی جب کہیں جاتے ہیں تو اپنی تہذیب اور اندازِ زندگی ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ جب کوئی پروجیکٹ شروع کرتے ہیں تو پہلے وہاں اپنی کالونی بناتے ہیں۔ اپنی بستی تعمیر کرتے ہیں۔ اس میں ان کا اپنا سیکیورٹی سسٹم، اپنا ٹی وی اسٹیشن، تفریحی مراکز اور امریکی تہذیب کے جملہ لوازمات بمع جملہ سہولیات مہیا کیے جاتے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ اس میں سب کچھ ان کا اپنا ہی ہوتا ہے۔ یہاں تو سونے کا دریا بہتا تھا۔ لہٰذا سوچا جا سکتا ہے کہ انہوں نے یہاں کیا کچھ نہ تعمیر کیا ہو گا؟ جنگل کے سربراہ کی مرضی ہوتی ہے کہ انڈہ دے یا بچہ جنے۔ یہ دنیا انسانوں کا مسکن نہیں، حیوانوں کا بسیرا بن گئی ہے جس کا سربراہ امریکا ہے۔ جیتے سونے کی اس ''سنہری'' سرزمین میں کسی غیر ملکی کو کیا، معزز سعودی باشندے کی مجال نہیں کہ قدم رکھ سکے۔ امریکی حکام کی مرضی ہے جتنا تیل نکالیں یا اس کی جو قیمت مقرر کریں، مقرر ہی نہ کریں بلکہ سیکیورٹی کے اخراجات میں یا سعودیہ کو بلا ضرورت فراہم کیے گئے زائد المیعاد اسلحے کی قیمت میں لگا لیں۔ دنیا میں جس ملک کی جتنی برآمدات ہوں اس کی کرنسی کی قیمت اتنی ہی مضبوط ہوتی ہے۔ سوائے سعودی عرب کے کہ اس کا جتنا تیل بھی باہر جائے، دجالی سامراج کی طرف سے یہ طے ہے کہ اس کا کوئی تعلق اس کی کرنسی کی قدر سے نہیں ہو گا۔ اندازہ لگائیے مسلمانوں کی دولت کی تلچھٹ سے مسلمانوں کے کشکول میں کتنا آ رہا ہے؟ مسلمانوں کی سادگی اور کاہلی نے انہیں کس طرح بے کس و بے بس بنا رکھا ہے؟ امریکا کے شہروں اور دیہاتوں میں روشنیوں کی چکا چوند ہے جبکہ عالمِ اسلام میں قحط ہے، غربت ہے، جہالت ہے، بدحالی اور پسماندگی ہے۔ دوسری طرف امریکا کے اپنے تیل کے ذخائر محفوظ ہیں اور وہ عالمِ اسلام کے تیل کے ذخائر سے بے دھڑک استفادہ کر رہا ہے۔ بات

صرف یہیں تک ہوتی تو کچھ کم قہرناک نہ تھی، ستم بالائے ستم یہ ہے کہ دجالی استعمار چاہتا ہے مشرقی اور مغربی سعودی عرب کو الگ الگ کردے۔ مشرق میں تیل کی دولت ہوگی، روحانیت نہیں۔ اور مغرب میں مسلمانوں کے روحانی مراکز ہوں گے، دولت نہ ہوگی۔ اس طرح دجالی ریاست کی تکمیل آسان ہوتی جائے گی اور رحمانی ریاست کا مرکز تقسیم ہوکر کمزور ہوتا جائے گا۔ جب یہ کمزور ہوجائے گا تو مکہ و مدینہ کو "آزاد شہر" قرار دینے کا نعرہ بلند کرکے یہاں بھی "دجال کے ہرکارے" اپنی آوٹ جاوت لگالیں گے۔ تبوک سے خیبر تک انہوں نے ہزاروں ہیکٹر زمین خرید کر رکھی ہے، خیبر میں اپنی دوبارہ واپسی کا جشن وہ جنگ خلیج کے بعد منا چکے ہیں، ان مقدس شہروں میں بھی وہ بھیس بدل کر آنا جانا لگائے ہوئے ہیں، اس کے اثرات عرب معاشرے پر کھلم کھلا دیکھے جاسکتے ہیں۔ جب خدانخواستہ کھلی آزادی مل جائے گی تو ان کی کارستانیاں کیا کچھ ستم نہ ڈھائیں گی، اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حرمین شریفین کی طرف پیش قدمی کی اس دجالی مہم کا آغاز "القدس" کو آزاد شہر بنانے کا غلغلہ بلند کرکے کیا جاچکا ہے۔ جب "حرم ثالث" پر اس بہانے دجالی تسلط تسلیم کروالیا جائے گا تو حرم اول و ثانی، ارض مکہ و مدینہ (حرسہما اللہ تعالیٰ) کی طرف ناپاک نظریں کھل کر اٹھنا شروع ہوجائیں گی۔ یہ ہے مرحلہ وار منصوبہ اور یہ ہے دجل پرستوں کی زہریلی تمنائیں۔

ناپاک آرزوؤں کا علاج:

دجل میں لتھڑی ان ناپاک آرزوؤں کا علاج سہولت پسند ہوجانے والے عرب کے پاس نہیں، اس کا علاج افغانستان کے کہساروں میں بسنے والے ان کالی پگڑی والوں کے پاس ہے جس کے پاس عرب شہزادوں نے پناہ لی ہے اور جہاں سے اُٹھنے والا لشکر حرمین سے ظہور کرنے والے اس عرب شہزادے کا ساتھ دے گا جو متبع سنت اور صاحب تدبیر مجاہد ہوگا اور جس کا ساتھ صرف وہی شخص دے سکے گا جس نے شوق شہادت سے سرشار ہوکر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے صدق دل سے امیر کی طلب اور اس کا ساتھ دینے کا عزم کیا ہوگا۔ دنیائے اسلام میں سے کسی نے

سائنس و ٹیکنالوجی میں مہارت کو ترقی کا ذریعہ سمجھا، کسی نے اقتصاد و معیشت کی بہتری کا رونا رویا، کسی کو یہ دور میڈیا کی جنگ کا دور نظر آیا، یہ سب کے سب مغرب کا تعاقب کرتے ہوئے ترقی کا راز اس دشمن کے نقشِ قدم کے تعاقب میں تلاش کرتے رہے جو ان سے پانچ سو سال آگے تھا، جبکہ کہساروں کے ان خدامستوں نے جہاد کی ٹیکنالوجی، غنیمت کی معیشت اور ایمان و عزت کی جنگ میں دیوانہ وار کود کر ثابت کر دیا کہ ان ساری چیزوں میں ترقی ضمنی اور ثانوی درجے کی چیز ہے۔ کفر کی ہوش ربا ترقی کا علاج کفر شکن جہاد میں ہے۔ اس کے علاوہ ہر تدبیر غلامی کی زنجیریں مزید تنگ تو کرتی ہے، انہیں کاٹنے کے کام نہیں آتی۔

تین اسلامی ملک:

موجودہ عالمی استعمار جو دجالی قوتوں کی اکسٹھ کا دوسرا نام ہے، سرزمین افغان میں اس رحمانی لشکر سے منہ کی کھا چکا ہے۔ اسے اچھی طرح اندازہ ہے کہ یہاں سے رسوا کن خالی ہاتھ واپسی کے بعد افغانستان کی غیر معمولی استعداد حرب کے ساتھ پاکستان کی ٹیکنالوجی اور فنی مہارت یکجا ہو گئی تو اگلا معرکہ جس کا نکتۂ انفجار ''آرمیگاڈون'' کی وادی میں بپا ہوگا، اس میں یہ دونوں ملک جنہوں نے ''ہجرت، نصرت اور جہاد'' کی بے مثال نظیر پیش کی ہے، اس کے لیے خدائی عذاب ثابت ہوں گے، اس لیے وہ یہاں جانے سے پہلے دجال کے لشکر ''بلیک واٹر'' جیسی تنظیموں اور قادیانیت جیسے گروہوں کے ذریعے منافرت اور نفاق کے بیج بو دیے جائیں۔ دنیا میں تین اسلامی ملک ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک کی دولت اور روحانی سرپرستی، دوسرے کی فنی مہارت اور ایٹمی طاقت، تیسرے کی دلیرانہ افرادی قوت جمع ہو جائیں تو سات براعظموں کی غیر مسلم طاقتیں مل کر بھی انہیں شکست نہیں دے سکتیں۔ یہ تین ملک بالترتیب سعودی عرب، پاکستان اور افغانستان ہیں۔ دجال کی نمائندہ قوتوں کی کوشش ہے کہ یہاں سے ہزیمت آمیز خروج سے پہلے ہجرت و نصرت کرنے والی ان دو ملتوں (پاکستان و افغان) میں افتراق و انتشار کی زہریلی سوئیاں چبھو دی جائیں۔ اس غرض کے لیے دجال کے کارندے پاکستان میں عوامی جگہوں پر بے مقصد دھماکے کر کے انہیں

رحمان کے جانبازوں کے نام تھوپتے ہیں اور دنیا بھر کی متحدہ دجالی قوتوں کو شکست دینے والے مجاہدین کا امیج ان کی نصرت کرنے والے عوام کی نظر میں خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عشق کی بھٹیوں سے:

الغرض! مغرب کی عقل اور مشرق کے عشق کا معرکہ زوروں پر ہے۔ مغرب دجالی ریاست کو کامیاب دیکھنا چاہتا ہے اور مشرق کی طرف سے آنے والے کالے جھنڈوں والے جانباز رحمانی ریاست کی تعمیرِ نو چاہتے ہیں۔ عقل کی معراج کے سامنے مسلمانوں کو تقویٰ کی معراج چاہیے۔ تقویٰ سے عشقِ الٰہی جنم لیتا ہے اور جس دن مسلمان عشقِ الٰہی میں دیوانے ہو جائیں گے اس دن عشق کے متوالے، عقل والوں کی بھڑکائی ہوئی آگ میں کود کر لازوال کردار ادا کریں گے۔

یہ بات طے ہے کہ جس دن معرکۂ عشق و عقل اپنے عروج پر پہنچے گا اس دن عقل کو، اس کی برتری ماننے والوں کو اور اس سے مرعوب ہونے والوں کو کھلی شکست ہو جائے گی۔ صرف یہ طے ہونا باقی ہے کہ عقل پرستی کے لشکر میں کون کون ہوگا اور انہیں کتنے دنوں کی مہلت مزید ملے گی؟ اور عشق کے گھائل کون کون ہوں گے اور انہیں عشق کی کتنی بھٹیوں سے گزرنے کے بعد معشوقِ حقیقی کا وصال یا پھر روئے زمین پر اس کی خلافت نصیب ہوگی؟؟؟

فتنہ دجال سے بچنے کی تدابیر

یہ تدابیر دجال 1 میں بیان کی جا چکی ہیں۔ یہاں ان کا خلاصہ دہرایا جاتا ہے کہ فتنوں کے دور میں ہر مسلمان کا لائحہ عمل اور دجال پر اس کتابی سلسلے کا حاصل وصول ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا، دنیا میں کوئی فتنہ دجال کے فتنے سے بڑا نہیں ہوا اور اللہ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا، اس نے اپنی اُمت کو دجال سے ڈرایا ہے، اور میں آخری نبی ہوں اور تم بہترین اُمت (اس لیے) وہ ضرور تمہارے ہی اندر نکلے گا۔'' (ابن ماجہ، ابوداؤد وغیرہ)

اس عظیم فتنے سے بچنے کے لیے قرآن وسنت اور نصوص شریعت کی عصری تطبیق سے اخذ کردہ روحانی وعملی تدابیر ملاحظہ فرمائیں:

روحانی تدابیر:

1- ہر قسم کے گناہوں سے سچی توبہ اور نیک اعمال کی پابندی۔

2- اللہ تعالیٰ پر یقین اور اس سے تعلق کو مضبوط کرنا اور دین کے لیے فدائیت (قربان ہونے) اور فنائیت (مر مٹنے) کا جذبہ پیدا کرنا۔

3- آخری زمانے کے فتنوں اور حادثات کے بارے میں جاننا اور ان سے بچنے کے لیے نبوی ہدایات سیکھنا اور ان پر عمل کرنا۔

4- دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتنوں کا شکار ہونے سے بچائے اور حق کی مدد کے وقت باطل کے ساتھ کھڑے ہونے کی بدبختی اور اس کے وبال وعذاب سے محفوظ رکھے۔ اس دعا کا اہتمام کرنا:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّی أَعُوذُبِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَهَرَ وَمَا بَطَنَ، اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ، وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ۔"

5۔ ان تمام گروہوں اور نت نئی پیدا شدہ جماعتوں سے علیحدہ رہنا جو علمائے حق اور مشائخ عظام کے متفقہ اور معروف طریقے کے خلاف ہیں اور اپنی جہالت یا خود پسندی کی وجہ سے کسی نہ کسی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

6۔ امریکا اور دیگر مغربی ممالک کے گناہوں بھرے شہروں کے بجائے حرمین شریفین، ارض شام، بیت المقدس وغیرہ میں رہنے کی کوشش کرنا۔ خونی معرکوں میں زمین کے یہ خطے مؤمنوں کی جائے پناہ ہیں اور دجال ان میں داخل نہ ہوسکے گا۔ ایسا ممکن نہ ہو تو اپنے شہروں میں رہتے ہوئے جید علمائے کرام کے حلقوں سے جڑے رہنا۔

7۔ پابندی سے تسبیح و تحمید اور تہلیل و تکبیر (آسانی کے لیے تیسرا اور چوتھا کلمہ کہہ لیں) کی عادت ڈالی جائے۔ دجال کے فتنے کے عروج کے دنوں میں جب وہ مخالفین پر غذائی پابندی لگائے گا، ان دنوں ذکر و تسبیح غذا کا کام دے گی، لہٰذا ہر مسلمان صبح و شام مسنون تسبیحات (درود شریف، تیسرا (یا چوتھا) کلمہ اور استغفار کی عادت ڈالے۔ ابھی سے تہجد کی عادت ڈالیں۔)

8۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمانوں پر اٹھائے جانے اور خروج دجال کے بعد واپس زمین پر آکر دجال اور اس کے پیروکار یہودیوں کا خاتمہ کرنے (جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تکلیفیں دیں) پر یقین رکھے کہ یہ امت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

9۔ جب حضرت مہدی کا ظہور ہو اور علمائے کرام ان کو صحیح احادیث میں بیان کردہ علامات کے مطابق پائیں تو ہر مسلمان ان کی بیعت میں جلدی کرے۔ باطل پرست اور گمراہ و بے دین لوگ دجالی قوتوں کے جن نمائندوں کو فرضی روحانی شخصیات لے کر (مہدی موعود یا مسیح موعود) اور ان کی تشہیر کرتے ہیں، ان سے دور رہنا اور ان کے خلاف کلمہ حق کہنے والے علمائے حق کا ساتھ دینا۔

10۔ جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرنا، اس کی ابتدائی اور آخری دس آیات کو حفظ کرلینا

اور صبح شام ان کو دہرانا، ایک مشہور حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ دجال کے فتنے سے جو محفوظ رہنا چاہتا ہے، اس کو چاہیے کہ سورۂ کہف کی ابتدائی یا آخری دس آیتوں کی تلاوت کرے۔ ان میں کچھ ایسی تاثیر اور برکت ہے کہ جب ساری دنیا دجال کی دھوکا بازیوں اور شعبدہ بازیوں سے متاثر ہو کر نعوذ باللہ اس کی خدائی تک تسلیم کر چکی ہوگی، اس سورت یا ان آیات کی تلاوت کرنے والا اللہ کی طرف سے خصوصی حصار میں ہوگا اور یہ دجالی فتنہ اس کے دل و دماغ کو متاثر نہ کر سکے گا، لہٰذا ہر مسلمان پوری سورۂ کہف یا کم از کم شروع یا آخری دس آیتوں کو زبانی یاد کرے اور ان کا ورد کرتا رہے۔

عملی تدابیر:

1- صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ملکوتی اخلاق پھیلانا:

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تین صفات ہیں جنہیں اپنانے والے ہی مستقبل قریب میں برپا ہونے والے عظیم رحمانی انقلاب کے لیے کارآمد عنصر ثابت ہو سکیں گے:

پہلی صفت: صحابہ کرام کے دل باطنی بیماریوں اور روحانی آلائشوں یعنی تکبر، حسد، ریا، لالچ، بخل، بغض وغیرہ سے بالکل پاک وصاف اور خالص ومخلص تھے، لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ سچے اللہ والے، متبع سنت بزرگ کی خدمت میں اپنے آپ کو پامال کرے اور ان کی اصلاحی تربیت کے ذریعے ان مہلک روحانی بیماریوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

دوسری صفت: وہ علم کے اعتبار سے اس عالم امکان میں علمیت اور حقیقت شناسی کی آخری حدوں تک پہنچ گئے تھے جہاں تک ان سے پہلے انبیاء کو چھوڑ کر نہ کوئی انسان پہنچ سکا اور نہ آیندہ پہنچ سکتا ہے، لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ روحانی اور رحمانی علم کی جستجو کرے۔ یہ علم اللہ والوں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور اس علم کے بغیر کائنات اور اس میں موجود اشیا و حوادث کی حقیقت سمجھ نہیں آسکتی۔

تیسری صفت: وہ روئے زمین پر سب سے کم تکلف کے حامل بننے میں کامیاب ہو گئے۔ ہر مسلمان بے تکلفی، سادگی اور جفاکشی اختیار کرے۔ مغرب کی ایجاد کردہ طرح طرح کی سہولیات اور عیش و عشرت کے اسباب سے سختی کے ساتھ بچیں۔ ہر طرح کے حالات میں رہنے، کھانے، پینے

اور سپننے کی عادت ڈالیں۔ (تیز قدموں سے) پیدل چلنے، تیراکی کرنے، گھڑ سواری، نشانہ بازی اور ورزشوں کے ذریعے خود کو چاق و چوبند رکھنے کا اہتمام کریں۔

2۔ مال و جان سے جہاد فی سبیل اللہ:

جہاد اسلام کو چوٹی پر لے جانے والی واحد سبیل (راستہ) اور مسلمانوں کی ترقی کا واحد ضامن ہے۔ دجال کے کارندے یہودیوں کی کوشش ہے کہ مسلمانوں کے اندر از خود پیدا شدہ عزم جہاد کا رخ پھیر کر انہیں بے مقصد اور سطحی علمی تحقیق، فنون و صنعت میں مغرب کے تعاقب، سائنس و ٹیکنالوجی کے حصول کی خواہش میں مغرب کے ازکار رفتہ نظریات کی پیروی اور معیشت و اقتصادی کی بہتری میں حلال و حرام کی تفریق کے بغیر مالی صلاحیتوں کو بڑھانے میں مشغول کر کے جہاد کے ذریعے حاصل ہونے والی بے مثال، تیز رفتار اور ہوش ربا ترقی سے محروم اور غافل کر دیں اور جہاد کی توہین و تنقیص، انکار و تردید حتیٰ کہ جہاد سے پیٹھ پھیر کر دوسری چیزوں میں فلاح و کامیابی اور نجات تلاش کرنے والے بنا کر اللہ تعالیٰ کے غضب و انتقام کا شکار بنا دیں۔ جہاد وہ عمل ہے جس سے یہودیت کی جان نکلتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی بقا و فلاح اس میں ہے کہ اپنی نئی نسل میں جذبۂ جہاد کی روح پھونک کر اس دنیا سے جائیں اور اپنے اہل و عیال اور متعلقین کا اللہ کے راستے میں جان و مال قربان کرنے کا ذہن بنائیں۔ جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت میں فنائیت کے بغیر مسلمانوں کی بقا و ترقی کا تصور پہلے تھا، نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔

3۔ فتنۂ مال و اولاد سے حفاظت:

فتنۂ دجال دراصل ہے ہی مال کی محبت اور مادیت پرستی کا فتنہ، اس لیے ضروری ہے کہ ہر مسلمان حلال و حرام کا علم حاصل کرے۔ ہر طرح کے حرام سے بالکل اجتناب کرے۔ صرف اور صرف حلال مال کمائیں اور پھر اس میں سے خود بھی فی سبیل اللہ خرچ کریں اور بچوں سے بھی اللہ کے راستے میں خرچ کروا کر ان کی عادت ڈالیں۔ اولاد کی دینی تربیت کریں اور ان کی محبت کو دینی کاموں اور جہاد فی سبیل اللہ میں رکاوٹ نہ بننے دیں۔

4- فتنۂ جنس سے حفاظت:

(1)...... مرد اور عورت کا مکمل طور پر علیحدہ علیحدہ ماحول میں رہنا جو شرعی پردے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

(2)...... عورتوں کو زیادہ سے زیادہ شرعی مراعات دینا اور ان کی مخصوص ذمہ داریوں کے علاوہ دیگر ذمہ داریوں سے انہیں سبکدوش کرنا، جو اُن کی فطرت اور شریعت کے خلاف ہیں۔

(3)...... بالغ ہونے کے بعد مردوں اور عورتوں کی شادی میں دیر نہ کرنا۔

(4)...... نکاح کو زیادہ سے زیادہ آسان بنانا اور فسخِ نکاح کو زیادہ سے زیادہ مشکل بنانا۔

(5)...... کسی بھی عمر میں جنسی و نفسیاتی محرومی کو کم سے کم واقع ہونے دینا، لہٰذا بڑی عمروں کے مردوں اور عورتوں کو بھی پاکیزہ گھریلو زندگی گزارنے کے لیے نکاحِ ثانی کی آسانی فراہم کرنا۔

(6)...... کثرتِ نکاح اور کثرتِ اولاد کو رواج دینا، ورنہ اُمت سکڑتے سکڑتے دجالی فتنے کے آگے سرنگوں ہو جائے گی۔

(7)...... مردوں کی ایک سے زیادہ شادی۔ دوسری شادی ترجیحاً بیوہ، مطلقہ، خلع یافتہ یا بے سہارا عورت سے کی جائے۔

(8)...... بیوہ و مطلقہ عورتوں کی جلد شادی۔

(9)...... شادی کو خرچ کے اعتبار سے آسان تر بنانا اور نکاحِ ثانی اور بیوہ و مطلقہ سے شادی پر ہر طرح کی معاشرتی پابندیوں کا خاتمہ کرنا۔

(10)...... معاشرے میں آسان و مسنون نکاح کی ہمت افزائی کرنا اور مشکل نکاح سے (جس سے غیر شرعی رسومات اور فضول خرچی پر مشتمل رواج ہوتے ہیں) ناپسندیدگی کا اظہار کرنا۔

(11)...... ماہر اور تجربہ کار دائیوں کی زیرِ نگرانی گھر میں ولادت کا انتظام کرنا اور زچگی کے آپریشن سے حتی الوسع اجتناب کرنا۔

5- فتنۂ غذا سے حفاظت:

فتنہ دجال اکبر کے سامنے سب سے زیادہ آسان شکار حلال وطیب کے بجائے حرام مال اور خبیث غذا سے پرورده جسم ہوتا ہے لہذا جن چیزوں کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے ان سے اپنے آپ کو سختی سے بچایا جائے۔ حرام لقمہ، حرام گھونٹ اور حرام لباس سے خود کو آلودہ نہ ہونے دیا جائے۔ مصنوعی طور پر Hybridization اور Cross-Polination کے ذریعے پیدا کردہ غذاؤں نیز ڈبہ بند غذائی اشیا اور جینیاتی و کیمیاوی طور پر تیار کردہ غذاؤں سے سختی سے پرہیز کیا جائے۔ اُمت مسلمہ اپنے علاقوں میں فطری اور قدرتی غذا کے حصول کے لیے زراعت، باغبانی، شجر کاری اور حیوانات کی قدرتی افزائش نسل پر توجہ دے تاکہ کیمیاوی اجزا سے پاک اجناس، پھل، گوشت اور دودھ حاصل کر کے ان مضر اثرات سے بچ سکے جو یہودی سرمایہ داروں کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے ان قدرتی چیزوں کو رفتہ رفتہ مصنوعی بنا کر انسانوں میں انجیکٹ کیے جا رہے ہیں۔

6- فتنہ میڈیا سے حفاظت:

دجالی قوتوں کا سب سے اہم ہتھیار "دجل" ہے یعنی جھوٹ اور مکروفریب۔ جھوٹا پروپیگنڈہ، جھوٹی افواہیں، جھوٹی الزامات، جھوٹے دعوے، جھوٹا رعب، جھوٹی دھمکیاں۔ مصدقہ جھوٹی خبریں جو غلط کو صحیح بتائیں اور مبینہ جھوٹی رپورٹیں جو سچ کو جھوٹ میں چھپائیں۔ اعلیٰ عہدوں پر فائز باوقار شخصیات کے مکارانہ جھوٹ میں ملفوف بیانات، جادو بیان اینکر پرسن کے ذریعے پھیلائے گئے زہریلے خیالات و نظریات...... یہ سب کچھ اور اس جیسا اور بہت کچھ دجالی کے ہرکاروں کے مخصوص حربے ہیں۔ اس دور کے انسانوں پر لازم ہے کہ جدید ذرائع ابلاغ کے فتنے سے خود کو بچائیں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ (صبح شام) سورہ کہف کی ابتدائی و آخری آیات پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ انہیں حق و باطل میں اور اصل و دجل میں تمیز کی صلاحیت عطا کرے۔

2- اس دعا کے ساتھ ہر طرح کے گناہوں سے بچیں اور ظاہر و باطن میں تقویٰ کا اہتمام کریں کہ اس کی برکت سے اہل ایمان کو "فرقان" عطا ہوتا ہے یعنی ایسی فہم و فراست جس سے صحیح اور غلط، سچ اور جھوٹ میں فرق کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

3- میڈیا پر انحصار کرنے کے بجائے حقیقت حال معلوم کرنے کے نجی طریقے استعمال میں لائے جائیں، مثلاً: جو صاحب ایمان دجالی قوتوں کے خلاف کام کر رہے ہیں یا میدان جہاد میں برسرپیکار ہیں، ان سے ربط ضبط رکھا جائے۔ ان سے زمینی حقائق معلوم کیے جائیں۔ علمائے حق کی خدمت میں آمد و رفت رکھی جائے اور صالحین وقت کے حلقے میں سینہ بہ سینہ چلنے والی خبروں سے مطلع رہا جائے۔

4- اگر جدید میڈیا سے خبریں سنی ہی پڑ جائیں تو ان کی رو میں بہہ جانے کے بجائے ان کا تجزیہ کیا جائے۔ جن اسلامی ممالک، دینی افراد، نظریاتی تعلیمات، جہادی تحریکات یا دینی اداروں کے متعلق افواہی خبریں فراہم کی جارہی ہیں، ان سے تحقیق کی جائے۔ اگر تضاد یا تعارض دکھائی دے تو اہل علم وصلاح کی بات پر اعتماد کیا جائے نہ کہ جھوٹی خبریں گھڑ کر جعل پھیلانے والوں کے اصرار پر۔

5- دین و مذہب اور ملک و ملت کے مفاد کے خلاف کسی بات کو آگے نہ پھیلایا جائے۔ کسی نیک نیت شخصیت یا ادارے، تحریک و تنظیم کے خلاف مہم میں شریک ہونے بننے کے بجائے خیر کی بات پھیلائی جائے اور حسن ظن پر مبنی تبصرہ دوٹوک انداز میں بیان کیا جائے۔ افواہوں کا آسان شکار بننے کے بجائے مومنانہ فراست کا اظہار کیا جائے۔

7- فتنہ شیطانیت سے حفاظت:

شیطان نے جنت سے نکالے جانے کے وقت قسم کھائی تھی کہ وہ آدم کی اولاد کو گمراہ کرنے کا ہر وہ جتن کرے گا جس کے ذریعے وہ اسے جنت میں داخلے سے روک سکے اور اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار چونکہ دجال ہے، اس لیے شیطان کی پوجا اور دجال کی جھوٹی خدائی کو تسلیم کرنا دونوں ہم معنی باتیں ہیں۔ ان دونوں چیزوں یعنی شیطانیت اور دجالیت کی تعظیم و تشہیر کے لیے آج کل کچھ شیطانی علامات اور دجالی نشانات دنیا بھر میں باقاعدہ منصوبے کے تحت پھیلائے جارہے ہیں اور ان کو فروغ دے کر عنقریب ظہور کرنے والے "یک

چشم شیطان'' سے لوگوں کو مانوس کیا جارہا ہے۔ اپنے گردوپیش میں پھیلی ہوئی ان علامات کو پہچاننا اوران کی نحوست سے خود کو اور دوسروں کو بچانا اور ان کے پیچھے چھپے خفیہ شیطانی پیغام کو مسترد کر کے رحمان کے مبارک پیغامات پھیلانا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ ان علامات میں سب سے مشہور اکلوتی آنکھ ہے۔ جو دجال کی معیوب اور قابل نفرت پہچان ہے لیکن دجال کے ہرکارے اسے طاقت کا سرچشمہ بتا کر دنیا بھر کے لوگوں کو اس سے مانوس اور مرعوب کررہے ہیں۔ اس کے علاوہ اہرام مصر جیسی تکونی علامات یا عمارات، سانپ، آگ (شیطان آگ سے بنا ہے) شیطان کے سینگ، کھوپڑی اور دو ہڈیاں، دو عمودی ستون (یعنی خیر کے مقابلے میں شر کی قوت) فرش پر چوکور سیاہ اور سفید خانے (یعنی روشنی کے مقابلے میں تاریکی کا اظہار) 666 کا عدد، گانوں اور پاپ میوزک کے شیطانی بول اور فلموں کے وہ مناظر جن میں شیطانی علامات اور نشانات کی تشہیر کی جاتی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ دو شیطانی کاموں سے بچنے کی کوشش جو شیطان کی پوجا کرنے والوں اور دجالی کی راہ ہموار کرنے والوں کا سب سے آزمودہ گر ہیں: (1) فحاشی یعنی جنسی بے راہ روی، جس کی کوئی انتہا نہیں اور یہ انسان کو حیوانیت (کتے، بلی) کی سطح تک لے جاتی ہے۔ یعنی ''اسفل السافلین'' تک جہاں وہ بآسانی دجال کا غلام اور شیطان کا پجاری بن جاتا ہے۔ (2) جادوگر: شیطان کو خوش کر کے دنیاوی فوائد (دولت، شہرت، جنسی تسکین) لوٹنے اور مافوق الفطرت شیطانی قوتوں سے یہ مدد حاصل کرنے کے لیے آج کل جادو کو سائنٹفک طریقے سے فروغ دینے کے لیے شیطان کے چیلے جدید ترین انداز اختیار کررہے ہیں۔ اس شیطانی جال سے بچیے جس میں پھنسنے والا ایمان سے ہاتھ دھو کر دھوکے اور سراب میں پڑا رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے موت کے سکرات آن گھیرتے ہیں۔

سوالات
و
جوابات

بائبل کی پیش گوئیاں، مسجد اقصیٰ یا ہیکل سلیمانی، عیسائی حضرات کا ایک بے تکا سوال

السلام علیکم!

ہم چند دوست مل کر مفتی صاحب کو یہ خط لکھ رہی ہیں۔ ہم ایک مشنری اسکول میں پڑھتی ہیں جس کو ایک سسٹر چلاتی ہیں۔ ہم سب آپ کا کالم بہت شوق سے پڑھتی ہیں اور اس سے رہنمائی اور آگہی حاصل کرنے کی کوشش بھی کرتی ہیں۔ ہمارا خط لکھنے کا مقصد چند ایک سوالات کرنا اور کچھ باتوں کے بارے میں رہنمائی حاصل کرنا ہے۔ امید ہے آپ تسلی بخش جواب دیں گے۔ گزارش ہے کہ آسان اردو میں جواب دیجیے گا۔

(1) پہلا سوال آپ کے قسط وار کالم "مہدویات" کے بارے میں ہے جس کالم میں آپ نے "حضرت دانیال" کا قصہ بتایا تھا۔ اس کالم میں کچھ پیش گوئیاں بھی بتائی گئی تھیں۔ اس میں جو آپ نے 2300 سال بعد ایک ریاست کے قیام کا بتایا تھا وہ سمجھ میں تو آ گیا تھا لیکن آپ نے 333 سال نکالے تھے وہ بات صحیح سمجھ میں نہیں آئی۔ اس بات کا اسکندر اعظم کے ایشیا فتح کرنے سے کیا تعلق ہے؟ کیا یہ یونان کا اسکندر اعظم ہے؟

(2) اسرائیلی جو بیت المقدس کو منہدم کرنا چاہتے ہیں اس بارے میں کیا احادیث میں ذکر ہے؟ کیا واقعی مسجدِ اقصیٰ منہدم ہو جائے گی اور اس کی جگہ تیسرا ہیکل سلیمانی تعمیر ہوگا؟

(3) تیسرا سوال آپ کے کالم "زیرو پوائنٹ" سے متعلق ہے۔ اس میں ایک جگہ آپ نے ذکر کیا تھا کہ یہودیوں نے جو زمین کے قدرتی نظام کے ساتھ چھیڑ خانی شروع کر رکھی ہے اس سے

زمین کی کشش ختم ہو جائے گی اور زمین رک جائے گی۔ اس کے بعد زمین متضاد سمت میں گھومنا شروع ہو جائے گی۔ جس کی وجہ سے سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ جب کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول اور پھر اس کے بعد ان کی وفات کے کافی عرصہ بعد سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور تب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ کیا جب دجال کے خروج سے پہلے سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو کیا تب ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا؟ کیا سورج دو بار مغرب سے طلوع ہوگا؟

(4) چوتھا سوال ہم یہ کرنا چاہیں گے کہ کیا قرآن کریم کا نسخہ کسی صحابی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے؟ یا پھر جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کاتب وحی کو بلوا کر قرآن کی آیات لکھواتے تھے تو کیا وہ کوئی چیز جس پر یہ آیات لکھی گئی ہوں اب موجود ہیں؟ یہ سوال ہم سے اکثر عیسائی لڑکیاں پوچھتی ہیں ہم ان کو جواب تو دے دیتے ہیں لیکن وہ مانتی نہیں۔ اور اوپر کیا گیا سوال دہراتی ہیں؟ اس سوال سے ہم اپنی بھی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ہم ان عیسائی لڑکیوں کو اپنے دین کی تبلیغ کر سکتے ہیں؟ اصل بات کچھ اس طرح سے ہے کہ ہماری جماعت کی ایک عیسائی لڑکی چھٹیوں میں عیسائیت کی طرف کچھ زیادہ ہی مائل ہو گئی تھی۔ چھٹیوں کے بعد جب وہ اسکول واپس آئیں تو وہ پہلے سے کافی حد تک بدل چکی تھی حتیٰ کہ اس نے گانا گانے تک چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے جماعت کی باقی عیسائی لڑکیوں کو بھی تبلیغ شروع کر دی۔ اس نے ہم سے بھی کچھ سوالات کیے۔ ہمارے مذہب سے متعلق اور کافی دنوں تک لگی رہی۔ ہم نے اس کے سوالات کے جوابات بھی دیے اور ساتھ میں ہم نے بھی اس سے کچھ باتیں پوچھیں۔ اس کو یہ بھی کہا کہ انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے متعلق پیش گوئیاں ابھی بھی موجود ہیں لیکن وہ اس سے انکار کرتی۔ ہم لوگوں نے آپس میں بہت بحث کی لیکن وہ نہ مانی۔ تب ہم نے یہ سوچ کر کہ یہ بحث لاحاصل ہے اور اس سے تبلیغ کا مقصد پورا نہیں ہو رہا تو ہم نے اس سے دین کے بارے میں بات کافی حد تک کم کر دی۔ ہم خود بھی اس کو اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے صحیح طریقہ کیا ہے؟ وہ ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں؟ ویسے اگر اخلاق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ بہت اچھی ہے لیکن

وہ صرف کفر و شرک میں مبتلا ہے۔ وہ فرقے کے لحاظ سے "پروٹسٹنٹ" ہے۔ پلیز! آپ ہمیں یہ ضرور بتائیں کہ ہم اس کو اللہ کی وحدانیت اور اسلام کے حق ہونے کا یقین کیسے دلائیں؟

(5) ہمارے اسکول میں صبح اسمبلی کے وقت "پی ٹی" یعنی ورزش کروائی جاتی ہے۔ پہلے تو یہ "پی ٹی" بغیر میوزک کے ہوتی تھی لیکن ایک دو سال پہلے "پی ٹی" ایک انگریزی گانے پر شروع کرادی گئی اور "پی ٹی" بھی پہلے سے مختلف ہوگئی جو کہ ڈانس سے مشابہت رکھتی تھی۔ ہم لوگ پہلے تو یہ "پی ٹی" کرتے رہے لیکن اب جبکہ ہمارے ذہن دین کی طرف تھوڑا مائل ہوئے تو ہم نے سوچا اس طرح کی پی ٹی کرنا بھی ایک گناہ ہی ہے۔ ہم مسلمان دوستوں سے پہلے اسی عیسائی لڑکی نے یہ "پی ٹی" کرنا چھوڑی تو ہمیں بھی حوصلہ ملا اور ہم نے چھوڑ دی۔ جب چند ٹیچرز نے یہ دیکھا اور ہم سے دریافت کیا کہ ہم "پی ٹی" کیوں نہیں کرتے تو ہم نے کہہ دیا کہ یہ "پی ٹی" نہیں بلکہ ڈانس ہے اور ہمیں اس طرح کی پی ٹی پسند نہیں۔ ہم نے پرنسپل سے بھی بات کی تو وہ ہمیں سمجھاتی رہیں کہ اس میں کوئی خرابی نہیں۔ انسان کو تنگ نظر نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں تک تو بات ٹھیک تھی لیکن اس کے بعد جب ہماری اسلامیات کی ٹیچر نے بھی ہم سے "پی ٹی" کرنے کو کہا تو ہم پریشان ہوگئے کہ اب کیا کریں؟ ہم نے اسلامیات کی ٹیچر سے اس موضوع پر بات کی کہ یہ پی ٹی نہیں بلکہ ڈانس ہے اور وہ بھی میوزک کے ساتھ۔ تو مس نے کہا: یہ اسکول کے اصولوں میں شامل ہے اور آپ کو یہ ضرور کرنا پڑے گی۔ مس نے مزید کہا اسلام اتنی پابندیاں نہیں لگاتا اور میوزک کے بارے میں اسلامیات کی استانی نے کہا آپ خود دیکھیں جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر تشریف لے گئے تو بچیوں نے دف بجا کر اور گیت گا کر ان کا استقبال کیا۔ یہ بات سن کر پہلے تو ہم اپنے ذہنوں پر زور ڈالتے رہے کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر کب دف بجایا گیا تھا؟ جب ہم نے مس کو اصل واقعہ اور میوزک کی ممانعت کے بارے میں بتایا تو انہوں نے ہماری بات ماننے سے ہی انکار کر دیا اور مزید کہا: ڈھول کا جو میٹریل ہے وہ دف والے میٹریل جیسا ہی ہوتا ہے۔ مس نے یہ بھی کہا: پی ٹی وغیرہ کرنے سے کوئی آپ لوگ عیسائی نہیں ہو جائیں

گے؟ مذہب تو دل کے اندر ہوتا ہے اس کو ظاہر نہیں کیا جاتا۔ خیر! کافی دیر بحث کے بعد مس نے ہماری بات ماننے سے انکار کر دیا اور ہم دوستوں کو "نافرمانبردار" کا خطاب دے دیا گیا۔ کیونکہ مس کے کہنے کے مطابق سب مسلمان لڑکیاں تو یہ کرتی ہیں لیکن ہم نے یہ پی ٹی نہ کر کے ٹیچرز کا حکم نہیں مانا۔

اب آپ ہی بتائیں کہ ہم ایسی صورت حال میں کیا کریں؟ کیا واقعی ہم یہ سب نہ کر کے اپنے اساتذہ کی نافرمانی کے مرتکب ہو رہے ہیں؟ ہم نے صرف آپ کو ہی اس لیے خط لکھا کیونکہ ہم آپ کو اپنا بڑا اور ہمدرد سمجھ کر آپ سے مشورہ مانگنا چاہتے ہیں۔ برائے مہربانی ان سوالوں کے تسلی بخش جواب دے کر ہماری رہنمائی فرمائیں کیونکہ ہم بہت پریشان ہیں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔ آخر میں یہ کہیں گے کہ آپ اس عیسائی لڑکی کے لیے ہدایت کی دعا کیجیے گا۔

والسلام...... کچھ پریشان مسلمان بچیاں

سب سے پہلے تو مجھے اس بات کے اظہار کی اجازت دیجیے کہ آپ اور آپ کی صالحات مومنات ساتھیوں کا خط میرے لیے بڑی خوشگوار حیرت اور مسرت کا باعث بنا۔ ایک عیسائی مشنری اسکول میں پڑھنے والی بچیاں اپنے دین سے اس قدر گہرا تعلق، اس کی درست معلومات کا اتنا شوق، اس کے تمام احکامات پر عمل کا اس قدر جذبہ اور اس کے بارے میں شعور و واقفیت اور آگہی حاصل کرنے کے لیے اتنی کوشش کر سکتی ہیں، یہ بات میرے لیے اس قدر خوشی اور اطمینان کا باعث ہے کہ میں اس کے اظہار پر مجبور ہوں۔ آپ جس ماحول میں زیر تعلیم ہیں وہاں اپنے کردار، اپنی نشست و برخاست اور صحیح اسلامی تہذیبی و اخلاقی تصویر پیش کر کے جس قدر تبلیغ کر سکتی ہیں شاید کسی اور ذریعہ سے ممکن نہ ہو۔ آپ خود ایک "رول ماڈل" ہوں۔ آپ کے Actions اور Deeds ہی تبلیغ کا سب سے مؤثر ذریعہ ہیں۔ آپ نے مشہور محاورہ سن رکھا ہوگا: Action Speak louder then wrods "عمل الفاظ سے زیادہ بلند آہنگ ہوتا ہے۔" جب آپ دین کی ہر ہر چیز پر عمل پیرا ہوں گی تو یہ چیز دوسروں کے لیے اولاً تو باعث تجسس ہوگی اور یہی تجسس

ان کو آپ کے قریب لائے گا..... سوالات کی صورت میں۔ پھر آپ کو بھرپور تبلیغ کا موقع ملے گا۔
الحمدللہ! آپ کے خط کی سطر سطر سے جن دینی جذبات اور مذہبی غیرت وحمیت کا اظہار ہورہا ہے اس نعمتِ عظمیٰ پر آپ اللہ کا جس قدر شکر ادا کریں، کم ہے۔ یہ اسلام کی حقانیت اور سچائی کی دلیل ہے کہ مشنری ادارے جو عیسائیت کی ترویج اور فروغ کے لیے بنائے گئے ہیں وہاں آپ جیسی نیک صالحات بچیاں ان کے وسائل کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کریں۔ آپ کو علم ہوگا کہ میں اپنے نام آنے والی بے شمار ڈاک میں سے کچھ کا جواب تحریر کرپاتا ہوں گا مگر آپ کے خط نے مجھے جواب پر مجبور کردیا ہے۔ دل سے دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار رہو اور آپ کی تائید ونصرت کے غیبی اسباب مہیا فرمائے۔ اب آپ اپنے سوالات کا جواب سن لیجیے۔

(1) اس کا ذکر احادیث میں نہیں، البتہ شدت پسند یہودی رہنماؤں نے اپنی قوم کو یہ باور کرایا ہے کہ ایسا کیے بغیر ''مسیحا'' نہیں آئے گا۔ جبکہ یہ ایسی فضول بات ہے کہ اعتدال پسند یہودی بھی اسے نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسیحا جب آئے گا، تب وہ ہمیں ذلت سے نجات دلائے گا، اسرائیلی ریاست قائم کرے گا اور ہیکل تعمیر کرے گا۔ ہمیں اس کے آنے سے پہلے فلسطین کے باشندوں پر اتنا ظلم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن شدت پسند یہودی نہ تورات کی پیش گوئیاں ماننے پر تیار ہیں نہ اپنے ہی قوم کے معتدل مزاج لوگوں کی بات سننے پر..... اللہ کا فضل ہے کہ ان کا مقابلہ فلسطینی مسلمانوں جیسے کھرے مجاہدین سے ہے جو انتہائی نامساعد حالات کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک یہودیوں کے خلاف ڈٹے رہیں گے اور اسرائیلیوں کے لیے میدان خالی نہیں چھوڑیں گے..... ان کی قربانیوں کی بدولت مسجد اقصیٰ قائم ودائم رہے گی اور خوش نصیب مجاہد مسلمان مشکل ترین حالات میں بھی یہود کے سارے منصوبوں کو ناکام بناتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(2) مضمون میں بات کچھ مبہم رہ گئی ہے۔ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے نفرت کی ریاست (یعنی اسرائیل) کے قیام کی تاریخ بتاتے ہوئے فرمایا تھا: ''پھر میں

نے دو مقدس ہستیوں کی آوازوں کو یہ کہتے سنا: ''یہ معاملہ کب تک اسی طرح چلے گا کہ میزبان اور مقدس مقام کو قدموں تلے روندا جائے؟'' اس پر دوسری آواز نے جواب دیا: ''دو ہزار تین سو دنوں تک کے لیے۔ پھر مقدس مقام پاک صاف کر دیا جائے گا۔'' اس سے معلوم ہوا کہ نفرت کی ریاست 2300 دنوں بعد قائم ہوگی۔ (دانیال: ب:8، آیت:13، 14) ایک پیش گوئی میں ہے کہ یہ 45 دنوں بعد ختم ہو جائے گی۔ (دانیال: ب:12، آیت:8-13) اب ان 2300 سال کا آغاز کب سے ہوگا اور یہ 45 دنوں میں کیسے ختم ہوگی؟ شارحین کے مطابق ان 2300 سال کا آغاز یونانی بادشاہ اسکندر (الیگزینڈر) کے ایشیا یعنی ایران پر حملے سے ہوتا ہے۔ یہ حملہ 333 قبل مسیح میں ہوا۔ اس کو 2300 سال 1967ء میں پورے ہوں گے۔ (2300-333=1967) اسرائیل اگرچہ قائم 1948ء میں ہوا لیکن اس نے القدس پر قبضہ 1967ء میں کیا۔ 1967ء کے 45 سال بعد (تورات کی ایک آیت کے مطابق کلام الٰہی میں دن سے مراد سال ہوتے ہیں) یعنی 2012ء میں اسرائیل ریاست کا خاتمہ...... یا خاتمے کا آغاز...... ہو جائے گا۔ اس کی تفصیل ڈاکٹر عبدالرحمن الحوالی کی کتاب یوم الغضب مترجمہ: رضی الدین سید میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(3) یوں لگتا ہے کہ یہودی کی اس مداخلت اور کائنات کی تسخیر کی فضول کوششوں سے دو اثرات رونما ہوں گے:

(1) زمین کی گردش میں گڑبڑ سے دن رات کے بننے میں تین دن کے لیے فرق آ جائے گا۔ پہلا دن ایک سال، دوسرا ایک مہینے اور تیسرا ہفتے ہو جائے گا۔ یہ دجال کے خروج کے وقت ہوگا۔

(2) زمین کی محوری گردش رک جائے گی پھر متضاد سمت میں گھومے گی۔ ایسا ایک دن کے لیے ہوگا پھر اس کے بعد یہ گردش معمول کے مطابق ہو جائے گی۔ یہ دجال کی ہلاکت کے بعد قرب قیامت میں ہوگا اور اس کے بعد توبہ کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں جن کی ممکنہ سائنسی وجوہ عالمی سطح پر کیے جانے والے وہ تجربات ہیں جو یہودی سرمائے کے بل بوتے پر پوری دنیا کے سائنس دان یہودی سائنس دانوں کی سربراہی میں کر رہے

ہیں۔ یہ ان علوم کی روشنی میں ایک امکانی توجیہ ہے جن تک آج کی دنیا پہنچ سکی ہے، کوئی حتمی تحقیق یا آخری رائے نہیں۔ حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

مولانا اسماعیل ریحان صاحب نے بھی بندہ سے یہ سوال کیا تھا۔ اس لیے بندہ اس کی کچھ مزید تشریح ضروری سمجھتا ہے۔ پہلے تو یہ ملحوظ رہے کہ ہر چیز کا اصل سبب تو اللہ رب العزت کا حکم ہے۔ ظاہری سبب کوئی بھی چیز ہوسکتی ہے۔ دجال کے خروج سے پہلے زمین کی گردش ختم کر تین دن کے لیے ست ہوجائے گی۔ پہلا دن سال، دوسرا مہینے اور تیسرا ہفتے کے برابر ہوجائے گا۔ دجال کے خاتمے کے بعد قیامت کے قریب زمین کی گردش ذرا دیر کو رک کر پھر مخالف سمت میں شروع ہوجائے گی۔ ایک دن کے لیے سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ اس کے بعد وہ معمول کے مطابق پھر مشرق سے طلوع ہوگا۔ ان دو واقعات کا حقیقی سبب تو خالق کائنات کا امر ہوگا۔ ظاہری سبب یہودی سائنس دانوں کی سربراہی میں تسخیر کائنات کے لیے کیے جانے والے وہ تجربات ہیں جو فطری نظام میں مداخلت کر کے اسے اپنے تابع بنانے کے لیے کیے جارہے ہیں۔ کوئی بعید نہیں کہ خروج دجال سے پہلے زمین کا تھم جانا ان کا ایک فوری اثر ہو اور ہلاکت دجال کے بعد زمین کا اُلٹی سمت گردش کرنا ان کا دوسرا اثر ہو جو ذرا دیر سے ظاہر ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

اس مضمون میں جو کچھ لکھا گیا یہ محض امکانی توجیہ ہے۔ ناقص سمجھ کا ناقص اظہار ہے۔ حقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ہمارا مقصد صرف ''تذکیر'' ہے یعنی برادران اسلام کو علامات قیامت کے تذکرے کے ذریعے قیامت کی یاد دلانا اور آخرت کی تیاری کی ترغیب دینا۔ آپ کا شکریہ کہ اس طرف توجہ دلائی۔

(4) ہاں! دنیا میں جتنے بھی قرآن کریم ہیں وہ صحابہ کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے نسخے کی کاپی ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا لکھا ہوا نسخہ استنبول، ترکی کے میوزیم (توپ کاپے) میں محفوظ ہے۔ عیسائیوں کی بدقسمتی ہے کہ انجیل کا ایک بھی نسخہ اصل عبرانی زبان میں محفوظ نہیں (خود عبرانی زبان

ہی محفوظ نہیں)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لکھوایا ہوا تو رہنے ہی دیں۔ لیکن مسلمانوں سے وہ یہ فضول سوال کرتے رہتے ہیں جو آپ سے کیا گیا۔ کچھ عرصہ قبل ایک عیسائی پادری مسلمان ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ میرے مسلمان ہونے کا سبب یہ ہوا کہ میں نے ایک مسلمان عالم سے مناظرے کے دوران سوال کیا کہ جو قرآن مجید آج موجود ہے وہ تو نسخۂ عثمانی ہے یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے لکھوا کر پورے عالم اسلام میں بھجوایا۔ قرآن کریم کا نسخۂ محمدیہ کہاں ہے؟ پادری کہتا ہے بظاہر یہ سوال بڑا معقول ہے کہ موجودہ قرآن عثمانی مصحف ہے، محمدی مصحف نہیں...... لیکن حقیقت میں اتنا فضول ہے کہ مجھے ساری رات اس پر بے چینی رہی۔ بالآخر میں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ سوال ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ تاج کمپنی جو نسخہ چھاپتی ہے، یہ تو نسخۂ تاجیہ ہے، نسخۂ عثمانیہ نہیں۔ جب کوئی شخص کوئی کتاب لکھے پھر اسے شائع کروا دے جو بعینہ اس کی لکھی ہوئی تحریر کے مطابق ہو تو اس شائع شدہ کتاب کو اسی شخص کی تصنیف کہا جاتا ہے۔ یہ کوئی عقل مند نہیں کہتا کہ اس کی کتاب صرف وہ ہے جو اس نے خود لکھی یا لکھوائی۔ بالکل یہی صورت حال قرآن کریم کی ہے۔ عیسائی حضرات کے پاس تو انجیل کی اصل زبان کا پوری دنیا میں ایک بھی عبرانی نسخہ نہیں۔ ''عیسوی نسخہ'' کا ان سے کیا مطالبہ کیا جائے؟ اصل نسخہ تو دور کی بات ہے، اصل زبان کا...... ایک بھی نسخہ...... پوری دنیا میں...... کہیں بھی...... کسی میوزیم میں بھی موجود نہیں۔ مسلمانوں کی کتاب کی اصل زبان بھی محفوظ ہے، ابتدائے اسلام کے لکھے ہوئے نسخے بھی محفوظ ہیں۔ یہ نسخے آج کے موجودہ نسخوں سے...... اور آج کے اور ساری دنیا کے قرآن کریم ایک دوسرے سے حرف بہ حرف ملتے ہیں۔ یہ اس کے اصلی اور حقیقی ہونے کی ایسی دلیل ہے کہ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ جبکہ دوسری طرف عیسائی حضرات کے ہاں صورت حال یہ ہے کہ خود اس میں بھی اختلاف ہے کہ انجیل میں موجود چار مختلف کتابوں میں سے اصل انجیل کون سی ہے؟ اور وہ کس زبان میں نازل ہوئی تھی؟ دنیا بھر میں انجیل کے ترجمے چل رہے ہیں اور ہر ترجمہ دوسری زبان کے ترجمے سے کافی کچھ مختلف ہے، لیکن کون سا ترجمہ اصل کے زیادہ مطابق یا اس سے قریب ہے، اسے چیک کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں،

کیونکہ اصل نسخہ تو دور کی بات ہے، اصل زبان کا ایک بھی نسخہ پوری دنیا میں...... کہیں بھی...... کسی عجائب گھر میں بھی موجود نہیں۔

آپ کو انجیل میں موجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق پیش گوئیوں کی کاپی بھیجی جا رہی ہے۔ اس کی مدد سے آپ اپنی دوست کو اسلام کی دعوت بھی دے سکتی ہیں اور جو کلاس فیلوز آپ سے قرآن کریم سے متعلق منفی سوالات کرتی ہیں ان کا جواب بھی اسی کے ذریعے ممکن ہے۔ غیر مسلموں کے سامنے اسلام کے تعارف کے لیے حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب کی کتاب ''اسلام کیا ہے؟'' بہت مفید ہے۔ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم کی کتاب ''بائبل سے قرآن تک'' اور ''عیسائیت کیا ہے؟'' نیز معروف نومسلم دانشور'' علامہ اسد لیوپولڈ کی'' روڈ تو مکہ'' بھی لاجواب کتابیں ہیں۔ موخر الذکر کا اردو ترجمہ'' طوفان سے ساحل تک'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔

(5) آپ ہرگز اس ڈانس نمائی ئی میں حصہ نہ لیں۔ یہ اساتذہ کی نافرمانی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری کا تقاضا ہے۔ اپنے ایمان کی حفاظت استقامت کے ساتھ کریں۔ رقص اور موسیقی دونوں شیطانی کام ہیں۔ یہ شیطان کے خاص ہتھیار ہیں۔ ان کے ذریعے سے وہ دل میں نفاق کے بیج بوتا اور بے حیائی کے کاموں کا شوق پیدا کرواتا ہے۔ ہمارے رحمانی مذہب میں رقص اور موسیقی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو بچیوں نے دف بجا کر آپ کا استقبال کیا تھا۔ اب جب حضور پاک علیہ السلام نے دف کی اجازت دی اور ڈھول کو شیطان کی آواز قرار دیا تو دف اور ڈھول کو ایک جیسا کہنے والے کتنی بڑی جہالت کا شکار ہیں؟! اگر انسان مذہب کی باتوں کو اپنی ناقص عقل سے طرح طرح کے سوالات کر کے جانچتا رہے گا تو نبوت کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے؟ جو بات ہمارے مذہب میں طے ہو گئی بس وہ حرف آخر ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ من مانی خواہشات پورا کرنے کے لیے پوچھتا پھرے کہ ایسا کیوں ہے اور ایسا کیوں نہیں؟

اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔ مذہب دل سے بھی ہوتا ہے اور سر سے پاؤں تک ہر عضو پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ وہ اور لوگ ہوں گے جو اپنے مذہب کو دل میں چھپا کر رکھتے ہیں اور اس کو ظاہر کرنے سے شرماتے ہیں۔ انہوں نے اپنا مذہب بدل دیا ہے اور اب ہم کو بھی اس بدنصیبی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔

میں سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان کو بھی اور ہم سب کو بھی نیک ہدایت نصیب فرمائے۔ ایمان و اسلام کی محبت اور اس پر عمل، اس کی تبلیغ کا شوق ہمارے رگ و پے میں اور ریشے ریشے میں اتار دے۔ آمین

مصلحت یا غیرت، کلوننگ یا شعاعیں، سو سال بعد

محترم مفتی محمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں گزشتہ سات ساڑھے سات سال سے آپ کا قاری ہوں۔ آپ کے مضامین ''اقصیٰ کی پکار''، ''بولتے نقشے'' وغیرہ میرے لیے باعث توجہ رہے ہیں۔ آج میں چند نکات پر اپنے اشکالات کی وضاحت چاہتا ہوں۔

(1)...... آپ کی کتاب ''عالمی یہودی تنظیمیں'' میں صفحہ 53 پر لکھا ہے: ''موجدت پسند پوری دل سوزی اور مکمل خیر خواہی سے مسلمان نوجوانوں کو تحمل و برداشت اور وسعت نظری و رواداری کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو حکمت عملی سیکھنے اور صلح حدیبیہ والا نرم رویہ اپنانے کی تربیت دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان دشمن کے زیر نگین علاقے ''مکہ مکرمہ'' میں جا رہے تھے جبکہ دور حاضر میں دشمن چڑھائی کر کے مسلم ممالک کو روندنے آنکلا ہے۔''

جناب مفتی صاحب! آج سے سات سال تین ماہ قبل ''عزت مآب جناب پرویز مشرف صاحب'' نے بھی کفر و اسلام کے معرکہ میں صلح حدیبیہ کا حوالہ دیا تھا اور کہا تھا اس موقع پر ضرورت حکمت سے کام لینے کی ہے۔ حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بہت جذباتی ہو رہے تھے۔

یہ بات بھی صحیح ہے کہ مسلمان اس وقت کفار سے تعداد میں کم تھے، یہ بھی صحیح ہے کہ وہ لڑنے کے ارادے سے نہیں بلکہ عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تھے، ان کے پاس ہتھیار بھی

ناکافی تھے۔ وہ اپنے بیس کیمپ سے تقریباً 400 کلومیٹر دور تھے۔ ان کی کوئی دفاعی لائن نہ تھی۔ ان کو کمک کا پہنچنا تقریباً ناممکنات میں سے تھا۔ وہ مشکل حالات میں پلٹ کر کسی دفاعی حصار میں پناہ بھی نہیں لے سکتے تھے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ صلح حدیبیہ کا تذکرہ بیعت رضوان کے بغیر مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ وہ بیعت ہے جس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ اس بیعت سے ان تمام دعوؤں، تجزیوں اور اندیشوں سے قلعی اتر جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ چونکہ حالات مسلمانوں کے موافق نہ تھے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے وقت اور حالات دیکھتے ہوئے ''حکمت'' سے کام لیتے ہوئے کفار کے تمام مطالبے مانتے ہوئے صلح کرلی۔

مسلمانوں نے صلح حدیبیہ اس لیے نہیں کی کہ حالات مسلمانوں کے لیے سازگار نہ تھے اور وقت کو ٹالنے کے لیے مجبوراً انہیں صلح کرنا پڑی۔ صلح حدیبیہ محض اللہ کی وحی کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوئی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مسلمانوں کے لیے فتح مبین قرار دیا۔ باقی یہ سوال کہ سورہ فتح تو صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی۔ وحی متلو کی طرح وحی غیر متلو پر ایمان رکھنے والوں کے لیے اس طرح کے اعتراضات کچھ معنی نہیں رکھتے۔ ''حضرت پرویز مشرف'' کی حکمت قطعاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکمت کو صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی روشنی میں ویٹو کیا۔

مفتی صاحب کی کتاب سے لیے گئے مندرجہ بالا اقتباس سے بھی مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے صلح حدیبیہ اس لیے ہوئی کیونکہ مسلمان دشمن کے زیر تمکین علاقے میں جارہے تھے۔ مؤدبانہ عرض ہے کہ میری اصلاح فرمادیجیے اور دل کے تردد کو دور کر دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ اگر آئندہ بھی کسی صلح سے مسلمانوں کی فتح مبین اور اسلام کا غلبہ یقینی ہوتو فبہا ہمیں بلاوجہ خون بہانے کا شوق نہیں ہے (اپنا بھی اور دشمنوں کا بھی) ورنہ ہمارا راستہ تو بدر، وحنین، غزوہ بنو نظیر، غزوہ بنو قینقاع، بنو قریظہ وخیبر سے ہوتا ہوا قادسیہ، نہاوند اور یرموک سے گزرتا ہے۔ ہمارا راستہ سومنات سے گزرتا ہے نہ کہ پلٹن میدان سے۔

(2)...... مفتی کے سلسلہ ''دجالیات'' سے متعلق ضرب مومن 19 تا 26 ذی الحجہ 1429ھ میں مضمون چھپا ہے: ''دجال کہاں ہے؟'' اس کے ابتدائی پیراگراف میں لکھا ہے: ''دجال کچھ مواقع پر کچھ عرصے کے لیے اس قابل ہوگا کہ لوگوں کو ہلاک اور پھر زندہ کرسکے اور یہ اس معمولی علم کی بدولت ہوگا وہ اسے کس طرح کرے گا غالباً کلوننگ کے ذریعے۔''

میری ناقص رائے میں یہ اندازہ صحیح محسوس نہیں ہوتا۔ کلوننگ تو آج کل ہی کافی شہرت پا چکی ہے۔ دجال کچھ مواقع پر نہیں بلکہ ایک عظیم انسان کو قتل کرے گا۔ پھر اسے دوبارہ زندہ کردے گا۔ (نعوذ باللہ) پھر جب دوبارہ اسی شخص کو مارنا چاہے گا تو اس پر قادر نہ ہوگا۔ وہ جو مسلمان کو دوبارہ زندہ کرے گا تو کچھ اس انداز سے ہوگا کہ پہلے یہ کام کسی نے کیا ہوگا۔ اسی کو تو مثال بنا کر وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ کلوننگ کے ذریعے ایک جاندار خلیہ لے کر جو جاندار پیدا کیا جاتا ہے وہ ہو بہو پہلے کی ہم شکل ہوتا ہے لیکن یہ وہی پہلا جاندار نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ایک بچے کی شکل میں ہوتا ہے۔ جو وقت کے ساتھ پروان چڑھے گا اور بڑا ہو کر ہو بہو اپنے سابقہ جاندار کی نقل ہوگا جبکہ دجال جس شخص کو مارے گا اسی کو زندہ کرے گا۔ وہ بچہ نہیں ہوگا، اسی عمر کا وہی شخص ہوگا اور ببانگ دہل کہے گا کہ اب تو مجھے تیرے دجال ہونے کا یقین اور بھی پختہ ہوگیا۔ اپنے اس خیال میں اصلاح کا طالب ہوں۔

(3)...... اسی مضمون کے آخر میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے سفر کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ایک جزیرہ پر ان کی ملاقات جساسہ اور دجال سے ہوئی۔ دجال زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج سے سو سال بعد ہم میں سے کوئی نہیں ہوگا۔ (حدیث کے صحیح الفاظ مجھے یاد نہیں ہیں۔ مفہوم تقریباً یہی ہے) یعنی اس وقت روئے زمین پر جو انسان بستے تھے، 100 سال بعد یعنی 110ھ تک ان میں سب کا انتقال ہوگیا۔ اسی بنا پر علما کا ایک بڑا طبقہ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات دنیا کی نفی کرتا ہے کہ اگر اس وقت بھی حضرت خضر علیہ السلام زندہ تھے تو بھی 100 سال بعد وہ بھی

وفات پا گئے اور اب زندہ نہیں ہیں۔ ان دو احادیث کا ظاہری تعارض تردد میں ڈالتا ہے۔ آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ مناسب تطبیق فرما کر ظاہری اشکال کو دور کر دیجیے۔

دوسری بات یہ کہ دجال یقیناً ایک انسان ہی ہے، جن نہیں ہے۔ کیونکہ جنوں میں سب سے بڑا شدید شیطان ہے۔ اس میں بھی یہ طاقت نہیں کہ زبردستی کسی کو گناہ پر آمادہ کر لے۔ دجال انتہائی ذہین اور سائنسی علوم میں کمال مہارت رکھتا ہوگا۔ وہ اگر کسی گمنام جزیرہ پر قید ہے تو وہ یہ علوم کہاں سے سیکھے گا؟ نیز اس دنیا پر رہتے ہوئے کیا اس کی عمر میں اضافہ ہوگا؟ اب تک تو وہ ہزاروں سال کا بوڑھا ہو چکا ہوگا؟

(4)......گزشتہ کچھ مضامین میں ''حضرت مہدی'' کے ظہور کی علامت یہ بتائی گئی کہ اسی سال ماہِ رمضان میں چاند گرہن اور سورج گرہن ایک ہی مہینے میں ہوں گے۔ 1424ھ میں ایسا ہی ہو بھی چکا ہے مگر اہم بات یہ کہ اس سال چاند گرہن درمیان مہینے نہیں بلکہ شروع مہینہ میں ہوگا۔ یہ بات تو ایک اسکول کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ سورج گرہن ہمیشہ قمری مہینہ کی آخری تاریخوں 28 یا 29 تاریخ کو ہوتا ہے جبکہ چاند گرہن ہمیشہ وسطِ مہینہ یعنی 13 یا 14 یا 15 تاریخ کو ہوتا ہے اور اس کی وجہ چاند اور زمین کی مخصوص حرکات ہیں۔ پہلی تاریخ کو چاند گرہن ہونا خلافِ عادت ہوگا۔ مجھے خلافِ عادت کسی واقعے کے ہونے سے انکار نہیں ہے۔ قیامت کے قریب بے شمار خلافِ عادت واقعات ہوں گے مگر جو بات میرے ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ پہلی تاریخ کے چاند کے چاند گرہن کا مشاہدہ کیسے کیا جائے گا؟ پہلی تاریخ کا چاند نہایت باریک ہوتا ہے۔ بعض اوقات نظر بھی نہیں آتا، بہت کم وقت کے لیے اُفق پر رہتا ہے۔ ایسے میں اگر اس پر گہن ہو بھی رہا ہو تو عام آدمی کے لیے اس کا مشاہدہ تقریباً ناممکن ہے۔ ایسا ہی محسوس ہوگا کہ کسی وجہ سے آج چاند نظر نہیں آیا۔ کسی کا ذہن ماسوائے سائنس دانوں کے گرہن کی طرف نہیں جائے گا۔ لہٰذا یہ کھلی ہوئی نشانی محسوس نہیں ہوتی۔ نیز یہ چاند گرہن ہر سال پہلے سے جیسے ابھی سے یہ بتا دیا گیا ہے کہ 2009ء میں دو سورج گرہن اور چار چاند گرہن ہوں گے۔ انہی میں سے ہوگا یا یہ بالکل حساب

سے ہٹ کر ہو گا۔

اُمید کرتا ہوں آپ جوابات دے کر میرے اشکالات کو دور کریں گے۔

والسلام...... ڈاکٹر محمد عارف، حیدر آباد

جواب:

یاد آوری، رہنمائی اور صلاح و اصلاح کا از حد شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے اور آپ کو اپنی، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرمائے۔ آمین

(1)...... اس جملے میں جدت پسندوں سے مراد وہ اسکالر تھے جنہوں نے مشرف صاحب کو وہ تقریر تیار کر کے دی تھی جس میں انہوں نے مشہور زمانہ اس فاسد تاویل سے کام لے کر اپنے ناجائز افعال کو سند جواز فراہم کرنے کی کوشش کی تھی۔ آپ کی بات بالکل بجا اور درست ہے۔ بندہ کے اس جملے کا مقصد ہرگز نام نہاد حکمت پسندی اور بزدلی بنام مصلحت کوشی کی کسی بھی درجے میں حمایت نہ تھا، بلکہ وہی تھا جس کی تفصیل آپ نے کی اور اجمال میں نے بیان کیا، لیکن مبہم جملے کی شکل میں۔ صاف بات یہ ہے کہ صلح حدیبیہ ہوئی اس لیے تھی کہ مسلمانوں کے سپہ سالار اعلیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک مسلمان (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے انتقام کے لیے 14 سو مسلمانوں سے موت تک لڑنے کا عہد لے لیا تھا۔ اس غیرت اور ایمانی اخوت کے بے مثال مظاہرے نے کفار کو مجبور کیا کہ وہ آکر صلح کی بات چیت کریں۔ آج ہم نے ایمانی غیرت کو ایک طرف رکھ کر خود صلح حدیبیہ کی ہی ایسی تشریح شروع کر دی ہے جو ہماری بزدلی اور بے ایمانی کو سند فراہم کر سکے۔ اس سے بڑی بدنصیبی کی بات کیا ہو گی؟ کتاب کے اگلے ایڈیشن میں اس تحریر کے ابہام کو دور کر دیا ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

(2)...... اس جملے کو یوں کر دینا چاہیے...... ''غالباً کلوننگ کی کسی ترقی یافتہ شکل کے ذریعے۔'' اور واقعہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ دجال کی طاقت کی سائنسی توجیہ ہے کیونکہ اس دارالاسباب میں اس کو جو طاقت ملے گی وہ بالکلیہ مافوق الفطرت نہ ہوگی بلکہ فطری قوتوں پر غیر معمولی تحقیق کے ذریعے حاصل ہوگی جسے عام لوگ کرشمۂ قدرت سمجھ کر یہودی سائنس دانوں

کے اس شعبدہ باز کو خدا مان لیں گے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے: ''دجال سائنسی علوم میں کمال مہارت رکھتا ہے۔'' اگلے مضامین میں راقم یہ بات کہہ چکا ہے کہ برمودا ٹرائی اینگل میں کارفرما شعاعوں کو یہودی سائنس دانوں نے کسی حد تک محفوظ کرلیا ہے۔ مکمل طور پر محفوظ کرنے کو اور حسب منشا استعمال کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ ان شعاعوں کے ذریعے محیر العقول کام پلک جھپکتے میں کیے جاسکتے ہیں اور عنقریب دنیا دجال کے ظہور سے قبل ہی جھوٹی خدائی کے یہ تماشے دیکھے گی۔

(3)...... ان احادیث میں تعارض نہیں اس لیے کہ یہ عام بنی نوع انسان کی بات ہو رہی ہے جو اس وقت زندہ تھے۔ اس کے بعد بھی عموماً سو سال بعد زمین پر وہ انسان نہیں رہتے جو آج زندہ ہیں۔ ان کی جگہ نئی مخلوق لے لیتی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام جیسا ''پیکر خیر'' اور دجال علیہ اللعنۃ جیسا ''سراپائے شر'' اس سے مستثنیٰ ہیں۔

دجال گمنام جزیرے میں بند ہے۔ اسے یہ علوم سیکھنے کی ضرورت نہیں، کچھ تو اس کی صلاحیتیں بے مثال ہوں گی (اگرچہ صرف شر میں ہی استعمال ہوں گی) اور کچھ یہودی سائنس دان اپنی تمام ایجادات اس کے قدموں میں لا ڈالیں گے تا کہ وہ ان کی عالمی حکومت قائم کرسکے۔ جہاں تک اس کی عمر کی بات ہے...... یا تو زمان و موسم اس پر اثر انداز نہیں یا پھر اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کو بنایا ہی ایسا ہے کہ مدتیں گزرنے کے باوجود وہ شر کے کاموں کو نکتۂ عروج تک پہنچانے کے لیے ایسا ہی چوکس و بیدار ہوگا جیسا کہ کوئی جوان العمر ہوتا ہے۔

(4)...... یہ حساب سے بالکل ہٹ کر ہوگا۔ اس کے وقت کو سائنس دان پہلے سے متعین نہیں کرسکتے۔ غالباً باریک ہونے کے باوجود اس کا عام اور کھلا احساس ہی اس کی انفرادیت ہوگا۔

واللہ أعلم بما ہو کائن فی کائناتہ۔

جنگِ ہند کی ترغیب، جہاد کی عملی تدبیر، امیر کی تلاش

محترم مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

فلسطین اور اقصیٰ کے موضوع پر آپ کے مضامین ایک عرصے سے میرے زیرِ مطالعہ رہے ہیں۔ میں یہ سب کچھ پڑھتا تھا اور سوچتا تھا کہ اقصیٰ کا مرثیہ تو سنایا جا رہا ہے، مگر مجھ جیسا عامی اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہے؟ اس سلسلے میں کوئی گائیڈ لائن نہیں تھی۔ آپ کی کتاب "دجال" کے شائع ہونے کے بعد یہ کمی دور ہو گئی۔ اس میں میرے جیسے شخص کے کرنے کے لیے بہت مواد ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر دے اور آپ آیندہ بھی ہماری رہنمائی کا کام سر انجام دیتے رہیں۔

(1)...... میں سوچتا ہوں کہ اقصیٰ کے راستے میں "ہند" پڑتا ہے۔ فلسطین اور بیت المقدس میں آخری بڑے معرکے سے پہلے روایات کے مطابق ایک بڑی اور فیصلہ کن "ہند" میں ہوگی جس میں مسلمان ہندوستان کو فتح کریں گے۔ اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا۔ مسلمان ہندوستان کے بادشاہوں کو باندھ کر جب واپس پلٹیں گے تو دریائے اردن کے کنارے حضرت مہدی اپنے جانثار ساتھیوں کے ہمراہ یہود اور موجودہ نصاریٰ کے ساتھ ایک انتہائی خوفناک جنگ میں مصروف ہوں گے۔ یہ لشکر حضرت مہدی اور ان کے ساتھیوں کا معاون ہوگا، چونکہ ہمارے خطے کو اس "جنگِ ہند" سے براہِ راست تعلق ہے، اس لیے میرا خیال ہے کہ اقصیٰ کے ساتھ ساتھ "جنگِ ہند" کے موضوع پر بھی لوگوں کو بیدار کرنے کے مضامین لکھے جائیں، کیونکہ بہرحال "جنگِ ہند" "ہرمجدون" کے مقابلے میں زیادہ قریب ہے اور ہم اس میں طوعاً یا کرہاً ملوث ہوں گے لہٰذا اس کی تیاری اور قلب کو گرمانے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔

(2)...... دوسری بات یہ کہ عملی جہاد کی عام آدمی کے لیے کیا صورت ہے؟ ہر آدمی کیا کر سکتا

ہے۔ اس کا تعین امیر جماعت کرتا ہے۔ اس وقت ہمارے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا امیر کون ہے؟ میں جہاد کی تیاری کس طرح سے کروں؟ نماز، تسبیح وتحمید، ذکر اللہ اور حرام سے اجتناب کے علاوہ میں کیا عملی اقدامات کر سکتا ہوں؟ واضح نہیں ہیں۔ ڈاکٹروں کا جو وفد غزہ کے لیے گیا تھا میرے اندازے کے عین مطابق کچھ نہ کر سکا۔ مصری حکومت نے اسے غزہ جانے ہی نہ دیا۔ میرے خیال میں اس وقت مسلمانوں میں جہاد کی جو داخلی رکاوٹ ہے اُسے دور کرنا پہلے مرحلے میں ضروری ہے، مگر اس کی صورت کیونکر ہو سکتی ہے؟

(3)...... روایات میں ہے کہ قرب قیامت میں مسلمان اور عیسائی مل کر ایک جنگ لڑیں گے، اس میں انہیں کامیابی ہوگی۔ مسلمان کہیں گے کہ یہ کامیابی ہماری وجہ سے ہوئی اور عیسائی اس کا کریڈٹ خود لینے کی کوشش کریں گے۔ بعد میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جنگ شروع ہو جائے گی۔ میں کوئی عالم تو نہیں ہوں۔ بس ایسے ہی ذہن میں خیال آتا ہے کہ شاید یہ جنگ کمیونزم (روس) کے خلاف افغانستان کی سرزمین پر لڑی جا چکی ہے جو درحقیقت کفر کے خلاف جہاد تھا، مگر امریکا نے ڈیڑھ دو برس کی خاموشی کے بعد جب دیکھا کہ افغان مجاہدین تن تنہا کامیابی سے یہ جنگ لڑ رہے ہیں تو اپنے مفاد کی خاطر محض اسلحے کی صورت میں مدد کی جب کہ اس کا کوئی فوجی لڑنے نہیں آیا۔ بعد میں عیسائی اب اس فتح کا کریڈٹ لیتے ہیں کہ ہم نے ویتنام کا بدلہ لے لیا۔ میں اپنی اس رائے کی تصحیح چاہتا ہوں۔ اگر واقعی روس کے خلاف جنگ وہی جنگ ہے جس کا ذکر روایات میں ہے تو پھر آخری معرکہ کا میدان سج چکا ہے۔ ایسے میں ایک امیر جماعت اور قائد کا متلاشی ہوں جو میری اور مجھ جیسے ہزاروں عام مسلمانوں کی رہنمائی کرے اور بتاتا رہے کہ ہر اگلے مرحلے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ امید ہے کہ آپ میری موثر رہنمائی فرمائیں گے۔

ڈاکٹر محمد عارف، حیدر آباد

جناب ڈاکٹر صاحب!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

1- جب جذبۂ جہاد ایک مومن کے دل کو شوقِ شہادت سے گرمانے لگتا ہے تو پھر شرق وغرب

کی تفریق کے بغیر اسے تو میدان کارزار میں ہی چین آتا ہے، چاہے وہ ہند میں بسے یا ہر مجد ون میں۔ دراصل اسلام کے آغاز میں عرب سے غیرت مند مجاہدین نے ایک بیٹی کی پکار پر آ کر سندھ اور ہند کی سرزمین میں اسلام پھیلایا تھا۔ اب آخری دور میں "اقصیٰ کی پکار" پر ہند سے بلند بخت اور خوش نصیب جہادی جماعت لبیک کہتے ہوئے عرب جائے گی اور فلسطین کے "معرکۃ المعارک" میں امیر المجاہدین حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حصہ لے گی۔ اس لیے آپ فلسطین کی بات کریں یا ہند کی، عراق کی یا کشمیر کی، ان شاء اللہ سعادت مند روحیں جب جہاد فی سبیل اللہ کی آواز پر لبیک کہیں گی تو ان کے لیے زمان و مکان اور جغرافیہ و زبان کا فرق کبھی آڑے نہیں آئے گا۔ ویسے جہاد ہند کے ابتدائی تجرباتی معرکے جو سرزمین کشمیر پر لڑے جا رہے ہیں ان ہی کے حوالے سے احقر کے متعدد مضامین الحمدللہ اس موضوع کے حوالے سے اپنا حصہ ڈال چکے ہیں۔ اور جہاد افغان پر لکھے گئے مضامین سے تو پوری کتاب ترتیب پا سکتی ہے۔

2۔ یہ رکاوٹیں اب بڑھتی ہی جائیں گی اور صاحب عزیمت مسلمانوں کا امتحان سخت سے سخت تر ہوتا چلا جائے گا۔ بالآخر جو لوگ سچے عقیدے، پاکیزہ زندگی اور جہاد کے راستے میں آنے والی ہر مشقت برداشت کرنے پر ڈٹے رہیں گے، انہیں (یا ان کی نسبی و روحانی نسل کو) اللہ تعالیٰ اس لشکر میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے گا جس کے ہاتھوں تیسری عالمی جنگ میں کامیابی کے بعد عالمگیر سطح پر "خلافت الٰہیہ" قائم ہوگی۔ ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ عالمی امیر کے ظہور سے قبل مقامی صالح امیر کی تلاش کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے اپنی ذاتی ذمہ داریاں ادا کریں اور ہم میں سے ہر ایک اجتماعی کاموں میں اپنا حصہ ڈالے۔ اپنی زبان سے اصلاح نفس اور قتال فی سبیل اللہ کی دعوت کو زندہ رکھے۔ اٹھتے بیٹھتے ان کا تذکرہ کرے۔ مجاہدین کے حق میں ذہن ہموار کرے۔ جو کچھ بھی آمدنی ہو اس کا کچھ نہ کچھ فیصد راہ خدا میں دینے کی عادت ڈالے۔ اپنے بچوں اور گھر والوں سے بھی یہ عادت ڈلوائے۔ ملنے جلنے والوں کو بھی اس کی ترغیب دے۔ جہاد بالمال کے فریضے کو زندہ رکھے تاکہ چراغ کی روشنی بھی جلتی رہے اور اس کے

لیے درکار ایندھن بھی کم نہ ہو۔ اور جب جہاد بالنفس کا موقع آئے تو ہم اپنی حقیر جان کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے استعمال کرتے ہوئے کسی کی ملامت کی پرواہ کریں نہ کسی کے دباؤ یا رعب سے اسے چھوڑیں۔

3- روس کے خلاف جنگ یہ جنگ نہ تھی...... لیکن...... آخری معرکے کا میدان دریائے اردن کے مغربی کنارے سے تھوڑا آگے "آرمیگاڈون" کی وادی میں بجنا شروع ہو چکا ہے۔ اس کے لیے وہی خوش نصیب جائیں گے جنہوں نے دل کی گہرائیوں سے، رات کی تنہائیوں میں، اللہ رب العزت کے حضور ایک سچے اور ہدایت یافتہ قائد کا ساتھ دینے کے لیے اس کا ساتھ مل جانے کی دعا کی ہو اور پھر اپنی زبان کو حرام گوئی سے، اپنے پیٹ کو حرام خوری سے اور شرم گاہ کو حرام کاری سے بچائے رکھا ہو۔ جہاد کی لگن رکھنے اور قائد کی تڑپ رکھنے والوں کی آہ سحر گاہی کی بدولت اللہ تعالیٰ ایک متبع سنت، بیدار مغز اور شجاع و دلیر قائد کو امت مسلمہ کا نجات دہندہ بنا کر بھیجیں گے۔ جب تک قدرت کی طرف سے وہ ہدایت یافتہ امیر نہیں آتا تب تک مسلمانوں کو مقامی متبع سنت امیر کی قیادت میں مال و جان سے جہاد بھی کرتے رہنا چاہیے اور عمومی امیر کی تلاش بھی جاری رکھنا چاہیے۔ جہاد کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہے اور امیر کے ملنے تک اسے چھوڑ بیٹھنے والوں کو امیر کے ظہور کے وقت اسے جاری رکھنے کی توفیق نہ ملے گی۔ وہ تو دنیا کے فتنوں میں پھنس چکے ہوں گے۔

پچیس سوالات ایک تجویز

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے اس خط کا مقصد اپنے ذہن میں پائے جانے والے کچھ اشکالات کے متعلق رہنمائی حاصل کرنا ہے جبکہ چند ایک باتوں کی وضاحت بھی مطلوب ہے۔ علاوہ ازیں میں کچھ تجاویز بھی دے رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ اشکالات اور تجاویز غیر اہم ہوں، لیکن جو مناسب معلوم ہوں تو ''دجال'' نامی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں افادۂ عام کے لیے انہیں شامل اشاعت کیا جاسکتا ہے۔

(1)...... ''مہدویات'' کی پہلی قسط میں آپ نے پہلے پیراگراف میں حضرت مہدی کے بارے میں لکھا ہے: ''وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ عام انسانوں کی طرح پیدا ہوں گے۔''

کیا احادیث میں اُن کے وقتِ پیدائش کی علامات کے متعلق بھی کوئی روایت ملتی ہے؟ یہ آپ نے کس بنیاد پر لکھا ہے؟ بالفرض اگر ہم مان بھی لیں کہ وہ اسی سن ہجری یعنی 1429ھ میں ہی پیدا ہوگئے ہوں تو پھر اُن کے ظہور کا سال 1469ھ بنتا ہے جو نصف صدی کے بعد آتا ہے جبکہ آپ نے لکھا ہے کہ صدی کے مجدد ہونے کی رُو سے پہلے نصف صدی سے پہلے پہلے اُن کا ظہور ہوگا۔

(2)...... آپ نے مزید فرمایا ہے: ''مہدی اُن کا نام نہیں، لقب ہے بمعنی ''ہدایت یافتہ''۔ یعنی اُمت کو اُن کے دور میں جن اُمور کی ضرورت ہوگی اور جو چیزیں اس کی کامیابی اور برتری کے لیے ضروری ہوں گی اور پوری روئے زمین کے مسلمان بے تحاشا قربانیاں دینے کے باوجود محض ان چند چیزوں کے نہ ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو رہے ہوں گے، [اُمت کو کامیابی اور برتری

کے لیے کن چیزوں اور امور کی ضرورت ہوگی؟] حضرت مہدی کو قدرتی طور پر ان کا ادراک ہوگا۔ [کیا قرآن وحدیث میں مسلمانوں کے ہر مسئلے کا حل موجود نہیں ہے؟ اور کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پوری دنیا کے تمام مجاہدین ان تمام صفات سے عاری ہیں جن کی بدولت وہ کامیابی حاصل کرسکیں؟] اور وہ ان کوتاہیوں کی تلافی اور ان چند صفات کو بآسانی اپنا کر امت کے لیے مثالی کردار ادا کریں گے اور وہ کچھ چند سالوں میں کرلیں گے جو صدیوں سے مسلمانوں سے بن نہ پڑ رہا ہوگا۔ [کیا اس تحریر اور اس حدیث شریف میں تضاد نہیں ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری اُمت میں سے ایک جماعت قیامت تک مسلسل حق پر قتال کرتی رہے گی (اور) غالب رہے گی۔'']

(3)..... حضرت مہدی کو حرمین میں تلاش کرنے والے سات علماء میں سے علیحدہ علیحدہ ہر ایک کے ہاتھ پر 310 سے کچھ افراد نے بیعت کر رکھی ہوگی یا سب سات علماء کے ہاتھ پر مجموعی طور پر 310 سے کچھ اوپر افراد نے بیعت کر رکھی ہوگی؟ کیونکہ آپ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے: ''حتیٰ کہ وہ سات علماء جو دنیا کے مختلف حصوں (ممکنہ طور پر پاکستان وافغانستان، ازبکستان، ترکی، شام، مراکش، الجزائر، سوڈان) سے حضرت مہدی کی تلاش میں آئے ہوں گے اور ہر ایک کے ہاتھ پر تین سو دس سے کچھ اوپر افراد نے بیعت کر رکھی ہوگی۔'' جبکہ آگے ایک پیراگراف میں لکھا ہے: ''اسی طرح یہ سات علماء بھی ان کی جستجو میں بے چین وبے تاب ہوں گے۔ ان کے ساتھ موجود تین سو کے لگ بھگ افراد بھی دنیا بھر سے ان کی تلاش میں حرمین پہنچ چکے ہوں گے۔''

(4)..... ''1940ء میں ایک امریکی سائنسدان نکولا ٹیسلا نے ''Deathray'' ایجاد کرنے کا اعلان کیا۔'' یہ ''Deathray'' کیا ہے؟

(5)..... ''جب حضرت مہدی کی یورپی عیسائیوں سے جنگ ہوگی، اس میں حضرت کے ساتھ بارہ ہزار کے قریب مجاہد ہوں گے۔''

کیا خراسان کے لشکر کے افراد بھی اس لشکر میں شامل ہوں گے یا ان کی تعداد علیحدہ ہوگی؟

(6)...... ''متحدہ یورپی فوج کا 9 لاکھ 60 ہزار کا لشکر یورپ کے دروازہ قسطنطنیہ (استنبول) سے گزر کر شام کی سرزمین پر آیا ہوگا۔''

اس فقرے میں شام کی موجودہ جغرافیائی حدود بیان کی گئی ہیں یا وہ حدود جو اسلام کے ابتدائی زمانے میں تھیں؟ اگر وہی تھیں تو اس زمانے کے ملک شام میں کون کون سے ممالک یا علاقے شامل تھے؟

(7)...... ''جب تم دیکھو کہ خراسان کی جانب سے سیاہ جھنڈے نکل آئے تو اس لشکر میں شامل ہو جاؤ، چاہے تمہیں اس کے لیے برف پر گھسٹ کر (کرالنگ کر کے) کیوں نہ جانا پڑے، کہ اس لشکر میں اللہ کے آخری خلیفہ مہدی ہوں گے۔''

اس حدیث شریف میں سیاہ جھنڈوں کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ حقیقتاً سیاہ ہوں گے یا محاورتاً؟ یعنی کیا اس میں سیاہ جھنڈوں سے مراد کالی پگڑیوں کو لیا گیا ہے یا حقیقتاً سیاہ جھنڈے؟

(8)...... آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ظہور مہدی کے آٹھویں سال دجال ظاہر ہوگا اور اسی سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے۔ مشہور حدیث شریف کے مطابق جب دجال نکلے گا تو زمین پر چالیس دن رہے گا۔ پہلا دن ایک سال کے برابر، دوسرا ایک مہینے کے برابر اور تیسرا ہفتے کے برابر ہوگا۔ بقیہ 37 دن عام دنوں کے برابر ہوں گے۔

پوچھنا یہ ہے کہ کیا احادیث میں اس کی تعیین ملتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خروج دجال کے پہلے دن نازل ہوں گے، دوسرے دن، تیسرے دن یا بقیہ 37 دنوں میں سے کسی دن؟

(9)...... سورج کا اپنے غروب کے مقام سے طلوع ہونا، دجال کا ظہور اور زمین کے جانور کا نمودار ہونا۔ کیا یہ تینوں واقعات حدیث شریف میں بیان کردہ ترتیب کے مطابق نمودار ہوں گے یا ظہور دجال سے پہلے سورج اپنے غروب کے مقام سے طلوع ہوگا یا ظہور دجال سے پہلے زمین کا جانور نمودار ہوگا؟

(10)...... ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ''کیا تم نے کسی

ایسے شہر کے متعلق سنا ہے جس کے ایک جانب خشکی اور دوسری جانب سمندر ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا: ''جی ہاں! یارسول اللہ!'' فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ بنی اسحاق کے 70 ہزار افراد اس شہر کے لوگوں سے جہاد نہ کرلیں۔''

اس حدیث شریف میں کس شہر کا تذکرہ کیا گیا ہے؟

(11)...... ''جب تم دیکھو کہ خراسان کی جانب سے سیاہ جھنڈے نکل آئے تو اس لشکر میں شامل ہو جاؤ، چاہے تمہیں اس کے لیے برف پر گھسٹ کر (کرالنگ کر کے) کیوں نہ جانا پڑے، کہ اس لشکر میں اللہ کے آخری خلیفہ مہدی ہوں گے۔''

اس جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مہدی کا ظہور خراسان کے لشکر میں ہوگا، جبکہ پہلے آپ نے لکھا ہے کہ حضرت مہدی کا ظہور بیت اللہ شریف میں ہوگا؟ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا خراسان کی جانب سے نکلنے والا لشکر حضرت مہدی سے مدینے میں جا کر مل جائے گا یا یہ لشکر ہندوؤں اور ارتدادی فکر کے شکار نام نہاد مسلم حکمرانوں کے خلاف ہندوستان میں ہی جہاد کرے گا؟

(12)...... ''فجر کی نماز کی پابندی نہیں ہو رہی (یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا وقت ہے) یا عصر کی جماعت کا اہتمام نہیں (یہ یہودیوں کے کلی خاتمے کا وقت ہے)۔''

اگر ہم موجودہ زمانے کو دیکھیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فجر کی نماز میں اتنے نمازی نہیں ہوتے جتنے کہ نماز جمعہ میں ہوتے ہیں اور عصر کی جماعت کا اہتمام بھی نہیں ہو رہا، بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کفار کی محنت رنگ لا رہی ہے اور لوگ دین سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ تو کیا اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے پہلے ہی وہ تمام مسلمان ختم ہو جائیں گے جو نماز جیسے فرض کی پابندی نہیں کرتے یا تمام لوگ نماز کی ادائیگی کا اہتمام کرنے لگیں گے؟

(13)...... حضرت مہدی کے لشکر کے جن تین گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے یعنی بھاگ جانے والا ایک تہائی لشکر، شہید ہونے والا ایک تہائی لشکر اور فتح حاصل کرنے والا ایک تہائی لشکر، کیا ان تین گروہوں اور حضرت کے مقابلے میں آنے والے تمام نام نہاد مسلمانوں کے علاوہ بھی مسلمانوں

میں سے لوگ ہوں گے جو غیر جانبدار رہے ہوں اور جنہوں نے جنگ میں حصہ ہی نہ لیا ہو؟ ان کے بارے میں احادیث میں کوئی وضاحت ہے کہ ان کا کیا حشر ہوگا؟ کیا ان کا شمار کفار میں ہوگا یا وہ مومنوں میں شمار کیے جائیں گے؟

(14)......'' احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے زمانے میں نام نہاد مسلمانوں کا ایک طبقہ اور ہوگا جو حضرت کا ساتھ چھوڑ کر بھاگنے والوں سے بھی زیادہ بدبخت ہوگا۔ وہ اسلام کا دعوے دار ہونے کے باوجود حضرت کے مخالفین میں سے ہوگا اور اسے اللہ تعالیٰ ساری دنیا کی آنکھوں کے سامنے دردناک عذاب میں گرفتار کرے گا۔ وہ زندہ جسموں کے ساتھ زمین میں دھنسا دیے جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو آج کل کے سب سے بڑے فتنے یعنی '' فکری ارتداد'' کا شکار ہو چکے ہوں گے اور ان کا سربراہ '' عبداللہ سفیانی '' نامی شخص ہوگا۔''

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

'' تو جناب من! شراب وزنا کو حلال اور سود و جوے کو جائز سمجھنے والے اور سنت نبوی کو حقیر جاننے والے وہ بدنصیب روشن خیال ہوں گے جو حضرت مہدی کی تلوار کا شکار ہوں گے۔ یہی فکری ارتداد کا انجام ہے۔ یہ لوگ جانوروں کی طرح ذبح کیے جائیں گے۔ آج کل خنجر سے ذبح کی خبریں بہت آتی ہیں۔ حضرت مہدی ان کے سردار سفیان نامی شخص کو ایک چٹان پر بکری کی طرح ذبح کردیں گے۔''

اس سے پہلے ایک جگہ ان سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا بھی تذکرہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ لوگ زندہ جسموں کے ساتھ زمین میں دھنسا دیے جائیں گے تو مسلمان ان کے ساتھ بغیر جنگ کیے ان کا مال، مال غنیمت کے طور پر کیسے حاصل کریں گے؟ اور وہ لوگ جانوروں کے جیسے کس طرح ذبح کیے جائیں گے؟

ان دونوں پیراگراف میں تضاد کیوں ہے؟

(15)......'' خراسان پاکستان اور افغانستان کے چند علاقوں پر مشتمل علاقے کا قدیم

جغرافیائی نام ہے۔''

اس میں پاکستان کے کون کون سے علاقے اور افغانستان کے کون کون سے علاقے شامل ہیں؟

(16)...... ''حضرت دانیال علیہ السلام کی اس پیش گوئی کے جس حصے سے ہمیں دلچسپی ہے وہ یہ ہے: ''شمالی بادشاہ کی جانب سے فوجیں تیار کی جائیں گی اور وہ محترم قلعے کو ناپاک کریں گی۔ پھر وہ روزانہ کی قربانیوں کو چھین لیں گی اور وہاں نفرت کی ریاست قائم کریں گی۔''

''اور افواج اس کی مدد کریں گی اور وہ محکم مقدس کو ناپاک اور دائمی قربانی کو موقوف کریں گے اور اجاڑنے والی مکروہ چیز نصب کریں گے۔ اور وہ عہد مقدس کے خلاف شرارت کرنے والوں کو برگشتہ کرے گا لیکن اپنے خدا کو پہچاننے والے تقویت پا کر کچھ کر دکھائیں گے۔'' (تورات: ص 846...... دانیال: ب 11، آیت: 32-31)

ان دو فقروں سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ اسرائیلی افواج مسجد اقصیٰ پر قابض ہو جائیں گی۔ کیا واقعی ایسا ہی ہوگا اور کیا حضرت مہدی علیہ السلام اس کے بعد ظاہر ہوں گے؟ یا پیش گوئی کے اس حصے میں بھی یہود و نصاریٰ نے تحریف کر دی ہے؟

(17)...... حدیث شریف میں جو ''ماوراء النہر'' سے ''حارث حراث'' (کسان) کے چلنے کا تذکرہ کیا گیا ہے تو یہ علاقہ کہاں واقع ہے؟ اور اس میں کون کون سے ممالک آتے ہیں؟ کیا خراسان کو ہی ''ماوراء النہر'' کہتے ہیں یا یہ کوئی اور علاقہ ہے؟

(18)...... ''حضرت مہدی کے ساتھی وہی ہوں گے جو آخری وقت تک ساری دنیا کی مخالفت و ملامت کی پروا کیے بغیر جہاد کی بابرکت سنت پر ڈٹے رہیں گے۔''

خدارا! احساس کیجیے کیا موجودہ حالات کے تناظر میں جہاد کے ساتھ ''سنت'' کا لفظ استعمال کرنا درست ہے یا اس پر ''فرض'' کا اطلاق ہوتا ہے؟

(19)...... نفرت کی ریاست کے 23 سو سال بعد قیام کے متعلق جو پیش گوئی ہے تو ان

سالوں کا شمار سکندر اعظم کے ایشیا فتح کرنے سے ہی کیوں ہوتا ہے؟ اور شارحین اس کی کیا توجیہ بیان کرتے ہیں؟

(20)......''مسیحیات'' کی پہلی قسط ''مسیحا کا انتظار'' میں ہے: ''دجال حضرت مہدی اور ان کے ساتھ موجود فاتحین یورپ وعیسائیت مجاہدین کو سخت مشقت میں ڈال چکا ہوگا؟''

یہاں صرف فاتحین یورپ وعیسائیت ہی کیوں؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت مہدی خروج دجال سے پہلے صرف عیسائیوں سے جنگ کریں گے اور یہودیوں کے ساتھ ان کا کوئی معرکہ نہیں ہوگا؟ کیا عیسائیوں کے ساتھ ہونے والی ان جنگوں میں یہودی عیسائیوں کا ساتھ نہیں دیں گے؟

(21)......''مسیحیات'' کی دوسری قسط ''سچ کی کڑی'' میں لکھا ہے: ''وہ آخری بار اردن کے علاقے میں ''افیق'' نامی گھاٹی پر نمودار ہوگا۔ مسلمانوں اور دجال کے لشکر کے درمیان جنگ ہوگی اور جب مسلمان نماز فجر کے لیے اٹھیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے سامنے نازل ہوجائیں گے۔''

جبکہ ''مسیحیات'' کی تیسری قسط ''قیامت کب آئے گی؟'' میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ٹھیک اس وقت خاص طور پر مسیح ابن مریم کو بھیجے گا کہ جب دجال ایک نوجوان کو مار کر زندہ کرنے کا تماشا دکھا رہا ہوگا۔ جبکہ اسی قسط میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جانب مشرق میں سفید منارے (یا دمشق کے مشرقی دروازہ پر سفید پل) کے پاس نازل ہوں گے۔

''دجالیات'' کی دوسری قسط ''دجال کا شخصی خاکہ'' میں ہے کہ مسلمان شام کے ''جبل دخان'' کی طرف بھاگ جائیں گے۔ وہاں فجر کی نماز کے وقت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے موضع نزول کی ان روایات میں اختلاف کیوں ہے؟

(22)......''دجال کے ساتھ اصفہان کے ستر ہزار یہودی ہوں گے جو ایرانی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔''

کیا ایران میں اتنے بڑی تعداد میں یہودی آباد ہیں؟ یا ایرانی لوگ یہودیت قبول کرلیں گے؟ یا پھر یہاں 70 ہزار سے عربی محاورے کے مطابق کثیر تعداد مراد لی گئی ہے؟

(23)...... زیر و بم اخت میں آپ نے لکھا ہے: ''حدیث شریف میں آتا ہے تین واقعات ایسے نمودار ہوں گے جو ایک دوسرے کے بعد رونما ہوں گے اور پھر فارغ وقت والوں کے پاس بھی وقت نہ رہے گا۔'' اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب یہ تین باتیں رونما ہوں گی تو پھر کسی ایسے شخص کا ایمان لانا اس کو فائدہ نہ دے گا جس نے پہلے ایمان قبول نہیں کیا تھا یا اس نے اپنے ایمان سے کوئی خیر کا کام نہیں کیا تھا: (1) جب سورج اپنے غروب ہونے کے مقام سے طلوع ہونا شروع کردے گا۔ (2) دجال نمودار ہوگا۔ (3) اور زمین کا جانور نمودار ہوگا۔'' (صحیح مسلم)

اس حدیث شریف سے ظاہر ہو رہا ہے کہ خروج دجال کے ساتھ ہی توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا جبکہ ''قارئین کی نشست'' میں ''پیش گوئیاں، ہیکل سلیمانی، عیسائی حضرات کا ایک بے تکا سوال'' کے عنوان کے تحت آپ نے وضاحت کی ہے کہ دجال کی ہلاکت کے بعد قرب قیامت میں زمین کی محوری گردش رک جائے گی پھر متضاد سمت میں گھومے گی۔ اس کے بعد توبہ کے دروازے بند ہوجائیں گے۔ (یعنی دجال کی ہلاکت کے بعد) ان دونوں باتوں میں تضاد کیوں ہے؟

(24)...... ''کفر کا زور ٹوٹ رہا ہے نہ کفریات کا غلبہ ختم ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ محض کسی جری اور اہل قائد کا نہ ہونا ہے۔''

کیا اس فقرے سے قائد مجاہدین امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد دامت برکاتہم اور طالبان کی جہاد کے لیے اور مہاجر مجاہدین کے لیے دی گئی عظیم الشان قربانیوں کو زک نہیں پہنچ رہی؟ کیا یہ فقرہ یہ تاثر نہیں دے رہا کہ موجودہ زمانے میں بھی کوئی اہل قائد مجاہدین کو میسر نہیں؟

(25)...... ''ان کو یقین تھا کہ اگر شکست ہوئی تو سلطان ان کو چھوڑ کر بھاگے گا نہیں۔ اگر فتح ہوئی تو اس کے فوائد سلطان خود ہرگز نہیں سمیٹے گا، بلکہ یہ سارے ثمرات و نتائج اسلام کی جھولی میں جائیں گے۔ اگر آج کی قیادت اپنے کارکنوں کو یہ یقین دلا دے تو خدا کی قسم! اکا یا پلٹنے میں اتنے

ہی دن لگیں گے جتنے قائد کو اپنی بے نفسی اور اسلام کے لیے فنائیت ثابت کرنے میں لگتے ہیں۔"

اس فقرے سے بھی یہ تاثر ملتا ہے کہ دنیا بھر میں جاری جہادی تحریکوں اور طالبان کی قیادت اپنے مقصد میں مخلص نہیں ہے حالانکہ امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد دامت برکاتہم نے صرف ایک مہاجر مجاہد کو کفار کے حوالے نہ کرنے کے لیے پوری سلطنت چھوڑ دی۔ آپ کی رائے کے مطابق مجاہدین کی ناکامی کی وجہ ان کی قیادت میں خلوص کا فقدان ہے جبکہ میری ناقص رائے کے مطابق جب تک مسلمان کفار کے لیے استعمال ہوتے رہیں گے (چاہے وہ مسلم ممالک کے حکمران ہوں یا عوام الناس) اس وقت تک فتح کا تصور بھی محال ہے۔ میرے اپنے مشاہدے کے مطابق افغان مجاہدین کو پہنچنے والے نقصانات میں سے 90 فیصد سے بھی زیادہ حصہ ان نام نہاد پاکستانی اور افغانی مسلمانوں کا ہے جو طالبان کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں اور شمالی اتحاد کے وہ مسلمان فوجی جو نیٹو افواج کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر یہ کفار نما مسلمان بیچ سے ہٹ جائیں اور لشکرِ کفار کی اعانت نہ کریں تو نیٹو افواج افغانستان میں ایک ہفتے کے اندر اندر شکست سے دوچار ہو کر اپنا بوریا بستر لپیٹنے پر مجبور ہو جائیں گی۔

آخر میں عرض ہے کہ آپ نے اپنے مضمون میں بہت گاڑھی اردو اور مشکل اصطلاحات استعمال کی ہیں جسے عام پڑھا لکھا آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ خاص کر صوبہ سرحد اور بلوچستان کے باشندے تو سمجھنے میں اور بھی مشکل محسوس کرتے ہیں، اس لیے اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان مضامین کی کتابی شکل میں اس طرح تسہیل کر لیں کہ خیالات کی روانی میں بھی فرق نہ آئے اور عام قاری بھی اس سے استفادہ کر سکے۔ نہیں تو کم از کم کتاب کے آخر میں "بچوں کا اسلام" کی طرح فرہنگ دے سکتے ہیں تاکہ کم پڑھے لکھے افراد بھی فرہنگ میں معنی دیکھ کر مفہوم سے مستفید ہو سکیں۔

والسلام

خلیل الرحمن، ٹانک

الجواب:

1- آپ اس جملے کا مطلب نہیں سمجھے۔ یہ جملہ ایک مخصوص طبقے کے اس نظریے کی تردید کے لیے تھا جس کے مطابق حضرت مہدی آج سے صدیوں پہلے پیدا ہو چکے تھے پھر کسی غار میں پوشیدہ ہو گئے اور پھر قرب قیامت میں ظہور کریں گے۔ اس جملے کو یوں بنا دینا چاہیے: ''وہ پیدا ہو کر روپوش نہیں ہوئے بلکہ عام انسانوں کی طرح پیدا ہوں گے۔'' باقی ان کے وقتِ ظہور کی بڑی علامات دنیا بھر کے مسلمانوں کے گرد گھیرا تنگ ہوتے جانا اور چند ایک مسلمانوں کا کفر کے خلاف ڈٹے رہنا اور امت کی فکر رکھنے والے دردمند مسلمانوں کا بارگاہِ الٰہی میں کسی قائدِ جری کے ظہور کی دعائیں درد اور لگن سے مانگنا ہے۔ جب فتنہ اتنا بڑھ جائے کہ عام قائدین جہاد اور مصلحین وقت علماء کے بس میں نہ رہے اور سب مل کر کسی متبع سنت قوی التاثیر روحانی و جہادی شخصیت کی دل کی گہرائیوں سے تمنا کرنے لگیں تب ان کا ظہور ہوگا۔ واللہ اعلم۔

2- اس تحریر اور حدیث شریف میں تضاد نہیں، توافق و تائید ہے۔ مسلمانوں کی جو جماعت حق کی خاطر قتال کرتی رہے گی حضرت مہدی اس کے امیر ہوں گے اور یہ جماعت جو قربانیاں دے رہی ہوگی، وہ ان کو نتیجہ خیز بنا کر فتح و نصرت سے سرفراز ہو کر خلافت اسلامیہ قائم کریں گے۔ ان کے ظہور سے پہلے مسلمانوں کو جس کامل درجے کی اتباع شریعت، اتحاد و اتفاق اور دلوں کی حسد و بغض، کینہ و عناد سے مکمل تطہیر کی ضرورت ہوگی، وہ حضرت مہدی کی اصلاح و تربیت اور صحبت و تاثیر کے ذریعے حاصل ہو جائے گی۔ یہ وہ چند چیزیں ہیں جن کی تلافی آپ کے ظہور سے پہلے ہر مسلمان محسوس کر رہا ہے۔ باقی نظریاتی طور پر دین مکمل ہے، بس اسے مکمل طور پر اپنانے کی ضرورت ہے۔

2- غالب امکان علیحدہ علیحدہ سات علماء کے ہاتھ پر مخلصین کی بیعت جہاد اور استقامت حتی الموت کا ہے۔ دنیا میں جہاں جہاں اصلاح و جہاد کی تحریکیں چل رہی ہیں، جو اہل علم و صلاح ان کی قیادت کر رہے ہیں اور جو مجاہد و مریدان کے ساتھ ڈٹے ہوئے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ یہ سعادت عطا کرے گا کہ بالآخر ان کی طاقت، صلاحیت اور قربانیوں کی برسات جمع ہو کر جس پرنالے میں

رعد آیت 125/ ب

اکٹھی ہو کر بہے گی، وہ حضرت مہدی کے قدموں پر گر رہا ہوگا۔

4۔ یہ موت کی شعاعیں ہیں۔ دراصل برمودا ٹرائی اینگل میں جو تیز ترین مقناطیسی شعاعیں کارفرما ہیں، یہودی سائنس دان ان کو جمع کرنے اور حسب منشا استعمال کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ یہ شعاعیں اگر کسی انسان کے بس میں آ جائیں تو ان سے حیرت انگیز کام لیے جا سکتے ہیں جن کو بحوالہ بالا مضمون میں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہودیت کے چوٹی کے دماغ اس روئے زمین پر ان شعاعوں کی طاقت کو سب سے موثر ترین اور مہلک ترین ٹیکنالوجی سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ دجال کے خروج کے اعلان کو انہوں نے ان کے حصول پر موقوف کر رکھا ہے۔ وہ اس کے حصول میں جزوی طور پر کامیاب ہو چکے ہیں اور جس دن وہ اس میں خاطر خواہ کامیابیاں حاصل کرلیں گے، دجال کے خروج اور بزعم خود دنیا پر بے تاج بادشاہی اور ناقابل چیلنج اقتدار کا اعلان کر دیا جائے گا۔

5۔ ظاہر تو یہی ہے کہ یہ افراد اس لشکر کا اہم ترین عنصر ہوں گے۔

6۔ اس زمانے میں شام کی حدود میں آج کے چار ملک شامل تھے: (1) موجودہ شام (2) اردن (3) فلسطین (4) لبنان۔ آخری زمانے کے اہم ترین واقعات اسی خطے میں پیش آئیں گے جو ان چار ملکوں پر مشتمل ہے۔

7۔ اصل تو یہ ہے کہ ہر لفظ سے اس کا حقیقی معنی مراد لیا جائے، جب تک مجازی معنی کا قرینہ نہ ہو حقیقی معنی ہی مراد ہوگا۔ سیاہ جھنڈے کا حقیقی معنی تو سیاہ علم ہی ہے، کالی پگڑیاں اضافی شعار یا ثانوی مماثل علامت ہو سکتی ہیں۔

8۔ احادیث میں آتا ہے کہ جب دجال اپنے عروج کی آخری حد پر ہوگا اور مسلمانوں کو فلسطین کی ایک گھاٹی ''افیق'' میں محصور کر کے ان پر آخری وار کی سوچ رہا ہوگا، ان دنوں ایک رات مسلمان آپس میں یہ طے کریں گے کہ صبح ''فتح یا شہادت'' کے لیے آخری حملہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی وصیتیں ایک دوسرے کو لکھوا کر موت پر بیعت کریں گے اور اپنا اضافی سامان ملکیت سے نکال کر ''زندگی یا موت'' کی جنگ لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ ان کی اس جانبازی کی

برکت سے اس دن صبح فجر میں حضرت عیسیٰ مسیح اللہ علیہ السلام نازل ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کو تسلی دیں گے اور انہیں ساتھ لے کر جہاد شروع کریں گے۔ دجال انہیں دیکھ کر بھاگے گا اور نمک کی طرح پگھلے گا۔ بالآخر بے مثال ذلت اور رسوائی کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا پہلا دن فتنہ دجال کا آخری دن ہوگا یعنی چالیسواں روز۔ واللہ اعلم بالصواب۔

9-........ یہ دو چیزیں فتنہ دجال بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اور قیامت کے قریب کے آخری دنوں کی ہیں۔ اس لیے ان کو "علامات قریبہ" کہا جاتا ہے۔

10- یہ موجودہ استنبول کا نام ہے جو ایشیا و یورپ کا سنگم ہے۔ یورپی یونین یہیں سے ارض اسلام یعنی جزیرۃ العرب اور حجاز و شام وغیرہ کا رخ کرے گی۔ اس شہر کو ساتویں ہجری میں عثمانی حکمران سلطان محمد فاتح نے فتح کر کے خود کو نبوی بشارت کا حقدار ٹھہرا لیا تھا اور اب آخری وقت میں اسلام و کفر کے اس سنگم پر دوبارہ معرکہ عظیم لڑا جائے گا۔

11- یہ سوال اکثر لوگ کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس لشکر میں اللہ کے خلیفہ مہدی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسی لشکر کے امیر ہوں گے اور یہ لشکر انہی کے حکم سے انہی کا ساتھ دینے کے لیے جا رہا ہوگا۔ اگرچہ وہ خود اس میں اس وقت نہیں ہوں گے لیکن یہ لشکر جا کر جب ان سے بیعت کرے گا تو ان کی اصل طاقت یہی لشکر ہوگا۔ اسی میں کی ایک جماعت ہند کے متکبر حکمرانوں کے دماغ سے پاکستان کو فتح کرنے کا سودا نکال باہر کرے گی اور یہی لشکر "عالمی طاغوتی تکون" (امریکا، برطانیہ، اسرائیل) اور اس کے ہمنواؤں سے پوری انسانیت کی طرف سے انتقام لے گا۔ ان شاء اللہ!

12- عام لوگ تو ان نمازوں میں بہت زیادہ سستی کر رہے ہوں گے اور خواص مجاہدین ان کی پوری پابندی کرنے کی برکت سے راہ راست پر قائم رہتے ہوئے جہاد کا علم بلند رکھیں گے۔

13- اس وقت جو لوگ اس جہاد عظیم سے لاتعلق رہیں گے وہ وہی لوگ ہوں گے جو موجودہ

میڈیا کی فراہم کردہ معلومات کو حرف آخر سمجھنے کی بنا پر فتنۂ دجال کا شکار ہو چکے ہوں گے۔ زمین پر اس وقت کا عظیم ترین جہاد ہو رہا ہوگا اور وہ جادو بیان "اینکر پرسن" کے جھانسے میں آ کر اس کے قائل نہ ہوں گے یا قائل ہوتے ہوئے بھی اس پر عامل نہ ہوں گے۔ ان کا حکم وہی ہوگا جو فتنۂ دجال اور دجالی پروپیگنڈے کا شکار ہو کر جہاد کو دہشت گردی سمجھنے والوں کا ہے۔ یعنی وہ اگر فرضیت جہاد کے نظریاتی طور پر منکر ہوں گے تو ایمان سے محروم ہوں گے اور عملی طور پر تارک ہوں گے تو سخت گنہگار ہوں گے۔

14- اس گروہ کا ہراول دستہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ سے لڑنے جائے گا، وہ زمین میں دھنسا دیا جائے گا، جو پیچھے رہ جائیں گے وہ حضرت اور ان کے مجاہدین کے ہاتھوں اپنے سربراہ سمیت قتل ہوں گے اور ان کا مال غنیمت تبرک کی طرح تقسیم ہوگا۔

15- جغرافیائی طور پر تو پورا افغانستان بشمول پاکستان کا صوبہ سرحد اور قبائلی علاقے نیز وسط ایشیا کے ممالک اس میں آتے ہیں۔ باقی گرد و پیش یعنی بقیہ ملکوں، صوبوں اور شہروں سے بھی خوش نصیب افراد اس میں شریک ہوں گے۔

16- مسجد اقصیٰ میں نمازوں کا موقوف ہونا شدید جنگ کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے اور اسرائیلی افواج کی طرف سے عارضی بندش کی بنا پر بھی۔ بہر حال بیت المقدس پر تسلط کے لیے جاری دجالی مہم کا نقطۂ عروج ہوگا اور اسی "فلیش پوائنٹ" سے کرۂ ارض تنور کی طرح گرم ہو کر تیسری اور شدید ترین جنگ عظیم کا نظارہ کرے گا۔

17- "ماوراء النہر" کا لفظ دو لفظوں پر مشتمل ہے۔ "ماوراء" کے معنی پیچھے اور "النہر" دریا کو کہتے ہیں۔ "ماوراء النہر" کا معنی ہوا: دریا کے پیچھے۔ اس دریا سے دریائے آمو مراد ہے جس کے ارلی طرف افغانستان اور پرلی طرف تین ممالک متصل ہیں۔ تاجکستان، ازبکستان، ترکمانستان۔ ان تین کے ساتھ وسط ایشیا کے بقیہ ممالک کرغیزستان، قازقستان اور آذربائیجان، چیچنیا، جارجیا اس نہر سے متصل نہیں لیکن نہر کے پار ہی واقع ہیں۔ خراسان کا اطلاق دریائے آمو کے اس طرف واقع

افغانستان پر بھی ہوتا اور اس طرف واقع ان وسط ایشیائی ممالک پر بھی ہوتا ہے۔

18- جہاد اسلام کی اہم عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حکم پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ اس اعتبار سے یہ "فرض" ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے لازم کیا ہے اور اس اعتبار سے اسے "سنت" کہا جاتا ہے کہ یہ نبی علیہ السلام کا مبارک طریقہ ہے۔ دونوں لفظ اپنی جگہ درست ہیں۔ سنت کہنے کا مطلب "فرضیت کا انکار" نہیں، بلکہ اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منسوب کر کے اس کی حیثیت کو مقدس و متبرک ثابت کرنا ہے۔ "دجال" نامی کتابی سلسلے کا لفظ لفظ اس پر گواہ ہے۔

19- اس وقت دنیا میں مختلف کیلنڈر رائج تھے۔ اس تاریخ کے آغاز کے لیے جس کیلنڈر کے ساتھ موافقت بنتی تھی، وہ سکندر اعظم کی فتح کے دن سے شروع ہونے والا کیلنڈر ہے۔

20- یہودیوں نے ہمیشہ دیوار کے پیچھے سے دوسروں کے کندھے پر بندوق رکھ کر لڑا ہے۔ عیسائیوں کے جذبات برانگیختہ کر کے انہیں مسلمانوں سے لڑوانا اور دنیا کو صلیبی جنگوں کا تحفہ دینا یہودیت کی قدیم انسانیت کش روایت ہے۔ آخر زمانے میں بھی ایسا ہوگا کہ وہ عیسائیت کو متحد کر کے مغربی دنیا کو مسلمانوں کے مقابلے میں لائے گی اور جب مسلمانوں کے ہاتھوں عیسائیت نڈھال ہو کر ادھ موئی ہو جائے گی اور خود مسلمان بھی تھکے ماندے اور جنگ کی تباہ کاریوں سے متاثر ہو چکے ہوں گے تب یہودی موقع غنیمت جان کر دجال کے خروج کا اعلان کر دیں گے اور اس کی قیادت میں پوری دنیا پر حکومت کا خواب آنکھوں میں سجائے میدان میں آجائیں گے۔ اس وقت مسلمان سخت مشقت میں ہوں گے اور یہودیوں کے ساتھ "آرمیگاڈون" کی وادی میں "معرکۂ عظیم" برپا کریں گے۔ اس سے پہلے یہودیوں کے ساتھ جھڑپیں تو چلتی رہیں گی مگر زوردار معرکہ اس کے بعد ہی ہوگا۔

21- ان روایات میں اختلاف نہیں تعبیر کا فرق ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے مشرق جانب سفید مینارے کے پاس نازل ہوں گے اور پھر وہاں موجود مجاہدین کے ساتھ "افیق" نامی

گھاٹی کی طرف روانہ ہوں گے جہاں دجال نے مجاہدین کو محصور کر رکھا ہوگا۔ ان دنوں دجال کی جادو آمیز سائنسی ٹیکنالوجی عروج پر ہوگی اور وہ لوگوں کو مار کر زندہ کرنے کے شعبدے دکھا کر اپنی خدائی تسلیم کروانے کی آخری کوششوں میں مصروف ہوگا۔ الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی جگہ متعین ہے البتہ نزول کے وقت آگے پیچھے متعدد واقعات ہورہے ہوں گے۔ کسی حدیث میں ایک کو بیان کیا گیا ہے کسی میں دوسرے کو۔

22- ہاں! ایران میں اصفہان کے قریب ''یہودیہ'' نامی علاقے میں بڑی تعداد میں اصلی اور کٹر قسم کے یہودی آباد ہیں۔ یہ وہ یہودی ہیں جو فلسطین سے اس وقت جلاوطن ہو کر یہاں آئے تھے جب ان کی شامت اعمال کے نتیجے میں ان پر عراق کے بادشاہ ''بخت نصر'' کی شکل میں عذاب مسلط ہوا۔ یہ لوگ یہاں کے بڑے تاجر شمار ہوتے ہیں اور ایرانی معاشرے میں ان کا اچھا خاصا اثر رسوخ ہے۔ پچھلے دنوں انہوں نے اسرائیل کے قومی دن کے موقع پر اسرائیل کے حق میں زبردست اجتماع کیا جس کی تصویر ہم نے اخبار میں چھاپی تھی۔ یہ لوگ نسلی اعتبار سے خالص یہودی ہیں۔ ان میں غیر یہودیوں کے خون کی آمیزش نہیں ہوئی اور جو جتنا خالص اور متعصب یہودی ہوگا وہ دجال کے اتنا ہی قریب ہوگا۔

23- توبہ کا دروازہ اس دنیا کے بالکل آخری دنوں میں (اینڈ آف ٹائم) بند ہوگا۔ خروج دجال اس سے پہلے کا واقعہ ہے۔ متذکرہ بالا سوال کا جواب اسی کتاب میں تفصیل سے دیا گیا ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمالیں۔ ان شاء اللہ تسلی ہو جائے گی۔

24- اس فقرے کا مقصد عالمی سطح پر ایسے قائد کی ضرورت اور جب وہ ظاہر ہو جائے تو اس کی مکمل اطاعت کی ترغیب دلانا ہے جو اپنی ہمت و جرات سے کفر کا زور ختم کر کے پورے کرۂ ارض پر خلافت اسلامیہ قائم کرے گا۔ اس کا مطلب ان لوگوں کی قربانیوں کا انکار ہرگز نہیں جو اس کے ظہور سے پہلے حکم الٰہی کو زندہ کرنے کے لیے عظیم ترین قربانیاں پیش کر رہے ہوں گے۔ آپ انہی سطروں سے آگے کی چند سطریں پڑھ لیتے تو آپ کو یہ غلط فہمی نہ ہوتی۔ پوری کتاب میں جا بجا جن لوگوں کی

قربانیوں کو سلام پیش کیا گیا ہے، ان سے صرف نظر کرتے ہوئے ایک مبہم جملے کو سیاق و سباق سے کاٹ کر کسی اور معنی میں لینا قرین انصاف نہیں۔

25- نہیں ہرگز نہیں! اس تاثر کی نفی پوری کتاب کر رہی ہے اور پوری کتاب اس چیز کی گواہی دے رہی ہے کہ کالے جھنڈے والے وہ خوش نصیب لوگ جو آخر زمانے کے متبع سنت اور جری و شجاع قائد کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے، یہ وہی لوگ...... یا ان بلند مرتبہ لوگوں کی باقیات...... ہوں گے جنہوں نے آج تن تنہا، بے سروسامانی کے عالم میں پوری دنیا کی ان چالیس سے زیادہ حکومتوں کا بے جگری سے سامنا کیا ہے جو طاغوتِ اعظم کی چھتری تلے اللہ کے نور کو مٹانے آئی تھیں۔ اور نہ صرف سامنا کیا ہے بلکہ عقل و جراءت اور تدبیر و شجاعت کا ایسا بے مثال مظاہرہ کیا ہے جس نے دنیا کی تاریخ بدل ڈالی ہے۔ ان خدامست بوریا نشینوں نے نام نہاد ماہرین کے تمام اندازے غلط کر دکھائے ہیں، اور دنیا کو قربانی و ایثار کے ایسے ایمان افروز اور روح پرور نظارے دکھائے ہیں کہ اہل ایمان کے مرجھائے ہوئے دل پھر سے کھل اٹھے ہیں، ان کے حوصلوں کو تازہ ولولہ اور ایمانی جوش نصیب ہوا ہے اور پورے عالم اسلام کو ہی نہیں، پورے عالم انسانیت کو سامراجی استعمار کے چنگل سے نکلنے کی کرن دکھائی دینے لگی ہے۔ یہ دنیا کے وہ عظیم اور سعادت مند لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ایمانی غیرت اور حکمت و بصیرت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور کی یاد تازہ کر دی ہے اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے کردار کی وہ جھلک دنیا پرستوں اور کم حوصلہ لوگوں کے سامنے پیش کی ہے جس نے کتابوں میں مذکور ایمانی کیفیات اور تاریخ میں نصرت الٰہی پر مشتمل فتوحات کو عملی صورت میں مجسم کر کے آنکھوں کے سامنے لاکھڑا کیا ہے۔ باقی جہاں تک کچھ مسلمانوں کا کفار کے لیے استعمال ہونے کی بات ہے تو یہ بجائے خود ایک تاریخی المیہ ہے۔ جہاد ایسا فریضہ ہے جو غیروں کے ظلم و ستم اور اپنوں کے جور و جفا کے باوجود ہر حال میں جاری و ساری رکھنا لازم ہے۔ یہ ایک جہدِ مسلسل ہے، عمل پیہم ہے، وفا و ایثار کا لازوال اظہار ہے۔ قربانی اور خلوص کی لافانی مثال ہے۔ اس کا جھنڈا جب تک بلند ہے، مسلمانوں کے سربلند ہونے کی ضمانت باقی ہے۔ لہٰذا ہم سب

نے دل کرا سے جھنڈے کو اس وقت بلند رکھتا ہے جب تک اسلام اور مسلمان سربلند نہیں ہو جاتے۔

جہاں تک اردو کے گاڑھے پن کی بات ہے تو کتاب کے نئے ایڈیشن میں چن چن کر مشکل الفاظ کی جگہ آسان الفاظ رکھے گئے ہیں۔ گویا باقاعدہ تمام مضامین کی تسہیل کی گئی ہے۔ اگر آپ یا دوسرے قارئین اب بھی مشکل محسوس کریں تو ایسے الفاظ کی نشاندہی فرمائیں۔ ان کے متبادل پر غور کر لیا جائے گا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

مغرب کی گھڑی ہوئی فرضی شخصیات اور دجال

محترم مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سے ایک سوال کرنا تھا۔ آپ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ دجال سپر مین یا ٹرمینیٹر قسم کا آدمی ہوگا۔ یہ تو مغربی دنیا کی تخلیق کردہ فرضی قسم کی مخلوقات ہیں جبکہ دجال تو پہلے سے پیدا شدہ ایک حقیقی مخلوق ہے۔ ان دونوں کا باہمی کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ امید ہے تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب: دجال میں کچھ غیر معمولی قوتیں اور صلاحیتیں تو قدرتی طور پر ہوں گی کہ اسے اللہ نے پیدا ہی انسانوں کی آزمائش کے لیے کیا ہے اور کچھ صلاحیتیں اس میں مغرب کی تجربہ گاہوں میں مصروف کار فتنہ دماغ یہودی سائنس دانوں کی ان ایجادات کی بدولت ہوں گی جن کی مدد سے وہ اسے "بادشاہ عالم" کی حیثیت سے کامیاب بنانے کے لیے دن رات کوشش کر رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ قدرتی صلاحیتوں اور مصنوعی پیوندکاریوں کے امتزاج سے اس کو ناقابل تسخیر بنانے کی کوشش کی جائے گی، مگر بالآخر مجاہدین اسلام کے لازوال جذبے اور پرخلوص قربانیوں کی بدولت قوم یہود کا سودی سرمایہ اور ان کے تھنک ٹینکس کا سازشی دماغ سب دھرا رہ جائے گا اور فتح ان اللہ والوں کی ہوگی جو بے سروسامان ہونے کے باوجود مغرب کی محیر العقول ترقی سے مرعوب ہونے اور ان کے سامنے جھکنے سے انکار کر کے دستیاب وسائل کو استعمال کرتے ہوئے محض اللہ رب العزت کے بھروسے پر شیطان اور اس کے کارندوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں گے۔ واللہ اعلم

باقی یہ بات یاد رہے کہ سپر مین اور ٹرمینیٹر وغیرہ جیسی فرضی تخلیقات دجال کے خروج سے پہلے

انسانی ذہنوں کو ہموار کرنے اور اس کی شیطانی طاقت کے سامنے جھک کر مرعوب ہو جانے کے لیے گھڑی جاتی ہیں۔ اہلِ اسلام کو چاہیے کہ توحید باری تعالیٰ کا سبق بار بار دہراتے رہیں تاکہ اللہ رب العالمین کی ازلی و ابدی صفات ان کے ذہن میں ایسی راسخ ہوں کہ پھر کوئی ان کو خوفزدہ یا مرعوب کر سکے۔ نہ کسی کی جھوٹی خدائی ان کو دھوکا دے سکے۔

کاؤنٹ ڈاؤن

محترم مولوی شیر محمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ زورِ قلم اور زیادہ کرے۔ پچھلے دنوں ایک کتابچہ بعنوان ''مسجد اقصیٰ، یہود اور مسلمانوں کا مسئلہ'' نظر سے گزرا جسے جناب حامد کمال الدین نے تصنیف کیا ہے۔ انہوں نے اس موضوع کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش کی۔ مذکورہ کتابچے میں صفحہ نمبر 53، 55 میں مسجد اقصیٰ کی تولیت اور ملکیت کے یہودی دعویٰ کا مذہبی نکتہ نظر سے جواب دیا گیا ہے، مگر یہاں سے میرے ذہن میں ایک الجھن پیدا ہوئی جس کی وضاحت کے لیے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ میرا سوال دو حصوں میں ہے۔ پہلا حصہ اس اقتباس سے متعلق ہے جو درج ذیل ہے:

''ارضِ مقدس پر یہود کے 'آبائی حق' کے ضمن میں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے، جو کہ اپنی جگہ بے انتہا اہم ہے، کہ آج دنیا میں جو یہودی پائے جاتے ہیں ان میں ''بنی اسرائیل'' کے یہود ایک نہایت چھوٹی اقلیت جانے جاتے ہیں اور قیادت کے منصب پر بھی قریب قریب کہیں فائز نہیں۔ آج کے یہود کی اکثریت اشکنازی Ashkenazi کہلاتی ہے جن کے آباء خزر Khazarians ہیں۔ انہی کو ''کوکیشین'' Caucasians بھی کہتے ہیں (قوقاز سے نسبت کے باعث)۔ یہ نیلی آنکھوں اور سنہرے بالوں والی گوری اقوام ہیں جو کبھی بحیرہ خزر کے مغربی جانب خطۂ قوقاز میں آباد تھیں اور کوئی دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی (چوتھی اور پانچویں صدی ہجری) میں جا کر داخلِ یہودیت ہوئیں، بعد ازاں یہ ہنگری، پولینڈ اور ماسکو میں جا کر بسیں اور پھر رفتہ رفتہ پورے یورپ میں پھیل گئیں اور ہر جگہ میڈیا، معیشت اور سیاست کے جوڑ توڑ پر اجارہ قائم کر لینے کی حیرت

انگیز استعداد دکھانے لگیں۔

ان کو کوئی ایسی شیطانی قوت حاصل تھی کہ جہاں گئے وہیں پر پتلیاں نچانے لگے۔ علاوہ ازیں دنیا کے ملحد ترین مفکر اور فلسفی انہی نے پیدا کیے۔ چونکہ یہ اقوام زیادہ تر اور خاصا طویل عرصہ پولینڈ میں رہی تھیں اس لیے کسی وقت Poland of Jews بول کر بھی یہ سب کی سب اقوام مراد لے لی جاتی ہیں۔ بہرحال یہودیوں کے اندر نسلی طور پر یہ بالکل ایک نیا عنصر ہے۔ یہودیت پر آج یہی گوری اقوام حاوی ہیں۔ دنیا کے اندر پائے جانے والے آج کے یہودیوں میں 80 فیصد یہود، اشکنازی (گورے یہودی) ہیں اور یہود کی باقی سب کی سب اجناس ملا کر صرف 20 فیصد۔ باقی دنیا کی طرح بنی یعقوب علیہ السلام بھی جو کہ تاریخی طور پر اصل یہود ہیں، انہی اشکنازی (غیر بنی اسرائیلی) یہودیوں کے محکوم ہیں۔ اکثریت بھی یہود کے اندر آج انہی کی ہے اور زور اور اقتدار بھی۔ اسرائیلی قیادت ہو یا امریکا اور یورپ میں بیٹھی ہوئی یہودی لابیاں "بنی اسرائیل" کا یہودی کہیں خال خال ہی ان کے مابین نظر آئے گا۔

یہاں سے یہ معاملہ اور بھی دلچسپ ہو جاتا ہے۔ "گورے یہودیوں" (جو کہ آج ان میں کی اکثریت ہے) کا ابراہیم علیہ السلام کے نطفے سے دور نزدیک کا کوئی تعلق نہیں۔ "سامی" نسل سے ان کا کوئی واسطہ نہیں مگر "سامی" نسلیت کی سب ٹھیکیداری اور "سامیت" کے جملہ حقوق یورپ اور امریکا میں انہی کے نام محفوظ ہیں! کوئی ان یہود کے خلاف ایک لفظ تو بولے "سام دشمنی" Anti-Semitism کے الزامات کی لٹھ لے کر یہ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، حتیٰ کہ کسی وقت عدالت کے کٹہروں میں کھڑا کر لیتے ہیں۔ بارہا ایسی جامعات سے لوگوں کو اس بنا پر خارج کروا دینے کے واقعات ہوئے ہیں۔ کسی کو ان کی حقیقت بیان کرنا ہی ہو تو بہت گھما پھرا کر بات کہنا ہوتی ہے تاکہ Anti-Semitism کے "خطرناک" دائرے میں نہ آنے پائے۔

آج کے دور کی سب سے بڑی جعلسازی اور نوسربازی شاید اسی کو کہا جائے گا۔ پولینڈ، بلغاریہ، ہنگری اور آسٹریا سے آئی ہوئی، تل ابیب کے عریاں ساحلوں پر پھرتی نیلی آنکھوں اور

سنہرے بالوں والی بکینی پوش گوریاں، جو ثقافتی ہی نہیں نسلی لحاظ سے بھی قطعی اور یقینی طور پر یورپ ہی کا پھیلاؤ ہیں اور یورپ ہی کی تہذیب، آج بیت المقدس پر ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے نسب کا حق مانگ رہی ہیں! اور ان کے اس "آبائی حق" کے لیے یہاں صدیوں سے آباد، ابراہیم کے طریقے پر اقصیٰ میں خدا کی عبادت کرنے والوں کو، مسجد خالی کرنے کے نوٹس دیے جا رہے ہیں۔ کیونکہ سرزمین مقدس پر "کنعانیوں" کا نہیں "اولادِ ابراہیم" کا حق ہے!!!"

اسے پڑھ کر مندرجہ ذیل سوال ذہن میں آتے ہیں۔

(1) یہ تمام چکر اور نسلی تقسیم (اسرائیلی اور غیر اسرائیلی) کیا معاملہ ہے؟ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ یہودی بس یہودی ہوتے ہیں اور وہ ہمارے حق پر قابض ہیں اور یہ دنیا کی ارذل ترین قوم ہے جو اللہ کے غضب کی منتظر ہے۔ جیسا کہ احادیث میں ہے۔

(2) اسرائیلی اور غیر اسرائیلی یہودی کا پڑھ کر ذہن میں یہ آتا ہے کہ چونکہ فلسطین پر اصلی بنی اسرائیلی یہودی قابض نہیں بلکہ کوئی اور قوم جو بعد میں یہودی بنی، قابض ہے۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ یہودی اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کرتے کیونکہ وہ صرف یہودی ماں سے پیدا ہونے والے بچے کو ہی یہودی مانتے ہیں نہ کہ بذریعہ تبلیغ یہودی ہونے والے کو۔ تو وہ تمام احادیث نبوی جن میں یہودیوں پر آخری وقت میں نازل ہونے والے غضب کا ذکر ہے۔ ان غیر بنی اسرائیلی یہودیوں پر کیسے ان کا اطلاق ہو سکتا ہے؟

(3) اس اقتباس کو پڑھ کر یہ بھی ذہن میں آتا ہے کہ اصلی بنی اسرائیلی تو خود محکوم ہیں کسی اشکنازی یہودیوں کے۔ تو وہ تو خود قابلِ رحم ہیں۔ چہ جائیکہ ان کو قابض اور مغضوب گردانا جائے۔

(4) آج کل انٹرنیٹ پر تمام بڑی بڑی ویب سائٹس پر 21 دسمبر 2012ء کا کاؤنٹ ڈاؤن چل رہا ہے۔ کوئی اسے کسی "چینی مذہب" میں ذکر کردہ Dooms Day کہہ رہا ہے۔ تو بہت سے عیسائی حضرات اس سال کو Rapture کا سال کہہ رہے ہیں اور کچھ لوگ 2012ء کو 7 سالوں کے مجموعے یعنی 2012ء تا 2019ء کا آغاز سمجھ رہے ہیں۔ وہ ان 7 سالوں کو Jublie

Years کہتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ ان کا مسیح انہیں سات سالوں میں سے کسی سال آئے گا۔
کیا ان سب اندازوں کا مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب کی کتاب "دجال" میں ذکر کردہ دانیال علیہ السلام کے بیان کے ساتھ کوئی تعلق ہے جس میں "نفرت کی ریاست" کا اختتام......یا......اختتام کا آغاز 2012ء بتایا گیا ہے۔ اس کی رو سے حضرت مہدی کا وقت موعود بھی یہی ہو سکتا ہے۔
واضح رہے کہ اس وقت یورپ اور امریکا میں روزمرہ کے استعمال کی کئی اشیاء 2012ء کی پرنٹڈ تاریخ کے ساتھ فروخت کے نئے ریکارڈ قائم کر رہی ہیں۔ والسلام......دانیال خالد، پشاور

جواب:

(1) ہر قوم کی طرح یہود میں بھی نسلی طبقات پائے جاتے ہیں بلکہ دوسری قوموں کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی پائے جاتے ہیں۔ یہ دوسری قوموں کو تو کمتر سمجھتے ہیں۔ آپس میں بھی ایک دوسرے پر نسلی تفاخر جتانے میں جاہلانہ تعصب کا بدترین مظاہرہ کرتے ہیں۔ بہر کیف! اس نسلی تعصب کے باوجود دونوں فلسطینی مسلمانوں سے زمین چھین کر انہیں ارض مقدس سے جلاوطن کر کے ان کی جگہ پر خود آباد ہو رہے ہیں اور یہاں کے اصلی باشندوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔ دونوں دجال کو نجات دہندہ سمجھ کر اس کی آمد کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں اور اس کے لیے مسجد اقصیٰ کے انہدام کو ضروری سمجھتے ہیں۔ تمام جرائم میں یہ تمام نسلی طبقات برابر کے شریک ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی جو لعنت اور غضب یہود نامی قوم کے لیے مخصوص ہے، اس میں ان سب کا متوازن حصہ ہے۔

(2) یہودی ان کو اپنے نسلی تعصب کی بنا پر اگرچہ یہودی تسلیم نہ کریں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو ہر وہ شخص جو کسی مغضوب قوم کے ساتھ کھڑا ہوگا وہ بھی غضب کا مستحق ہوگا۔ آج یہ درجہ دوم کے یہودی اسرائیلی آبادی میں اضافے کا ذریعہ نہ بنیں اور فلسطینی مسلمانوں کی قبضہ کی ہوئی زمینیں چھوڑ دیں تو اصل قابض یہودی چند دن بھی فلسطینی مجاہدین کے سامنے نہ ٹھہر سکیں۔ لعنت شدہ قوم کو تقویت پہنچانے والا بھی ملعون ہے۔

(3) یہ لوگ اصل غاصبوں کے آلۂ کار ہیں اور فلسطینی مسلمانوں کی بار بار تنبیہ کے باوجود اور

ان پر اپنی آنکھوں سے ظلم ہوتا دیکھنے کے باوجود یہ ظالموں کی طاقت میں اضافے اور ان کی مدد سے باز نہیں آتے۔ اس لیے جو حکم ان کے آقاؤں کا ہے وہی ان کا بھی ہے۔

(4) اصل بات یہ ہے کہ ہر مسلمان تمام گناہوں سے سچی توبہ کر کے اپنے آپ کو دین کی سربلندی کے لیے وقف کر دے۔ باقی یہ بات کہ کس سن میں کیا ہوگا؟ اسے عالم الغیب اور قادر مطلق پر چھوڑ دے۔ جن لوگوں کو اس تاریخ سے دلچسپی ہے، کیا انہوں نے اس تاریخ کو کسی اعتبار سے اہمیت دینے کے بعد قبر اور آخرت کی تیاری کی کوئی فکر کی؟ ظاہر ہے کہ نہیں کی۔ یہ حماقت ہے یا عقل مندی؟ یہ شریعت و سنت پر قناعت ہے یا فتنہ زدگی؟ فتنے میں مبتلا ہونے کی علامت یہ ہے کہ انسان غیر مقصدی چیزوں کی کھوج لگائے اور مقصدی چیزوں کو سامنے ہوتے ہوئے بھی نظر انداز کیے رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقل سلیم اور قلب سلیم عطا فرمائے۔ آمین

تضاد یا غلطی؟

محترم مولوی شیر محمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب کی تالیف کردہ کتاب "دجال۔ کون؟ کب؟ کہاں؟" نظر سے گزری۔ الحمدللہ! یہ کوشش قابل قدر ہے۔ پڑھ کر یہ معلوم ہوا کہ دنیا اپنی رنگینیوں کے ساتھ کس طرف جا رہی ہے اور ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ان شاء اللہ یہ کتاب ہر پڑھنے والے کو متاثر کرے گی اور اللہ تعالیٰ دجال کے شر سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے اور ایمان پر خاتمہ عطا فرمائے۔ آمین

مفتی صاحب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ کتاب میں صفحہ نمبر 87 اور 88 پر بادشاہ نبوشانے زار کے خواب کی تشریح، جو حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمائی تھی کا ذکر کیا ہے، اس میں تھوڑا سا تضاد نظر آ رہا ہے جیسا کہ صفحہ نمبر 88 پر ہے۔ "کیونکہ دنیا میں ایسی ریاست نہیں جو 2300 دنوں کے بعد قائم ہوئی اور محض 45 دن قائم رہنے کے بعد ختم ہو گئی ہو۔" (1290-1235=45)

یہاں جو حساب لگایا گیا ہے وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر 1290 سے 1235 کاٹ دیے جائیں تو 45 نہیں بلکہ 55 رہ جاتے ہیں۔ (1290-1235=55)

آگے چلیں تو لکھا ہے: "چنانچہ نفرت کی ریاست کا قیام 333 قبل مسیح کے 2300 سال بعد ہوگا۔ (2300-333) اور یہ دجال اور گستاخ یہودیوں کے کلی خاتمے پر ختم ہوگا۔ پھر بعض محققین کا کہنا ہے کہ (1967+45=2012) کے فارمولے سے نفرت کی اس گنہگار مملکت کا اختتام یا اختتام کے آغاز کا زمانہ 2012ء کے آس پاس بنتا ہے۔ یہاں پر جو یہ فارمولا لکھا گیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ میرے اندازے سے جو پچپن سال بنتے ہیں، اگر وہ 1967ء میں جمع کیے جائیں تو یہ

2020 بنتا ہے۔ (1967+55=2022)

نفرت کی یہ ریاست جون 1967ء میں قائم کی گئی ہے۔ اگر اس میں 55 جمع کیے جائیں تو یہ جون 2022 بنتا ہے۔ اگر یہ اس تاریخ پر اسلامی کیلنڈر کے حساب سے دیکھا جائے تو یہ تاریخ کچھ اس طرح بنتی ہے: ''عیسوی: 11-06-2022۔ ہجری: 10-11-1443۔

اگر اس اسلامی تاریخ کو حدیث نبوی کی رو سے دیکھا جائے تو مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے حضرت مہدی کی عمر ظہور کے وقت تقریباً 40 سال ہوگی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کی شروعات میں ایک مجدد پیدا فرماتے ہیں جو اسلام کی قوت کا باعث بنتا ہے۔ ان احادیث سے یہ دو باتیں سامنے آتی ہیں۔

(1) حضرت مہدی کی عمر 40 سال ہوگی۔ (2) مجدد کی پیدائش صدی کی شروعات میں ہونی چاہیے۔ یہ دونوں باتیں 2022ء میں بظاہر پوری ہوتی نظر آتی ہیں نہ کہ 2012ء میں، کیونکہ 2012ء میں ہجری سال 1433ھ بنتا ہے۔

اس گفتگو سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ نفرت کی ریاست اسرائیل کے خاتمے کا آغاز ٹھیک 55 سال بعد جون 2022ء میں شروع ہوگا۔ اس کے بعد عنقریب ہی حضرت مہدی ظاہر ہوں گے۔ یہاں پر ایک اور حدیث مبارکہ کو بیان کرنا مناسب سمجھوں گا جو ''تیسری جنگ عظیم اور دجال'' میں صفحہ نمبر 60 پر ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے: ''واقعات کی ترتیب یہ ہے کہ آواز رمضان میں ہوگی اور معرکہ شوال میں ہوگا اور ذی قعدہ میں عرب قبائل بغاوت کر دیں گے۔ رہا محرم کا مہینہ تو محرم کا ابتدائی حصہ میری اُمت کے لیے آزمائش ہے اور محرم کا آخری حصہ میری اُمت کے لیے نجات ہے۔''

اگر آپ اس حدیث پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہاں جو حدیث مبارکہ میں پیش گوئیاں کی گئی ہیں: (1) آواز رمضان میں ہوگی (یہ تاریخ بنتی ہے): 15-09-1443ھ...... 18-04-2022ء۔

(2) معرکہ شوال میں ہوگا: 10-10-1143ھ 13-05-2022ء

(3) ذی قعدہ میں عرب قبائل بغاوت کریں گے: 10-11-1143ھ 11-06-2022ء

(4) ذی الحجہ میں حاجیوں کو لوٹا جائے گا: 15-12-1443ھ 16-07-2022ء

(5) حضرت مہدی کا ظہور: 10-01-1444ھ 09-08-2022ء

(6) جہاد کی شروعات: 21-01-1444ھ 20-08-2022ء

(7) محرم کا ابتدائی حصہ میری امت کے لیے آزمائش ہے یعنی محرم کی ابتدا میں جب حضرت مہدی ظاہر ہوں گے تو ان کی بیعت کرنا اور ان کے لشکر میں شامل ہونا ایک بڑی آزمائش ہے۔

(8) ''اس کا آخری حصہ میری امت کے لیے نجات ہے۔'' یعنی 21 محرم کو حضرت مہدی جہاد کا آغاز کریں گے اپنی کمان کے نیچے۔ اکیس محرم الحرام کو اگر کیلنڈر کے حساب سے دیکھیں تو یہ عیسوی تاریخ 20 اگست 2022 بنتا ہے۔ یہاں پر یہ بات غور طلب ہے کہ 20 اگست وہ تاریخ ہے جس دن مسجد اقصیٰ میں آتشزدگی کا ہولناک واقعہ پیش آیا تھا۔

اس ساری گفتگو سے یہ باتیں اخذ ہوتی ہیں: (1) نفرت کی ریاست 55 سال قائم رہے گی۔ (2) نفرت کی ریاست جون 1967ء میں قائم ہوئی اور پچپن سال بعد جون 2022 مطابق 35 ذی قعدہ 1443ھ میں اس کے خاتمے کا آغاز ہوگا۔ (3) ظہور مہدی محرم 1444ء مطابق اگست 2022ء میں ہوگا۔ (4) حضرت مہدی کے کمان کے نیچے کفار کے خلاف جہاد کی شروعات محرم 21، 1444ھ مطابق 20 اگست 2022ء کو ہوگی۔ یاد رہے کہ 20 اگست وہ تاریخ ہے جس دن مسجد اقصیٰ کو 1969ء میں یہودیوں نے نذر آتش کیا تھا۔

حضرت مفتی صاحب سے التماس ہے کہ کتاب میں یہ تصحیح فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین

والسلام ...... کلیم اللہ میمن، خیر پور میرس

جواب:

اعداد لکھنے میں کمپوزر کی غلطی کی وجہ سے یہ تضاد نظر آ رہا ہے۔ اصل میں یوں ہے:
1335-1290۔ اس صورت میں 45 سال ہی باقی بچتے ہیں جو کہ بچیں۔ یہ غلطی صرف اعداد لکھنے ہی میں ہوئی ہے ورنہ اس سے پہلے کی عبارت دیکھنے سے کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ کتاب کے نئے ایڈیشن میں اس غلطی کی اصلاح کی جا چکی ہے۔ آپ کا اور ان تمام قارئین کا شکریہ جنہوں نے اس طرف توجہ دلائی۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرمائے اور اپنی مرضیات اور نبی علیہ السلام کی ہدایات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اے خدا! محفوظ فرما فتنۂ دجال سے

امتحاں لینا نہ یارب بندۂ بدحال سے
اے خدا! محفوظ فرما فتنۂ دجال سے

کیوں نہ اس کے شر سے بچنے کی دعا کرتے غلام!
جب پناہ آقا ﷺ نے مانگی فتنۂ دجال سے

اس برائی سے رہیں گے دہر میں محفوظ وہ
جو مزین خود کو فرمائیں گے نیک اعمال سے

اس لیے صیہونیوں نے کی ہیں سب تیاریاں
شاد ہونا چاہتے ہیں اس کے استقبال سے

ایک مغضوب علیہم، دوسرا ہے ضالین
شاد ہے عیسائیت صیہونیت کے مال سے

آج دنیا کو بتانا چاہتے ہیں یرغمال
کل تلک دنیا میں تھے جو ہر طرف پامال سے

اہلِ حق سے مسجد اقصیٰ کی یہ فریاد ہے
اب کریں آزاد مجھ کو قبضۂ دجال سے

گلشن سرکار ﷺ کی تزئین کیجیے عمر بھر
مال سے اعمال سے افعال سے اقوال سے

غالب جو کے جواب جو سے کی نہ تنہائی
قوم کو وقت کی جہالت کے جال سے
آنسوؤں کی مردہ خودی پہ نقش کی قوتیں
اس نے غالب میں دم شاہین کے اقبال سے
آزر جونپوری

امتِ مسلمہ کے نام

مفتی ابو لبابہ شاہ منصور

پاکستان کے تمام مشہور کتب خانوں سے دستیاب ہے

رابطہ: 0313-9264214

ملنے کے پتے

پاکستان کے تمام مشہور کتب خانوں سے دستیاب ہے

رابطہ: 0313-9264214

امریکا کا مجسمۂ آزادی۔ جس کے ڈیزائن اور تعمیر میں فری میسن کی دجالی علامات انتہائی نمایاں ہیں۔ یہ مجسمۂ آزادی برطانویوں سے آزادی کی یادگار نہیں بلکہ خدا سے آزادی کی یادگار ہے۔ 5 اگست 1884ء کو نیویارک میں فری میسنز کے گرینڈ ماسٹر ولیم آر بروڈی نے اس عمارت کا سنگِ بنیاد فری میسنری کی مکمل رسوم و روایات کے ساتھ رکھا۔ مجسمہ کی تعمیر بھی ایک فری میسن فریڈرک آگسٹے بارتھولڈی کا کارنامہ قرار دیا جاتا ہے۔ آج بھی مجسمۂ آزادی کی یادگاری لوح پر اسکوائرز اور کمپاس کا معروف میسونک نشان لاکھوں سیاحوں کو مجسمہ کی تخلیق اور تعمیر میں فری میسنری کے کردار سے آگاہ کرتا ہے۔ لوحِ یادگار پر گرینڈ لاج، گرینڈ ماسٹر اور ڈپٹی گرینڈ ماسٹر کے نام صاف طور پر درج ہیں۔

وائٹ ہاؤس: واشنگٹن ڈی سی کی کیپٹل بلڈنگ امریکا کی ایک علامتی عمارت ہے۔ اس کی تعمیر اور اس کا ڈیزائن دجال کی تنظیم فری میسن نے کیا تھا۔ یہاں موجود خفیہ دجالی حکومت کی زیر نگرانی وہ فیصلے کیے جاتے ہیں جو کرۂ ارض پر دجال کی جھوٹی خدائی کی راہ ہموار کریں۔

جارج واشنگٹن کے نام سے موسوم یادگاری مشتری عمارت۔ جس کا افتتاح امریکا کے پہلے صدر جارج واشنگٹن کی طرف 12 مئی 1932ء میں کیا گیا۔ اس عمارت میں دجال کی نمایندہ تنظیم فری میسنری کی مختلف علامتیں جابجا پائی جاتی ہیں اور اسے فری میسنری کے "آزادی، مذہبی اور مرتب حکومت" کے تصور کی علامت کے طور پر جانا اور مانا جاتا ہے جو اس امر کی علامت ہے کہ امریکا دجال کی تخلیق، ریاست کے قیام سے پہلے محوری دجالی ریاست ہے۔

ہیکل سلیمانی کے مختلف تصوراتی خاکے معروف ہیں۔ اوپر دیا گیا خاکہ ان سب سے مکمل اور جامع تصور کیا جاتا ہے۔ یہودی تصورات کے مطابق یہ برائی کے نمایندے "دجال اکبر" کا قصر صدارت ہو گا جہاں بیٹھ کر وہ ساری دنیا پر راج کرے گا۔

جادو ٹونا، سفلی عملیات، ستاروں کی چالوں پر یقین رکھنا اور ان کی مدد سے زائچے تیار کر کے ناجائز عملیات کرنا سخت ترین گناہ ہے۔ ان کاموں کے ذریعے درحقیقت یہودی جادو کی علم "قبالہ" کے طلسماتی چکر کو باقاعدہ منصوبے کے تحت دنیا بھر میں فروغ دیا جا رہا ہے۔ تصویر میں اس کی عکاسی کی گئی ہے۔

یروشلم میں 15 ویں صدی سے روز لین چیپل، ہائنس ٹیمپلر اور جدید فری میسنری کا مشہور تعلق ہے۔ وہی گی تصویر یروشلم (القدس) میں واقع ہائنس ٹیمپلر کے ایک چرچ کی ہے۔ یہ ساری نیم مذہبی اور نیم شیطانی خفیہ تنظیمیں غیر انسانی رسومات اور طلسمات کے ذریعے دنیا پر تسلط کا خواب صدیوں سے دیکھ رہی ہیں۔

پیرس۔ فری میسن کی تعمیر کردہ ایک یادگار۔ یہ دنیا کے مختلف شہروں میں موجود ان مراکز میں سے ایک ہے جہاں جادو ٹونے اور شیطان کی پوجا کے نام پر دجال کے کارندے جمع ہو کر دجالی ریاست کی تعمیر، تشکیل اور تنظیم کے لیے سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں۔ فتنوں کے اس زمانے میں شیطان کی پوجا افریقہ کے پسماندہ ممالک سے لے کر یورپ کے ترقی یافتہ شہروں میں یکساں طور پر ہو رہی ہے۔ پاکستان میں بھی "جادوگر" بنتے جا رہے ہیں اور جادو سیکھنے سکھانے اور کرنے کروانے کا دھندا زوروں پر ہے۔ افسوس اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اس میں عام جاہل افراد اتنے ملوث نہیں جتنے پڑھے لکھے اور جدید تعلیم یافتہ افراد اس کا شکار ہیں۔

بلیک واٹر: دجالی لشکر کا ہراول دستہ

- 45 شوٹنگ ہاؤس
- 4 میزائل فائرنگ رینج
- 3 چھلانگیں مارنے کی جگہ
- 2 بحری جہازوں کی ہینگر
- 2 رن وے
- جہازوں کی ہینگر
- 25 کلاسیں
- جمنازیم ڈائننگ ہال
- رہائش

"بلیک واٹر" جیسی دہشت گرد تنظیمیں جو فری میسن کا عسکری ونگ ہیں، درحقیقت دجال کا ہراول دستہ ہیں۔ تصویر میں امریکی ریاست ورجینیا میں واقع اس کا مرکز دکھایا گیا ہے جہاں دجال کے لشکر کو انسانیت کے خلاف تیار کیے گئے منصوبوں کی تکمیل کی تربیت دی جاتی ہے۔ اس طرح کے شیطانی مراکز کی تصاویر مسلمان کے جانبازوں کا ایمان اور غیرت جھنجھوڑنے کا ذریعہ ہیں کہ وہ کب دنیا پرستی اور نفس پرستی سے تائب ہو کر اس حق اور مجاہد روحانی لشکر کا حصہ بنتے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ دجال اور اس کے لشکر کو نابود کرے گا۔

اڑن طشتریاں: خلائی مخلوق کی سواریاں یا دجالی قوتوں کی کارستانیاں

لاہور: اڑن طشتری یا انگریزی میں یو ایف او کہلائے جانے والے گول شکل کے جہاز کہاں سے آتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں؟ کئی عشروں سے ایک معمہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ اڑن طشتریاں امریکہ میں پچاس کی دہائی سے نظر آرہی ہیں لیکن اب یہ پاکستان میں گوادر اور لاہور میں بھی دیکھی گئی ہیں۔ گوادر میں موبائل فون سے بنائی گئی ویڈیو میں واضح طور پر اس اڑن طشتری کو دکھایا گیا ہے۔ اس سال مارچ میں نظر آنے والی یہ اڑن طشتری گوادر کے ساحل پر چند لمحوں تک گھومتی رہیں اور پھر غائب ہو گئیں دنیا کی سیر کو نکلنے والی یہ اڑن طشتریاں پاکستان میں ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن رہی ہیں۔ ایک ماہ قبل یہ اڑن طشتریاں یو ایف اوز لاہور کے آسمان پر بھی نمودار ہوئیں۔ رات کے وقت ان اڑن طشتریوں نے ٹی وی موبائل فوٹیج میں صاف دیکھا جا رہا ہے کہ ان یو ایف اوز نے ایک دائرہ بنایا ہے۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ یو ایف اوز کائنات میں کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہیں جو زمین پر معلومات کے لیے اپنے مشن بھیجتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اڑن طشتریاں یا یو ایف اوز کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ جب تک یہ چند لمحے تھمتی ہیں۔ انہیں نہیں دیکھا جا سکتا۔ یو ایف اوز پر کئی فلمیں بھی بن چکی ہیں پاکستان میں ان اڑن طشتریوں کی آمد ایک نئی اور انوکھی کی بات ہے لیکن یہ کیوں ہو رہا ہے اس کا جواب کوئی نہیں دے سکتا تاہم ابھی تک ان طشتریوں کی وجہ سے کسی مالی و جانی نقصان یا لوگوں کے غائب ہونے کی اطلاعات نہیں ملی ہیں۔ (نیٹ نیوز)

روزنامہ ''آج کل'' (اکتوبر 2009ء) میں شائع ہونے والی ایک خبر کا عکس جس سے پتا چلتا ہے کہ پاکستان کے کچھ علاقوں میں دجالی قوتوں کو خصوصی دلچسپی ہے۔ گوادر میں دجالی استعمار کی دلچسپی کی وجوہ تو سب کو معلوم ہیں، لاہور میں ان کے پُراسرار گشت کی وجوہات کو عام لوگ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں لیکن زیر نظر کتاب میں لاہور کے ایک نوجوان کی آپ بیتی اور اس میں بیان کیے گئے انکشافات پر مصنف کی تحقیق کو دیکھا جائے تو ''اسرائیل سے قادیان تک'' پھیلے اس مکروہ منصوبے کو سمجھنا مشکل نہیں رہتا۔

2

Ceremony of Opening the Lodge in the Second Degree.

AFTER requesting all below the rank of a F. C. to retire,* the W. M. gives one k...k, which is followed by the S. and J. Wdns.

W. M.—Brethren, assist me to open the Lodge in the Second Degree. (All rise.)

W. M.—Bro. J. W., what is the first care of every F. C. Freemason?

J. W.—To see that the Lodge is properly Tyled.

W. M.—(To J. W.) Direct that duty to be done.

J. W.—Bro. I. G., see that the Lodge is properly Tyled.

(I. G. gives three k...s, and being answered by the Tyler, he takes the s...p and

1

The Complete Workings of Craft Freemasonry

A PRACTICAL GUIDE TO THE THREE DEGREES IN BLUE MASONRY

"LECTURES OF THE THREE DEGREES"

AND "THE INSTALLATION CEREMONY"

PRIVATELY PRINTED FOR A. LEWIS

آج سے تقریباً ایک صدی قبل 1925ء میں لندن سے نجی طور پر شائع والی ایک خفیہ کتاب جو اتفاقیہ طور پر مصنف کے ہاتھ لگی۔ اس میں دجالی تنظیم کے کارندوں کے لیے کوڈ ورڈ میں ہدایات اور دستور العمل دیا گیا ہے۔ ان مسن گھڑت اور شیطانی رسومات کا مقابلہ تعلق مع اللہ، اتباع سنت اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

اصفہان: ایران کے مشہور شہر اصفہان میں یہودیوں نے ایک مذہبی اجتماع کے دوران اسرائیل کے جھنڈے سجائے ہوئے ہیں۔ اس شہر میں قدیم زمانے سے فلسطین سے جلاوطن ہو کر آئے ہوئے کٹر یہودی رہتے ہیں جن کے جلو میں دجال خروج کرے گا۔

سائے اور کرنیں

فتنہ زدہ معاصر دور میں تیرگی کے سائے گہرے ہوتے چلے جا رہے ہیں اور روشنی کی کرنیں گہرے بادلوں کے پیچھے چھپتی جارہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق کم ہوتا جا رہا ہے اور دنیا کی محبت اور یہاں کی فانی لذتوں کی چاہت غالب آتی جا رہی ہے۔ کبھی آپ نے سوچا ایسا کیوں ہے؟

یہ اس لیے ہے کہ:

☆ لوگوں کے بند دروازوں پر دستک دے کر انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی محبت کی چاشنی سے سرشار روحانیت کی طرف متوجہ کرانے کی کوششیں کم ہو گئی ہیں اور دولت، شہرت اور مادی آسائش کی ہوس چار سو پھیل رہی ہے۔

☆ شیطانی علامات ہر طرف پھیل گئی ہیں۔ دجالی نشانات چار سو گردش کر رہے ہیں۔ شیطان پرستی پر مبنی بول زبان زد عام ہو رہے ہیں اور شیطان کی پوجا پر مشتمل مبہم اور خفیہ کاموں سے سادہ لوح خلق خدا کو مانوس کیا جا رہا ہے۔

☆ مسلمانوں کے پاس اب تک ان کی الہامی کتاب "اصل حالت" میں موجود ہے۔ لہٰذا وہ موجودہ حالات کے باوجود اپنی اصل اور بنیاد سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اس پر وہ قومیں حسد اور بغض کے مارے ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی ہیں جو انہیں اپنی طرح کنگال دیکھنا چاہتی ہیں۔ ان کی شدید خواہش ہے کہ یہ اسلام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں تو انہیں تشکیک کے مرض میں ایسا مبتلا کر دیا جائے کہ یہ مسلمان بھی نہ رہیں۔ اس لیے "فکری ارتداد" کو عام کیا جا رہا ہے۔ اسلام کے مسلّم احکامات پر بے معنی بحث وتنقید کے ذریعے انہیں مشکوک بنایا جا رہا ہے تاکہ خدانخواستہ ایمان کا آخری سرا بھی ہاتھ سے جاتا رہے۔

☆ جھوٹ، سچ سے زیادہ قابل اعتماد ہوتا جا رہا ہے اور سچ کی حیثیت ناقابل اعتماد حقیقت کی ہوتی جا رہی ہے۔ قابل نفرت قول وفعل مانوس ہوتے جا رہے ہیں اور جو چیزیں حقیقت کا محور ہونی چاہئیں وہ اجنبی اور اوپری ہوتی جا رہی ہیں۔ حرام خوراک، حرام پوشاک اور حرام اشیا کی کثرت ہو رہی ہے اور حلال کی طلب رکھنے والوں کی طرح خود حلال اشیا بھی کم ہو رہی ہیں۔

جب یہ سب کچھ آپ اپنے گرد وپیش ہوتا دیکھ رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے حق وباطل میں جاری کشمکش عروج پر پہنچا چاہتی ہے۔ ایسی صورت میں ہم اور آپ کہاں کھڑے ہیں؟ ہر شخص کو اس لمحے کے بارے میں سوچنا چاہیے جب وہ براہ راست اللہ رب العالمین، احکم الحاکمین کے سامنے کھڑا ہوگا اور اس سے اس بارے میں پوچھا جائے گا کہ رحمان کے جانباز جب شیطان کے چیلوں سے مصروفِ جنگ تھے تو اس وقت تم نے کیا کردار ادا کیا تھا؟؟؟

تیرگی کے سائے یقیناً چھٹ جائیں گے۔ ان کے مقدر میں یہی لکھا ہے۔ روشنی کی کرنیں آفتاب بن کر رہیں گی۔ یہ ازل سے طے شدہ ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ جو اس کائناتی تقدیر اور تقدیری تقسیم میں حق کے سرفروشوں کے ساتھ ہو جائیں۔ اس کتاب کا حاصل اور خلاصۃ الکلام یہی ہے۔

ایم ایم سعید

مدیر

0321-2050003, 0313-9266138

احادیث کی عصری تطبیق، دعوتِ فکر و عمل

سنسنی خیز معلومات، تہلکہ خیز انکشافات

دجّال 3

دجالی دستاویز، دجال کے ہمنوا، دجالی علامات

اسرائیل کی کہانی، مشرق و مغرب کے لکھاریوں کی با

دجالی دستاویز، دجال کے ہمنوا، دجالی علامات

اسرائیل کی کہانی، مشرق ومغرب کے لکھاریوں کی زبانی

مفتی ابولبابہ شاہ منصور مدظلہ

دجّال (3)

دجالی دستاویز، دجال کے ہمنوا، دجالی علامات

اسرائیل کی کہانی، مشرق و مغرب کے لکھاریوں کی زبانی

کتاب............ دجّال (3)
مصنف.......... مفتی ابولبابہ شاہ منصور
طبع اوّل..... ربیع الاوّل 1432ھ - 2011ء
باہتمام.......... محمد انظر شاہ
ناشر.......... السعید

ملنے کے پتے

بیت السلام، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32711878
دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631861
مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور۔ موبائل: 0300-4501769
ادارہ تحقیقات اسلامی، اردو بازار، لاہور۔ موبائل: 0333-4380927
کتب خانہ رشیدیہ، راولپنڈی۔ فون: 051-5771798
ادارۃ النور، ملتان۔ موبائل: 0300-7332359
اسلامی کتاب گھر، فیصل آباد۔ موبائل: 0321-7693142
مکتبہ ممتاز، پشاور۔ موبائل: 0314-9696344
مردان موبائل سینٹر، مردان: موبائل: 0301-8767966
مکتبہ المحمود، سرگودھا۔ موبائل: 0315-5042131
مکتبہ ماجدیہ، سکھر۔ فون: 0321-5628333
مکتبہ ماجدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ موبائل: 0333-7434142
مکتبہ فاروقیہ، مینگورہ، سوات۔ موبائل: 0946-729070
لاثانی اسٹیشنرز، ایبٹ آباد۔ موبائل: 0334-8997011
مسلم بک لینڈ، مظفر آباد۔ فون: 05822-444238

اسٹاکسٹ ادارۃ الانور
انور مینشن، بنوری ٹاؤن، گرومندر، کراچی۔ فون: 021-34914596 موبائل نمبر: 0333-2345656

فہرست

دجالی ریاست کے مہربان ہمنوا

78-58

(اسرائیل کی کہانی)

دجالی ریاست: مشرقی محققین کی نظر میں

99-80

دجالی ریاست: مغربی مفکرین کی نظر میں

110-100

حصہ اوّل: اسرائیل کیسے وجود میں آیا؟

135-111

حصہ دوم: فیلڈ اسٹڈی

159-136

حصہ سوم: اسرائیل سے فرار

167-160

پراسرار دجالی علامات

237-168

دجالی ریاست کے قیام کے لیے فطری قوتوں کو مسخر کرنے کی ابلیسی کوششیں 237-247

لارڈ کے تخت کی بنیاد

256-248

دجالی ریاست کا خاتمہ: وجہ اور وجوہات

261-257

دجال I اور II سے متعلق قارئین کے سوالات اور ان کے جوابات

280-262

مقدمہ

دجال III، تین پہلو

دجالی فتنے کے تین مراحل ہیں:

پہلے: حق و باطل اور سچ و جھوٹ میں فرق اور پہچان ختم ہو جائے گی۔

پھر: باطل کو حق اور جھوٹ کو سچ باور کروایا جائے گا۔

پھر: باطل پر بالجبر عمل اور حق پر عمل سے بالجبر منع کیا جائے گا۔

فتنے کے یہ تین مراحل تو اس سے پہلے بھی انسانی دنیا نے محدود اور جزوی طور پر دیکھے ہیں، لیکن یہ تینوں مرحلے یکجا ہو کر پورے کرۂ ارض کو لپیٹ میں لے لیں، اور پوری شدت کے ساتھ لے لیں، یہ اس سے پہلے کائنات میں، انسانی تاریخ میں نہیں ہوا۔

ایک اور پہلو سے بھی غور کیجیے!

باطل کے غلبے کے لیے طاغوتی قوتیں ہر قسم کا حربہ استعمال کرتی چلی آئی ہیں۔ ان ہتھکنڈوں میں سرِ فہرست چار چیزیں ہیں جو سورۂ کہف میں بیان کردہ چار واقعات کا مرکزی نکتہ ہیں: (۱) حکومت و اقتدار: اصحاب کہف کو صاحبانِ اقتدار نے جبری آزمائش میں مبتلا کیا۔ (۲) مال و دولت: اصحاب الجنۃ کا قصہ سرمایہ داری و مادیت پرستی اور اس کے برے انجام کی بہترین تمثیل پیش کرتا ہے۔ (۳) عقل و ظاہر پرستی: حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے قصے میں اسی کی نفی سکھائی گئی ہے۔ (٤) فطری طور پر دی گئی غیر معمولی قوتوں کا غلط استعمال: ذوالقرنین انسانی وسائل کے بہترین استعمال اور صالح قیادت کا استعارہ اور یاجوج ماجوج غیر معمولی قوتوں کے غلط استعمال اور فاسد طاقت کا اظہار ہیں۔

یہ چاروں چیزیں (اقتدار، دولت، عقلیت، غیر معمولی طاقت) تاریخ کے مختلف ادوار میں ایک ایک کر کے اہلِ حق کے راستے میں رکاوٹ بنتی رہی ہیں، لیکن چاروں مل کر عالمی سطح

پر اہل حق کا گھیراؤ کریں، ایسا ''الدجال الاکبر'' کے دور میں ہی ہوگا۔

ایک اور زاویہ نظر بھی ملاحظہ ہو!

''سائنس'' مادّے میں چھپی فطری قوتوں کے انکشاف کا نام ہے۔ جادو غیر مادّی فطری قوتوں کے ناجائز استعمال کا نام ہے۔ انسانی نفسی قوتیں (قوت خیال اور باطنی تصرفات) بھی ایک غیر مرئی موثر طاقت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شر کے نمایندگان ان تینوں کو اپنی اپنی حدود میں تو استعمال کرتے رہے ہیں، لیکن تینوں مل کر، یکجان ہوکر، حق کو مٹانے اور باطل کو غالب دینے پر تل جائیں، ایسا اسی دور میں ہوگا جب فتنوں کا سربراہ اور باطل کا دیوتا خروج کرے گا۔

دجال 3 کیوں؟

ان تین زاویہ ہائے نظر سے فتنۂ دجال میں پوشیدہ وہ خطرناک مضمرات کسی قدر سمجھ میں آنے چاہییں جن سے انبیائے کرام علیہم السلام آگاہ کرتے چلے آئے ہیں۔ ان خطرات سے آگاہی جو تفصیل چاہتی ہے، اس کے لیے دجال I اور II کے بعد ''دجال III'' پیش خدمت ہے۔ کچھ لوگ دجال کا نام سن کر ناک بھوں چڑھاتے ہیں لیکن سمجھ نہیں آتا کہ امت کو اس فتنے کا شکار ہونے سے بچانے کے لیے اس فتنے سے واقف کروانے کے علاوہ اور کون سا ذریعہ موثر ہوسکتا ہے؟ عصر حاضر میں جو معدودے چند لوگ معاصر فتنوں پر کام کر رہے ہیں، یہ کتابی سلسلہ ان شاء اللہ ان کے لیے سوچ و فکر کے نئے زاویے اور تحقیق و جستجو کے نئے دریچے کھولنے کا سبب ہوگا۔ جو قارئین اس کے سطور اور بین السطور کو غور سے پڑھیں گے، انہیں ان شاء اللہ باطل کے خلاف مزاحمت کی ہمت اور حق کی حمایت کا حوصلہ اپنے اندر پروان چڑھتا محسوس ہوگا۔

اس جلد کے دو گتوں کے درمیان:

اس جلد کی ابتدا دجالی ریاست کے قیام کی اس دستاویز کے ذکر سے کی گئی ہے جو ڈیڑھ صدی قبل ترتیب دی گئی تھی۔ اس کے بعد دجالی ریاست کے مہربان و نامہربان ہمنواؤں کا ذکر ہے کہ کچھ لوگ شعوری طور پر اور کچھ لاشعوری طور پر دجالی قوتوں کا آلۂ کار بن جاتے

ہیں۔ ان ہمنواؤں کا تذکرہ ان کے نقش قدم پر رہنے سے باز رکھے گا۔ اس کے بعد ایک مشرقی تحقیق کار کے قلم سے ''اسرائیل کی کہانی'' اور ایک مغربی صحافی کی جانب سے ''دجالی ریاست کا مشاہدہ'' پیش کیا گیا ہے۔ کچھ لوگ دجالیات کے تذکرے کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ انہیں علم ہونا چاہیے کہ مشرق و مغرب کے سنجیدہ اور فہیم صاحبان علم و تحقیق اس موضوع کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ خصوصاً کینیڈین مصنف کی تحریر تو چونکہ اسرائیل کے خفیہ دورے کے بعد لکھی گئی ہے، اس لیے وہ..... دجالی علامات کے بعد..... اس جلد کا زوردار ترین حصہ ہے۔ آخر میں دجالی علامات کا مفصل تذکرہ مکمل کر کے یہ جلد ختم کرنے کا ارادہ تھا کہ دو اور مضمون بھی ''اشارتی زبان'' میں قلم کی نوک پر آ گئے۔ لہٰذا قارئین کے سوالات کے جوابات سے پہلے ان کو بھی لگا دیا گیا ہے۔ ان جوابات میں 2012ء کی حقیقت پر بھی تفصیلی وضاحتی بحث کی گئی ہے۔ دجال I اور II کی طرح ''دجال III'' کے آخر میں بھی کتاب کے مندرجات کی تصدیق کے طور پر تصویری شواہد پیش کیے گئے ہیں اور سچ یہ ہے کہ ان پر پہلی دو جلدوں سے زیادہ محنت کی گئی ہے۔ اللہ کرے کہ یہ محنت قارئین کو فتنوں کے خلاف کھڑا ہونے اور اجرِ عظیم کے حصول کے لیے عزم و ہمت پیدا کرنے کا ذریعہ بنے۔

دجال 4 یا کچھ اور؟

واقعہ یہ ہے کہ دجالیات کے کچھ پہلو ابھی بھی (تین جلدیں مکمل ہونے کے بعد بھی) تشنۂ تکمیل ہیں اور راقم الحروف سے کام جاری رکھنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ تقاضا دجال چہارم کی خاکہ سازی کا ذریعہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی اور نام سے تکمیل پائے۔ یہ فیصلہ ہم اللہ کی رضا پر چھوڑتے ہیں۔

یا اللہ! جس چیز میں تیرے بندوں کا فائدہ ہو، وہی ہمیں سجھا اور جس چیز میں دنیا یا آخرت کی بھلائی نہ ہو اس سے محفوظ فرما۔ کسی بھی دینی خدمت کی توفیق اور اس کی نافعیت تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہے۔

شاہ منصور

ربیع الاول: ۱۴۳۲ھ، فروری: 2011ء

دجالی نظام کے قیام کی دستاویز

''ہمیں غیر یہودیوں کی تعلیم وتربیت اس طرح کرنی چاہیے کہ اگر وہ ایسا کام کرنے لگیں جس میں پیش قدمی کی ضرورت ہو تو وہ مایوس ہو کر اس کو چھوڑ دیں۔ عمل کی آزادی سے پیدا ہونے والا تناؤ جب کسی اور کی آزادی سے ٹکراتا ہے تو قوتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اس ٹکراؤ سے سخت اخلاقی مایوسی اور ناکامی پیدا ہوتی ہے۔ ان تمام حیلوں سے ہم غیر یہودیوں کو کمزور کر دیں گے اور وہ ہمیں ایسی بین الاقوامی طاقت بنانے پر مجبور ہو جائیں گے کہ دنیا کی تمام قوتیں تشدد کی راہ اپنائے بغیر آہستہ آہستہ ہمارے اندر ضم ہو جائیں گی۔ ہماری قوت سپر طاقت بن جائے گی۔ آج کے حکمرانوں کے بجائے ہم ایک ایسا ہوا قائم کریں گے جو سپر گورنمنٹ ایڈمنسٹریشن کہلائے گی۔ اس کے ہاتھ اطراف عالم میں چمٹے کی طرح پھیلے ہوں گے۔ اس کی تنظیم اتنی بڑی ہوگی کہ اقوام عالم کو زیر کر کے ہی دم لے گی۔''

(دستاویز نمبر 4: ایک انتہائی بااختیار مرکزی حکومت کا ارتقاء، ص: 203)

''ہماری سرگرمیوں پر نگرانی اور انہیں محدود کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہماری سپر گورنمنٹ (اعلیٰ حکومت، ماوراحکومت) ان غیر قانونی حالات میں بھی قائم ودائم رہتی ہے جن کو ''مطلق العنانی'' جیسے تسلیم شدہ قوی لفظ کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے۔ میں اس پوزیشن میں ہوں کہ آپ کو صاف طور پر بتاسکوں کہ ایک مناسب وقت پر ہم قانون دینے والے ہوں گے۔ ہم فیصلے وسزائیں نافذ کریں گے۔ ہم پھانسیاں دیں گے اور معاف نہیں کریں گے۔ ہم اپنے سپاہیوں کے سپہ سالار کے طور پر قائد کے مقام تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ہم قوت ارادی کے بل بوتے پر حکمرانی کرتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس دور ماضی کی ایک ایسی طاقت ور پارٹی کے حصے بخرے ہیں جسے اب ہم سے چھین لیا گیا ہے۔''

(دستاویز نمبر 8: صیہونیت کی مطلق العنانی، ص: 218)

یہ دو اقتباس جس کتاب سے لیے گئے ہیں، اس کے بہت سے نام ہیں۔ اس کا مشہور نام ''پروٹوکولز'' ہے۔ اُردو میں اس لفظ کا ترجمہ ''دستاویز'' کے لفظ سے کیا گیا ہے۔ دراصل "Protocols" عرفِ عام میں اس سفارتی دستاویز کے مسودہ کو کہتے ہیں جو کسی کانفرنس میں طے کیے گئے نکات پر مشتمل ہو اور اس پر تصدیقی دستخط ثبت کیے گئے ہوں۔ چونکہ اُردو میں اس کا کوئی سکہ بند متبادل لفظ نہیں ہے، اس لیے ترجمہ نگاروں نے سہولت کے لیے اس کے قریب ترین معنی میں ''دستاویز'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کتاب کا مکمل نام ''زعمائے صہیون کے منصوبوں کی دستاویزات'' ہے۔ کچھ مترجمین اسے ''صہیون کے دانا بزرگوں کی یادداشتیں'' کا عنوان دیتے ہیں۔ ہم نے اسے ''دجالی ریاست کے قیام کا دستاویزی منصوبہ'' کا نام دیا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

(1) ایک تو یہ کہ اس میں جگہ جگہ ''سپر گورنمنٹ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی کو ''مطلق العنان حکومت''، ''مستقل با اختیار حکومت'' یا ''ماوراء حکومت'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ کچھ محققین اس سے اقوام متحدہ مراد لیتے تھے...... لیکن درحقیقت اس سے ''عالمی دجالی ریاست'' مراد ہے جس کا پایۂ تخت یروشلم میں صہیون نامی پہاڑی کے قریب مقدس چٹان کے گرد ہوگا۔

(2) دوسرے اس لیے کہ اس میں جا بجا ''مطلق العنان بادشاہ'' کا تذکرہ ملتا ہے۔ کہیں اسے ''شاہِ داؤد'' کہا گیا ہے، کہیں ''اسرائیل کا بادشاہ'' یا ''خدا کا محبوب بادشاہ'' اور کہیں تمام دنیا کا حکمران اور باپ جو ''انتہائی بارسوخ ترین شخصیت اور انتہائی بااختیار مقتدرِ اعلیٰ'' ہوگا۔ یہ تمام الفاظ دراصل ''دجالِ اکبر'' کے لیے استعمال کیے گئے ہیں جو ہیکل سلیمانی کے وسط میں بچھے ''تختِ داؤدی'' پر بیٹھ کر پوری دنیا پر حکمرانی کا ''پیدائشی حق'' استعمال کرے گا۔

اس عاجز کے ایک مضمون میں واضح کیا جا چکا ہے کہ ''تختِ داؤدی'' وہ پتھر ہے جس پر حضرت داؤد علیہ السلام بیٹھ کر عبادت کرتے اور مناجات پڑھتے تھے۔ آج کل یہ تخت ملکہ برطانیہ نے اپنی شاہی کرسی کی نشست میں لگایا ہوا ہے۔ انگریز قوم اپنی تمام تر جدت پسندی اور روشن خیالی کے باوجود ''برطانیہ عظمیٰ'' کی سلطنت کبریٰ کا راز اس میں سمجھتی ہے جبکہ قوم یہود انگریز کو اپنا محسن ماننے کے باوجود اس کی سلطنت کے اس راز کو اس سے چھین چھپا کر اسرائیل منتقل کرنا چاہتی ہے۔

''سپر گورنمنٹ'' کے متعلق آپ اوپر دو اقتباسات ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب ایک اور اقتباس دیکھ لیجیے جس سے بات کچھ اور کھل جائے گی۔

پروٹوکول نمبر 4 میں ہمیں ایک ''عالمی حکومت'' کا ذکر خیر کچھ یوں لکھا ہوا ملتا ہے:

''جہاں ملت و مذہب کے لیے وسیع المشرب عقائد نے احساسات ختم کر دیے ہوں، ان طبقوں پر مطلق العنان نہیں تو کس قسم کی حکومت ہونی چاہیے جو میں بعد میں بیان کروں گا۔ ہم اس کے لیے ایک نہایت بااختیار حکومت قائم کریں گے، تاکہ تمام طبقوں پر ہماری گرفت مضبوط ہو۔ ہم اپنی رعایا کی سیاسی زندگی کے لیے نئے قوانین مرتب کریں گے اور تمام اُمور انہی کے مطابق طے کریں گے۔ ان قوانین کے ذریعے غیر یہودیوں کی دی ہوئی خود مختاریاں اور رعایتیں ایک ایک کر کے چھین لی جائیں گی اور ہماری بادشاہت کی مطلق العنانی کا طرۂ امتیاز یہ ہوگا کہ ہم کسی وقت اور کسی بھی جگہ غیر یہودی مخالف کو کچلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔''

(دستاویز 4، قوم یہود کے مقتدر کی ریاست، ص: 199)

یہ کل تین اقتباسات ہو گئے۔ اس کے بعد ''مطلق العنان بادشاہ'' کے متعلق بھی تین اقتباسات ملاحظہ فرما لیجیے۔ پھر ہم آگے چلیں گے اور اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ ہم نے عام مترجمین اور محققین سے ہٹ کر اس کتاب کو ایک الگ نام کیوں دیا ہے؟

''اب میں دنیا بھر میں ''شاہ داؤد'' کے خاندان کی حکومت کی جڑوں کی مضبوطی کا طریقہ کار بیان کروں گا۔ اس مقصد کے لیے سب سے پہلے اس فلسفے کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جسے دنیا میں ''قدامت پرستی کی روایات'' کو قائم رکھنے کے لیے ہمارے ''فاضل راہنماؤں'' نے اپنایا اور یہ وہ فلسفہ ہے جس سے انسانی فکر کی راہیں متعین کی جائیں گی۔ داؤد کی نسل سے کچھ افراد مل کر بادشاہوں اور ان کے ورثا کا انتخاب کریں گے، مگر اس انتخاب کا معیار آبائی وراثت کا حق نہیں ہوگا۔ ان بادشاہوں کو سیاست اور نظام مملکت کے تمام رموز بتائے جائیں گے، لیکن اس بات کو پیش نظر رکھا جائے گا کہ کوئی اور شخص ان رموز سے آگاہ نہ ہو سکے۔ اس طرزِ عمل کا منشا و مقصد یہ ہے کہ سب لوگوں کو یہ علم ہو جائے حکومت کا کاروبار ان کے سپرد نہیں کیا جا سکتا جنہیں اس ''دنیا کے

فن کے خفیہ مقامات'' کی سیر نہیں کرائی گئی۔''

(دستاویز 24، شاہ داؤد کی حکومت کا استحکام، ص: 307)

اس اقتباس میں ''قدامت پرستی کی روایات''، ''فاضل راہنماؤں کا اختیار کردہ فلسفہ''، ''داؤد کی نسل کے کچھ افراد'' اور ''دنیائے فن کے خفیہ مقامات کی سیر'' جیسی خفیہ یہودی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ بالخصوص آخری اصطلاح تو انتہائی ذومعنی ہے اور یہودی سرّی علوم یعنی خفیہ روحانی علوم جو نیم جادوئی اور نیم شیطانی ہوتے ہیں، سے واقفیت یا تعارف کے بغیر اس کا مفہوم سمجھا نہیں جاسکتا۔ بہرحال اس اقتباس کا مرکزی خیال ''شاہ داؤد'' کی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کے گرد گھومتا ہے۔ اگلے اقتباس میں ہم مطالعہ کریں گے کہ انسانوں کی ایک مخصوص نسل سے تعلق رکھنے والا یہ ''مطلق العنان بادشاہ'' اپنی نسل کے علاوہ دوسرے انسانوں سے کیا سلوک کرے گا؟

''موجودہ خداشناس اور شرپسند معاشروں کے حکمرانوں (جنہیں ہم پست ہمت بنا چکے ہوں گے) کی جگہ لینے کے لیے جو شخص ہمارا بادشاہ بنے گا، اس کا سب سے پہلا قدم اس خداشناسی اور شرپسندی کی آگ کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کرنا ہوگا۔ اس مقصد کے لیے ان موجودہ معاشروں کو مکمل طور پر تباہ کرنا ہوگا خواہ اس مقصد کے لیے اسے کتنا خون خراب کرنا پڑے۔ صرف اسی صورت میں اس کے لیے ان معاشروں کو نئے سرے سے منظم کرنا ممکن ہوگا جس کے بعد وہ ہماری ریاست کے خلاف اُٹھنے والے ہر ہاتھ کو کاٹ دینے کے لیے شعوری طور پر تیار ہوں گے۔ خدا کا یہ محبوب (یعنی بادشاہ) اس لیے چنا گیا ہے کہ وہ تمام اندھی، بہری اور ہیجانہ قوتوں کو ختم کردے جن کا عقل ومنطق سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ قوتیں فی زمانہ جبر وتشدد، ڈاکہ زنی اور آزادی وحقوق کے نقاب میں پوشیدہ ہوکر تمام دنیا پر چھائی ہوئی ہیں۔ ان قوتوں نے ہر قسم کے سماجی نظم وضبط کا خاتمہ کردیا ہے جس سے یہودی شہنشاہ کے تخت حکومت پر متمکن ہونے کی راہیں ہموار ہوگئی ہیں، لیکن جونہی بادشاہ اپنی سلطنت میں داخل ہوگا یہ قوتیں اپنا کام دکھا کر بذات خود ختم ہوچکی ہوں گی۔ تب انہیں شہنشاہ کے راستے سے ہٹانا ہوگا۔ وہ راستہ جس پر کوئی گڑھا یا پتھر نہیں ہونا چاہیے۔''

(دستاویز 23، خدا کا محبوب بادشاہ، ص: 304)

یہ تھا خدا کے محبوب بادشاہ کا ''خدا کی اندھی، بہری اور بہیمانہ مخلوق'' کے ساتھ وہ سلوک جس کی بنا پر وہ ''خدا پرستی کی آگ'' کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کرے گا اور اپنے رستے سے ہر گزرتا اور پتھر ہٹا کر ''ریاست'' کے خلاف اُٹھنے والا ہر ہاتھ کاٹ کر رکھ دے گا اور انسانی معاشروں کو برباد کر کے نئے سرے سے منظم کرے گا، چاہے اسے اس کے لیے کتنا ہی خون خرابہ کرنا پڑے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان ''اعلیٰ انسانی مقاصد'' کے حصول کے لیے کی جانے والی جدوجہد کس رخ پر ہمارے گردوپیش میں جاری ہے؟ اس کے لیے ہم دوسرے اقتباس کا مطالعہ کرتے ہیں جس میں قوم یہود نے اپنے پیدائشی حق حکمرانی کے حصول کا طریق کار مکمل کر اور لگی لپٹی رکھے بغیر بیان کیا ہے۔

''جب ہم اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے جدوجہد کرتے ہیں تو ہم مجبور ہوتے ہیں کہ ہم ریاستوں کے آئینوں میں ایسی باتیں داخل کر دیں کہ وہ غیر محسوس طریقے سے آہستہ آہستہ ان کو تباہی کے راستے کی طرف دھکیل دیں اور پھر اسی طرح ایک وقت میں ہر طرح کی حکومت ہمارے قہر و جبر کا شکار ہو جائے گی۔ ہمارے ڈکٹیٹر کی پہچان آئین کی تباہی سے پہلے بھی ہو سکتی ہے۔ یہ لمحہ اس وقت آئے گا جب دنیا کی اقوام اپنے حکمرانوں کی نااہلیوں اور بدعنوانیوں کے سبب بدحال ہو چکی ہوں گی اور یہ سب کچھ ہماری منصوبہ بندیوں کی وجہ سے ہی ہوگا۔ اس وقت لوگ چلائیں گے: ''ان کو (ہمارے حکمرانوں کو) دفع کرو اور ہمیں پوری دنیا پر ایک ایسا بادشاہ دو جو ہمیں متحد کرے اور حکومتی قرضے، سرحدوں، اقوام، مذاہب کی وجہ سے پیدا ہونے والے جھگڑوں کو ختم کر دے۔ جو ہمیں امن و شانتی مہیا کرے جو ہمیں ہمارے حکمران نہیں دے سکے ہیں۔''...... لیکن آپ یہ بہتر طور پر جانتے ہیں کہ تمام اقوام کی طرف سے ایسی خواہشات کا اظہار پیدا کرنے کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ عوام اور حکومتوں کے درمیان تعلقات کو بگاڑا جائے۔ انسانیت کو اختلاف رائے، نفرت، جدوجہد، منفی ردعمل حتیٰ کہ تشدد کے استعمال، بھوک و افلاس، بیماریوں کے پھیلاؤ، خواہشات کی کثرت کے ذریعے تباہ کر دیا جائے تاکہ غیر یہودی عوام ہماری دولت اور دیگر ذرائع کی بالادستی تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی اور پناہ گاہ ہی نہ پائیں۔ لیکن اگر ہم اقوام عالم کو سانس لینے کا موقع دے دیں تو پھر ہماری حاکمیت کی بالادستی کا لمحہ مشکل ہی سے آئے گا۔''

(دستاویز:9، پوری دنیا کے مقتدر اعلیٰ کی حکومت کے قیام کے اعلان کا لمحہ، ص: 231)

دنیا پر اپنی حاکمیت اور بالادستی کے لمحے کے جلد آنے کے لیے قوم یہود پوری دنیا کو جس طرح جہنم بنائے ہوئے ہے، اس کا سبب اس دستاویزی منصوبے میں اور اس کی جھلک آپ عالمی منظر نامے پر دیکھ سکتے ہیں۔ اس منظر نامے کی پیشانی پر جھلملاتے مصائب و آفات، کرۂ ارض کے باسیوں کو چار طرف سے گھیرے میں لینے والی الم انگیز مشکلات اصل میں اس قوم کی کارستانیاں ہیں جو خود کو خدا کا محبوب اور خدا کی بقیہ مخلوق کو اپنا محکوم سمجھتی ہے اور اپنے اس "بنیادی حق" کے حصول کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز حربے روا رکھتی ہے۔

اب قبل اس کے کہ ان دستاویزات کی تاریخی حیثیت واستناد پر کچھ تبصرہ کریں، ان کی ایک مخصوص انفرادیت کا ذکر کرتے ہیں جس سے بآسانی معلوم ہوگا کہ مستقبل قریب میں جس "عالمی دجالی ریاست" کے قیام کی آہٹیں سنائی دے رہی ہیں، یہ کسی دیوانے کی بڑ یا خبطی کا وہم نہیں، ایک خوفناک حقیقت ہے جس کے خلاف جہاد میں حصہ لینا نیک بختی کی علامت اور نجات کی ضمانت ہے۔

(جاری ہے)

انوکھی دستاویز

دیکھنے میں تو وہ محض ایک عام سی کتاب لگتی ہے، مگر واقعہ یہ ہے یہ کئی اعتبار سے منفرد اور انوکھی کتاب ہے۔

☆...... ایک تو اس وجہ سے کہ عام طور پر کسی کتاب کو ایک یا دو تین فرد لکھتے ہیں۔ اس کتاب کو پوری جماعت نے لکھا ہے۔ اور یہ جماعت ایسی تھی کہ دنیا بھر سے منتخب کی گئی تھی اور اپنے فن یعنی خفیہ منصوبہ بندی، مکاری، عیارانہ فریب کاری، سنگ دلی، بے رحمی اور اخلاقیات سے عاری پن میں اتنی نمایاں اور ممتاز تھی کہ اس کے ان اوصاف کو دوست دشمن سب مانتے ہیں اور اس کتاب میں بھی انہوں نے جا بجا اپنے ان فطری اوصاف کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔

☆...... اس کتاب کو اس اعتبار سے بھی منفرد قرار دیا جائے گا کہ اس میں دنیا کے لیے خیر کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس میں جو کچھ تھا وہ بنی نوعِ انسان کے لیے شر ہی شر تھا۔ شر کی ہر سطح پر ترویج سے لے کر شر کے نمائندۂ اعظم کے خروج تک اس میں شر کی ترویج کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

☆...... عام طور پر مصنف اپنے پڑھنے والوں کے بھلے کے لیے کوئی بات لکھتا ہے۔ اس میں مصنفین نے اپنے طبقے کے لیے تو سب کچھ سوچ سمجھ کر ترتیب دیا تھا، لیکن قارئین کے لیے ان کم ظرفوں کے پاس سوائے شر، بدی اور بدخواہی کے کچھ نہ تھا۔

☆...... عام طور پر پیش گوئیاں اپنے وقت پر غلط ثابت ہونے کے لیے ہوتی ہیں اور کچھ وقت تجسس اور سنسنی خیزی پیدا کر کے اپنے پیچھے غیر محتاط بیانات اور غیر مصدقہ اطلاعات کے علاوہ کوئی تاثر نہیں چھوڑتیں...... لیکن اس کتاب کی پیش گوئیاں ہمیں اپنے گرد و پیش میں علاقائی اور عالمی منظرنامے پر اپنا وجود منواتی اور حقیقت کے پردے پر واضح جھلک دکھاتی نظر آتی ہیں۔ جو کچھ منصوبے اس میں پیش کیے گئے تھے، جو پیش گوئیاں کی گئی تھیں، جو سازشیں ترتیب دی گئی تھیں، وہ

حیرت انگیز طور پر پوری ہوتی رہیں۔ آج کی دنیا کا منظر نامہ حرف بہ حرف ان پیش بندیوں کے مطابق ہے جو اس کتاب کے مصنفین نے ترتیب دی تھیں۔

☆...... عام طور پر کتابیں چھپنے کے لیے لکھی جاتی ہیں۔ اس کتاب کے مصنفین کی پہلی اور آخری کوشش یہ تھی کہ یہ کسی طرح منظر عام پر نہ آنے پائے۔ چند سر پھرے ایڈونچر پسندوں نے اسے دنیا تک پہنچانے کی کوشش کی تو انہیں یکے بعد دیگرے حیرت انگیز طور پر پر اسرار موت کا شکار ہونا پڑا۔

☆...... کتاب نامی کوئی چیز وجود میں آتی ہے تو اس کا خریدار مصنف نہیں، عام لوگ ہوتے ہیں، لیکن یہ ایسی کتاب ہے جب چھپ کر بازار میں آتی ہے تو خود مصنفین کے ہرکارے اسے خرید خرید کر غائب کر دیتے ہیں۔

☆...... دنیا میں کم ہی کتابیں ایسی ہوتی ہیں جن کے مصنفین نامعلوم ہیں۔ ہر مصنف اپنی محنت اپنے نام سے متعارف کرواتا اور اسے اپنے لیے باعث افتخار سمجھتا ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس پر بطور مصنف کسی شخص یا اشخاص کا نام نہیں۔ نہ اس کے حقوق محفوظ کروائے گئے ہیں نہ کوئی اسے اپنی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ الٹا جن کے لیے لکھی گئی ہے یعنی قوم یہود اور جنہوں نے اسے لکھا ہے یعنی صہیونیت کے چوٹی کے دماغ، وہ سب اسے جعلی اور من گھڑت قرار دے کر اس کی نفی کرتے اور اس کی صداقت کو مشکوک قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆...... ہر کتاب کے مصنف کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی کتاب کو قبولیت عام اور شہرت دوام نصیب ہو، اس کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کر لیا جائے، لیکن یہ ایسی عجیب کتاب ہے کہ اس کے مصنفین اس کی اہمیت کو تسلیم کرنے یا کروانے کے بجائے اسے افسانہ قرار دیتے ہیں اور سرے سے اس کے وجود کو تسلیم کرنے سے ہی انکاری ہیں۔

الغرض اس کتاب میں بہت سی منفرد خصوصیات ہیں۔ بشرطیکہ اسے کتاب تسلیم کر لیا جائے...... ورنہ حقیقت میں تو یہ تجاویز، منصوبوں، مستقبل کی پیش بندیوں اور پیش گوئیوں کا مجموعہ ہے۔ جنہیں ایک مخصوص ہدف حاصل کرنے کے لیے دنیا کے چوٹی کے دماغوں نے سالہا سال کی عرق ریزی کے بعد ترتیب دیا تھا۔ وہ ہدف کیا تھا؟ جس کانفرنس میں یہ تجاویز پیش کی گئیں اس

کے اختتام پر جب کانفرنس کے سربراہ، صیہونیت کے بانی اور معاصر یہودیت کے بابائے قوم ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل سے ان تجاویز اور منصوبوں کا خلاصہ پوچھا گیا تو اس نے ایک جملے میں اپنے اہداف سمیٹتے ہوئے کہا: ''میں زیادہ تو کچھ نہیں کہتا۔ بس اتنا ہے کہ آج سے پچاس سال کے اندر دنیا روئے ارض پر یہودی ریاست قائم ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھے گی۔''

یہ ان تجاویز کا آخری نہیں، پہلا ہدف تھا جو پورا ہو چکا ہے۔ دوسرا ہدف اس یہودی ریاست کی ان حدود تک توسیع ہے جو ''منی اسرائیل'' کو ''گریٹر اسرائیل'' میں تبدیل کر دے گی...... اور تیسرا اور آخری ہدف ...... اس گریٹر اسرائیل کے سربراہ، بنی داؤد کی نسل سے آنے والے نام نہاد مسیحا، یہودیت کے نجات دہندہ یعنی الملعون الاکبر، الفتنۃ الکبریٰ ''دجال اعظم'' کی سربراہی میں ''عالمی دجالی ریاست'' کا قیام ہے جو زمین پر رحمانی نظام (یعنی اسلام) اور اس کی ہر شکل ونشان کو مٹا کر شیطانی اور دجالی نظام کو برپا کرنے کی علمبردار ہو گی۔

راقم الحروف نے سب سے پہلے یہ کتاب اس وقت پڑھی جب اس کی مسیں بھی نہ بھیگی تھیں۔ بندہ کے بڑے بھائی کو کہیں سے اس کا پرانا اور بوسیدہ نسخہ ہاتھ لگ گیا۔ وہ اس کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتے تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں بندہ نے ایک دن اسے اُٹھا کر اوراق پلٹنا شروع کیے۔ حیرت کا ایک جہاں تھا جو بندہ پر کھلتا گیا۔ تجسس اور سنسنی خیز معلومات کا ایک سیل رواں تھا جو اپنے ساتھ بہائے لے جا رہا تھا۔ کتاب خوانی کا اثر ذہن پر ایک عرصے تک قائم رہا۔ راقم یہ سوچ کر حیران تھا کہ جس قوم نے ایسے عالمگیر منصوبے بنائے ہیں، اتنا زبردست خفیہ نظام ترتیب دیا ہے، زندگی کے ہر شعبے پر گرفت قائم کرنے کے لیے اتنی زبردست منصوبہ بندی کی ہے، وہ اس پر عمل بھی کر سکی یا نہیں؟ یہ فرضی خیال بندی تھی یا حقیقی خاکہ سازی؟ اگر حقیقی تھی تو اتنی ذہین، منظم اور وسائل سے مالا مال قوم آج تک اپنے مقصد میں کامیاب کیوں نہیں ہوئی؟ دنیا کی ہر چیز اس کے پاس موجود ہے، ہر میدان کے ماہرین کی خدمات اسے حاصل ہیں، وہ وسائل کی بھرمار اور عالمی قوتوں کی حمایت کے باوجود اتنی رسوائی اتنی ذلیل وخوار کیوں ہے؟ اتنا دماغ، اتنی دولت، اتنی سیاست، اتنی دوراندیشی اگر کسی اور قوم کو مل جاتی تو وہ ایک دہائی میں دنیا کو تسخیر کر لیتی۔ یہود کا ''تسخیر عالم کا

منصوبہ" ان کے لیے سامان رسوائی کیوں بنا ہوا ہے؟ یا تو اس کتاب کے مندرجات مبالغہ پر مبنی اور جھوٹ کا پلندہ ہیں یا پھر کوئی اور بات ہے۔ وہ اور بات کون سی ہے؟ اس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے اور سر کھپا کھپا کر مطالعہ کرتے کرتے ہم جہاں تک پہنچ سکے، وہ پیش خدمت کرنا مقصود ہے۔...... لیکن پہلے اس کتاب کی اصلیت کے حوالے سے چند حقائق سامنے آجانے چاہییں تاکہ آگے کہی گئی باتیں وثوق اور اعتماد کی بنیاد پر بیان کیے گئے حقائق ہوں نہ کہ قیاس اور اندازے کے سہارے اُڑائے گئے مفروضات۔ نصرت الٰہی اور تایید ربانی شامل حال رہی تو ان شاء اللہ ہم اس موضوع سے اتنا کچھ انصاف ضرور کر لیں گے کہ ہمارے قارئین کی تشفی ہو سکے۔

پروٹوکول کے لفظ کا مطلب ہے کوئی مسودہ، دستاویز یا کسی اجلاس کی روداد۔ دوسرے لفظوں میں کسی دستاویز کے سرنامے پر اس کا خلاصہ چسپاں کر دیا جائے۔ اس اعتبار سے اس کا مفہوم ہوگا: "صہیونیوں کے فاضل بزرگوں کے اجلاس کی کارروائی کی مکمل روداد۔" انہیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ صہیونی حکمرانوں کے اندرونی حلقوں سے خطاب کیا جا رہا ہے۔ اسی بنیاد پر ہم نے شروع میں ہی کہہ دیا یہ درحقیقت عالمی سطح پر "دجالی ریاست کے قیام کے لیے یہودی قوم کا لائحہ عمل" ہے جو صدیوں کے دوران مرتب ہوا اور جسے اس قوم کے چوٹی کے دماغوں اور دانشوروں نے کانٹ چھانٹ کر آخری شکل دی۔ ان دستاویزات میں موجود منصوبوں اور خلاصوں کی تیاری اور ترتیب وقتاً فوقتاً کئی صدیوں سے جاری تھی۔

(جاری ہے)

▬

"پلان ٹو"

یہ کتاب غیر یہود کے ہاتھ کیسے لگی؟ جس چیز کو سات پردوں میں چھپا کر رکھا گیا تھا، وہ بالآخر منظر عام پر کیسے آگئی؟ یہ داستان بڑی دلچسپ ہے۔ اس موضوع پر ہمیں سب سے اہم حوالہ ایک یورپی مصنفہ Mrs. Fry کی کتاب "Waters Flourig Eastward" سے ملتا ہے۔ انہوں نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ دنیا کی یہ خفیہ ترین دستاویزات یعنی "پروٹوکولز" دو مختلف ذرائع سے حاصل کیے گئے تھے:

(1) روسی خفیہ ادارے کی ایک ایجنٹ جسٹائن جلنکا (Justine Glinka) فرانس میں کام کر رہی تھی۔ اسے مختلف خفیہ ذرائع سے پروٹوکولز کا پتا چلا اور یہ بھی کہ اس دستاویز کی کاپیاں فرانس کے "مزرایم لاج" (Mizraim Lodge) میں جو پیرس میں تھا، موجود ہیں۔ یہ لاج فرانس میں فری میسن کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ بظاہر اس کا نگران The Rite of Mizraim نامی ایک گروہ تھا، لیکن درحقیقت یہ فری میسنری کی ایک ذیلی خفیہ تنظیم تھی جس کا مرکز قاہرہ میں تھا جبکہ اس کی شاخیں تمام یورپ میں تھیں۔ جلنکا (Glinka) ان دستاویزات کے پیچھے پڑ گئی۔ اس نے لاج کے ایک ملازم جوزف اسکارسٹ (Joseph Schorst) کو تاڑا جس سے کام نکل سکتا تھا۔ اس ملازم کو انتہائی چھان پھٹک کے بعد رکھا گیا تھا اور اس سے حسب روایت مخصوص رسومات کی ادائیگی کے ساتھ وفاداری کا حلف لیا گیا تھا، لیکن ہر مضبوط حصار کا کوئی کمزور گوشہ ضرور ہوتا ہے۔ ایک دن اس کو رقم کی ضرورت پڑی۔ جلنکا ایسے موقع کی تلاش میں تھی۔ اس نے فوراً 5,000 فرانک کی بھاری رشوت پیش کر دی۔ اتنی چھوٹی چیز کی اتنی بڑی رقم ملتے دیکھ کر اس نے کچھ سوچے بغیر اس کی ایک کاپی جلنکا کو دے دی۔ اس نے کاپی ہاتھ میں آتے ہی تاخیر کیے بغیر اس وقت کے روسی دارالحکومت "سینٹ پیٹرز برگ" پہنچا دی۔ فرانس کے پولیس ریکارڈ کے مطابق اسکارسٹ کو

اس واقعے کے چند دنوں بعد قتل کر دیا گیا۔ ''برادری'' اس اہم ترین راز کی چوری پر اس کو کہاں معاف کر سکتی تھی۔

(2) دوسری طرف جب پہلا عالمی صیہونی اجتماع 1897ء میں سوئزر لینڈ کے شہر ''باسل'' میں منعقد ہوا تو وہاں بھی روسی خفیہ ادارے کے افسران کٹر قدامت پرست یہودیوں کے بھیس میں پہنچ گئے اور انتہائی سخت رازداری اور بھرپور احتیاط کے باوجود یہی دستاویزات حاصل کر لیں۔ روسی بادشاہ بہت پہلے ہی سے یہودیوں کی سرگرمیوں پر کڑی نظریں رکھے ہوئے تھا کیونکہ 1870ء کی دہائی میں یہود نے گہری سازش کے ذریعے ایک ''زار روس'' کا قتل کیا تھا۔ (''زار'' روسی بادشاہوں کا لقب تھا)۔ لہٰذا اس وقت کا روسی بادشاہ ان دستاویزات کے حصول میں خصوصی دلچسپی رکھتا تھا اور ان کے حصول کے لیے کوئی بھی قیمت دینے پر تیار تھا۔ اس کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی بدولت روسی ایجنٹوں نے بالآخر یہ کارنامہ کر دکھایا۔ یہودیوں کے چوٹی کے دانشور احتیاطی تدبیریں کرتے رہ گئے اور ان کے دشمن یہ دستاویزات لے اُڑے۔

روسی خاتون جاسوس ''جسٹائن جلنکا'' نے ان پروٹوکولز کی ایک کاپی اپنے پاس رکھی اور جب وہ اپنے آبائی گھر روس کے ضلع Orel لوٹی تو اس نے ایک سرکاری عہدیدار کو بھی ان دستاویزات کی کاپی دے دی۔ اس کا نام Alexis Sukhotin تھا۔ Alexis نے یہ دستاویز اپنے دو دوستوں فلپ سٹیپونور اور سرجی اے نائلس کو دی۔ اول الذکر (Steponor) نے اس کی کاپیاں کروائیں اور انہیں اپنے قریبی دوستوں میں بانٹا، جبکہ مؤخر الذکر (Nilus) نے پہلی بار انہیں کتابی شکل میں 1901ء میں چھاپا جس کا عنوان تھا: "The Great Within the Small" (چھوٹے کے اندر سب سے بڑی) بادشاہت کے زمانے میں تو یہ کتاب خفیہ چیزوں میں مقبول ترین چیز تھی...... لیکن روس میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد پیدا ہونے والے یہودی اثر و رسوخ کی بنا پر اس کتاب کو کسی کے پاس دیکھتے ہی گولی مارنے کا حکم تھا۔ Steponor انقلاب کے آتے ہی روس سے بھاگ گیا اور 1932ء میں یوگوسلاویہ میں اس کا انتقال ہوا۔ Steponor کے بیٹے سے جب ایک یورپی مصنف Gerald B. Winrod کی

ملاقات 1935ء میں ہوئی تو اس نے اپنے والد کے دوست نائلس کے بارے میں بہت سے انکشافات کیے۔ وہ نائلس کو اچھی طرح جانتا تھا کیونکہ اس کا باپ اور نائلس ایک ہی کمیونٹی میں رہتے تھے۔ اس نے بتایا کہ نائلس کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔ وہ ایک پختہ عقیدے والا عیسائی تھا اور انجیل مقدس پر کامل یقین رکھتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ قوم یہود کے داناؤں نے یہ منصوبے عیسائیت کے خاتمے کے لیے تیار کیے ہیں تو اس نے دنیائے مسیحیت کی آگاہی کے لیے خطرات مول لیے اور ان دستاویزات کو شائع کرنے کی ٹھان لی۔ یہ دستاویزات عبرانی زبان سے روسی زبان میں ترجمہ کی گئی تھیں۔ نائلس کے خیال میں یہ منصوبہ عیسائیت کے خلاف سازش تھا جسے طشت از بام کر کے اس نے ملی فریضہ انجام دیا، لیکن ان دستاویزات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سازش صرف عیسائی مذہب اور تہذیب کے خلاف نہیں، یہ تمام مذاہب اور تہذیبوں کے خلاف ایک بھیانک منصوبہ ہے۔

جب روس میں انقلاب آیا اور پروٹوکولز کی کاپی رکھنا بھی جرم ہو گیا تو نائلس نے روس سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن بدقسمتی سے وہ روس کے صوبے یوکرائن کے دارالحکومت Kiev میں 1924ء میں پکڑا گیا۔ اس پر بے پناہ تشدد کیا گیا۔ اس کے کچھ ہی عرصے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

یہ تحریر اگرچہ روسی زبان میں "برٹش میوزیم لائبریری" میں 10 راگست 1905ء کو پہنچ گئی تھی لیکن اس کا انگریزی ترجمہ 1906ء میں "وکٹر ای مارسڈن" (Victor E. Marsden) نے کیا تھا۔ مارسڈن روس میں انقلاب کے دوران "مارننگ پوسٹ" (Morning Post) نامی اخبار کا نمائندہ تھا۔ انقلاب کے بعد اسے بھی گرفتار کر لیا گیا اور سزائے موت کا فیصلہ سنایا گیا، لیکن بالآخر برطانوی باشندہ ہونے کے ناتے اسے معاف کر دیا گیا اور رہائی کے بعد واپس برطانیہ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ برطانیہ واپسی کے بعد جب اس کی صحت بحال ہوئی تو اس نے سب سے پہلے ان دستاویزات کے ترجمے پر کام شروع کیا۔ اسے ان خفیہ دستاویزات کی اہمیت کا اندازہ تھا اور وہ انہیں جلد از جلد دنیا کے سامنے لانا چاہتا تھا۔ چونکہ وہ خود صحافی بھی تھا اور اسے روسی اور انگریزی دونوں زبانیں آتی تھیں، اس لیے اس کا ترجمہ آج بھی اتنا ہی مقبول ہے جتنا کہ پہلے دن تھا۔

برطانیہ واپسی کے بعد جب برطانیہ کا بادشاہ اپنی نوآبادیات کے دورے پر نکلا تو مارسڈن اس

کے ساتھ جانے والی ٹیم میں شامل تھا۔ اس دورے کے دوران مارسڈن نے ایک خصوصی مراسلہ نگار کی حیثیت سے ایک مرتبہ پھر "مارننگ پوسٹ" کے لیے کام کیا لیکن برطانیہ واپسی پر وہ "اچانک" "بیمار پڑ گیا اور" "پُراسرار حالت" میں انتقال کر گیا۔

اس کتاب سے متعلق مزید معلومات General D.B. winrod کی کتاب "The Truth About the Protocoles" (پروٹوکولز کے متعلق سچ) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ شروع شروع میں یہ کتاب مارکیٹ میں آتے ہی غائب ہو جاتی تھی۔ اس کے مترجم یا ناشر پراسرار طور پر "اتفاقیہ طبعی موت" کا شکار ہو جاتے تھے۔ اس زمانے میں اگر آپ کسی لائبریری میں جاتے اور یہ کتاب تلاش کرتے تو آپ سے پہلے کوئی اسے نکلوا کر لے جا چکا ہوتا یا یہ کتاب بغیر کسی اطلاع کے اپنے متعلقہ خانے سے غائب ہوتی۔ آج بھی اگر آپ نیٹ پر اس کتاب کو سرچ کرنا چاہیں تو آپ کو کافی مشکل ہوگی۔ اس نام سے ملتی جلتی کتابیں آپ کو دکھائی جائیں گی مگر یہ کتاب کوشش کے بعد بھی آپ کی نظروں سے اوجھل رہے گی۔

ان تمام باتوں کے تناظر میں...... جو یقیناً اتفاقیہ نہیں ہیں...... اس کتاب کے مندرجات کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کو اردو میں پہلی بار کراچی کے ایک جرات مند اور صاحب ایمان صحافی "مصباح الاسلام فاروقی" نے ترجمہ کر کے چھاپا۔ اس کے دو حصے تھے۔ پہلے حصے میں ان دستاویزات کا تعارف، پس منظر، یہودی عزائم وغیرہ بیان کیے گئے تھے اور دوسرے میں ان بدنام زمانہ دستاویزات کا سلیس ترجمہ تھا۔ جب یہ شائع ہوئی تو تہلکہ مچ گیا۔ کتاب کی بے پناہ مقبولیت کے باوجود بعض مخصوص تنخواہ داروں نے اس کے فرضی اور جعلی ہونے کی رٹ لگانا شروع کر دی۔ ان کا اصرار تھا یہ ساری دستاویزات شہرت کے طلب گار کسی قلم کار کے وہم کی پیداوار ہیں۔ جبکہ دوسری طرف کتاب جلد ہی ناپید ہو گئی تھی۔ تلاش بسیار کے باوجود کہیں سے ایک آدھ نسخہ مل جانا بھی خزانے کی تلاش کے مترادف تھا۔ تیسری طرف فاروقی صاحب یہ محسوس کرنے لگے کہ ان کی نگرانی شروع کر دی گئی ہے۔ انہیں ایسا لگا ان کے آس پاس پراسرار نقل و حرکت ہو رہی ہے۔ کچھ لوگ ان کی جان کے درپے ہو گئے ہیں اور وہ موقع ملنے کی تاک میں ہیں۔ انہوں

نے اپنی تمام تر توجہ اسی موضوع پر مرکوز کر دی اور سانسوں نے انہیں جتنی مہلت دی اس دوران انہوں نے یہودیت پر ایک شاہکار کتاب ''یہودی سازش اور دنیائے اسلام'' تصنیف کر ڈالی۔ فاروقی صاحب کچھ عرصے بعد خالق حقیقی سے جا ملے۔ جو قومیں ان کی اس بہترین کاوش کو وہم قرار دیتی رہی تھیں، انہیں ان کی موت سے بھی چین نہ آیا۔ یہ کتاب ان کے بعد بھی کہیں دستیاب نہ ہوتی تھی۔ کچھ عرصے بعد ''تسخیر عالم کا یہودی منصوبہ'' کے نام سے چھپی۔ مصنف کے طور پر ''ابوالحسن'' کا فرضی نام سرورق پر درج تھا۔ ناشر کا نام حسب روایت موجود تھا، نہ ہی ملنے کا پتا درج تھا۔ اشاعت عام کی نوبت اس بار بھی نہ آنے پائی۔ اکثر و بیشتر اس کا فوٹو اسٹیٹ نسخہ ہی آگے چلتا رہا۔ فاروقی صاحب کے بعد ایک اور مشہور مصنف منشی عبدالرحمن خان نے اس کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد تو قطار لگ گئی۔ بہت سے مترجمین نے ترجمہ کیا اور ناشرین اسے چھاپتے رہے۔ اب یہ مختلف ناموں سے کہیں نہ کہیں مل ہی جاتی ہے۔ زیادہ مشہور نام ''یہودی پروٹوکولز'' کا ہے، لیکن جیسا کہ راقم نے اس مضمون کے شروع میں کہا صحیح معنوں میں اسے ''دجالی ریاست کے قیام کا دستاویزی منصوبہ'' کہنا چاہیے، کیونکہ اس کا اصلی ہدف بدی کے بدترین ظہور ''دجال اعظم'' کی عالمی ریاست کا قیام ہے جس کا مرکز اسرائیل اور پایۂ تخت یروشلم ہوگا۔

بعض لوگوں کو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ اگر ان دستاویزات کا انکشاف یہودیت کے لیے اتنا ہی نقصان دہ تھا کہ انہوں نے سرجی اے نائلس اور وکٹر ای مارسڈن سے لے کر فاروقی صاحب تک کو قتل کرنا ضروری سمجھا تو فاروقی صاحب کے بعد بقیہ مترجمین و ناشرین ان کے انتقام کی زد سے کیونکر محفوظ رہے؟ اس بات کا جواب سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ ایک راز اپنے ابتدائی انکشاف کے وقت جتنا سنسنی خیز ہوتا ہے، اتنا ہی متاثرہ فریق کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس وقت راز کو عام کرنے والے انتقام کے شدید جذبے کا نشانہ بنتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس انکشاف سے متاثر ہونے والا فریق جب دھچکے سے سنبھل جاتا ہے تو وہ اس تہلکہ خیز انکشاف کو اپنے لیے غیر اہم قرار دے کر اسے نظرانداز کرنے کی پالیسی اپنا لیتا ہے۔ گویا کہ ''پلان 2'' پر عمل شروع کر دیا جاتا ہے اور یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اچھا ہے یہ معلومات دشمن یا مخالفین تک پہنچیں اور انہیں مرعوب کریں کہ اسے اتنے

ذہین اور دوراندیش فریق سے پالا پڑا ہے۔ لیکن اس موقع پر وہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے خلاف کام کرنے والے ان دستاویزات کا حوالہ دے کر انہیں رگیدتے رہیں گے اور ان کے خلاف ذہن سازی کر کے دنیا کو انسانیت کے ان دشمنوں سے آگاہی دینے کا فرض ادا کرتے رہیں گے۔

(جاری ہے)

فاش غلطیوں کا تقابلی مطالعہ

جیسا کہ پہلے لکھا گیا شروع شروع میں قوم یہود کے "بزرگ دانا" اس کتاب کی کسی سنجیدہ حیثیت کے ہی سرے سے انکاری تھے۔ وہ پراسراریت کی دبیز تہہ تلے چھپائے ان رازوں کے انکشاف پر سخت برہم اور اپنی طرف اس کی نسبت کو نرا جھوٹ یا خالص وہم قرار دیتے تھے، لیکن غیر جانبدار محققین کا کہنا تھا ...... اور آج بھی ان کا یہی اصرار ہے ...... کہ ایک سے زیادہ ایسی وجوہات ہیں جن کے ہوتے ہوئے ان دستاویزات کو فرضی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مثلاً:

(1) ان کے خیالی ہونے کا وہم اس لیے نہیں کیا جاسکتا کہ دنیا میں پیش آنے والے بہت سے منظم حادثات و واقعات کی پھر کوئی توجیہ ممکن نہیں رہتی۔ یہودی تھنک ٹینکس ان کے جعلی یا فرضی ہونے پر جتنا بھی زور دیں اور ان کے اصلی ہونے کی جتنی بھی تردید کریں، اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ اگر یہ بالکل جعلی ہیں تو ان میں بیان کردہ تجاویز اور منصوبے تسلسل کے ساتھ عالمی حالات سے مطابقت کیوں رکھ رہے ہیں؟ اسرائیل کی کارروائیوں اور یہودیت کی کارستانیوں میں ان تمام منصوبوں کی واضح جھلک کیوں دکھائی دیتی ہے؟ اسرائیل کی تاریخ اور یہودی راہنماؤں کا طرزِ عمل ان دستاویزات کے اصل ہونے کی چغلی کھاتا ہے اور دنیا کو مجبور کرتا ہے کہ وہ سوچیں ایک فرضی چیز کی اتنے اہتمام اور تاکید سے تردید کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اگر دال میں کالا نہیں ہے تو ایسی کتاب کو دنیا کی نظروں سے غائب کرنے میں کیا حکمت تھی؟ مشہور امریکی سرمایہ کار اور دانشور "ہنری فورڈ" نے اسی دلیل کو استعمال کرتے ہوئے کہا تھا کہ پروٹوکولز جعلی یا فرضی نہیں، بلکہ اصلی اور حقیقی ہیں۔ انہوں نے 17 فروری 1921ء کو "نیویارک ورلڈ" میں شائع ہونے والے اپنے ایک انٹرویو میں صحافی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"ان پروٹوکولز کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ آج دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا

ہے، وہ ان کے عین مطابق ہو رہا ہے۔ انہیں منظر عام پر آئے سو برس کا عرصہ گزر ا ہے۔ ا منظور 1897ء کی کانفرنس میں ہوئے تھے۔ انکشاف 1905ء کے آس پاس ہوا۔ راقم] آج تک عالمی حالات وواقعات انہی اقوال کے مطابق رونما ہوتے چلے آرہے ہیں۔ آج بھی ایسا ہی ہو رہا ہے۔''

واقعی ہنری فورڈ نے بالکل صحیح کہا تھا۔ ایک فرضی چیز کسی حقیقی واقعے سے اتفاقیہ مناسبت تو رکھ سکتی ہے، لیکن فرضی خیالات کی حقیقی اور عالمی واقعات سے تسلسل کے ساتھ موافقت ممکن نہیں۔

(2) ایک بہت مضبوط دلیل یہ ہے کہ بقول یہود یہ دستاویزات اگر اصلی نہیں، سراسر ''جعلی'' ہیں تو پھر ان ذہین جعل سازوں نے ان دستاویزات کو علانیہ طور پر کھل کر یہودی مصنفین سے کیوں منسوب نہیں کیا، جبکہ وہ بآسانی ایسا کر کے اس سے کئی مقاصد حاصل کر سکتے تھے۔ مثلاً: وہ دنیا بھر کے انسانوں اور تہذیبوں کے خلاف تیار کیے گئے ان منصوبوں پر یہودی راہنماؤں کا لیبل لگا کر قوم یہود کے خلاف نفرت اور اشتعال کی زبردست فضا پیدا کر دیتے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے دستاویزات میں ''یہود'' کا لفظ صرف دو بار استعمال ہوا ہے، جبکہ وہ مخصوص اصطلاحات جو یہودی لٹریچر کا خاصا ہیں، اور انہیں غیر یہودی نہ سمجھتے ہیں نہ استعمال کرتے ہیں، وہ خفیہ اور خفیہ ترین اصطلاحات ان دستاویزات میں جا بجا روانی کے ساتھ استعمال ہوئی ہیں۔ آخر وہ کون سے انوکھے ''جعل ساز'' تھے جو ایک طرف تو اتنے ذہین تھے کہ دنیا بھر کے انسانوں اور انسانی معاشرے کے ہر طبقے اور شعبے کو گرفت میں لینے کا منصوبہ 24 دستاویزات کے اندر سمیٹ کر رکھ گئے اور دوسری طرف اس اعلیٰ کاوش کو قوم یہود کے سر تھوپنے کا کوئی آسان ترین طریقہ بھی استعمال نہ کر سکے جو عام راہ چلتا نوسر باز بھی بآسانی گھڑ سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان دستاویزات کو پڑھنے کے فوراً بعد پہلا تاثر جو قاری کے ذہن پر مرتب ہوتا ہے، وہ ذہین اور قابل لوگوں کی طرف سے مرتب کردہ ایک ''مطلق العنان عالمی حکومت'' کے قیام کے مربوط منصوبے کا ہے جو دجال کے ہراول دستے کے طور پر کام کرنے والی قوم یہود کی سالہا سال سے جاری زیر زمین جدوجہد کا مرکزی ہدف ہے اور جس کی صحیح تعبیر وہی ہے جو ہم نے ''عالمی دجالی ریاست'' کے نام سے کی ہے۔

(3) ان دستاویزات کے حقیقی اور اصلی ہونے کی ایک بڑی دلیل کچھ ایسے تقابلی قرائن ہیں جو

ناقابل تردید ہیں۔ مثلاً: ہم یہاں دو الگ الگ کتابوں سے لیے گئے دو اقتباسات کا ان دستاویزات کے متعلقہ حصے سے تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہیں۔ یہ دستاویزات جن لوگوں نے رازداری کے بھاری بھرکم حلف اُٹھا کر تیار کی تھیں، ایک وقت ایسا آیا کہ ان کے منہ سے ایسی بات نکل گئی جس سے سمجھنے والے بلاتردد سمجھ گئے کہ یہ اپنی تحریر یا گفتگو میں خفیہ دستاویزات میں بیان کردہ تجاویز کا اظہار کر گئے ہیں اور بیچ چوراہے بھانڈا پھوٹ جانے کے بعد اب لیپاپوتی کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ذیل میں صہیونیت کے دو چوٹی کے راہنماؤں سے نادانستہ طور پر ہو جانے والی دو فاش غلطیوں کا تقابلی مطالعے پر مبنی جائزہ ملاحظہ کیجیے:

(الف) ان پروٹوکولز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں ''پہلی صہیونی کانگریس'' کے انعقاد کے موقع پر جاری کیا گیا جو 1897ء میں باسل کے مقام پر ہوئی تھی اور جس کی صدارت جدید صہیونیت کے بانی تھیوڈور ہرتزل نے کی تھی۔ کچھ عرصے قبل ''ہرتزل کی ڈائری'' کے عنوان سے ایک کتاب شائع ہوئی۔ اس میں سے چند اقتباسات 14 رجولائی 1922ء میں یہود کے عالمی ترجمان ''جیوش کرانیکل'' میں شائع ہوئے تھے۔ ان ڈائریوں میں ہرٹ زل نے 1885ء میں اپنے سفر انگلستان کا ذکر بھی کیا ہے جہاں اس کی ملاقات کرنل گولڈ اسمتھ سے ہوئی تھی۔ وہ انگلستان کی فوج میں کرنل کے عہدے پر فائز تھا اور دل کی گہرائیوں سے ہمیشہ ایک یہودی قوم پرست ہی رہا۔ اس نے ہرٹ زل کو تجویز پیش کی کہ انگریز اشرافیہ کو تہ و بالا کرنے اور یہودی تسلط سے انگلستان کے عوام کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت کو تباہ و برباد کرنے کی غرض سے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان کی اراضی پر اضافی محصول عائد کر دیا جائے۔ ہرتزل کو یہ خیال بہت اچھا لگا چنانچہ اسے اب صہیونی دستاویز کے پروٹوکول نمبر 15 اور پروٹوکول نمبر 20 ''مالیاتی پروگرام'' میں بآسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

''ہمیں ہر طرح سے اپنی ''سپر حکومت'' کی اہمیت کو اُجاگر کرنا چاہیے کیونکہ وہ اپنی تمام فرماں بردار رعایا کی محافظ اور محسن ہے۔ غیر یہودیوں کے امرا ایک سیاسی قوت کے اعتبار سے تقریباً ختم ہو چکے ہیں۔ ہمیں اس تذکرے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن زمین دار ہونے کی حیثیت سے وہ اب بھی ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے وسائل پر انحصار کرتے

ہیں۔اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ان کی زمینیں چھین لیں۔ یہ مقصد زمینوں پر ٹیکس لگا کر حاصل کیا جاسکتا ہے۔یعنی زمینیں قرضوں کے بوجھ تلے دب جائیں گی۔ان اقدامات سے زمیندارانہ نظام کم ہو جائے گا اور وہ غیر مشروط طور پر ہمارے اطاعت گزار رہیں گے۔غیر یہودی امرا اور روسا چونکہ خاندانی اعتبار سے تھوڑے پر گزارہ کرنے کے عادی نہیں، بہت تیزی سے جل جائیں گے، ناکام ہو جائیں گے اور ان کا خاتمہ ہو جائے گا۔''

(پروٹوکول:5،معاشی ضروریات کے پروپیگنڈے کا خفیہ باب،ص:206)

''موجودہ انفرادی یا جائیداد پر محصول کے بجائے بڑھتے ہوئے سرمائے پر فیصدی تناسب سے ٹیکس عائد کرنے سے بہت زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔موجودہ انفرادی یا جائیداد پر محصول کے بجائے بڑھتے ہوئے سرمائے پر فیصدی تناسب سے غیر یہود میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ہمیں اپنے طے شدہ راستے پر چلنے میں آسانی رہتی ہے۔''

(دستاویز20،مالیاتی پروگرام،ص:282)

ہرزل کی ڈائری اور مندرجہ بالا اقتباسات کا تقابلی مطالعہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ صیہونی راہنماؤں کے ذہن میں ''عالمی حکومت'' کے قیام کا ایک واضح منصوبہ موجود تھا اور یہ پروٹوکولز درحقیقت اسی منصوبے کا خاکہ ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی ذہین قاری جسے حالیہ تاریخ کا ذرا سا بھی علم ہے اور جو قوم یہود کے کام کرنے کے انداز سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہے، وہ ان پروٹوکولز کی ہر سطر کی اصلیت محسوس کرے گا۔وہ اصلیت جس کے پیچھے قوم یہود کے داناؤں کا مکروہ دجالی چہرہ جھلک رہا ہوگا۔ہم اپنے تمام قارئین کو دعوت دیتے ہیں وہ وکٹر ای مارسڈن کے اس ترجمے کا ضرور مطالعہ کریں جواب اُردو زبان میں مختلف ناموں سے مل جاتا ہے۔

(ب) اب ہم ایک اور واقعے کا بھی ذکر کرتے ہیں۔اس طرح کی ایک غلطی بانی صیہونیت کے جانشین سے بھی ہوئی تھی۔تھیوڈور ہرزل کے جانشین اور صیہونی تحریک کے لیڈر ڈاکٹر وائزمین نے ان اقوال سے ایک اقتباس اس وقت پیش کیا تھا جب 6 اکتوبر 1920ء کو یہودیوں کے ایک ''بڑے ربائی'' کے اعزاز میں ایک الوداعی دعوت دی جارہی تھی۔ڈاکٹر وائزمین نے اپنی اس تقریر

میں ایک مشہور صیہونی قول کا حوالہ دیا تھا جسے یہودیوں کے ''روحانی دانشوروں'' سے منسوب کیا جاتا ہے اور جس کے مطابق: ''خدا نے یہودیوں کی زندگی میں ایک مفید اور سودمند تحفظ کا انتظام کر رکھا ہے اور اسی مقصد کی غرض سے انہیں (یہودیوں کو) دنیا میں ہر طرف پھیلا دیا ہے۔'' اس تقریر کا حوالہ یہود کے ایک اور عالمی سطح کے مستند ترجمان ''جیوش گارڈین'' میں 8 اکتوبر 1920ء کی اشاعت میں موجود ہے۔ اب آپ اس قول کا موازنہ پروٹوکول نمبر گیارہ کے آخری حصے سے کریں جس میں کہا گیا ہے: ''خدا نے ہمیں اپنے منتخب نمایندوں کی حیثیت سے دنیا بھر میں پھیل جانے کا تحفہ عنایت فرمایا ہے۔ بہت سے لوگ ہماری اس بے وطنی اور آوارگی کو ہماری کمزوری پر محمول کرتے ہیں، لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے ہیں کہ ہماری یہی کمزوری دراصل ہماری تمام تر طاقت اور قوت کا اصل سرچشمہ ہے جس نے ہمیں آج پوری دنیا پر حکومت کرنے کے قابل بنا دیا ہے۔''

ان اقتباسات کے توافق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ صیہونی فاضل بزرگوں اور ان کی مرتب کردہ دستاویزات کا یقیناً وجود تھا اور چیدہ چیدہ صیہونی راہنماؤں کو ان دستاویزات کے بارے میں پوری معلومات حاصل تھیں۔ نیز یہ کہ یہودیوں کی قومی ریاست یا مادر وطن کے قیام کی دیرینہ خواہش کا ان کے حقیقی عزائم اور اہداف سے گہرا تعلق ہے اور ان کا یہی وہ عزم یا ہدف ہے جو ان کے تمام عزائم اور اہداف کا محور و مرکز ہے، جس کی خاطر وہ صدیوں سے ہر ظلم و زیادتی کو روا سمجھتے ہوئے انسانیت کش جدوجہد کرتے چلے آئے ہیں۔

ان دستاویزات کے اصل یا نقل ہونے کی بحث ہم نے محض اس لیے چھیڑی ہے کہ وہ بظاہر ''لمحہ موعود'' جس کی اُمید پر قوم یہود ایک ''عالمی بادشاہ'' اور ''عالمی ریاست'' کا خواب دیکھ رہی ہے، ان دستاویزات کی رو سے اب اس دودھ بھرے چھینکے کی طرح محسوس ہوتا ہے جس کی رسی اتنی کمزور ہو چکی ہو کہ اب ٹوٹی یا تب ٹوٹی۔ یہ سنگین صورت حال اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ اس فتنہ پرور قوم کی طرف سے آخر زمانے کے ''فتنہ عظمیٰ'' کے خروج کے لیے بھرپور تیاریاں جاری ہیں، جبکہ ان تیاریوں کے مطالعے اور دفاعی و اقدامی تدابیر پر ہماری طرف سے بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ قوم یہود اگر اب تک اتنی مربوط جدوجہد اور اتنی زبردست منصوبہ بندی کے باوجود اپنے مقصد میں

کامیاب نہیں ہو سکی تو اس کی وجہ ذلت وخواری کی وہ تکوینی مہر ہے جو ان پر اللہ رب العالمین، احکم الحاکمین کی طرف سے لگائی جا چکی ہے۔ اس میں ہماری مقاومت یا مدافعت کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ رب العزت کی مرضی چونکہ یہ ہے کہ قوم یہود کو اس کی نافرمانیوں اور گستاخیوں کا ذلت آمیز مزہ چکھایا جائے، اس لیے ان عناصر کی رسوائی اور ذلت وشکست بھی قدرت کا اٹل فیصلہ ہے جو اس راندۂ درگاہ قوم کا ساتھ دیں گے...... جبکہ اس کے بالمقابل اس فرد، ادارے، جماعت یا قوم کی مدد ونصرت اور عزت وسربلندی نوشتۂ تقدیر ہے جو غضب الٰہی کا شکار اس قوم کے مقابل کھڑا ہو جائے یا کھڑا ہونے والوں کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔

یہ وہی نکتہ ہے جس کا ہم نے شروع میں قارئین سے وعدہ کیا تھا کہ اس کتاب کے مندرجات مبالغہ پر مبنی نہیں نہ جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ یہ اس قوم کے زیرک ترین رہنماؤں کی عرق ریز کاوشیں ہیں جو انسانی تاریخ کی ذہین ترین لیکن بدبخت ترین قوم تھی۔ جس کا دماغ تو اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل تھا لیکن دل خیر کی رمق سے خالی ہو چکے تھے۔ جنہوں نے خدا پرستی اور رحم دلی کو چھوڑ کر لذت پرستی اور سنگ دلی کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کی محبوب ہستیوں کی توہین کو اپنا شعار بنا لیا تو رب العزت نے ان کی تذلیل پہ ابدی مہر ثبت کر دی۔ لہٰذا ان کے ترتیب دیے گئے منصوبوں کی مثال دنیا میں نہیں، لیکن ان منصوبوں کے لیے درکار تمام وسائل کی فراوانی کے باوجود ان کی ناکامی ونامرادی کی حد وحساب بھی نہیں۔ ان کا ترتیب دیا ہوا ''تسخیر عالم کا منصوبہ'' ان کے فنائے کلّی اور اجتماعی بربادی کے ہولناک انجام میں تبدیل ہو جائے گا...... لیکن...... اس سے پہلے دنیا ایک بڑی آزمائش سے گزرے گی اور اس آزمائش میں سرخرو ہونے کی ایک ہی ضمانت ہے کہ پیغمبر اسلام، ہادیٔ دو جہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت وسنت سے چمٹ جایا جائے تاکہ جب مہدی آخر الزماں (حضرت مہدی رضی اللہ عنہ) کا ظہور ہو تو ذاتی زندگی میں ''طہارت وتقویٰ'' اور اجتماعی زندگی میں ''دعوت وجہاد'' کو اپنی پہچان بنانے والے خوش نصیب لوگ فتنوں بھری اس دنیا کو امن وامان کے گہوارے میں تبدیل کرنے کے لیے قربانیاں دے سکیں اور ان قربانیوں کا نتیجہ دنیا میں بھی دیکھ سکیں۔

دجالی ریاست کے نامہربان ہمنوا

عیش پرستی میں مبتلا مال دار حکمران وشیوخ:

دجال کا پایہ تخت ''اسرائیل'' مسلم ممالک کے قلب میں کیسے وجود میں آ گیا جبکہ اردگرد ہزاروں لاکھوں غیرتمند مسلمان رہتے تھے؟ یہ تاریخ کے طالب علم کے لیے دلچسپ سوال ہے۔ آج ہم اسی سوال پر کچھ دیر کے لیے بحث کریں گے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمان عوام کی حمیت وغیرت مسلّم رہی ہے، البتہ اقتدار ایسی چیز ہے جو حکمرانوں کو مفاد پرست، موقع پرست اور اصول ونظریہ کے بجائے لالچ یا خوف (گاجر یا چھڑی) کا تابع کر دیتی ہے۔ ہم ذیل میں فلسطین ارض مقدس کے اردگرد رہنے والے نام نہاد مسلم حکمرانوں کا تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے اپنی چشم پوشی اور ضمیر فروشی...... زیادہ صحیح لفظوں میں..... اسلام اور اہل اسلام سے غداری کرتے ہوئے یہود کی ہمنوائی کی اور القدس پر شکنجۂ یہود کے مضبوط کرنے کا سبب بن کر دنیا وآخرت میں رسوائی کمائی۔ ہمارے ہاں بھی ایسے پرویزی حکمران موجود ہیں جو اسرائیل کو تسلیم کرنے کا ڈھول گلے میں ڈال کر وقتاً فوقتاً اسے پیٹتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے پوری امت کو محفوظ فرمائے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے اور سب سے اوپر اردن کے شاہی خاندان اور اس کے بعد فلسطین کے مجاہد اعظم جناب یاسر عرفات اور ان کے بعد مصری صدر انور سادات کا نام آتا ہے۔ یعنی ایک (یاسر عرفات) تو خود القدس میں تھا، دوسرا القدس کی مشرقی سرحد (اردن) پر اور تیسرا اس کے مغربی سرحد (مصر) پر حکمران تھا۔ انہوں نے ارض مقدس اور اس کے دائیں بائیں واقع خطے میں دجالی مفادات کی حسب توفیق نگہبانی کی۔ ذیل میں ان تینوں کے کارنامے بیان کیے جاتے ہیں۔ اول الذکر خاندان کے قدرے تفصیل سے اور آخری دو افراد کے اختصار کے ساتھ۔

(1) اردن کا شاہی خاندان

اردن کے موجودہ شاہی خاندان نے تاریخ کے اہم ترین موڑ پر مسلمانوں سے غداری کی۔ اس کا آغاز خلافت عثمانیہ کے سقوط سے ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں پہلے اس خاندان کے پہلے غدار، شریفِ مکہ (گورنرِ مکہ) اور اس کے بیٹوں کو دیکھنا ہوگا۔ بعد میں ہم اس خاندان کے ہر فرد کو انفرادی حیثیت میں دیکھیں گے۔

شریفِ مکہ

دسویں صدی کے بعد سے شریفِ مکہ کی حیثیت مکہ مکرمہ کے والی کے علاوہ ایک روحانی پیشوا کی سی ہوتی تھی اور ایک روایتی معاہدے کے تحت اس کا تعلق ہمیشہ بنی ہاشم سے ہوتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم سے پہلے جو شخصیت حجاز کے گورنر کے طور پر نامزد تھی یعنی اس کا تعلق بنی ہاشم کے قبیلے سے تھا۔ اس کو خلافت عثمانیہ نے حجاز مقدس کی نگرانی سونپی۔ کافی عرصے سے یہ ایک روایت تھی کہ امیر مکہ کی تقرری متعدد امیدواروں میں سے چناؤ کے بعد کی جاتی تھی۔ 1908ء میں یہ ذمہ داری حسین بن علی کو سونپی گئی، لیکن اس نے اپنے آپ کو اپنے سرپرست عثمانی سلاطین کے کافی حد تک خلاف پایا جب اس نے اس بات کی کوششیں شروع کیں کہ اس کے خاندان کو نسل در نسل امارت دی جائے۔ گورنری کے عہدے کو اپنے خاندان میں مستقل کروانے کی خواہش کے عوض یہ شخص اپنا ایمان اور مسلمانوں کی ارضِ مقدس بیچنے پر بھی تیار ہوگیا اور خلیفۃ المسلمین سے غداری کرتے ہوئے انگریزوں کا ایجنٹ بننا قبول کیا۔ اس نے نہ صرف حجاز کو خلافتِ عثمانیہ سے چھیننے میں معاون خادم کا کردار ادا کیا بلکہ القدس کو یہود کے قبضے میں جانے اور ہندوستان کی انگریز سے آزادی میں بھی رکاوٹ بنا۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی "تحریک تحفظ خلافت" اور "تحریک ریشمی رومال" کی ناکامی اور مالٹا میں ان کی اسیری میں اسی شخص نے مرکزی کردار ادا کیا۔ اس طرح اس شخص کے جرائم حجاز سے القدس تک یعنی حرمین سے حرم قدسی تک اور ہندوستان سے افغانستان تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اپنے اقتدار کی خاطر اس نے عرب و عجم کے مسلمانوں کے سر سے سایۂ خلافت چھیننے، ان کی تحریک آزادی کو کچلنے اور ارضِ اسلام کے قبضۂ یہود میں جانے دینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ یہاں اس شخص کی

داستانِ جور و جفا بیان کرنے سے غرض یہ ہے کہ آج بھی ملتِ اسلامیہ کا سب سے بڑا مسئلہ اسی قسم کے پرویزی حکمران ہیں جو کھاتے ہمارا لیکن گاتے کسی اور کا ہیں۔ حکمرانوں کی یہ جراثیم زدہ نسل القدس کے گرد بھی ہے اور القدس کے نگہبان افغانستان و پاکستان کے گرد بھی۔ ان کی پہچان ان لوگوں کے لیے بہت ضروری ہے جو خراسان (افغانستان، شمال مغربی پاکستان) سے آنے والے کالے جھنڈوں تلے آخری وقت کے عظیم ترین جہاد میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شرکت کے خواہشمند ہیں۔

اس کا پورا نام حسین بن علی تھا۔ یہ 1854ء میں استنبول میں پیدا ہوا۔ یہ حجاز میں خلافتِ عثمانیہ کا مقرر کردہ آخری امیر تھا اور اس نے یہ خطاب (Title) 1908ء سے 1917ء تک اپنے پاس رکھا۔ شروع میں یہ خلافتِ عثمانیہ کے ماتحت اور ترکی کا اتحادی تھا اور ترکی کے جرمنی اور آسٹریا کے ساتھ جنگ میں ان کے ساتھ تھا، لیکن انگریزوں کی جانب سے یہ افواہ موصول ہونی شروع ہوئی کہ جنگ کے اختتام پر اسے معزول کر کے اس کی جگہ کوئی اور امیرِ مکہ بن جائے گا تو اس نے جاہ پرستی میں مبتلا ہو کر بغاوت کا آغاز کر دیا اور عرب بغاوت کی باقاعدہ سربراہی کی۔

خلافتِ عثمانیہ سے بغاوت میں اس خاندان کا کردار

شریفِ مکہ نے بغاوت کا اعلان تو کر دیا لیکن بغاوت کی اصل جنگ اس نے اپنے بیٹوں کے ذریعے لڑی۔ بغاوت کے صلے میں شریفِ مکہ سے مصر کے انگریز کمشنر نے شام کے ساحلی علاقے اور عدن کے علاوہ بحرِ احمر کا سارا ساحلی علاقہ تحفے کے طور پر دینے کا وعدہ کیا۔ یہ وعدہ "حسین میک موہن معاہدہ" (HUSSEIN. MCMAHON CORRESPONDENCE) کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جون 1916ء کا مہینہ شروع ہوتے ہی عرب بغاوت کا آغاز ہوا جو خلافتِ عثمانیہ کے اختتام تک جاری رہا۔ اس بغاوت کا مقصد صرف شریفِ مکہ کا یہ دماغی عارضہ اور ہوس تھی کہ الیپو (ALEPPO) جو کہ شام کا شمالی ضلع تھا، سے لے کر یمن تک کی عرب سرزمین اس کی بادشاہت میں آجائے۔ اس کا یہ خواب تو کبھی پورا نہ ہوا، البتہ وہ مسلمانوں کے لیے ایسے مسائل پیدا کر گیا جن کا زخم صدیوں تک بہتا رہے گا اور اس کی قبر کو جہنم کا گڑھا بنائے رکھے گا۔

شریفِ مکہ کا بیٹا باپ سے کم نہ تھا۔ اس کے بیٹے فیصل اول نے بدنام زمانہ انگریز جاسوس T.E LAWRENCE جس کو "لارنس آف عربیہ" بھی کہا جاتا ہے، کی مدد سے بغاوت کے لیے درکار جنگی و عسکری تیاریاں جاری رکھیں۔ فیصل، شریف مکہ کا تیسرا بیٹا تھا جو طائف میں 1883ء میں پیدا ہوا تھا۔ 1913ء میں اس کو خلافت عثمانیہ کی طرف سے جدہ شہر کا "والی" بنایا گیا تھا۔ فیصل نے انگریزوں کے ساتھ باقاعدہ مل کر خلافت عثمانیہ سے جنگیں لڑیں اور بغاوت کو منظم کیا، علامہ اقبال نے بھی اپنی شاعری میں اس کی غداری کا تذکرہ کیا ہے۔

اگرچہ یہ شخص اپنا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے جوڑتا تھا، لیکن اس کے اندر اصل جذبہ عرب قومیت اور ذاتی مفاد کا تھا نہ کہ اسلام اور اس کی سربلندی کا۔ اور بات یہ ہے کہ اسلام میں عمل صالح کے بغیر نسب کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔

مکہ کی جنگ

بغاوت کا باقاعدہ آغاز مکہ سے ہوا۔ جون 1916ء کے آغاز میں عثمانی فوج اپنے سپہ سالار غالب پاشا (جو کہ حجاز کا گورنر تھا) کے ساتھ طائف چلی گئی، جبکہ مکہ شہر میں صرف اور صرف 1400 کے قریب عثمانی مجاہد رہ گئے تھے۔ 10 جون کی ایک گرم رات جب زیادہ تر فوجی اپنی بیرکوں میں سو رہے تھے، شریفِ مکہ نے اپنے ہاشمیہ محل کی کھڑکی سے فائر کیا۔ یہ بغاوت کے آغاز کا اشارہ (Signal) تھا۔ اس کے ساتھ 5000 اور غدار بھی تھے۔ انہوں نے حرم کی حدود کے قریب موجود JIRWALL BARRACICS قلعے پر حملہ کر دیا۔

تین قلعوں اور جدہ کی سڑکوں پر موجود قلعے

اس اچانک حملے کی وجہ سے اس وقت کے ترک کمانڈنگ آفیسر کو بغاوت کا پتا ہی نہ چل سکا۔ شریف مکہ اور عثمانی فوج کے جھنڈے ایک ہی رنگ کے تھے اور ترک کمانڈر کو اس کا فرق نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ جب اس نے شریف مکہ کو فون کیا تو اسے بتایا گیا کہ ہتھیار ڈال دو لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔

شریف کی افواج نے بعد میں پیش قدمی کر کے صفا کی پہاڑی کے قریب اور مسجد الحرام کے برابر جبلِ ابو قبیس پر قائم "ترکی قلعے" پر قبضہ کر لیا۔ آج کل اس قلعہ کی جگہ انتہائی بلند و بالا عمارت تعمیر کی

جاری ہے جبکہ بیت اللہ کے گرد فلک بوس عمارتوں کی تعمیر قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔
بغاوت کے تیسرے دن "حمیدہ" (HAMIDA) جو کہ عثمانی حکومت کا دفتر تھا، پر بھی قبضہ کر کے نائب گورنر (DEPUTY GOVERNOR) کو گرفتار کر لیا گیا۔ اب دوبارہ باقی افواج کو ہتھیار ڈالنے کو کہا گیا تو لیکن انہوں نے اس وقت بھی انکار کر دیا۔

اس پر انگریز کمانڈر "SIR REGINAL WINGATE" نے دو گولہ بردار بریگیڈ جدہ شہر کے راستے بھیجی جس میں وہ مصری آفیسر بھی شامل تھے جن کو اس مقصد کے لیے خاص طور پر تربیت دی گئی تھی۔ ان غداروں نے ترک قلعوں کی دیواریں توڑ دیں اور ان کے محافظوں کو شہید کر دیا۔ آخرکار 4 جولائی 1916ء کو مکہ کو عثمانی فوج سے خالی کروالیا گیا جبکہ جدہ کی سڑک پر واقع JIRWALL BARRACKS آگ لگنے کی وجہ سے زمین بوس ہو گیا اور وہاں ترک فوج کی سخت مزاحمت کو ختم کر دیا گیا۔ اس سلسلے کا ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ہندوستانی فوجیوں نے بھی انگریز کی اطاعت کرتے ہوئے شریف مکہ کے ساتھ مل کر خلافت عثمانیہ سے بغاوت میں حصہ لیا۔ مثلاً خوشاب کے ایک گاؤں میں تنجر خان رہتا تھا، جس کے بارے میں لوگوں سے معلوم ہوا کہ اس نے بھی اس وقت خانہ کعبہ پر گولی چلائی تھی۔ وہ اس وقت انگریزوں کی Mercinnary (کرائے کی فوج) میں شامل تھا۔ اس کے ساتھ سکھ اور ہندو آفیسر بھی تھے، لیکن انہوں نے گولی چلانے کی بجائے میدان چھوڑنے کو ترجیح دی جبکہ اس "غیرت مند" کے ساتھ اور بھی مسلمان فوجیوں نے شریفِ مکہ کی مدد کی اور حرم پر گولہ باری میں باضابطہ حصہ لیا۔ جس کی تنخواہ اس کو سولہ روپے ماہوار ملتی تھی۔

محاصرۂ مدینہ

عرب بغاوت کا سب سے زیادہ المناک اور دلسوز واقعہ مدینہ منورہ کی جنگ تھی۔ مدینہ منورہ کے ایک طرف تو پہاڑ ہے جبکہ اس پر بقیہ تین طرف سے شریف حسین کے تین بیٹوں کی سرکردگی میں حملہ کیا گیا۔

- مشرق کی جانب سے عبداللہ بن حسین کی فوج تھی۔
- جنوب کی جانب سے علی بن حسین کی فوج تھی۔

– جبکہ شمال کی جانب سے فیصل بن حسین کی افواج تھیں۔

ان کے ساتھ انگریز اور فرانسیسی آفیسروں کے دستے بھی تھے جو تکنیکی مشاورت کے لیے موجود تھے۔ ان میں لارنس آف عربیہ نامی بدنام زمانہ جاسوس بھی شامل تھا۔

محاصرۂ مدینہ 1916ء میں شروع ہوا جبکہ 1919ء کے اوائل تک جاری رہا۔ اس کی ایک وجہ تو عثمانی مجاہدین کی زبردست مزاحمت تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ انگریز نے شریفِ مکہ کو مدینہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا تھا، کیونکہ مسلمانوں خصوصاً ہندوستان میں انگریز کے خلاف تحریک خلافت شروع ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ اس طرح سے شریف مکہ کے بارے میں منفی تصویر کشی سے بھی اجتناب کیا گیا۔ اس کے بجائے فرنگی دجال نے حجاز ریلوے لائن (Trans- Hejaz Railway Line) کے ذریعے کارروائیاں کیں اور اس کو بار بار اڑایا گیا۔ جب ترک افواج اس کی مرمت کے لیے آتیں تو ان پر حملہ کیا جاتا۔ اس لائن کے دفاع اور تعمیر میں بہت بڑی تعداد میں ترک فوجی شہید یا گرفتار ہوئے۔

مدینہ شہر کا دفاع مشہور عثمانی سپہ سالار فخری پاشا (Fakhri Pasha) کے زیرِ نگرانی تھا۔ یہ ایسا غیرت مند شخص تھا کہ اس نے جنگ عظیم اول کے اختتام پر بھی ہتھیار نہیں ڈالے۔ آخر میں جب عثمانی خلیفہ نے بہت اصرار کیا تو بڑی مشکلوں سے اس نے ہتھیار ڈالے۔

اس کی داستان انتہائی ایمان افروز ہے۔ جب 30 اکتوبر 1918ء میں ترکی اور انگریز افواج کے درمیان "مدروس کا معاہدہ" طے پا گیا تو اسے ہتھیار ڈالنے کا کہا گیا، لیکن اس نے اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ شخص انتہائی دلیر اور صاحب ایمان تھا۔ مدینہ منورہ کے باسی اس کی بہادری اور حسنِ انتظام کی بنا پر اسے بہت پسند کرتے تھے۔

ایک ترک مصنف لکھتا ہے:

"ایک مرتبہ 1918ء کے موسم بہار میں جمعہ کے دن فخری پاشا مسجد نبوی میں نماز کی امامت سے پہلے خطبہ دینے کے لیے منبر کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگا تو آدھے ہی راستے میں رک گیا اور اپنا چہرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کی طرف کرتے ہوئے بلند آواز میں کہنے لگا:

''اے اللہ کے رسول! میں آپ کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔''

اس کے بعد اس نے نمازیوں اور مجاہدین سے ولولہ انگیز خطاب کیا:

''مسلمانو! میں تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر جہاد کی اپیل کرتا ہوں جو اس وقت میرے گواہ بھی ہیں۔ میں تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ دشمن کی طاقت کی پروانہ کرتے ہوئے ان کا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے شہر کا آخری گولی تک دفاع کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہمارے ساتھ ہو۔

ترک افواج کے بہادر افسرو! اے چھوٹے محمد یو! آگے بڑھو اور میرے ساتھ مل کر اللہ اور اس کے رسول کے سامنے وعدہ کرو کہ ہم اپنے ایمان کی حفاظت اپنی زندگیاں لٹا کر کریں گے۔''

اس کے بعد فخری پاشا نے کہا کہ اسے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ ابھی ہتھیار نہ ڈالے۔

اگست کے مہینے 1918ء میں جب اسے شریفِ مکہ کی طرف سے ٹیلی فون پر ہتھیار ڈالنے کو کہا گیا تو اس نے جو جواب دیا وہ عثمانی افواج کے کمانڈروں کی جراءت ایمانی اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کا آئینہ دار ہے۔ اس نے لکھا:

''فخری پاشا کی طرف سے جو عثمانی افواج کا سپہ سالار اور سب سے مقدس شہر مدینہ کا محافظ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ غلام ہے۔ اس اللہ کے نام سے جو ہر جگہ موجود ہے۔ کیا میں اس کے سامنے ہتھیار ڈالوں جس نے اسلام کی طاقت کو توڑا، مسلمانوں کے درمیان خونریزی کی اور امیر المومنین کی خلافت پر خطرے کا سوالیہ نشان ڈالا اور خود کو انگریز کے ماتحت کیا۔

جمعرات کی رات 14 ذی الحجہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تھکا ہوا پیدل چل رہا تھا، اس خیال میں کہ کس طرح مدینہ کا دفاع کیا جائے؟ اچانک میں نے ایک جگہ پر اپنے آپ کو نامعلوم افراد کے درمیان پایا جو کہ کام کر رہے تھے۔ پھر ان میں سے میں ایک بزرگ شخصیت کو دیکھا...... وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ میری پیٹھ پر رکھا اور مجھ سے تحفظ کا احساس دلانے والے انداز میں کہا: ''میرے ساتھ چلو۔'' میں

ان کے ساتھ تین چار قدموں تک چلا اور پھر بیدا ہوگیا۔ میں فوراً مسجد نبوی گیا اور (ان کے روضے کے قریب) اپنے رب کے حضور سجدے میں گر پڑا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

اب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں ہوں جو میرے سپہ سالار اعلیٰ ہیں۔ میں مدینے کی عمارتوں، سڑکوں اور اس کی حدود کے دفاع میں دل وجان سے مصروف ہوں۔ اب مجھے ان بے کار پیش کشوں سے تنگ نہ کرو۔"

فخری پاشا نے خلافت عثمانیہ کے وزیر جنگ کے باضابطہ حکم کو جس میں ہتھیار ڈالنے کہا گیا تھا بھی نظر انداز کر دیا۔ اس پر عثمانی حکومت بڑی پریشان ہوئی اور سلطان محمد (ششم) نے اس کو اس کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ فخری پاشا نے اس پر بھی ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا اور جنگ ختم ہونے کے 70 دن بعد تک بھی سلطان کا جھنڈا اٹھائے رکھا۔ اس پر ہر طرف سے دباؤ پڑ رہا تھا لیکن وہ اپنے عزم اور عہد پر قائم تھا۔

بالآخر عثمانی خلیفہ کی منت سماجت کے بعد اس نے 9 جنوری 1999ء کو BIR DARWISH کے مقام پر 456 آفیسروں اور 9,364 جوانوں کے ساتھ نہ چاہتے ہوئے ہتھیار سپرد کر دیے۔ اس کے بعد ہی 2 فروری 1919ء کو شریف حسین کے ایمان فروش لڑکے عبداللہ اور علی شہر میں داخل ہو سکے۔

فخری پاشا کو گرفتار کر لیا گیا اور اس نے مالٹا میں 1921ء تک اسیری کے ایام گزارے۔ عثمانی خلفاء کے نزدیک اس کی صلاحیتوں پر اعتماد اور اس کے جذبۂ جہاد کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ 1921ء میں جب اسے رہائی ملی تو اس نے ترک افواج کے ساتھ مل کر یونان کے خلاف جہاد کیا اور اناطولیا میں فرانسیسی اور یونانی افواج کے خلاف داد شجاعت دی۔ جنگ آزادی کے بعد اس نے کابل میں بحیثیت ترک سفیر فرائض انجام دیے اور بعد میں 1936ء میں اسے اعزاز دے کر ریٹائر کر دیا گیا۔ اس مرد مجاہد کا انتقال 1948ء میں ہوا۔

باغی سے بغاوت

باغی ہی سب سے پہلے بغاوت کا شکار ہوتا ہے۔ آئیے! اب ہم ان غداروں کا انجام دیکھتے ہیں، جنہوں نے حرمین شریفین کو خلافت عثمانیہ کے سائے سے الگ کرنے کی سازش کی۔ عرب

بغاوت کے بعد جو سب سے خطرناک اور توہین آمیز چیز سامنے آئی وہ تھی "اعلان بالفور"۔ عہد شکن اور یہود نواز انگریزوں کی طرف سے 1916ء میں شریف حسین کے غدار خاندان سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اسے ساری سرزمین عرب دی جائے گی، سوائے چند علاقوں کے، تو دوسری طرف یہودیوں کو فلسطین میں "قومی گھر" دینے کا وعدہ 2 نومبر 1917ء میں کیا گیا، حالانکہ 1916ء کے شروع میں غدار مکہ سے معاہدہ کیا جاچکا تھا۔

ستم ظریفی اور غدر در غدر ملاحظہ فرمایئے کہ اس کے کچھ ہی عرصے بعد "SYKES PICOT" نامی معاہدہ منظر عام پر آیا۔ یہ معاہدہ فرانس اور برطانیہ کے درمیان پہلی جنگ عظیم مئی 1916ء کے دوران طے پایا تھا۔ اس میں روسی حکومت کا اقرار بھی شامل تھا۔ معاہدے کے تحت اگر یہ جنگ اتحادیوں نے جیتی تو شام اور لبنان فرانس جبکہ باقی عرب علاقے برطانیہ اور اناطولیہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیے جائیں گے۔ یہ معاہدہ انگریز نمائندے MARK SYKES اور فرانس کے درمیان کیا گیا تھا۔

روس میں بالشویک انقلاب کے بعد فرانس اور برطانیہ نے روس کا حصہ ختم کردیا اور اناطولیہ کو اپنے لیے مخصوص کرلیا۔ بعد میں روسی حکومت نے اسے 26 نومبر 1917ء کو اعلان بالفور کے صرف تین ہفتے بعد منظر عام پر لایا۔ اس کی وجہ سے اتحادیوں کو بہت زیادہ شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ 1916ء مئی اور جون میں ہی شریف حسین سے وعدہ کیا گیا، جبکہ اسی مہینے فرانس سے معاہدہ ہوا اور پھر 2 نومبر 1917ء کو ارض فلسطین یہود کو بھی دینے کے وعدے کیے گئے۔ ایک معاہدے کی سیاہی خشک ہونے سے پہلے اس سے متضاد دوسرا معاہدہ۔ یہ ہے انگریز کا دوغلا پن۔ اس کے نتیجے میں عرب اور صہیونیوں میں بہت زیادہ تشویش پیدا ہوئی۔ شریف حسین کے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

فیصل وائزمین معاہدہ

فیصل بن حسین نے بڑھ چڑھ کر شام اور فلسطین میں یہود نواز انگریز سے وفاداری دکھائی اور ارض مقدس کے دشمنوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ بعد میں دمشق اور شام کی فتح کے بعد اس نے اپنے آپ کو عرب ممالک کا نمائندہ بنالیا۔ اور 1919ء میں پیرس "امن کانفرنس" میں عرب وفد کی

نمائندگی کی جس میں اس نے انگریزوں کو "آزاد عرب امارات" کا وعدہ یاد دلایا۔ لیکن نتیجہ الٹا نکلا۔ "SYKES PICOT" کے بعد صیہونیوں کو عربوں سے یہودی نقل مکانی کا اقرار نامہ چاہیے تھا تاکہ اعلان بالفور پر عمل درآمد ہو سکے۔ اس سلسلے میں عربوں کے بارے میں صیہونی رہنما ڈاکٹر وائز مین کہتا تھا: "عرب مکار، لالچی، بدتمیز اور جاہل ہیں۔" اور انگریز کے سامنے اپنے خطوط میں واویلا کیا: "انگریز نے عرب اور یہود میں بنیادی فرق کو مد نظر نہیں رکھا۔"

جبکہ انگریز نے فیصل کو یہ پٹی پڑھائی کہ یہود کو اپنا اتحادی بناؤ، بجائے اس کے کہ "طاقتور، عالمی اور نہ دبنے والے یہودی" کو اپنا مخالف بناؤ۔ یہود نواز انگریز کے جھانسے میں آ جانے کے بعد فیصل بن حسین نے صیہونی رہنماؤں سے معاہدہ کرلیا۔ اسے "فیصل وائز مین معاہدہ" کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے کے تحت فیصل نے تاریخی غلطی کرتے ہوئے بڑے پیمانے پر یہودی نقل مکانی کی اجازت دے دی، جبکہ اس نے بدلے میں یہودیوں سے "وسیع عرب قوم کی ترقی" کے سلسلے میں یہودی معاونت مانگی۔ کیسی عجیب بات تھی؟ ایک طرف وہ سرزمین القدس میں یہودی آبادکاری کی راہ ہموار کر رہا تھا اور دوسری طرف عرب قوم کی ترقی کی خواہش رکھتا تھا۔

دانشمندانہ معاہدے کی احمقانہ شقیں

اس معاہدے کی چند شقیں یہ تھیں:

1۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تعلقات بہتر بنائے جائیں گے اور بڑے پیمانے پر یہودی نقل مکانی میں مدد کی جائے گی، جبکہ مسلم عبادت کے علاقے مسلمانوں کے زیر نگرانی ہوں گے۔ عرب کسانوں اور دیگر باشندوں کے حقوق کا بھی خیال رکھا جائے گا۔

2۔ صیہونی تحریک عرب ریاستوں کے معدنی وسائل اور ان کی معیشت کے قیام کے لیے مدد کرے گی۔ (سبحان اللہ! ابلیسی سیاست تو دیکھیے کہ عرب مسلمانوں کی سرزمین قبضہ کرکے الٹا احسان چڑھایا جا رہا ہے!!)

3۔ حجاز کا بادشاہ (KINGDOM OF HEJAZ) اعلان بالفور کی توثیق کرے گا تاکہ فلسطین میں یہودی "قومی گھر" بنایا جا سکے۔

4۔ تمام جھگڑے ثالثی کے لیے انگریز حکومت کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔

فیصل نے معاہدے کے آخر میں اپنے ہاتھوں سے لکھا:

''اگر عربوں کو آزادی مل جاتی ہے، میں اوپر دی گئی تمام شرائط کو تسلیم کرتا ہوں، لیکن اگر ان میں ذرہ برابر بھی تبدیلی کی گئی تو میں ان میں سے ایک حرف کا بھی پابند نہیں ہوں گا اور میری اس سلسلے میں کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔''

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ عربوں کے لیے کون سی آزادی چاہتا تھا؟ کس سے آزادی چاہتا تھا؟ جب یہود کو ایک مرتبہ نقل مکانی اور فلسطین میں بسنے کی اجازت دے دی گئی تو اس کے بعد عربوں کی آزادی کا کیا امکان رہ جاتا ہے؟ نیز یہ کہ ایک مرتبہ یہودیوں کے پاؤں جم جانے کے بعد اس کی طرف سے پابندی تسلیم نہ کرنے سے یہودیوں کا کیا بگڑ سکتا تھا؟

اب اگر غور کیا جائے تو اس معاہدے سے انگریز نے بھی اپنا مقصد پورا کیا، یہودیوں نے بھی اس کی غداری کے بل بوتے اپنا مقصد پورا کیا، لیکن اس بدنصیب نے دجال اور اس کی ریاست کے لیے سب کچھ پیش کر دیا اور اسے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ آج انگریز بھی ہے، یہودی بھی ہیں، لیکن فیصل کا نام لینے والا کوئی نہیں۔

انگریز نے اپنا مقصد عرب ممالک کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پورا کیا، یہود نے اپنا مقصد فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کر کے حاصل کیا، جبکہ اس عقل مند کے اس معاہدے کی وجہ سے یہود کی نقل مکانی کو جواز ملا اور اعلان بالفور کی تنفیذ کا راستہ صاف ہوا۔ بدلے میں اسے دنیا و آخرت کی رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔

غداروں کا انجام

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں سے اتنی بڑی غداری کرنے والے شخص اور خاندان کا انجام کیا ہوا؟

فیصل بن حسین

سب سے پہلے فیصل بن حسین کا حشر دیکھتے ہیں۔ فیصل نے مدینہ کے محاصرے میں اہم

کردار ادا کیا تھا جبکہ لارنس آف عربیہ (T.F LAWRENCE) کے ساتھ مل کر سقوط شام اور سقوط دمشق میں بھی اس نے کلیدی کردار ادا کیا۔ جب شام کو عرب حکومت کا حصہ بنایا گیا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی اور یہ خوش وخرم ہو کر مملکت حجاز کا نمائندہ بن کر پیرس کی امن کانفرنس میں شرکت کے لیے گیا۔ وہاں اس نے بڑے فخر واطمینان کے ساتھ صیہونی رہنماؤں کے ساتھ معاہدہ کرلیا۔ اب دیکھتے ہیں اس کے ساتھ تماشا کیا ہوا؟

7 مارچ 1920ء کو شام کی قومی کانگریس نے اسے اپنا بادشاہ بنانے کا اعلان کیا، جبکہ اگلے ہی مہینے "SAN ROMEO" کی کانفرنس میں "SYKES PICOT" معاہدے کے تحت عرب سرزمین کا بٹوارہ کردیا گیا۔ شام اور لبنان فرانس کے پاس چلے گئے جبکہ عراق، اردن، کویت اور فلسطین برطانیہ کے حصے میں آگئے۔

جب شام فرانس کے پاس گیا تو وہ فیصل کو کیوں تاج پہناتا؟ وہی فرانسیسی افواج جن کی سربراہی کرتے ہوئے فیصل نے خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت کی تھی، آج اس کے خلاف کھڑی تھیں اور 24 جولائی 1920ء کو میسولین کی جنگ میں فرانسیسی افواج کے خلاف اس کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مشکل کے اس وقت میں اس کے اپنے سگے بھائی عبداللہ بن حسین نے بھی اس کو چھوڑ دیا، کیونکہ اس کو بھی ونسٹن چرچل نے جتلا دیا تھا کہ فرانس کے خلاف جنگ مہنگی پڑے گی اور برطانیہ اس چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔ چائے کی دعوت میں عبداللہ کو ایسی پٹی پڑھائی گئی کہ وہ اپنے بھائی کو بھی چھوڑ چھاڑ کر الگ ہوگیا۔ مایوسی کے اس دور میں فیصل کو فرانسیسی حکومت نے شام سے ملک بدر کردیا اور اگست 1920ء میں وہ برطانیہ چلا گیا۔ افسوس ناک یہ ہے کہ اس وقت بھی اسے نہ غیرت آئی اور نہ دشمن کو پہچاننے کی توفیق نصیب ہوسکی۔ اتنا زبردست دھوکہ کھانے کے بعد بھی وہ دغاباز دوست کے در پہ جا بیٹھا۔ انگریز کو بھی اپنے وفادار احمق کو دیکھ کر ترس آگیا اور 1921ء کے اواخر میں اسے ایک رائے شماری کے ذریعے عراق کا بادشاہ بنادیا گیا۔ ادھر فلسطین کو اردن سے الگ کردیا گیا اور یہاں عبداللہ بن حسین کو بادشاہ بنادیا گیا۔ اس طرح انگریز کی طرف سے عرب سرزمین کے بٹوارے کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے پاگیا۔ مسلم

طاقت تقسیم ہوگئی اور دجال کی نمائندہ یہودی ریاست مستحکم ہوتی چلی گئی۔

یہ تو چھوٹے میاں کا انجام تھا، اب ذرا بڑے میاں شریف حسین کا معاملہ دیکھتے ہیں۔ 1917ء ہی میں اس نے اپنے آپ کو ''شاہ حجاز'' کہلانا شروع کر دیا تھا۔ بعد میں اپنے آپ کو ''ملک بلاد العرب'' (سرزمین عرب کا بادشاہ) کا خطاب بھی دیا جس کی وجہ سے آل سعود کے ساتھ اس کے اختلافات بڑھنا شروع ہو گئے۔

اس کا سب سے پہلا خواب اس وقت پاش پاش ہوگیا جب ''عظیم عرب امارت'' کے تصور کو SAN ROMEO کانفرنس میں ملیامیٹ کر دیا گیا۔ عرب مسلمان جو پہلے خلافت کے سائے تلے معزز اور منظم تھے، اب انگریز کی بندوق کی نال پر مینڈیٹ (MANDATE) کے سسٹم کے تحت فرانس اور برطانیہ کے نیچے دب کر رہ گئے۔

اس کے باوجود بھی اس کی ہوس و لالچ میں کمی نہیں آئی اور خلافت عثمانیہ اور خلافت کے ادارے (Institution) کے ختم ہونے کے صرف دو دن کے بعد (ترکی کی قومی اسمبلی نے 1 مارچ 1924ء کو اس کے خاتمے کی قرارداد کی توثیق کی تھی) 3 مارچ 1924ء کو شریف مکہ نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا، لیکن انگریزوں نے اس کی نام نہاد خلافت کو بھی برداشت نہ کیا اور اس کے مقابلے میں آل سعود کو لے آئے۔ کچھ ہی عرصے بعد یہ بیت اللہ شریف کی خدمت سے محروم کر دیا گیا اور آل سعود کے پاس بیت اللہ اور مدینہ منورہ نیز حجاز کا زیادہ تر علاقہ آ گیا۔ اگرچہ انگریز نے اس بدنصیب کو ''حسین میک موہن معاہدہ'' (HUSSEIN-MCMAHON COREES PONDENCE) میں مدد کی یقین دہانی کروائی تھی لیکن مطلب نکلنے کے بعد اسے اکیلا چھوڑ دیا۔ اس نے جس طرح خلافت عثمانیہ کو دھوکا دیا تھا اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر انگریز نے اس سے فریب کیا۔ بالآخر اس ''شاہ حجاز'' و ''ملک بلاد العرب'' نے خلیفہ کے علاوہ تمام خطابات اپنے بیٹے علی بن حسین کو دے دیے اور خود قبرص کے راستے فرار ہونے پر مجبور ہوا۔ اس نے زندگی کے آخری ایام کسمپرسی کے عالم میں اپنے بیٹے عبداللہ کے پاس اس کے ٹکڑوں پر گزارے جسے اسرائیل کا پڑوس محفوظ کرنے کے لیے اردن کا بادشاہ بنایا گیا تھا۔ اس کا دماغی فتور

دیکھیے کہ اس نے خلیفہ کا خطاب اپنے پاس اپنی موت 4 جون 1931 ءتک رکھا جبکہ یہ خود بیٹے کے پاس پناہ گزین ہو چکا تھا۔

حجاز پر آل سعود کے تسلط کے بعد علی بن حسین نے دوبارہ حجاز مقدس کو لینے کی کوشش کی، لیکن اس کو بھی نامراد ہو کر بھاگنا پڑا۔ بالآخر خلافت عثمانیہ سے حجاز چھڑوانے والے اس خاندان کو حجاز کی زمین نصیب نہ ہوئی۔ انہیں اردن بھاگنا پڑا اور حجاز میں آل سعود کو لا بٹھایا گیا۔

عبداللہ بن حسین

عبداللہ بن حسین 1882ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس کو عرب بغاوت اور انگریز سرکار کی تابعداری پر اردن کی مملکت سے نوازا گیا اور 25 مئی 1923ء کو اس نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ کس سے آزادی؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔ کیا اس خلافت عثمانیہ سے جو پورے عالم عرب، پورے عالم اسلام کی محافظ و سرپرست تھی۔

عبداللہ بن حسین وہ بدنام حکمران تھا جس کا مغرب کے ساتھ رویہ شروع سے دوستانہ تھا اور وہ ایک ماڈرن شخص سمجھا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ خود عبداللہ کا وژن بھی ایک عظیم مملکت کا تھا جس کی حدود اردن، شام، لبنان اور فلسطین ہو۔ یہ سارا علاقہ مملکت ہاشمیہ کا حصہ ہو اور اس کا دارالخلافہ دمشق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے عرب رہنما بھی اس پر اعتبار نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ دشمن کے نرغے میں رہتے ہوئے بھی اس سے دوستی رکھے ہوئے تھا۔ اس کے بدلے میں یہ بھی دیگر عربوں پر اعتبار نہیں کرتا تھا۔

1946-1947ء کے دوران جب فلسطین یہودیوں کو دیا جا رہا تھا، عبداللہ کی کوئی نیت نہیں تھی کہ فلسطین کی تقسیم کو روکا جائے یا اس کے خلاف رکاوٹیں کھڑی کی جائیں۔ ایک مؤرخ EUGENE L ROGAN نے لکھا ہے کہ عبداللہ دراصل تقسیم فلسطین کی حمایت کرتا تھا تاکہ انگریز کے زیر نگرانی بچا کھچا حصہ اردن کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ اس کے مطابق عبداللہ اس حد تک آگے بڑھ گیا تھا کہ اس نے یہودی وفود سے بھی ملاقاتیں کیں (اسرائیل کی مستقبل کی وزیر اعظم گولڈا میئر ان وفود میں شامل تھی) تاکہ الگ سے ایک سمجھوتہ طے کیا جا سکے۔

کچھ مورخ یہ کہتے ہیں کہ علاقے اس وقت تک کے لیے امن وامان کے قیام کو ممکن بنانے کے لیے کی گئی تھیں جب تک اقوام متحدہ خود اس علاقے کے سیکورٹی کے فرائض نہ سنبھال لے۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس شخص نے فلسطینی مسلمانوں سے غداری اور یہودی چاپلوسی میں کس حد تک گرنا پسند کرلیا تھا۔

عبداللہ کے کرتوت دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ اگر "عرب لیگ" رکاوٹ بن کر اسے پریشان نہ کرتی تو وہ اسرائیل کے ساتھ واقعی سمجھوتہ کرلیتا۔ 1948ء کے اوائل تک عرب ممالک نے اس پر زور ڈالا کہ وہ ان کے ساتھ "کل عرب عسکری مدافعت فلسطین" میں حصہ لے اور اسرائیل کے خلاف جنگ لڑے۔ اس نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنی گرتی ہوئی ساکھ (جو مغربی اور یہودی سربراہوں سے بے پناہ دوستی کی وجہ سے عربوں میں خراب ہوتی چلی جارہی تھی) بچانے کے لیے آمادگی ظاہر کردی۔

اس نے سوچا کہ اس جنگ میں اگر وہ اپنے آپ کو عرب افواج کا سپہ سالار کہلوانے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو اس کا وقار بحال ہوسکتا ہے، لیکن اس نے اس چکر میں سب سے خطرناک چال چلی۔ ایک اچھی بھلی "مسلم یہودی جنگ" کو اس نے عرب قومیت کی تحریک کی شکل میں پیش کرکے اسے "عرب اسرائیل جنگ" میں تبدیل کردیا۔ بعد میں اس کی سپہ سالاری کی خواہش عرب لیگ نے مسترد کردی۔

لیکن یہاں بھی اس نے "وفادار ایجنٹ" ہونے کا ثبوت دیا۔ دوران جنگ اس کی افواج نے صرف ان علاقوں تک پیش قدمی کی جو فلسطینی مسلمانوں کے لیے مخصوص کردیا گیا تھا اور جو علاقہ یہودیوں کو دیا گیا تھا، اس پر اس نے ایک گولی بھی نہ چلائی۔ اس جنگ کے آخر میں صرف مصری فوجیں آگے بڑھتی جارہی تھیں جبکہ باقی تمام عرب افواج بشمول اردنی افواج کے پیچھے ہٹتی چلی گئیں۔ خاص طور سے اردن نے آگے بڑھنے کی کوئی خاص کوشش کی ہی نہیں، جبکہ مصری افواج بھی بھاری جانی نقصان کی قیمت پر آگے بڑھ رہی تھیں۔

اس سب کچھ کے باوجود عبداللہ کا انجام بھی کسی غدار کے عبرت ناک انجام سے کم نہ تھا۔

اس سب کچھ کے باوجود عبداللہ کا انجام بھی کسی غدار کے عبرت ناک انجام سے کم نہ تھا۔

جب لبنان کے وزیر اعظم RIAD BEH AL-SOLH کو 16 جولائی 1951ء کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تو عمان میں یہ افواہیں گردش کرنے لگیں کہ لبنان اور اردن اسرائیل سے معاہدہ کر رہے ہیں۔ اس پر جب عبداللہ 20 جولائی 1951ء کو مسجد اقصیٰ میں جمعہ کی نماز کے لیے پہنچا تو ایک فلسطینی مسلمان مصطفیٰ شوقی جس کا تعلق حسینی قبیلے سے تھا، نے اسے گولیوں سے بھون ڈالا۔

عبداللہ اس وقت چٹان والے گنبد (قبۃ الصخرۃ) میں نماز جمعہ پڑھ رہا تھا کہ اس کے سینے اور کھوپڑی میں تین گولیاں داغی گئیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس کا پوتا حسین بن طلال بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے قاتل کا پیچھا کرنے کی کوشش کی تو اس کے سینے پر بھی گولی داغی گئی۔ اس نے یہاں آنے سے پہلے ایک تمغہ (MEDAL) پہنا تھا جس کی وجہ سے گولی اس تمغے سے لگ کر نیچے گر گئی اور یہ بال بال بچ گیا۔

مصطفیٰ شوقی اور اس کے ساتھی موسیٰ عبداللہ نے اسے قتل کرنے کے بعد مصر میں جا کر پناہ لے لی جبکہ کل دس افراد پر یہ مقدمہ چلایا گیا۔ القدس کے گورنر نے اس مقدمے کی سماعت کی۔ ان دس میں سے دو تو فرار ہو گئے جبکہ چار کو سزا ہوئی اور انہیں شہید کر دیا گیا۔

حسین بن طلال

حسین بن طلال، عبداللہ بن حسین کا پوتا تھا۔ اگرچہ عبداللہ بن حسین پر قاتلانہ حملے میں زخمی ہونے کے بعد طلال بن عبداللہ تندرست ہو گیا تھا، لیکن یہ بادشاہ اس لیے نہیں بن سکتا تھا کہ اس کی دماغی حالت اور توازن درست نہیں تھا، لہٰذا 1952ء ہی میں اسے معزول کر دیا گیا تاکہ اس کا بیٹا حسین بن طلال اگلا بادشاہ بن سکے۔ بعد میں یہ "شاہ حسین" کے نام سے مشہور ہوا۔

یہ 14 نومبر 1935ء کو پیدا ہوا تھا۔ اس نے اپنی تعلیم اسکندریہ کے "وکٹوریہ کالج" سے حاصل کی۔ بعد میں یہ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے پہلے ہارورڈ اور بعد میں "رائل ملٹری اکیڈمی سینڈ ہرسٹ" (ROYAL MILITARY ACADMEY, SANDHURST) چلا گیا جہاں تیسری دنیا کے حکمرانوں کو عالمی طاقتوں کا وفادار رہتے ہوئے اپنی عوام پر حکومت

کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

اگرچہ یہ 16 سال کی عمر میں بادشاہ بن گیا تھا، لیکن اس کی تاج پوشی ایک سال بعد 2 مئی 1953ء میں کی گئی۔ یہ 2 مئی 1953ء سے لے کر 7 فروری 1999ء تک (تقریباً 46 سال) اردن کا حکمران رہا تھا۔ اس نصف صدی کے دوران اس نے اردن سے ملنے والی اسرائیلی سرحدوں کی حفاظت کا فریضہ پوری دلجمعی سے انجام دیا۔ 1967ء کی جنگ میں اس نے صرف ایک وجہ سے حصہ لیا تھا، وہ "اعلیٰ مقصد" یہ تھا کہ مقامی فلسطینی آبادی کی مدد حاصل کی جائے اور اس کے ذریعے اپنی بادشاہت کو استحکام بخشا جائے۔ اس جنگ میں عرب حکمرانوں نے اس کو پیش قدمی پر خاصا مجبور کیا، لیکن اس کی فوج کسی صورت بھی آگے بڑھنے پر تیار نہیں تھی اور بڑی آسانی اور شرمناک طریقے سے پیچھے ہٹتی رہی، یہاں تک کہ دریائے اردن کا پورا مغربی کنارہ اسرائیل نے ہڑپ کرلیا اور اردن کی آبادی آدھی ہوگئی۔

سیاہ ستمبر 1970ء (Black September):

یہ وہ واقعہ تھا جس کی وجہ سے اس کا کردار کھل کر سامنے آگیا۔ اس واقعے نے نہ صرف عرب مسلمانوں کے ہدف و مقصد کو ملیامیٹ کردیا، بلکہ خود اسلامی ممالک و افواج میں پھوٹ ڈال دی۔ 1967ء کی چھ روزہ جنگ میں اسرائیل نے جب عرب قومیت کے علمبرداروں کو شرمناک شکست دی تو شاہ حسین نے بھرپور موقع پرستی اور ابن الوقتی دکھائی۔ کل تک جب یہ فلسطینیوں کا تعاون حاصل کرنا چاہتا تھا تو ان کا بھرپور ساتھ دیتا تھا، جبکہ اس جنگ کے بعد اسرائیل کے سامنے جی حضوری شروع کردی۔

اس وقت مصر اور شام کے حکمران ایک حد تک فلسطینیوں کی مدد کرتے رہتے تھے اور فلسطینی فدائین اسرائیل پر اردن کی سرحد سے حملے کرتے رہتے تھے، لیکن شاہ حسین نے اپنے آقا اور آقا زاد امریکا اور اسرائیل کو خوش کرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ فلسطینی مجاہدین کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں بلکہ اردن کی افواج کو حکم دیا کہ اسرائیلی افواج پر کوئی حملہ نہیں کیا جائے گا۔ خاص طور سے اس علاقے کے کمانڈر جنرل مشہود حدیثہ کو یہ حکم دیا گیا تھا، لیکن پھر بھی بعض فوجیوں نے اس

حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے اسرائیلی فوجیوں پر گولے برسا دیے، جس کی وجہ سے 28 یہودی فوجی موقع پر ہی ہلاک جبکہ 80 شدید زخمی ہو گئے، جبکہ 4 ٹینک بھی تباہ کر دیے گئے۔ اگرچہ اصل لڑائی اردن کے ان کچھ فوجیوں نے لڑی تھی لیکن اس واقعے سے پی ایل او کے مورال میں بہت اضافہ ہوا۔ یاسر عرفات نے فتح کا اعلان کیا اور سارا کریڈٹ لے لیا۔ آخرکار شاہ حسین نے پی ایل او کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے لیے ایک 7 نکاتی معاہدہ کیا جس کے تحت اس تنظیم کی سرگرمیاں محدود کر دی گئیں۔

ستمبر 1970ء کے آغاز میں پی ایل او نے تنگ آ کر ہوائی جہاز اغوا کیا پھر بعض فلسطینی کیمپوں آزاد علاقہ قرار دے دیا جبکہ شاہ حسین پر کئی قاتلانہ حملے کیے گئے لیکن وہ سب کے سب ناکام ہو گئے۔ اس پر شاہ حسین نے 16 ستمبر 1970ء کو مارشل لا کا اعلان کر دیا۔ اردن کی افواج نے عمان میں پی ایل او کے دفاتر پر حملے شروع کر دیے نیز اربد، سویلح اور زرقا نامی فلسطینی کیمپوں پر حملہ کر دیا گیا۔ اس جنگ میں اردن کی مدد کے لیے برطانیہ نے بڑی مقدار میں اسلحہ روانہ کیا، جبکہ شام نے پی ایل او کی مدد کرنے کے لیے 250 ٹینک اردن بھیج دیے۔

اس جنگ میں سخت تباہی ہوئی اور دونوں طرف سے بڑی تعداد میں ہلاکتیں ہوئیں۔ پی ایل او کی شامی شاخ کو سرحد پر موجود اردن کے 40ویں بریگیڈ نے تباہ کر دیا، جبکہ پی ایل او اور اس کے حامی شامی ٹینکوں کی طرف سے اردن کے 60 سے زائد ٹینک تباہ کر دیے گئے۔ ہلاکتوں کی تعداد دونوں طرف سے 7000 سے 8000 کے درمیان تھی۔ آخرکار جب قیام امن ہوا تو اس شرط پر کہ پی ایل او کو نکال کر لبنان بھیجا جائے گا، جبکہ عرب ممالک اردن میں مداخلت بند کر دیں گے۔ اگرچہ اسرائیل کو 21 مارچ 1968ء کو ناکامی ہوئی تھی لیکن اس جنگ کے بعد اس نے ایک گولی استعمال کیے بغیر اپنے سارے مقاصد حاصل کر لیے، کیونکہ عربوں کے درمیان پھوٹ ڈال دی گئی تھی۔

1973ء کی عظیم ترین غداری:

1973ء کی رمضان جنگ کے آغاز میں مسلمانوں کو خاطر خواہ کامیابی ملی تھی، لیکن ایک تو شاہ حسین کی یہود نوازی اور غداری کی وجہ سے جنگ کی کایا ہی پلٹ گئی، دوسرے خود لڑنے والے عرب

ممالک کے سربراہوں کا اپنا اپنا ایجنڈا تھا جو بعد میں سب کی ناکامی کا سبب بنا۔

جنگ کی تیاری انتہائی پوشیدہ رکھی گئی تھی۔ سربراہوں نے یہ فیصلہ جنگ سے محض دو ہفتے قبل کیا تھا، جبکہ جرنیلوں کو ایک دن پہلے اور فوجیوں کو محض چار گھنٹے پہلے حملے کی اطلاع دی گئی تھی۔ جنگ سے دو ہفتے قبل شاہ حسین کی ملاقات اسکندریہ میں حافظ الاسد اور انور سادات سے ہوئی۔ اس میں اس کے سامنے جنگ کے لیے کی گئی تیاریاں بیان کی گئیں تھیں اور خود اسے بھی چوکس رہنے کو کہا گیا تھا۔

25 ستمبر کو یہ غدار خفیہ طریقے سے اسرائیل روانہ ہوا اور تل ابیب جا کر اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا میئر کو آنے والی جنگ کے بارے میں خبردار کر دیا۔ خاص طور سے شام کی طرف سے جس پر خود گولڈا میئر نے بھی یقین نہیں کیا اور اس سے یہ پوچھا: ''کیا شامی مصریوں کے بغیر ہی جنگ میں جا رہے ہیں؟'' حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ وارننگ اسرائیل کے کانوں میں پڑی لیکن اس کا کوئی خاص نوٹس نہ لیا گیا۔ موساد نے یہ سمجھا کہ اس مخبر بادشاہ نے وہی کچھ بتایا ہے جو ہمیں پہلے سے معلوم تھا۔

اس جنگ کی موساد کو گیارہ مرتبہ وارننگ ملی لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہماری اطلاع کے مطابق عربوں کے پاس جنگ کا کوئی منصوبہ نہیں، حتیٰ کہ شاہ حسین کی وارننگ بھی بے اثر ثابت ہوئی۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس قدر مطمئن اور بے فکر اسرائیل پر اگر بے خبری میں حملہ ہو جاتا اور یہ غدار اسے اطلاع نہ دیتا تو اسرائیل کا کیا حشر ہوتا؟ لیکن بالآخر اسرائیل نے جنگ سے ٹھیک 2 گھنٹے قبل اپنی ریزرو آرمی کو چوکس کر دیا جبکہ اس کے صرف دو گھنٹے بعد حملہ شروع ہو گیا۔

شروع میں تو جنگ مسلمانوں کے حق میں رہی اور انہوں نے کافی بڑا حصہ واپس لے لیا، لیکن بعد میں جب امریکی امداد کی بھرمار ہوئی تو شاہ حسین پر زور دیا گیا کہ طے شدہ منصوبے کے مطابق اردن کی طرف سے حملے کا آغاز کیا جائے۔

اس نے براہ راست حملہ کرنے کی بجائے اپنی فوج شام کی سرحد پر بھیج دی جس نے بڑھتی ہوئی اسرائیلی فوج کو روک دیا، لیکن اس کی خبر بھی اپنے آقا کو امریکا کے ذریعے دے دی اور اسرائیل سے درخواست کی کہ اسرائیل اس کی فوجوں پر حملہ نہ کرے۔ اسرائیلی وزیر دفاع موشے دایان نے ایسی کوئی درخواست ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اردن کو کوئی ضمانت دی جائے۔ بس اتنا

کہہ دیا کہ اسرائیل ایک اور محاذ جنگ نہیں کھولنا چاہتا۔

اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ:

یاسر عرفات کی غداری اور معاہدۂ اوسلو کے بعد سے شاہ حسین نے اسرائیل کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور امن مذاکرات شروع کیے۔ اس وقت کے امریکی صدر کلنٹن نے یہ وعدہ کیا کہ اگر اسرائیل سے معاہدہ ہو جاتا ہے تو اردن کے تمام قرضے معاف کر دیے جائیں گے۔ مصری صدر حسنی مبارک کے اشارے پر اس غدار نے اسرائیل سے باقاعدہ مذاکرات کیے اور امن معاہدہ کیا۔ اس کے بدلے اسے ARANA کا علاقہ اور دریائے اردن کے پانی کے حصے کی منصفانہ تقسیم کا جھانسہ دیا گیا۔ بعد میں اسرائیل کے ساتھ تجارتی معاہدہ بھی کر لیا گیا اور یوں اردن کی طرف سے اسرائیل کی سرحد مکمل طور پر محفوظ ہو گئی اور اسرائیلی افواج فلسطینی مسلمانوں کو کچلنے کے لیے آزاد ہو گئیں۔

اسحٰق رابن کے ساتھ بھائی چارہ:

اس کم نصیب کے بدنام زمانہ اسرائیلی رہنما اسحٰق رابن کے ساتھ انتہائی قریبی اور ذاتی تعلقات تھے۔ اسحٰق رابن کو دفنانے پر اس نے یہ تقریر کی:

"میری بہن لیہ رابن! میرے دوستو! میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایسا لمحہ بھی میری زندگی میں آئے گا کہ میں اپنے ایک بھائی، ایک ساتھی، ایک دوست، ایک فوجی جس سے میں اپنے خلاف دو بار ملا، جس کی میں عزت کرتا تھا اور وہ میری عزت کرتا تھا، کے نقصان پر روؤں گا۔ ایک ایسا آدمی جو جانتا تھا کہ ہمیں فاصلوں اور رکاوٹوں کو عبور کرنا ہو گا اور بات چیت کرنی ہو گی تاکہ ہم ایک دوسرے کو پہچان سکیں اور اس بات کی کوشش کر سکیں کہ آنے والے کل میں ہماری پالیسی جاری رکھی جا سکے۔ ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے اور بھائی اور دوست بن گئے۔"

اسحٰق رابن جیسے سفاک قاتل اور مسلم کش صیہونی لیڈر کو بھائی کہنے والا یہ شخص اپنی ساکھ بحال کرنے کے لیے یہ بھی کہتا پھرتا تھا: "ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان سے ہیں اور ہمارا قبیلہ عرب میں سب سے قدیم ہے۔" جبکہ اسلام میں طے شدہ قانون ہے کہ سیاہ اعمال والوں کو اعلیٰ نسب کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

اب اس کے انجام کی طرف آیئے اس کی موت 7 فروری 1999ء کو جگر کے سرطان کی وجہ
سے ہوئی۔ موت سے قبل دنیا سے جاتے جاتے بھی اس نے ایک اور یہود نواز حرکت کی۔ اس نے
اپنی موت سے قبل ہی امریکا میں دوران علاج اپنے بھائی کو ولی عہد کے منصب سے معزول کرکے
اپنی انگریز بیوی (جو اس پر مسلط رہنے کے لیے منصوبے کے تحت اس کے پاس بھیجی گئی تھی) کے
بطن سے پیدا ہونے والے بیٹے عبداللہ کو ولی عہد بنالیا۔ واضح رہے کہ اس کا بھائی شہزادہ حمزہ
پاکستانی خاتون شائستہ اکرام اللہ کا داماد ہے۔ لیکن اس کے خیالات بھی بہت زیادہ لبرل ہیں۔

یہ تھی نسل در نسل غداروں کی روئیداد۔ القدس سے غداری کرنے والے دنیا میں ذلیل و
خوار ہوئے ہی، آخرت میں بھی عبرتناک انجام ان کا منتظر ہے۔ خلافت عثمانیہ کے سقوط، سرزمین
عرب کی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم، بے گناہ فلسطینی مسلمانوں کا خون اور ارض مقدس پر
یہودی تسلط کے استحکام میں حصہ لینے کی نحوست ان سے زائل نہ ہوگی اور دجالی قوتوں کے یہ ہمنوا
اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچ کر رہیں گے۔

(2) یاسر عرفات

یادش بخیر، مجاہد اعظم جناب یاسر عرفات صاحب کو بھی ان مہربانوں کی ان فہرست میں
ممتاز جگہ دی جاسکتی ہے، جنہوں نے القدس کے محافظ کا اعزاز سینہ پر سجانے کے باوجود
بالواسطہ طور پر دجالی ریاست کے استحکام میں کردار ادا کیا۔ موصوف کے گھر میں بھی چونکہ
خاتونِ اول یہودی النسل تھیں لہٰذا سمجھا جاسکتا ہے کہ یہود سے ان کی دشمنی اور القدس کے
غاصبوں کے خلاف ان کا جہاد کس قدر ''حقیقی'' ہوگا؟ موصوف نہ صرف امریکی حکمرانوں کی
سرپرستی میں دجالی ریاست کے سربراہوں کے ساتھ خیر سگالی کے معاہدے، مذاکرات اور
مصافحے و معانقے کرتے رہے بلکہ شریعت پر استقامت کو چھوڑ کر لبرل ازم اور جہاد فی سبیل
اللہ کے بجائے انتخابی ڈھکوسلہ بازیوں پر یقین رکھتے تھے۔ دریائے اردن کے مغربی
کنارے میں ان کی تنظیم، حماس کے مجاہدین اور اردن کے فلسطینی مہاجرین کے لیے مستقل

مسائل پیدا کرتی رہی۔ اگرچہ عالمی میڈیا پر اثر انداز قوتوں نے ان کا امیج ''مردِ مجاہد'' کا بنا رکھا تھا، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ فلسطینی جہاد کو ان کی مفاد پرست سیاست نے انتہائی نقصان پہنچایا اور یہ نہ صرف اپنی تنظیم میں شرعی اصولوں کو رواج دینے کے بجائے غیر ضروری حد تک آزاد خیالی کو ترویج دیتے تھے، بلکہ عالمی سطح پر بھی حماس کے امیج کو داغدار کرنے، فلسطینی مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوانے اور اسرائیل کے لیے نرم گوشہ رکھنے کے حوالے سے بدنامی کی حد تک مشہور تھے۔ اللہ تعالیٰ القدس کو ایسے مہربان ہمنواؤں کی مہربانیوں سے محفوظ رکھے اور ہمیں ارضِ مقدس کے تحفظ اور حقیقی محافظین کی پہچان اور ان کی حمایت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(3) انور سادات

انور سادات کا شمار بھی القدس کے نادان دوستوں اور دجالی ریاست کے نامہربان ہمنواؤں میں ہوتا ہے۔ دنیا کے اور بہت سے یہود نوازوں کی طرح ان کے گھر میں بھی ''خاتونِ اول'' قدامت پرست یہودی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ''جہاں سادات'' نامی یہ خاتون باقاعدہ منصوبے کے تحت ان کی زندگی میں داخل ہوئی تھیں اور آخر تک ان سے وہ اقدامات کرواتی رہیں جس سے القدس کے فداکاروں کے دل زخمی اور دجالی ریاست کے سرپرستوں کے مقاصد کی تکمیل ہوتی تھی۔ القدس کے دو طرف اردن اور مصر دو اہم اسلامی ملک ہیں۔ ان میں مظلوم فلسطینی مہاجرین بھی پناہ لیتے ہیں اور ان کی سرحدوں سے اسرائیلی قبضہ گیری کی حدود میں آنے والے علاقوں میں داخل ہو کر اسرائیلی فوجیوں کا ناک میں دم کیا جاسکتا ہے، اس لیے دجالی نظام کی ہمنوا عالمی طاغوتی طاقتوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ان دونوں ممالک کے حکمراں ان کے زیر دست اور تابع فرمان رہیں۔ نہ وہ اپنے ملکوں میں شریعت کا نفاذ ہونے دیں اور نہ اپنے عوام کے جذبات کا رخ القدس کے مظلوموں کی مدد کی طرف پھرنے دیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں جو بھی حکمراں آتا ہے اس کے گھر میں عموماً یہودی خاتون ملکہ محترمہ کی شکل میں براجمان ہوتی ہے اور اس کے اقتدار کو مستحکم اور طویل تر بنانے

کے لیے بدی کی عالمی قوتیں ہر قسم کا تعاون اور حمایت کرتی ہیں۔ انور سادات کی زندگی کا سب سے خطرناک فیصلہ کیمپ ڈیوڈ معاہدہ تھا جس میں وہ چائے کی میز پر القدس کا مبارک ترین خطہ اسرائیل کی گود میں ڈال کر خالی ہاتھ لوٹ آئے۔ اس کے عوض انہیں طاغوتی طاقتوں کی طرف سے اعزاز و انعام سے نوازا گیا، لیکن خود مصر کے محب دین و وطن عوام ان کے اقدامات کو کس نظر سے دیکھتے تھے، اس کا اندازہ ان کے قتل کے واقعے سے ہو سکتا ہے، جب انہیں ایک پریڈ کے دوران گولیوں سے چھلنی کر کے القدس سے خیانت کا انتقام لیا گیا۔ فلسطین کو قرآن کریم میں ''ارضِ مبارک'' کہا گیا ہے، اس سے جو وفا کرتا ہے وہ اللہ، رسول، ملائکہ اور مخلص مسلمانوں کے نزدیک سعادت مند ٹھہرتا ہے اور جو اس سے جفا کرے وہ دنیا میں بھی تکوینی طور پر دھتکار دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی برا انجام اس کا منتظر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رحمانی ریاست کے استحکام اور دجالی ریاست کے خلاف جہاد کی توفیق نصیب فرمائے اور دنیا و آخرت میں برے انجام سے بچائے۔ آمین

مراجع وماآخذ

اس مضمون کی تیاری کے لیے ان کتابوں سے استفادہ کیا گیا:

1. SELA AVRAHAM: "ABDULLAH BIN HUSSEIN" . THE CONTINUM POLITICAL ENCYCLOPEDIA OF THE MIDDLE EAST, NEW YEAR CONTINUM.

2. "JORDEN AND 1948: THE PERSISTENCE OF OFFICIAL HISTORY.

3. AVE SHLAIM: "THE WAR OF PALESTINE: REWRITNG THE HISTORY OF PALESTINE", CAMBRIDGE UNIVERSITY RESS (2001).

4. LANDES JOUSHA: "SYRIA AND PALESTINE WAR: FIGHTHING KING ABDULLAH"S GREATER SYRIA PLAN".

5. ROGAN AND SHLAIM: "THE WAR OF PALESTINE".

6. TRIPP CHHRLES: "IRAQ AND 1948 WAR: MIRROR OF IRAQ'S DISORDER".

دجالی ریاست کے مہربان ہمنوا

اردن و مصر کے حکمران اور القدس کے نادان راہنما:

جو شخص بھی مادیت پرستی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے غیبی وعدوں پر اس کا ایمان کمزور ہو جاتا ہے...... اور جس شخص کا ایمان اللہ اور اس کے وعدوں پر یعنی آخرت کے حساب و کتاب اور جزا و سزا پر کمزور ہو جاتا ہے، وہ فتنۂ دجال کا شکار ہو جاتا ہے...... اور جو شخص فتنۂ دجال کا شکار ہونے کے بعد ان تدابیر پر عمل نہ کرے جو حدیث شریف میں بتائی گئی ہیں (ان کا خلاصہ دجال I اور II کے آخر میں دیا گیا ہے) تو ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ دجالی قوتوں کا ہمنوا بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس عارضی اور فانی دنیا کی ادھوری اور کبھی نہ پوری ہونے والی لذتوں میں اتنا گم ہو جاتا ہے کہ اسے حلال و حرام کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے نزدیک یہ دنیا ہی سب کچھ ہوتی ہے۔ ایمان، عقیدہ اور نظریہ، دنیا پر دین غالب کرنے کا شوق، انسانیت کو نفس اور شیطان کی غلامی سے چھڑانے کے لیے قربانی دینے کا بے لوث جذبہ...... یہ سب چیزیں اس کے نزدیک بے معنی ہو جاتی ہیں۔ وہ منہ اور شرم گاہ کی لذتیں پوری کرنے میں اتنا مگن ہو جاتا ہے کہ اس دنیا سے اسے شدید محبت ہو جاتی ہے۔ دنیا کی فانی لذتوں کو چھوڑنا اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کے لیے جان اور مال لٹانا اس کے لیے مشکل ہوتا جاتا ہے۔ وہ موت کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کی تیار کی ہوئی نعمتوں کو پانے کا ذریعہ سمجھنے کے بجائے دنیا ہاتھ سے جاتے رہنے کا سبب سمجھتا ہے۔ یہ وہ خطرناک بیماری ہے جسے حدیث شریف میں "وَھَن" کا نام دیا گیا ہے۔ اس مرض میں گرفتار شخص دنیا کی محبت اور موت سے ڈر کی وجہ سے نہ اس دنیا میں معزز مسلمان بن کر رہ سکتا ہے اور آخرت میں تو اس کا کچھ حصہ ویسے ہی باقی نہیں رہتا۔ اس مرض کی بیان کی گئی علامات درحقیقت "دجالی ریاست" کے باشندوں کی صفات ہیں۔ فتنۂ دجال درحقیقت "مادیت پرستی" کا فتنہ ہے یعنی خدا

پرستی اور انسانیت کے لیے خلوص و ایثار کے بجائے مفاد پرستی، لذت پرستی، عیش پرستی اور آرام پسندی۔ جفاکشی کی سادہ زندگی چھوڑ کر جو لوگ آرام طلبی کی مصنوعی زندگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ ''دجالی ریاست'' کے استحکام کے لیے اس کے ہمنواؤں کا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم ممالک سے بیچوں بیچ ''دجالی ریاست'' اپنی ابتدائی شکل میں قائم ہو گئی ہے اور اسے گرد و پیش سے کوئی خطرہ ہی نہیں ہے۔ آئیے! اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے عرب بھائی القدس سے اور اس کے نگہبان فلسطینی مسلمانوں سے اتنے بے پروا اور فتنہ دجال کے اتنی بری طرح شکار کیسے ہو گئے؟

عیش و عشرت کا فتنہ:

آج سے کم و بیش چالیس سال پرانی بات ہے کہ ''عرب اسرائیل جنگ'' ہوئی جو ابتدا میں (کسی حد تک) اسلام کے نام پر لڑی گئی تھی۔ اس کے آغاز میں تو مسلمانوں نے بڑی پیش قدمی کی لیکن بعد میں اپنوں کی غداری نے جنگ کا نتیجہ ہی بدل کر رکھ دیا۔ غداری اور مخبری اگرچہ جنگ سے پہلے ہی ہو چکی تھی لیکن اسرائیل بدمست ہو کر سمجھ بیٹھا تھا کہ اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ خیر! بعد میں بہت حد تک غداری اور بڑی تعداد میں امریکی مدد نے یہودیت کے غبارے میں اتنی ہوا بھر دی کہ وہ بدترین شکست سے بچ گیا۔ امریکا کی طرف سے اتنے بڑے پیمانے پر اسرائیل کو اسلحہ بھیجا گیا کہ عرب مسلمانوں کو سمجھ نہ آتا تھا کہ وہ امریکا کی جفا پر حیرت کریں یا اس وقت کو روئیں جب انہوں نے اس پر اعتبار کیا تھا۔

جنگ رکنے کے بعد عرب مسلمانوں نے امریکا کی اس بے رخی پر امریکا کو تیل سپلائی کا بائیکاٹ کر دیا۔ اس وقت آل سعود کے واحد غیور حکمران شاہ فیصل نے ایک مشہور تقریر کی تھی:

''ہم تیل کے کنوؤں کو آگ لگا دیں گے اور اونٹنی کے دودھ اور کھجور والی روایتی زندگی کی طرف واپس لوٹ جائیں گے۔''

اس سے آگے بڑھ کر عراق کے غیور حکمرانوں نے اس سے بھی اہم کام کیا۔ وہ یہ تھا کہ شمال میں برٹش پٹرولیم اور جنوب میں امریکن آئل کمپنی کو سرکاری تحویل میں لے لیا اور اس طرح یہود و نصاریٰ کو اس خطیر آمدنی سے محروم کر دیا جو ان کو مسلمانوں کی دولت سے ہو رہی تھی۔ اس کے علاوہ

اس وقت کے عراقی حکمران کی تقریر جو کہ کافی حد تک اسلام اور عرب غیرت (نہ کہ قومیت) پر مبنی تھی، اس قدر پر اثر تھی کہ صدام حسین نے ان حکمرانوں کا تختہ الٹنے کے باوجود بھی اس تقریر کو تمام اہم چوراہوں اور اسلامی ثقافت کے کچھ مراکز پر سنگ مرمر میں تراش کر نصب کروایا۔ عرب بھائی اس وقت جفاکش بھی تھے، غیرت مند بھی اور کافی حد تک اسلامی جذبے سے مالا مال بھی۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب اس قوم میں غیرت تھی اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں فکر رکھتی تھی۔ یہ بات امریکا اور اس کے ناجائز بیٹے کو بہت بری لگی اور اس نے اس کا توڑ کرنے کے لیے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عربوں میں قوم پرستی اور عیش پرستی کو فروغ دیا۔ انہوں نے عرب بھائیوں میں اسلامی اخوت کے بجائے عرب قومیت کا تصور پیدا کیا اور ان کی جفاکشی والی زندگی چھڑوا کر ان کا معیار زندگی اتنا بڑھا دیا کہ آیندہ وہ ایسے بیانات سے باز رہ سکیں اور اس طرح کی ہمت دوبارہ نہ کر سکیں کہ اپنے ہی تیل کے کنوؤں پر بارود رکھ کر انہیں تباہ کرنے کی دھمکی دے سکیں۔

آج اگر ہم دیکھیں تو وہ اپنی چال میں جس حد تک کامیاب ہو چکے ہیں اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ عرب بھائیوں میں عیش و عشرت کی عادت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اگر اور بہت سی باتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو بھی ایک بات کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ وہ یہ کہ عرب ممالک میں عرب قومیت کے دعوئ کے باوجود اپنے ہی عرب بھائیوں (یعنی فلسطینی مسلمانوں) سے اس قدر بے رخی کیوں برتی جا رہی ہے؟ اس بات کا کوئی جواب ہے ہمارے پاس؟ پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ ان سے وہ چیز چھین لے جس پر انہیں بڑا ناز ہے۔

آیئے! دیکھتے ہیں کہ ہمارے عرب بھائی کس طرح سے یہود کے بچھائے ہوئے عیش و عشرت کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔

عرب رہنماؤں اور مالدار شیوخ کا حال:

اگر عرب بادشاہوں کی دولت سے قطع نظر کر لیا جائے تو بھی دنیا کے پچاس امیر ترین عرب شیوخ کی دولت اور اثاثہ جات 236.24 ارب ڈالر سے بھی زیادہ ہیں۔ یہ واضح رہے کہ اس میں

بادشاہوں کی دولت شامل نہیں۔ لیکن یہ ساری دولت اسلام اور مسلمانوں پر خرچ ہونے کے بجائے آرام طلبی، عیش پسندی اور تفریح پر لگ رہی ہے۔ عرب بھائیوں کے دو سب سے بڑے عیاشی کے مراکز میں دبئی اور لبنان شامل ہیں جبکہ مراکش بھی ان کے عیاشی کے مقامات میں سے ایک ہے۔

ہوائی جہازوں کی خریداری:

سعودی شہزادہ پرنس ولید بن طلال وہ پہلا شخص ہے جس نے Super Jumbo A-380 کی خریداری کی ہے۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے انفرادی حیثیت میں یہ جہاز خریدا ہے۔ خریدنے کے بعد اس نے اس میں طرح طرح کی آرائش و زیبائش کے لیے باضابطہ طور پر ایک Interior Designer سے رابطہ کیا تاکہ وہ اس "ہوائی محل" میں تزئین و آرائش اور عیش و آرام کا اضافی سامان مہیا کر سکے۔

مشرق وسطی میں بڑھتے ہوئے ہوائی سفر اور ہوائی جہازوں کی انفرادی طور پر خریداری کو مدنظر رکھتے ہوئے مغربی کمپنیوں نے دبئی میں ایک نمائش کا اہتمام کیا، جس میں ہوابازی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اس بات پر خصوصی توجہ دی گئی کہ کس طرح جہاز کے اندرونی حصوں کی خصوصی زیبائش کی جائے۔

بحری جہازوں کی خریداری:

اس وقت عرب امارات کے شیخ اور روس کے ارب پتی ابراہیم دوف کے درمیان اس بات کا مقابلہ چل رہا ہے کہ کس کا بحری جہاز دنیا کی سب سے مہنگی بحری سواری (Yatch) ہوگی؟ یاد رہے کہ یہ Yatch غالباً اٹلی میں تیار ہو رہی ہے اور اس میں عیش و عشرت کا مہنگا ترین سامان مہیا کیا جائے گا۔ اس طرح کی ایک Yatch کی قیمت عام طور سے 20-30 کروڑ ڈالر کے لگ بھگ ہوتی ہے اور اس میں کیا گیا مزید کام 2 سے 10 کروڑ ڈالر لے لیتا ہے۔

قطر کا شیخ جو کہ غالباً عربوں میں سب سے زیادہ فضول خرچ ہے، اس نے 30 کروڑ ڈالر کی کثیر رقم سے لندن کے وسط میں انتہائی مہنگا فلیٹ لیا ہے جو کہ عیش و عشرت میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس کمپلیکس کے ہر فلیٹ میں جانے کے لیے ایک الگ لفٹ مختص کی گئی ہے۔

شیوخ کو ایک طرف چھوڑ دیں، آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ لندن کی اکثر و بیشتر

تجارتی اور مالیاتی علاقوں کی زمینیں عرب حضرات نے خرید لی ہیں۔ جبکہ عرب حضرات کو اس ملک (برطانیہ) میں عداوت آمیز نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور یہ وہاں آزادی اور Privacy کے ساتھ گھوم بھی نہیں سکتے۔ ان مہنگے علاقوں میں Oxford Edgware اور Piccardly اور Bond اسٹریٹس (Streets) شامل ہیں۔

بلند و بالا عمارات:

عرب حضرات بہت بڑے پیمانے پر اپنا پیسہ مٹی اور گارے پر لگا رہے ہیں۔ اس کا اندازہ درج ذیل سر بفلک عمارتوں کی تعمیر سے لگایا جاسکتا ہے۔

☆ برج دبئ: اونچائی 1050-800 میٹر۔ اس وقت دنیا کی سب سے اونچی عمارت ہے۔

☆ البرج: 1,200 میٹر۔ النخیل والے دبئ ہی میں اسے بنا رہے ہیں اور یہ 2011ء میں مکمل ہو جائے گی۔

☆ برج الکبیر: 1,500 میٹر۔ اس پر غور کیا جا رہا ہے اور یہ کویت میں بنایا جائے گا۔

☆ المرجان ٹاور: 1,500 میٹر۔ یہ بھی زیر غور ہے اور اس پر کام شروع نہیں ہوا۔ یہ بحرین میں بنایا جائے گا۔

اس طرح پورے مشرق وسطی میں بڑے پیمانے پر اونچی اونچی عمارتیں بنائی جا رہی ہیں۔ گویا کہ..... اللہ معاف کرے..... قوم عاد کی روایت زندہ ہو رہی ہے۔ برج دبئ کی پوری اونچائی چھپائی جا رہی ہے تاکہ اس سے اونچی عمارت نہ بنائی جاسکے۔ اس میں دنیا کا سب سے بڑا شاپنگ مال ہوگا، جبکہ ایسے اپارٹمنٹ بھی ہوں گے جن کی Interior Designeing اٹلی کے مشہور Fashion Icon نے کی ہے، جس کا نام Gorgio Armani ہے۔

اس پروجیکٹ کا ٹھیکہ Emmar نے لیا ہے، جس نے تعمیرات کے شعبے میں دنیا بھر میں 100 ارب ڈالر سے بھی زیادہ کی سرمایہ کاری کی ہوئی ہے۔ برج دبئ خود 20 ارب ڈالر کا پروجیکٹ ہے، جس میں 500 ایکڑ سے زیادہ اراضی استعمال کی گئی ہے، جبکہ اس پر خرچ کی جانے والی رقم کے لحاظ سے یہ دنیا کا سب سے زیادہ مہنگا فی مربع کلومیٹر علاقہ ہے۔

النخیل کا پروجیکٹ "The World":

النخیل کا "The World" پروجیکٹ" دراصل ایک مصنوعی جزیرہ ہے جس کو Al-Nakheel نے بنایا ہے۔ یہ بہت سارے جزیرے ہیں جو کہ بالکل دنیا کے نقشے کا نمونہ ہیں۔ اس میں چین کے شہر Shanghae کا حصہ ایک ارب پتی چینی نے 28 ملین ڈالر کی لاگت سے خریدا ہے، جس پر وہ بالکل Shanghae شہر کے نقشے کا ہوٹل اور Resort بنائے گا۔ اس متمول چینی کا نام Bin Hu ہے، جو کہ ایک کمپنی Zhong International Company کا مالک اور President ہے۔ اس جزیرے کا رقبہ تو معلوم نہیں لیکن جو علاقہ اس نے خریدا ہے اس کا رقبہ 58,000 مربع گز ہے۔ یہ اکیلا ہی اس دوڑ میں شامل نہیں، دو اور اماراتی باشندوں نے بھی Fantasy Island کے نام سے ایک جزیرہ خریدا ہے، جس پر وہ لوگ 2.2 ارب ڈالر خرچ کر کے عیاشی کا مرکز بنانا چاہتے ہیں۔ ان کا نام احمد بن عبداللہ اور عبداللہ بن محمد الشانی ہے۔ انہوں نے یہ جزیرہ 16.3 کروڑ ڈالر میں خریدا ہے۔ آخری خبریں آنے تک دبئی کی غیر شرعی معیشت کے زوال کی بنا پر یہ پروجیکٹ بری طرح سے ناکامی کا شکار تھا۔

دوسرے ممالک میں عرب شیوخ کی فضول خرچیاں:

آغاز اپنے ہی ملک سے کر لیتے ہیں۔ رحیم یار خان میں ان کے شاہانہ محلات اور شکارگاہیں ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایک ایئرپورٹ بھی قائم کیا ہے۔ یہاں وہ شکار کے لیے آتے ہیں اور تلور کی ایک نایاب ترین نسل (Bustard) کا شکار کرتے ہیں۔ پاکستانی حکومت نے اپنے ان مہمانوں کو 200 مربع میل کا علاقہ شکار کے لیے دیا ہوا ہے۔

ایک مشہور صحافی نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ امریکا میں عربوں کے لیے پابندیوں اور مشکلات کی وجہ سے اب عرب شیوخ نے عام طور سے مشہور امریکی شہر "لاس ویگاس" کی جواگاہوں کے بجائے مشرق بعید کا رخ کرنا شروع کر دیا ہے۔ مشرق بعید میں یہ سنگاپور، مکاؤ (چین کے زیر تسلط چھوٹا سا ساحلی ملک) بنکاک، تھائی لینڈ، ملیشیا اور دیگر جگہوں میں جا کر اپنی

قیمتی دولت لٹا دیتے ہیں۔

یہ صحافی لکھتا ہے کہ اب ''لاس ویگاس'' کے کچھ ہوٹلوں میں جوئے اور ناچ گانے کے بجائے مسلمانوں کے خلاف پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں اور ایک میں اس نے خود شرکت کی بھی تھی، جس میں اس نے مسلمانوں کے خلاف بنائے گئے تھنک ٹینک اور توہین رسالت کے مرتکبین کے خلاف واحد آواز اٹھائی تھی اور مسلمانوں کا دفاع کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس طرح لبنان اور مراکش میں خوشگوار آب وہوا اور ساحلی فضا ٹھنڈی فضا کی وجہ سے عیاشی کے مراکز ہیں۔ پچھلے دو سالوں میں لبنان کے حالات ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے ایک ریکارڈ تعداد اسکاٹ لینڈ چلی گئی تھی۔

Balmorall جو کہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل Andrew Harthey Traver Agents میں سیلز اینڈ مارکیٹنگ کے شعبے سے منسلک ہے، بتاتا ہے:

''اسکاٹ لینڈ عرب مارکیٹ کے لیے ایک خاص چیز ہے۔ عرب اس کی خوبصورتی سے نیز اسکاٹس کی مہمان نوازی سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ اس نے مزید کہا کہ عرب یہاں ایک مہینے سے زیادہ رہے اور تمام دیکھنے والی چیزیں دیکھیں۔''

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمارے عرب بھائی آج کل عیاشی کے لیے یا تو یورپ کا رخ کر رہے ہیں یا پھر مشرق بعید کا۔ 9/11 کے بعد امریکا نے عربوں پر پابندی لگائی تھی تو زیادہ تر نے مکاؤ میں جوئے کے اڈوں کا رخ کیا جو کہ چین کے زیر انتظام ہے، لیکن اس کی کہانی ہانگ کانگ جیسی ہے تاہم فرق صرف اتنا سا ہے کہ مکاؤ پرتگال کو سو سال کے لیے تحفہ دیا گیا تھا، لیکن یہاں تقریباً وہی نظام چل رہا ہے، جو کہ پرتگال میں آج سے بیس سال پہلے تھا، بالکل ہانگ کانگ کی طرح۔

ایک اور ناخوشگوار مثال شاہ فہد کی ہے، جن کے بارے میں ایک امریکی تاریخ دان لکھتا ہے:
''یہ شخص اپنے آپ کو کیسے خادم حرمین شریفین کہتا ہے، جبکہ ''لاس ویگاس'' میں (کیری پیکر کے بعد) سب سے بڑی BET (شرط) ہار گیا تھا اور پیسے نہ ہونے کی وجہ سے اسے Detain کرلیا

گیا تھا۔ پھر جب پیسوں سے بھرا ہوائی جہاز بھیجا گیا تب جا کر حکومت امریکا نے اسے رہا کیا تھا۔"

لگژری کاروں کی خریداری:

عرب ممالک میں لگژری گاڑیوں کی مانگ اس قدر بڑھ گئی ہے کہ مالی سال 2006ء-2005ء میں تمام مہنگی اور پرکشش گاڑیوں کی طلب میں بے تحاشا اضافہ ہوا ہے۔ 2006ء-2005ء میں اوسطاً 16 فیصد سے 20 فیصد تک اضافہ دیکھنے میں آیا، جبکہ بحرین کی حکومت نے دو کمپنیوں کو لائسنس جاری کیے ہیں کہ وہ ان کے ملک میں گاڑیوں کی فیکٹری لگا سکیں۔ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ بحرین کی حکومت چاہتی ہے کہ مشرق وسطیٰ کی ساری گاڑیاں یہاں تیار ہوں اور پورے خطے میں فروخت ہوں۔

عرب بھائیوں کو اللہ کے راستے میں پیسے خرچ کرنے کے بجائے فضول شوق پالنے کی ایسی عادت ہے کہ ایک دستاویزی فلم میں ایک شیخ نے اپنی 200 گاڑیاں دکھائیں اور یہ بھی بتایا کہ اگر گاڑی پرانی ہو جائے تو ہم اسے بیچنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ ہم اسے اپنے ملازموں کو تو دے دیتے ہیں، لیکن بیچتے نہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اسی میں عربوں کی اس فطری سخاوت کا اظہار ہوتا ہے جو ان کے آباء واجداد میں تھی، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ یہ اس عمدہ خصلت کا غلط استعمال ہے۔

لیبیا میں خریداروں کا پاگل پن:

لیبیا گو کہ بہت زیادہ مالدار ملک نہیں، لیکن یہاں بھی مادیت پرستی بہت بڑھ گئی ہے۔ اس سے بقیہ ممالک کا حال خود معلوم ہو جائے گا۔

لیبیا میں پابندیوں کے خاتمے کے بعد بڑے پیمانے پر چمکدار کاریں اور موٹر سائیکلیں بہت زیادہ عام ہوتی جا رہی ہیں۔ طرابلس (Tripoli) جو کہ اب ایک درجن سے زائد اعلیٰ درجے کے مہنگے ہوٹلوں کا گڑھ ہے، اس میں کئی نئے شاپنگ مال کھل گئے ہیں۔ Gregaresh Street میں بوتیک کھل گئے ہیں۔ $80 کی جینز کی پینٹ اور $1300 کی Excersise Machine اور $250 کے پرفیوم بیچنے والی دکانیں کھل گئی ہیں۔

ان دکانوں پر خرچ ہونے والا زیادہ تر پیسہ سیاسی طور پر امریکا کے اثر و رسوخ میں رہنے

والے سیاست دانوں کے پاس سے آتا ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس ملک میں امیر تو اچھی زندگی گزار رہے ہیں، جبکہ باقی زیادہ تر بس جی رہے ہیں۔ یاد رہے کہ لیبیا 30$ ارب ڈالر تیل کی آمدنی سے کماتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر سال وہ مختلف ترقیاتی کاموں پر 19 ارب ڈالر صرف کرتا ہے، جس کی وجہ سے کئی امریکی اور یورپی کمپنیاں یہ ٹھیکے لینے کی کوشش کرتی رہتی ہیں جو انہیں مل بھی جاتے ہیں اور پھر وہ لوٹ مار کا بازار گرم کرتی ہیں۔

مشرق وسطی کی مقامی لگژری مارکیٹ:

توحید عبداللہ جو "دبئی گولڈ اینڈ جیولری گروپ" اور Damas (LLC) کا مینیجنگ ڈائریکٹر ہے، اس نے "مارکیٹنگ فار لگژری پروڈکٹس" (MARKETING FOR LUXURY PRODUCTS) کے موضوع پر منعقدہ ایک کانفرنس میں یہ نکات پیش کیے تھے:

- "2010ء تک لگژری گولڈ کی علاقائی مارکیٹ (یعنی عرب ممالک کی مارکیٹ) 100 ارب ڈالر تک پہنچ جائے گی جس میں دبئی کا حصہ 8 ارب ڈالر کے لگ بھگ ہوگا۔"
- "عرب خواتین اور نوجوانوں کی موجودہ نسل 20 سال کی عمر سے ہی لگژری گولڈ کے سنجیدہ خریدار ہوتے ہیں۔ مغرب کے مقابلے میں جہاں یہ 40 سال کی اوسط تک ہے۔ اس طرح ہمارے مشہور برانڈ کو 20 سال مزید مل جاتے ہیں۔"
- "بین الاقوامی لگژری مارکیٹ کا موجودہ حجم تقریباً 400 ارب ڈالر ہے، جس میں سے 10 فیصد مشرق وسطی میں ہے۔ بڑھتی ہوئی آمدنی کی شرح اور دبئی کی ابھرتی ہوئی لگژری مارکیٹ کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ مستقبل میں اور تیزی سے پھیلے گی۔"
- "بین الاقوامی سطح پر 32 فیصد لگژری مارکیٹ کی آمدنی زیورات اور گھڑیوں سے حاصل ہوتی ہے، جو کہ ایک اہم جز ہے۔ لگژری مارکیٹ کے مالی سال 2006ء کی پہلی ششماہی میں سوئٹزرلینڈ کی سوئٹزرلینڈ ساختہ گھڑیوں کی مانگ میں پچھلے سال کے مقابلے میں 12.2 فیصد اضافہ دیکھا گیا اور رقم تھی 17.5 کروڑ ڈالر۔"

- ''ہم امید کرتے ہیں کہ لگژری گھڑیوں کی فروخت 2006ء کے آخر تک 50 کروڑ ڈالر سے تجاوز کر جائے گی۔ جبکہ اس مارکیٹ کا حجم 2010ء تک 4 ارب ڈالر تک پہنچ جائے گا۔''

- ''آج کا گاہک نوجوان ہے، زیادہ پڑھا لکھا ہے اور زیادہ چیزیں مانگتا ہے اور برانڈ کے علاوہ مکمل لگژری ایکسپیرینس چاہتا ہے جس میں World Class Shoping کی سہولت اور بہترین Customer Service شامل ہیں۔''

معاذ برکات جو کہ World Class Council کے مشرق وسطی، ترکی اور پاکستان کا ایم ڈی ہے، کہتا ہے:

''مارکیٹ میں گہرے ریسرچ کے بعد ہم ایک بار پھر سونے کی جیولری کی مانگ میں دوبارہ اضافہ دیکھ رہے ہیں۔ اضافے کا یہ رجحان آئندہ برسوں میں مزید نمو پائے گا۔''

دبئی کی آبادی کا تناسب

(DEMOGRAPHICS OF DUBAI)

آیئے! اب دبئی کی آبادی کا تناسب دیکھتے ہیں۔

دبئی میں نسلی اعتبار سے درج ذیل لوگ آباد ہیں:

مقامی (اصل عرب)	17 فیصد
ہندوستانی	51 فیصد
پاکستانی	16 فیصد
بنگالی	9 فیصد
فلی پنو (فلپینی)	3 فیصد

دبئی کی کل آبادی 1,0422,000 کے لگ بھگ ہے، جس میں سے مرد تقریباً 1,073,000 اور 349,000 عورتیں ہیں۔

مردوں میں 250,000 کے قریب مزدور ہیں جو کہ تعمیرات کے شعبے سے وابستہ ہیں۔

سالانہ چالیس لاکھ سیاح دبئی آتے ہیں اور دبئی کی معیشت میں ایک ارب ڈالر ڈال کر جاتے

ہیں۔ ایک اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دبئی کی معیشت دنیا میں سب سے زیادہ تیزی سے ترقی کرتی ہوئی معیشت تھی، جس کی شرح 15 فیصد سے بھی زیادہ تھی، لیکن گرانی کی شرح بھی 12 سے 5 فیصد کے درمیان تھی۔ حکومت اسے 5 فیصد تک محدود رکھنا چاہتی ہے۔

اگر ایمان و آخرت کے زاویہ نظر سے دیکھا جائے تو دبئی ایک عبرت کدہ ہے، جس میں ہمارے عرب بھائی مادیت پرستی کا انجام دیکھ سکتے ہیں۔ اگر وہ اسی طرح کی ترقی کرنا چاہتے ہیں تو دیکھ لیں کہ ان کے اپنے مقامی افراد اقلیت بن کر رہ گئے ہیں اور ان کا اپنا خون کس حد تک صاف رہ گیا ہے؟

پلاسٹک سرجری اور کاسمیٹکس:

دبئی میں پلاسٹک سرجری اور آپریشن کی قیمت میں بہت زیادہ اضافہ دیکھنے میں آیا ہے، جس کی اصل وجہ اس کی بے تحاشا مانگ ہے۔ اگرچہ پلاسٹک سرجری سے بعض معقول کام بھی لیے جاسکتے ہیں، جیسے بڑھاپے کی وجہ سے لٹک جانے والی کھال کی کرنا، جلی ہوئی کھال کو تبدیل کرنا اور زخم کے نشانوں کو مٹانا شامل ہیں، اس کے علاوہ موٹاپے کے شکار افراد کے لیے چربی کم کرنے کی سہولت بھی موجود ہے، لیکن ایک نامعقول بات یہ ہے کہ اس میں بھی خرافات موجود ہیں۔ سب سے اہم خرافات درج ذیل ہیں:

- پشت کی بناوٹ تبدیل کرنا۔
- عورتوں میں سینے کے اعضا کی بناوٹ میں تبدیلی۔

اور دیگر خرافات میں بھی کمی نہیں جو کہ دبئی میں عام ہیں اور دوسرے عرب ممالک میں بھی عام ہورہی ہیں۔ موجودہ سال میں ان خرافات میں دبئی میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور اس کی قیمتیں بھی 15 سے 20 فیصد تک بڑھی ہیں۔

ترقی ..... لیکن اخلاقی اقدار کی قیمت پر

اگرچہ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ بات قابل رشک ہے کہ دبئی کی ترقی ایک مثال ہے، اس کی ظاہری رونقیں ہر وقت جگمگاتی رہتی ہیں، لیکن تصویر کا دوسرا رخ انتہائی بھیانک ہے، جس سے ہمارے عرب بھائیوں کو سبق سیکھنا چاہیے۔

دبئی اگرچہ سیاحوں کا ایک عالمی مرکز ہے لیکن یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انسانی حقوق کی تنظیموں نے یہاں کی عورتوں کے بارے میں ایک خوفناک نقشہ کھینچا ہے۔ تنظیم کے مطابق دبئی جنسی تجارت کا بڑا مرکز بن چکا ہے۔ یہاں قحبہ خانوں کی بہتات ہے۔ ایک اور رپورٹ کے مطابق اس حوالے سے مشرق وسطی میں دبئی کے بعد صرف اسرائیل کا نمبر آتا ہے۔

طوائفوں کی اکثریت (ماسوائے ان کے جو سارا وقت یہی کام کرتی ہیں) دن کو سوتی ہیں، دوپہر سے رات دس بجے تک مختلف ریسٹورنٹس میں بیروں کی خدمات انجام دیتی ہیں جبکہ شام سے رات کے درمیان اپنا روایتی کام کرتی ہیں۔

طوائفوں میں درج ذیل قومیت کی عورتیں شامل ہیں:

روسی: یہ چونکہ خوبصورت، صحت مند اور گوری ہوتی ہیں، اس لیے عرب حضرات ان کو پسند کرتے ہیں۔ ان میں سوویت یونین سے آزاد ہونے والی ریاستوں کی عورتیں شامل ہیں۔

چینی، فلپائنی: ان کو زیادہ تر وہ غیر ملکی سیاح پسند کرتے ہیں جن کا تعلق امریکا و یورپ سے ہوتا ہے۔

ایتھوپین، افریقی: یہ عام طور سے مزدوروں کا نشانہ بنتی ہیں۔

ہندوستانی، پاکستانی: انتہائی شرم کا مقام ہے کہ ان میں جنوبی ایشیا اور پاکستان کی عورتیں بھی ہوتی ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ شرم کا مقام یہ ہے کہ ایک زمانے میں ''خلیج ٹائمز'' میں اشتہار آتا تھا: "Famous Lahori Mujra" (مشہور لاہوری مجرا)

طوائفوں کے تناسب سے دیکھا جائے تو یہ بات قابل غور ہے کہ یہاں زناکاری کا بازار اس حد تک گرم ہے کہ اکثر اماراتی باشندے یہ بات سن کر نظریں جھکا لیتے ہیں کہ دوسرے ممالک سے آنے والے افراد اکثر و بیشتر اسی مقصد کے لیے یہاں آتے ہیں۔

ایک اور انسانی المیہ یہ ہے کہ عرب حضرات حیدر آباد (ہندوستان) میں عورتوں سے شادی کرنے کے بعد انہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ حیدر آبادی بھی غربت کی وجہ سے اپنی بیٹی بیاہ کر ہمیشہ کے لیے پچھتاوے میں پھنس جاتے ہیں۔ افسوسناک بات تو یہ ہے کہ شادی کروانے والے بیچ کے لوگ بھی اپنا کمیشن حق مہر کی طرح مانگ لیتے ہیں اور بمشکل ان غریب والدین

کو 5000 روپیہ مل پاتا ہے۔

اس سے بھی افسوسناک صورتحال سعودی عرب کی ہے۔ یہاں پر کام کرنے والی عورتیں جنہیں نوکرانی یا میڈ (Maid) کہتے ہیں، بڑی تعداد میں انڈونیشیا، ملیشیا، فلپائن، سری لنکا اور دیگر ملکوں سے لائی جاتی ہیں۔ ان میں سے فلپینی اور دیگر عیسائی عورتیں چھٹی کے دنوں میں (جمعہ، جمعرات) یہ غلیظ کام کرتی ہیں جبکہ ناجائز اولادوں کو یہ پارکوں یا یتیم خانوں میں چھوڑ دیتی ہیں۔ ایک این جی او کے مطابق جدہ اور اس کے گردونواح سے ایک سال میں 3000 سے زائد ایسے بچوں کو اٹھایا گیا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ غیر ملکی خادماؤں کا یہ رجحان کہیں اہل حرمین کو اس گندگی میں ملوث کرنے کی منصوبہ بند کوشش تو نہیں۔

اس کے علاوہ معاملات یہاں تک ہی محدود نہیں ہیں خود ہمارے ملک میں بھی یہی حال ہے۔ آرٹ کی آڑ میں مجرے ہوتے ہیں۔ بے حیائی اور فحش کاموں کا پرچار کیا جاتا ہے۔ حیران کن بات تو یہ ہے کہ خود پاکستان میں بھی روسی اور چینی طوائفیں آتی ہیں اور کراچی کے پوش علاقوں اور اسلام آباد میں یہ کوئی غیر معروف بات نہیں۔ اور اس سے بھی حیران کن بات یہ ہے کہ اسلامی ریاست پاکستان کے بعض سیاست دان اور بیوروکریٹ اس بین الاقوامی گھناؤنے کاروبار کو فروغ دے رہے ہیں۔

اس طرح کے واقعات اکثر عرب شیوخ اور اب تو حکمرانوں میں بھی بہت زیادہ عام ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ ہی سب کو ہدایت دے اور اپنی دولت کو عیاشی کی بجائے اسلام کی خدمت کے لیے خرچ کرنے کی توفیق دے۔ اس قسم کے دو واقعات ملاحظہ کریں:

۔ برادر ملک قطر کا امیر ان معاملات میں سب کو پیچھے چھوڑ چکا ہے۔ ایک دفعہ شراب کے نشے میں دھت کسی نائٹ کلب میں مگن تھا (اپنے ملک میں)۔ اس دوران اس کا دل ایک لڑکی پر آ گیا جو کہ ناچ رہی تھی۔ اس نے اپنے وزیر سے کہا کہ اس لڑکی سے بات چیت کر کے نکاح کا معاملہ کرا دو۔ وزیر موصوف نے پہلے تو امیر کو غور سے دیکھا، بعد میں صرف اتنا کہہ سکا: "جناب! یہ آپ کی بیٹی ہے۔"

یہ وہی غیرت مند شخص ہے جس نے کچھ عرصہ پہلے اپنے باپ کا تختہ اس وقت الٹ دیا تھا جب وہ علاج کے سلسلے میں لندن یا سوئٹزرلینڈ گیا ہوا تھا۔

۔بحرین کے شیخ عیسیٰ خلیفہ کی بہن جس کا نام مریم خلیفہ تھا، ایک غیر ملکی انگریز کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ وہ غالباً امریکی تھا اور یہ سن 2000ء کے آس پاس کی بات ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس طرح کے نجانے کتنے واقعات ایسے ہیں جن کا کسی کو علم نہیں ہو پاتا۔

عربوں میں خاص طور سے دبئی میں عورت کی جس بھیانک تصویر کی منظر کشی کی گئی ہے، اس کا سب سے بھیانک پہلو بھی سن لیجیے۔ انسانی حقوق کی تنظیم نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ چینی عورتوں سے جب معلومات لی گئیں تو انہوں نے بتایا کہ ان کے زیادہ تر گاہک وہ امریکی فوجی ہوتے ہیں جو کہ عراق سے چھوٹی چھٹیوں پر دبئی آجاتے ہیں۔ اس طرح سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امارات، عراق جنگ میں کتنا ''اہم'' کردار ادا کر رہا ہے۔

اس بات کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ امارات میں ''جبل علی'' نامی بندرگاہ ہے جو دنیا میں سب سے بڑی مصنوعی (انسان کی بنائی ہوئی) بندرگاہ ہے۔ قطر کے امریکی اڈے کے بعد یہ بندرگاہ بھی امریکی جنگی طیارہ بردار جہازوں کے لیے سہولتیں فراہم کرنے کے مرکز کا کام کرتی ہے اور اس طرح امارات میں غیر ملکی فوجی مسلسل آتے رہتے ہیں۔

آج تک مسلمان حکمرانوں کا المیہ یہ رہا ہے کہ ان کی سب سے بڑی کمزوری عورتیں ہی رہی ہیں، لیکن وہ اس حد تک گر جائیں گے کہ غیر مسلم حملہ آوروں کو عورتیں فراہم بھی کریں گے، اس ذلت کا تصور بھی پہلے زمانے کے مسلمانوں نے نہ کیا ہوگا۔

اردن کا بادشاہ (عبداللہ) جس کا تعلق تاریخی غداروں سے ہے، اس کا باپ وہی شخص تھا جس نے خفیہ طور سے 1973ء کی جنگ سے ایک ہفتہ پہلے تل ابیب جا کر موساد اور اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا میئر کو حملے سے خبردار کیا تھا، اس کا اپنا خون بھی خلط ملط ہو چکا ہے۔ اگرچہ اس کا دادا شریف مکہ تھا، لیکن اس کے باپ نے پہلی شادی ایک عرب اور دوسری ایک انگریز یہودیہ سے کی تھی اور مرنے سے پہلے اسرائیل کو مزید خوش کرنے کے لیے اپنے چھوٹے بیٹے کو جو کہ انگریز یہودی عورت سے تھا، بادشاہ بنا دیا تھا۔ اس طرح غدار خاندان کے خون میں انگریز کا خون خلط ملط ہو گیا۔ اس کے پہلے بیٹے کی بیوی بیگم شائستہ اکرام اللہ تھی۔ اس نے بڑے بیٹے سے شادی کی

تھی۔ یہ بیٹا ایک عرب خاندان سے تھا۔

اس کے مقابلے میں تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں۔ پرنس چارلس برطانیہ کا اگلا بادشاہ ہوگا۔ اس نے پہلی شادی ڈیانا سے کی تھی۔ اس سے دو بیٹے ہوئے۔ بعد میں دونوں میں طلاق ہوگئی۔ ڈیانا بعد میں یکے بعد دیگرے دو مسلمانوں کے عشق میں گرفتار ہوگئی۔ پہلا ایک پاکستانی ڈاکٹر تھا جو جھنگ کا رہنے والا تھا۔ اس نے شہزادی سے شادی کی پیش کش محض اس وجہ سے ٹھکرا دی کہ اس کے والدین رضامند نہیں تھے۔ اس کے اس فرمانبردارانہ رویئے سے ڈیانا بہت زیادہ متاثر ہوئی تھی۔

دوسرا مسلمان داؤد الفاوی تھا جو مصر سے تعلق رکھتا تھا۔ داؤد جیسا بھی تھا لیکن وہ ایک مسلمان تو تھا۔ اور یہ بات M15 اور M16 (برطانوی خفیہ اداروں) اور شاہی خاندان کو کھٹکتی تھی۔ اگرچہ ڈیانا خود شاہی خاندان سے نہ تھی، لیکن ایک برطانوی شہزادے کی ماں اگر مسلمان ہو جائے یا پھر ایک مسلمان سے شادی کرلے، وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ چنانچہ شاہی خاندان اور خفیہ اداروں کے گٹھ جوڑ سے دونوں کو ہلاک کر دیا گیا۔

یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ ڈیانا کی موت کے بعد خود برطانیہ میں اکثر لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اس کی موت ایک حادثہ نہیں تھا، بلکہ ایک منظم سازش کا نتیجہ تھا۔ ایک اور بات بھی ہمیں معلوم ہونی چاہیے کہ ڈیانا برطانیہ کی موجودہ دور کی سب سے مقبول ترین شہزادی تھی۔ روشن خیال اور وسیع الظرف یورپ نے اسے قتل کر ڈالا اور تاریک خیال، تنگ ظرف مسلمانوں نے انگریز عورت کے بطن سے جنم لینے والے نیم گورے مخلوط النسل یہودی کو بادشاہت کا تخت ورثے میں پیش کر دیا۔

خیر! بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ وہی میں عورتوں کے ساتھ جو کچھ بھی ہورہا ہے، اس کا ڈھنڈورا تو چیخ چیخ کر یہ نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیمیں پیٹتی رہتی ہیں، لیکن ان تنظیموں کا سب سے زیادہ تاریک پہلو ہمیں طالبان کے حوالے نظر آتا ہے۔

ان تنظیموں کو یہ تو نظر آرہا تھا کہ افغانستان میں طالبان حکومت نے بے پردہ عورتوں کے آزادانہ گھومنے پھرنے پر پابندی لگادی تھی، لیکن انہیں یہ نظر نہیں آتا کہ اس وقت وہاں جنگ اور غربت کی وجہ سے بے حیائی کتنی عام ہوگئی تھی۔ اوباش سرمایہ داروں نے کس طرح عورت کو کھلونا بنا

کر رکھ دیا تھا۔ ان نام نہاد تنظیموں کو یہ نظر نہیں آتا کہ طالبان نے یہ پابندی اٹھانے سے ساتھ ہی
غریب خواتین کے لیے وظیفے اور راشن کا گھر میں انتظام کر دیا تھا۔
ان کو یہ نظر آتا تھا کہ فحاشی کے اڈوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا گیا تھا، لیکن یہ نظر نہیں آتا کہ
عورتوں کو تحفظ فراہم کرنے اور گھر بیٹھے کفالت کرنے کے لیے طالبان نے قسما قسم مشکلات کے
باوجود کیا کچھ نہیں کیا تھا۔

عرب مسلمانوں کے لیے باعث عبرت:

دبئی کی ترقی میں عرب بھائیوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔ ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح معاشی استحکام اور ترقی کے نام پر دبئی نے اپنا اسلامی تشخص کھو دیا۔ آج کا دبئی اور قطر اس حد تک آگے ہیں کہ ان کا کہنا ہے:

"اگر اسرائیلی سرمایہ کار یہاں آنا چاہیں تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔"

ملاحظہ فرمایئے! ترقی اور سرمایہ کاری کے نام پر کس طرح عرب بھائیوں کو اُن کے دین اور نظریہ حیات (جو ایمان و جہاد کا دوسرا نام ہے) سے دور کیا جا رہا ہے اور کس طرح سے وہ ایسی قوم بنتے جا رہے ہیں جس کو اسلام اور ملت اسلامیہ کی فکر ہی نہیں رہی۔ ہمارے عرب بھائی ان خرافات میں الجھے جا رہے ہیں جبکہ مغربی ممالک خصوصاً امریکا کے سابق صدر بش یہ فرما رہے ہیں:

"ہم نئے عالمی نظام کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

دبئی کی ترقی عرب مسلمانوں کے لیے اس لحاظ سے کھلی عبرت ہے کہ اگر عرب اپنے مذہبی شعار اور مثالی ثقافت کی قربانی کی قیمت پر ترقی کرنا چاہتے ہیں تو پھر اس کی قیمت کیا ہوگی؟ اس بات کا ایک نمونہ دبئی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

یہودی بینکوں میں عرب حضرات کی سرمایہ کاری:

یہودی بینکاروں نے اسرائیل کی جو مدد کی اور عربوں کو شکست دینے کے لیے جس طرح بے دریغ سرمایہ لٹایا، وہ سب کے سامنے ہے، لیکن عرب حضرات اسلام اور مسلمانوں کی فکر سے محروم ہو جانے کے سبب اپنی دولت انہی دشمنان دین وملت کے پاس رکھواتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ

ہے کہ عرب ممالک جو تیل بیچ رہے ہیں اور اس سے جو آمدنی ان کو ملتی ہے، اس سے وہ کچھ تو اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، لیکن باقی امریکی و یورپی بینکوں کے پاس چلی جاتی ہے، جبکہ یہ بات قابل غور ہے کہ جن یہودی بینکوں میں یہ قرض رکھواتے ہیں، ان سے یہ واپس نکال بھی نہیں سکتے۔ ہاں اگر کسی اور یہودی ادارے میں سرمایہ لگانا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ ایسا آسانی سے ممکن ہوتا ہے۔

اس طرح کے اکاؤنٹس میں کتنا پیسہ ہے؟ اس کا اندازہ ان تین ممالک کے اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے:

عرب امارات: 300 ارب ڈالر۔ قطر: 120 ارب ڈالر۔ کویت: 60-40 ارب ڈالر۔

بجائے اس کے کہ ہمارے عرب بھائی یہ پیسہ تعلیم و تحقیق، غریب مسلمانوں کی مدد، دینی اداروں کی خدمت اور جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کریں، وہ اس پیسے کو عیاشیوں اور فضول خرچیوں پر خرچ کرتے یا پھر انہی یہود و نصاریٰ کے ہاں رکھوا دیتے ہیں جو خود ان کے بھی دشمن ہیں۔ لندن اور کئی دوسرے یورپی شہروں میں عرب مسلمانوں نے پوری گلیاں کی گلیاں خرید لی ہیں۔ لندن میں Edgewarwe Oxford Street اور Piccardly (تقریباً) تمام کی تمام عربوں نے خرید لی ہیں، تا کہ جب تیل ختم ہو تو بھی ان کی آمدنی کا سلسلہ جاری رہے۔

اسکاٹ لینڈ کی سٹی کونسل نے اس بات کی توثیق کر دی ہے کہ "پرنسز اسٹریٹ" (جس میں مالدار عرب مسلمان دلچسپی رکھتے ہیں) کو بیچ کر اسے ایک فرد کے زیر انتظام (Single Ownership) کر دیا جائے، تا کہ اس کمرشل علاقے کی سڑک کے اطراف میں موجود عمارتوں کی بین الاقوامی سطح کی تعمیر نو ہو سکے۔

EDIN BURG کے سٹی کونسل کے ترقیاتی کاموں کے لیڈر Tom Buchanan کا کہنا ہے: "ہم سے بعض لوگوں نے رجوع کیا ہے، جن کے پاس بیرونی فنڈز تک رسائی ہے جو کہ Princes Street کو خریدنا چاہتے ہیں اور ان کے پاس بے تحاشا پیسہ ہے۔ اگرچہ یہ منصوبہ طویل ہے اور مختلف مالکوں کو تلاش کرنے اور مذاکرات کرنے میں 10 سال کا عرصہ بھی لگ سکتا ہے۔"

اس سڑک کی مالیت تقریباً 1.35 ارب پاؤنڈ ہے ($2.66 Billion) اس کے علاوہ RBS یعنی رائل بینک آف سکاٹ لینڈ (Royal Bank of Scotland) قطر میں بڑے

پیمانے پر سرمایہ کاری کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، جبکہ کویت بھی اس سلسلے میں اپنا پیسہ یورپ اور امریکا میں لگانے کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ یہ اس سب جانبدارانہ رویے کے باوجود ہے جو امریکا نے عربوں کے ساتھ اختیار کیا۔ مثلاً:

2005ء میں امریکا میں جب طوفان (کترینا) آیا تو اس کے بعد بندرگاہوں کا نظم و نسق امریکا نے Charity Fund کے لیے ٹھیکہ دینے کا فیصلہ کیا۔ اس ٹھیکے کی سب سے بڑی بولی عرب کمپنی ''دبئی پورٹ ورلڈ'' نے دی، لیکن بعد میں اس کمپنی پر اتنا دباؤ ڈالا گیا کہ آخرکار یہ دست بردار ہوگئی۔ وجہ صرف اتنی سی تھی کہ بندرگاہ جیسی حساس تنصیبات پر عرب کمپنی کو کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے؟

اسی طرح امریکا میں ایک ہوائی جہاز بنانے والی کمپنی کے حصص ''دبئی ایرو اسپیس'' (DAE) نے خریدے تو اس پر بھی بہت شور اٹھا۔ بعد میں جب تک DAE نے یہ اعلان نہیں کردیا کہ اسے فی الحال حصص بیچنے کی کوئی ضرورت نہیں اور وہ ایک مناسب وقت میں اسے اچھے داموں فروخت کردے گی، تب ہی جاکر شوروغل ٹھنڈا پڑا۔

اس سب کچھ کے باوجود عرب حضرات امریکا اور یورپی ممالک میں سرمایہ کاری کرنے سے باز نہیں آرہے ہیں۔ اسلامی بینکوں اور مسلم ممالک میں سرمایہ کاری کے بجائے مغربی ممالک میں عرب بھائیوں کی سرمایہ کاری درج ذیل ہے:

- UBS (سوئٹزرلینڈ کا بینک) 5 فیصد حصص کی خریداری زیرِ غور ہے (امارات)
- BARCLAY's BANK: 3 فیصد حصص کی خریداری امارات کے زیرِ غور ہے۔ (کویت اور قطر بھی امیدواروں میں شامل ہیں)
- جرمنی کے DUETSCHE BANK کے 2.19 فیصد حصص امارات کی حکومت کے پاس موجود ہیں۔
- CITI GROUP (CITI BANK): 4.9 حصص جس کی مالیت 7.5 ارب ڈالر ہے ابوظہبی کی حکومت کے پاس ہیں۔

ROYAL BANK OF SCOTLAND (RBS) قطر کی حکومت اس کے حصص کی خریداری میں دلچسپی لے رہی ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عرب مسلمان ان بینکوں کو اس وقت پیسہ فراہم کررہے ہیں جب یہ ہمارے بینک خسارے میں جارہے ہیں اور انہیں پیسے کی شدید ضرورت ہے۔ اس وقت اسلامی ممالک اور اسلامی اداروں میں سرمایہ کاری کرنے کی بجائے اور یہ ثابت کرنے کی بجائے کہ اسلامی معاشی نظام ہی وہ واحد دوا ہے، جس سے موجودہ مہنگائی، بے روزگاری کا علاج کیا جاسکتا ہے، ہمارے عرب بھائی ان سسکتے ہوئے یہودی سودی بینکوں کو سہارا دے رہے ہیں اور انہیں نزع کی حالت میں آکسیجن مہیا کررہے ہیں۔

اس کی سب سے بڑی مثال CITI GROUP کی ہے جس کا خسارہ 6.8 ارب ڈالر تک پہنچ گیا ہے، اس کو عرب سرمایہ دار حضرات کی طرف سے 7.5 ارب ڈالر کی امدادی سانس دی جارہی ہے۔ عرب اس حوالے سے کہتے ہیں: ''برے وقتوں میں تو یہ راضی ہوجائیں گے، لیکن اچھے وقتوں میں اس طرح کے سودے نہیں ہوپائیں گے۔''

اس فضول نظریے کے خلاف سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ اچھے وقتوں میں انہیں برداشت کریں گے؟ کیا پتا وہ ان عربوں کو اپنا بوریا بستر سمیٹنے کی اجازت بھی نہ دیں؟

اس وقت تقریباً تمام عالمی بینک خسارے میں ہیں۔ بنیادی طور پر اس کی وجہ امریکا میں گھروں میں قرض کی سود کی شرح میں کمی ہے، جسے ''Sub Prime Mortgage'' کہتے ہیں۔ مغربی ممالک کو جب مالی مشکلات پیش آئیں تو عرب سرمائے نے ان کو ہمیشہ سہارا دیا۔ ایسے کٹھن وقت میں ان بینکوں کے خسارے کو کم کرنے کے لیے ان کی مدد کرنا کتنی بڑی نادانی ہے؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھ دے۔

یہ المیہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ 9/11 کے بعد جہاز بنانے والی کمپنیاں خسارے میں جارہی تھیں تو اس وقت امارات، سعودیہ، قطر، بحرین، عمان، پاکستان اور بڑی تعداد میں مسلمان ملکوں نے 300 سے زائد بوئنگ جہاز خریدے، جس کی وجہ سے اس صنعت کو سہارا مل گیا۔ یہ کسی نے نہیں سوچا کہ

اس سہارے سے تقویت پانے والی دجالی نظام کی ہمنوا طاقتیں بے سہارا مسلمانوں کے ساتھ کیا کر رہی ہیں اور مزید کیا کچھ کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں؟ اجتماعی مفادات سے بے توجہی ہمیں یہ دن دکھا رہی ہے۔

فلسطینی مسلمانوں کی مظلومانہ حالت زار کے باوجود انہیں ظالم اور سنگدل صہیونیوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا اور اپنی بے تحاشا دولت سے صہیونیت کی مدد کرنے والے یہودی بینکاروں کو سہارا پہنچانا ہمارے دور کا وہ المیہ ہے، جس کی بنا پر دجال کے ہرکارے اور دجالی ریاست مضبوط ہو رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ رجوع الی اللہ، انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی دعوت کو عام کیا جائے۔ یہ وہ واحد ذریعہ ہے، جس کی بنا پر رحمان کے بندے، دجال کے لشکریوں کے سامنے جم کر کھڑے ہو سکتے اور اپنے سچے معبود کی بندگی اور پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا حق ادا کر سکتے ہیں۔

مآخذ و مصادر

گزشتہ مضمون میں دیے گئے اعداد و شمار درج ذیل کتابوں سے لیے گئے ہیں:

(1) ARTEH L. AVNERI: "The Claim of Dispocssion: Jewish land settelments and the labs 1878-48", Transaction Publishers (1984)

(2) ISSA KHAF: "Politics of Palastine: Arab Factionalism and Social Disintegration 1939-48", Suny University Press (1991)

(3) KENNETH W. STEEN: "The land Question in Palestine 1917-39" University of North Carolina (1984)

(4) ABRAHAM RABINOVICH: "THE YOAN KIPPUR WAR: THE GPIC ENCOUNTER THAT TRANSFORMED THE MIDDLE EAST"

(5) CNN REPORT "HUSSEIN IS DEAD"

David Ben Guion: "From Class to Nation: Riflections on the Vocation and Mission of the labour movement" (HEBREW An Ord-1976

اسرائیل کی کہانی

ایک مشرقی تحقیق کار اور ایک مغربی لکھاری کی زبانی

اگلے صفحات میں دنیائے مشرق و مغرب سے ایک ایک تحقیق کار کی تحریروں کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔ پہلی تحریر تاریخ کے تناظر میں "اسرائیلی ریاست کے مطالعہ" پر مشتمل ہے۔ اس میں اسرائیل کی زمانۂ قدیم سے تا عصر جدید تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ یہ مضمون ڈاکٹر ابرار محی الدین صاحب، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور کا تحریر کردہ ہے۔ آں جناب نے اسے اس عاجز کو اخبار میں بغرض اشاعت ارسال کیا تھا۔ اخبار میں تو شائع نہ ہو سکا، یہاں اس کی تلخیص پیشِ خدمت ہے۔ اصل مضمون "اسرائیل سے اسرائیل تک" کے نام سے لکھا گیا ہے اور ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے تحت شائع ہونے والے سہ ماہی جریدے "فکر و نظر" جلد 46، شمارہ 3، محرم - ربیع الاوّل 1430ھ، جنوری - مارچ 2009ء میں شائع ہوا ہے۔ مصنف اس کا خلاصہ افادۂ عام کے لیے مضمون نگار اور مذکورہ جریدے کے شکریے کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔ مقالے میں دی گئی انگریزی عبارات کا ترجمہ ساتھ ہی دے دیا گیا ہے۔ دوسری تحریر ایک کینیڈین صحافی "رابرٹ او ڈرسکول" کے خفیہ اسرائیلی دورے کے آنکھوں دیکھے حال پر مشتمل ہے جس میں قدم قدم پر قارئین کو تجسس و سنسنی خیزی کے ساتھ عالمانہ اور دیانت دارانہ عملی تحقیق کا امتزاج دیکھنے کو ملے گا۔ بیچ میں "مربع قوسین" میں دی گئی عبارات احقر کا تشریحی اضافہ ہیں۔ مؤلف کتاب کے اس حصے کو "اسرائیل کی کہانی" کا نام دے کر مذکورہ بالا دونوں تحقیق کاروں کے نام کرتے ہوئے ان کے لیے دعا گو ہے۔

دجالی ریاست: مشرقی محققین کی نظر میں

موجودہ دور مادی ارتقا کے عروج کا دور ہے۔ اس مادی ارتقا نے دنیا کو سمیٹ کر ایک بستی بنا دیا ہے۔ مختلف علاقوں کے لوگ اتنے قریب آ گئے ہیں کہ قبل ازیں اس قربت کا تصور بھی ناممکن تھا۔ یہ گلوبلائزیشن بجائے اس کے کہ بنی نوع انسان کے مسائل حل کرتی، لوگ ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوتے، ایک دوسرے کے مسائل حل کرتے، دنیا سے جہالت اور غربت کا خاتمہ ہوتا اور لوگ ماضی کے مقابلے میں زیادہ امن وسکون سے رہتے، اس کے برعکس اس کا اثر یہ ہوا کہ انسان انسان کے ہاتھوں دہشت گردی کا شکار ہو رہا ہے۔ یہ دہشت گردی کہیں سیاسی ہے، کہیں قوم پرستانہ ہے، کہیں معاشی ہے اور کہیں تہذیبی۔ اس دہشت گردی کے ساتھ ساتھ اس "گلوبلائزیشن" نے ریاستی دہشت گردی کو بھی جنم دیا، جس نے کمزور ممالک کے وجود کے لیے خطرات پیدا کر دیے۔ گلوبلائزیشن نے ایک عالمی معاشی استحصالی نظام کو جنم دیا جس کی پیدا کردہ مصنوعی مہنگائی دنیا کے غریب کو مزید غریب بنا رہی ہے اور دولت کو عالمی سطح پر چند سو خاندانوں کی تجوریوں میں تیزی سے منتقل کر رہی ہے۔ جس اخلاقی بے راہ روی نے یورپ اور امریکا کے معاشروں کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس "سمناؤ" (گلوبلائزیشن) کی وجہ سے وہ اب مسلم معاشروں پر میڈیا کے ذریعے مسلط کی جاری ہے۔ اس گلوبلائزیشن کے مسلط کردہ استحصال کے چنگل میں پوری دنیا جکڑی جا چکی ہے۔ اس جکڑن کا مرکز کہاں ہے؟ اوّل تو یہ بحث چھڑتی نہیں۔ اگر کہیں چھڑتی ہے تو مسائل کی نشاندہی کے لیے رازی وغزالی، رومی واقبال کے ایسے "ورثا" تلاش کر کے شریک بحث کیے جاتے ہیں، جن کو نہ اپنے ماضی کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی مستقبل میں تعمیر ملت کی تڑپ ان میں پائی جاتی ہے۔ یہ علمی قلاش بے چارے مسائل کا حل تو کیا بتائیں گے، مسائل کی نشاندہی بھی نہیں کر پاتے۔ ایسے مفکرین کی زیارت چینلز کے تنخواہ یافتہ جنگجو بازوں یا اخبارات کے Paid

لکھاریوں کی شکل میں کی جاسکتی ہے۔

انسانی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ معاشرتی انارکی اخلاقی ضابطوں کی خلاف ورزی اور مختلف ازمنہ کی تخلیق ماضی میں یہودی قوم کے سیاہ کارناموں میں سے ایک ہے۔ اس قوم کی پوری تاریخ اللہ کی کھلم کھلا نافرمانی، نسلی تعلی، ہوس زر، قتل و غارت گری اور ظلم سے عبارت ہے۔ ان بدکرداریوں کی بدولت یہ قوم ماضی میں ہر نبی کی بددعاؤں اور پھر اس کے نتیجے میں اللہ کے عذاب کی مستحق بنی ہے۔ اسی بدکرداری کا ہی نتیجہ ہے کہ دنیا کی دو بڑی الہامی کتب قرآن اور بائبل اس قوم کی مذمت پر متفق ہیں۔ اپنے زمانہ رسوائی (Diaspora) میں یہ ہر قوم کے ہاں نفرت کی نظر سے دیکھی جاتی رہی حتیٰ کہ آج اسرائیل کے مربی و محسن امریکا میں جب 1789ء میں امریکی دستور بنا تو اس وقت کے امریکی صدر بنجامین نے یہودیت کو امریکا کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا تھا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آج کی دنیا کے ہر فساد میں دراصل یہودی شیطانی ذہن کام کر رہا ہے۔ زارِ روس کے خلاف بغاوت اور عیسائیوں کے قتل میں یہی ہاتھ تھا۔ بینک آف انگلینڈ کی شکل میں برطانوی معاشیات کے مالک یہی ہیں۔ امریکی میڈیا پر مکمل کنٹرول ان کا ہے۔ دنیا میں سونے کی تجارت ان کے قبضے میں ہے۔ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کے قیام کے بعد سے عالمی حالات اتنی تیزی سے خراب ہونا شروع ہوئے ہیں کہ اس سے پہلے ایسا فساد انسانی تاریخ میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس کی بنیادی وجوہات اس قوم کے ماضی میں پوشیدہ ہیں، جن کا مطالعہ ضروری ہے۔

اس قوم کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی نسلی تعلی کا تصور ہے، جس کے مطابق یہ قوم دنیا کی سب سے اہم اور اللہ کے ہاں پسندیدہ ترین قوم ہے۔ ان کا یہ ذہنی تصور بائبل یوں بیان کرتی ہے کہ خدا نے قوم یہود سے مخاطب ہو کر کہا:

"I have chosen him in order that he may command his sons and his descendents to obey me and to do what is right and just."

''میں نے انہیں منتخب کیا ہے تاکہ وہ اپنے بیٹوں کی قیادت کر سکیں اور ان کے امتی میری اطاعت کریں اور وہی کریں جو صحیح اور متعین ہو۔''

اسرائیلیوں کی اس نسلی برتری کو ان کی مشہور قانون کی کتاب "Talmud" یوں بیان کرتی ہے:

"Heaven and earth were only created through the merit of Israel."

"جنت اور دنیا کو صرف اسرائیل کے معیار کے لیے پیدا کیا گیا۔"

"Whoever helps Israel is as though he helped the Holy One blessed be He. Whoever hates Israel is like me who hates Him."

"قوم اسرائیل کی مدد کرنا خدا کی مدد کرنا ہے اور اس سے نفرت کرنا خدا سے نفرت کرنا ہے۔"

تالمود کے اس جملے کے تحت امریکا کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ عراق اور افغانستان میں وہ جو کچھ کر رہا ہے دراصل خدا کی مدد کر رہا ہے۔ آخرت کی نجات صرف اسرائیلیوں کے لیے مخصوص ہے، غیر اسرائیلی اُخروی نجات نہیں پائیں گے۔

"No Gentiles will have a share in the world to come."

ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کسی یہودی کو جہنم میں نہ جانے دیں گے۔

"In the Hereafter Abraham will sit at the entrance of Gehinnom and will not allow any circumcised Israelite to descend into it."

"اور آخرت میں ابراہیم جہنم کے دروازے پر دھرنا دے دیں گے اور کسی اسرائیلی کو جہنم میں پھینکنے کی اجازت نہ دیں گے۔"

جو قوم فکری طور پر اس حد تک تنگ نظر ہو، اس قوم سے کیونکر توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ کسی عالمگیر مساوات کا پیغام دنیا کو دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تاریخ میں عالمگیریت اور مساوات کا تصور ناپید ہے۔ اس قوم کی تاریخ کا زریں دور حضرت داؤد علیہ السلام (1000 قبل مسیح) سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نبی بنے۔ آپ کے دور میں تہذیب و تمدن عروج پر تھا۔ روپے پیسے کی فراوانی تھی۔ اس دور میں عالمی حکمرانی صرف اور صرف آپ کے حصے میں تھی۔ گویا اس وقت "نیو ورلڈ آرڈر" آپ کا چلتا تھا۔

آپ نے بے شمار تعمیری کام کیے۔ ان میں ایک اہم کام "ہیکل سلیمانی" کی تعمیر بھی تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب اس کی تعمیر کرار ہے تھے، اللہ کے حضور اس میں برکت کے لیے دعا گو ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا، لیکن یہ بات بھی اسی وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے بیان کر دی کہ اگر تیری قوم میرے اصولوں پر قائم نہیں رہے گی اور غیروں کی پوجا کرے گی تو اس کو میں دنیا کے لیے سامان عبرت بنا دوں گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد سلطنت میں سیاسی اور مذہبی اختلافات حد سے بڑھ گئے۔ ان اختلافات میں ایک گروپ کا سربراہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا گھریلو ملازم "یربعام" تھا، جبکہ دوسرے گروپ کا سربراہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا "رحبعام" تھا۔ اختلاف حد سے بڑھے تو سلطنت (796 قبل مسیح) دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شمالی سلطنت جس کا نام اسرائیل تھا اور جس کا پایہ تخت سامریہ تھا، یہ سلطنت بنی اسرائیل کے دس قبائل پر مشتمل تھی۔ جس کا پہلا سربراہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہی غلام "یربعام" تھا، جبکہ باقی دو قبیلوں "یہوداہ" (حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قبیلہ) اور "بنیامین" کے قبیلے نے مل کر "جوڈیا" کی سلطنت جنوب میں قائم کی، جس کا پایہ تخت یروشلم تھا اور جس کا سربراہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا "رحبعام" بنا۔ یہ تقسیم 11 ویں صدی قبل مسیح عمل میں آئی۔ ہیکل سلیمانی جوڈیا کی سلطنت کے حصے میں آیا تھا، اس لیے اسرائیل والوں نے "بیتھل" (Bethal) نامی قصبہ میں ایک اور ہیکل تعمیر کر لیا (بیتھل کا معنی: عبرانی زبان میں خدا کا گھر ہے) "بیتھل" میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خداوند قیام کیا تھا اور یہاں اللہ کے حکم سے ایک معبد بھی بنایا تھا اور اس میں برکت کے لیے اللہ کے حضور دعا بھی کی تھی۔

آج اسرائیل ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ ہیکل کا نہیں سوچتا، بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تعمیر کردہ ہیکل کی تعمیر کی خاطر عالمی امن کو داؤ پر لگانے پر تلا بیٹھا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں: ایک تو یہ کہ اگر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ ہیکل کی بات کرے تو پھر بنو اسحٰق اور بنو اسماعیل میں دوریاں کم ہوتی ہیں، کیونکہ مکہ میں کعبہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر

کردہ ہے۔ ان کی نسلی تعلی ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ دوسرے ان کا اپنا اندرونی تعصب بھی آڑے آتا ہے۔ وہ اس طرح کہ "ہیکل" کا ہیکل دس گمشدہ قبائل (سلطنت اسرائیل) کا زیرِ ظل تھا، جبکہ ہیکل سلیمانی باقی دو قبیلوں "بنو یہودہ" اور "بنو یامین" (سلطنت جوڈیا) کے تصرف میں تھا اور موجودہ اسرائیل ان دو قبائل کا ہے۔ اس بنا پر وہ اپنے ہیکل کی بات کرتے ہیں، اسرائیل کے ہیکل کی بات نہیں کرتے۔ دونوں سلطنتیں دولت کی فراوانی اور عیش و آرام کے باوجود باہم برسرِ پیکار رہتیں، پرتکلف دستر خوان، ناؤ و نوش اور موسیقی کی دلدادگی تہذیب کا شعار بن چکا تھا اور طبقہ شرفا میں شمولیت کے لیے ان "آدابِ محفل" (Etiquettes) کی پابندی ضروری تھی۔

قوموں کا زوال معاشرے پر مذکورہ اخلاقی ضابطوں کی گرفت کمزور پڑنے سے شروع ہوتا ہے۔ جب قومیں ان اخلاقی ضابطوں کی پابندی کرنا چھوڑ دیں تو تن آسانی، عیش و آرام، شراب و شباب، طبقاتی استحصال اور عدل کی عدم فراہمی معاشرے میں گھر کر لیتی ہے۔ اس طرح قوم اپنے زوال کی طرف لڑھکنا شروع ہو جاتی ہے۔

اخلاقی زوال اپنے ساتھ طبقاتی استحصال اور حصولِ انصاف میں دشواری بھی ساتھ لاتا ہے۔ اس بنا پر ہوسِ زر نے غریب طبقے پر معاش اور انصاف کے دروازے بند کر دیے تھے: "تم مسکینوں کو پامال کرتے ہو اور ظلم کر کے گیہوں چھین لیتے ہو۔ اپنے لیے تراشے ہوئے پتھروں کے مکانوں میں تم نہ بسو گے۔ تم صادقوں کو ستاتے، رشوت لیتے اور پھاٹک (شہروں) میں مسکینوں کی حق تلفی کرتے ہو۔"

شراب عام ہو گئی تھی: "وہ مے خواری سے پُر ہو کر بدکاری میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس کے حاکم رسوائی دوست ہیں۔" بائبل میں "یوشع" کا پورا جز، یہ بات قطعی طور پر واضح کرتا ہے کہ "لبرازم" (Enlightenment یا Libraslism) نے شراب اور زنا عام کر دیا تھا۔ جہاں یہ خوفناک اخلاقی برائیاں عام ہوں وہاں ان برائیوں کے مقدمات کس کس شکل میں ہوں گے، بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس قوم کی اخلاقی بدکاریوں کے بیان کے لیے انگریزی بائبل "پروٹسنٹ" (Protestant) میں ایک جملہ یوں ہے:

"You yourselve go off with temple Prostitutes and together with them offer pagen sacrifice."

اس نسخے کی تشریح فٹ نوٹ پر یوں کی گئی ہے:

"Temple prostituts, these women were found in Canaanite temples where fertility gods where worshipped. It was believed that intercourse with prostituts assured fertile fields and herds."

کیتھولک بائبل کی عبارت اس سے کچھ مختلف ہے، لیکن اس سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حرام کاری معبدوں میں بھی ہوتی تھی۔ اس حرام کاری سے یہ تصور وابستہ تھا کہ خدا خوش ہو کر ان کو معاشی طور پر خوشحال کرتا ہے۔

جس معاشرے کی قدریں اس حد تک زوال کا شکار ہو جائیں کہ سیاسی اور مذہبی لوگ بھی بدکردار ہو جائیں اور شریف آدمی معاشرے میں اپنے آپ کو اجنبی سمجھنے لگے تو پھر عذاب الٰہی ان معاشروں کا مقدر بن جاتا ہے، چونکہ یوشع نبی نے انہیں یہ بتا دیا تھا: "سامریہ اپنے جرم کی سزا پائے گا کیونکہ اس نے اپنے خدا سے بغاوت کی ہے۔ وہ تلوار سے گرائے جائیں گے۔ ان کے بچے پارہ پارہ ہوں گے اور باربردار عورتوں کے پیٹ چاک کیے جائیں گے۔"

اب آیئے! دوسری یہودی ریاست یہودیا (جوڈیا) کا حال بائبل کے حوالے سے سنئے ہیں۔ جوڈیا کا پہلا حکمران حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا "رجعام" تھا۔ مرکزی ہیکل سلیمانی (معبد) ان کے پاس تھا۔ ان میں مشہور انبیاء یسعیاہ، حزقی ایل اور جرمیاہ ہوئے ہیں۔ ان انبیاء کی تمام تر مساعی سعیدہ کے باوجود اپنے اسلاف کی تمام تر برائیاں ان میں بھی بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں بیان کیا ہے کہ بڑے بیٹے کی قربانی کا تصور ان میں معروف تھا۔ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ اسرائیلی سلطنت میں اس کا تصور نہ تھا، لیکن جوڈیا کی سلطنت میں اس رسم بد کی ابتدا جوڈیا کے فرمانروا ارہارنے کی۔ اس رسم بد

پر سب سے زیادہ احتجاج نبیِ وقت یرمیاہ نے کیا۔ اس طرح ''یہوداہ'' (خدا) کے مجسموں کی پوجا کی جاتی تھی۔ شرک اور بت پرستی اس حد تک قوم میں گھر کر گئی کہ آگے چل کر ان کے ہاں سورج دیوتا کی مورت کی پوجا بھی شروع ہو گئی جس پر حزقی ایل نبی نے سخت سرزنش کی:

''تمہارے اونچے مقاموں کو غارت کیا جائے گا اور تمہاری قربان گاہیں اجڑیں گی اور سورج دیوتا کی مورتیں توڑ ڈالی جائیں گی۔''

زناکاری ان میں شروع دن سے جڑ پکڑ چکی تھی، جس کا ذکر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے دور کے حالات میں بھی کیا ہے۔ یہ بُرائی بھی جوڈیا میں زوروں پر تھی۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے منسوب یہ قول بائبل کا حصہ ہے: ''میں نے جب ان کو سیر کیا تو انہوں نے قحبہ خانوں میں بدکاری کی اور ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا۔'' اس ملک میں لوطی بھی تھے جو وہ سب مکروہ کام کرتے تھے جن کی بنا پر اسرائیلی مستوجب سزا ٹھہرے تھے۔''

یہ بدکاری ان میں اس حد تک بڑھ گئی کہ محرم رشتوں کا تصور بھی ان کے ہاں ختم ہو گیا: ''تیرے اندر وہ ہیں جو فسق و فجور کرتے ہیں، تیرے اندر وہ ہیں جو اپنے باپ کی حرم شکنی کرتے ہیں۔ ناپاکی کی حالت میں مباشرت کرتے ہیں۔ کسی نے دوسرے کی بیوی سے بدکاری کی۔ کسی نے اپنی بہو سے کی۔ کسی نے اپنی بہن کو رسوا کیا۔ تیرے اندر ہوس زر کی وجہ سے خون ریزی کی گئی۔ تو نے سود لیا اور ظلم کر کے اپنے پڑوسی کو لوٹا۔'' بائبل کے اس بیان کو پڑھنے کے بعد آج امریکا میں اُٹھنے والی اس تحریک کا جائزہ بھی لیں جس کا بنیادی مقصد رشتوں میں محرمات کے تصور کو ختم کرنا ہے۔ 1960ء کی دہائی میں 79 ایسی فلمیں دکھائی گئیں جو محرمات سے نکاح پر مبنی تھیں۔ امریکی رسالہ ٹائم نے ان رجحانات پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے ایک مضمون لکھا جس کا ایک جملہ یوں تھا:

"Incest taboo is dying of its own irrelevance."

اس موضوع پر فلمیں دکھانے کا مطلب اس قبیح فعل پر شرمانے کی بجائے فخر کرنا ہے۔ یہ بات امریکی معاشرے میں نئی نہیں ہے۔ جوڈیا کی سلطنت میں عوام اتنے ''روشن خیال'' (Enligtenment) تھے کہ وہ اس قسم کی بدکرداری پر شرماتے نہ تھے: ''کیا وہ اپنے مکروہ

کاموں پر شرمندہ ہوئے؟ وہ ہرگز شرمندہ نہ ہوئے بلکہ وہ لجائے تک نہیں۔ اس لیے وہ گرنے والوں کے ساتھ گریں گے۔"

ان کی اخلاقی بدکرداریوں کا ایک جزو راتوں کو شباب و کباب کی محفلیں سجانا ہوتا تھا، جس کو آج کی مغربی تہذیب کا لازمی جز خیال کیا جاتا ہے: "ان پر افسوس جو صبح سویرے اٹھتے ہیں تاکہ نشہ بازی کے درپے ہوں اور جو رات کو جاگتے ہیں جب تک شراب ان کو بھڑکا نہ دے۔ ان کے جشن کی محفلوں میں بربط، ستار، دف اور شراب ہے۔ وہ خدا کے کام کو نہیں سوچتے۔" وہ ہر طرف سے اپنا نفع ہی ڈھونڈتے ہیں۔ ہر ایک کہتا ہے: "تم آؤ میں شراب لاؤں گا اور ہم خوب نشہ میں چور ہوں گے اور کل بھی آج ہی کی طرح ہوگا بلکہ اس سے بھی بہتر ہوگا۔" بائبل کے ہر دو حوالہ جات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کی پارٹیاں کاروباری بنیادوں پر ہوتی تھیں۔ جیسا کہ آج کا مہذب فائیو اسٹار کلچر ہے۔

اس اخلاقی معاشرتی بگاڑ کی اصلاح کا کام وہاں کے مذہبی طبقے کی ذمہ داری تھی، لیکن اسرائیلی ریاست کی طرح یہاں بھی مذہبی طبقہ بذات خود معاشرے پر ایک اخلاقی داغ تھا۔ اس دور کے مذہبی لوگوں کے کردار کو بائبل مختلف مقامات پر اور مختلف حوالوں سے بیان کرتی ہے۔ ان میں سے چند مقامات ملاحظہ ہوں:

"سب چھوٹے سے بڑے تک لالچی اور نبی سے کاہن تک دغاباز ہیں۔"

"میں نے سامریہ کے نبیوں میں حماقت دیکھی ہے۔ انہوں نے بعل کے نام سے نبوت کی ہے۔ میں نے یروشلم کے نبیوں میں ایک ہولناک بات دیکھی ہے۔ وہ زناکار، جھوٹ کے پیرو اور بدکاروں کے حامی ہیں۔ کوئی اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔ وہ سب میرے لیے سدوم اور عمورہ کی مانند ہیں۔"

"اس کے کاہنوں نے میری شریعت کو توڑا ہے۔ انہوں نے نجس اور طاہر میں فرق نہیں کیا ہے۔ انہوں نے مقدس اور عام میں فرق نہیں کیا۔ اس کے امراء شکار کو پھاڑنے والے بھیڑیوں کی طرح ہیں، جو ناجائز نفع کی خاطر خون ریزی کرتے اور جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور ان کے نبی ان کے لیے کچی کہگل ہیں۔ باطل خواب دیکھتے اور جھوٹی فالگیری کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خداوند یوں فرماتا ہے، حالانکہ خدا نے نہیں کہا۔"

یسوعؑ نے بات ختم کی تو ایسا ہوا کہ بھیڑ اس کی تعلیم سے حیران ہوئی کیونکہ وہ ان کے فقیہوں کی طرح
نہیں بلکہ صاحب اختیار کی طرح ان کو تعلیم دیتا تھا۔" یہ عبارت میں وضاحت کر رہی ہے کہ زمانے کے مروجہ
مذہبی طبقے کی تعلیمات سے ہٹ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات منفرد قسم کی (الہامی) تھیں۔

نوٹ: بائبل میں جا بجا "جھوٹے نبی" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ اس بارے میں
ذہن میں رہے: "یہودی اصطلاحات میں نبوت، اسلامی نبوت سے بالکل الگ مفہوم رکھتی ہے۔ ان
کے ہاں یہ ضروری نہیں کہ نبی کا تعلق اللہ کے ساتھ جڑا ہوا اور مستحکم ہو یا اس کی نسبت مع اللہ قوی
ہو۔" وہ نبی یا نبوت کے قائل صرف ان کے لغوی معنی میں تھے۔ نبی ان کے ہاں پیش گوئی کرنے
والا زیادہ سے زیادہ ہو سکتا، وہ صاحب کشف بھی ہو، جیسے مشرک قوموں میں کاہن۔ ان کے ہاں نبی
اور کاہن کی اصطلاحات میں ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔"

ان تعلیمات کو ہوس زر کے مارے دولت مند مذہبی ٹھیکیدار کیونکر قبول کرتے، ان کی ہوس زر
کا عالم یہ تھا کہ مذہبی اجارہ داروں سے ملی بھگت کر کے یہ لوگ خود ہیکل سلیمانی میں خرید و فروخت
کے بازار لگاتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر "یسوعؑ نے خدا کے ہیکل میں داخل ہو کر ان سب کو نکال
دیا، جو ہیکل میں خرید و فروخت کر رہے تھے اور صرافوں کے تختے اور کبوتر فروشوں کی چوکیاں الٹ
دیں اور ان سے کہا کہ یہ لکھا ہے کہ میرا گھر دعا کا گھر کہلائے گا مگر تم اسے ڈاکوؤں کی کھوہ بناتے ہو۔" ہوس زر کی
انتہا تھی اور مذہبی طبقے کی بدکرداری کے عروج کا یہ عالم تھا کہ بداخلاقی اور بدکرداری کی تعلیم دینا
دولت کمانے کا بڑا ذریعہ بن چکا تھا۔ "بہت سے لوگ سرکش، بیہودہ اور دغاباز ہیں۔ خاص کر
مختونوں میں سے ان کا منہ بند کرنا چاہیے۔ یہ لوگ ناجائز نفع کی خاطر ناشائستہ باتیں سکھا کر گھر
کے گھر تباہ کر دیتے ہیں۔" پولس کا یہ خط ططس کے نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اس قوم کی
اخلاقی بدحالی کی تصویر پیش کرتا ہے۔

بدکرداری و بداخلاقی کو۔ یہ آمدنی بنانے والی قوم آج اگر فلم انڈسٹری (خاص طور پر امریکا
کی بات ہو) اور الیکٹرانک میڈیا پر قابض ہو۔ "فوکس لائف" (Fox Life) نام سے چینل
چلا رہی ہو، سب دکھائے جو نہیں دکھایا جانا چاہیے۔ انٹرنیٹ پر فحش فلمیں دکھا کر رہا سہا اخلاقیات کا

جنازہ نکالا جائے تو یہ ان کے ماضی کا تسلسل ہے۔ ان کے ہاں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تعلیمات میں ان مذہبی بدکرداروں کی سب سے زیادہ مذمت کی ہے جو الفاظ کی حد تک تو تعلیمی سرگرمیوں میں حصہ لیتا تھا لیکن عملی طور پر بدکردار تھا۔ ان مذہبی بیانات کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

(1)...... "فقیہ اور فریسی موسیٰ علیہ السلام کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ پس وہ جو کچھ تمہیں بتائیں وہ سب کرو لیکن ان کے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ جو کہتے ہیں کرتے نہیں ہیں۔

(2)...... وہ اپنے تعویذ بڑے بناتے اور اپنی پوشاک کے کنارے چوڑے رکھتے ہیں اور ضیافتوں میں صدر نشین اور عبادت گاہوں میں اعلیٰ درجے کی کرسیاں اور بازاروں میں سلام اور آدمیوں سے ربی کہلانا پسند کرتے ہیں۔

(3)...... اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس! تم بیواؤں کے گھروں کو دباتے ہو اور دکھاوے کے لیے نمازوں دیتے ہو، تمہیں زیادہ سزا ہوگی۔ مذکورہ عبارات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ غریب طبقہ کے معاشی استحصال میں یہ لوگ برابر کے شریک تھے۔

(4)...... ان کے معاشرے میں پیری مریدی ایک کاروبار بن چکی تھی جس کا بنیادی مقصد مذہب کے نام پر بدعملی پھیلانا تھا۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا سفر کرتے ہو اور جب مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا ایندھن بناتے ہو۔ خط کشیدہ عبارت صاف ظاہر کرتی ہے کہ مذہب کے نام پر بے عملی پھیلائی جا رہی تھی۔

(5)...... قبریں بنانا اور ان کو آراستہ کرنا بھی ان کی مذہبی تعلیمات کا حصہ تھا۔ چنانچہ بائبل ہی کا بیان ہے: "اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ نبیوں کی قبریں بناتے اور راست بازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو۔" اس شیطانی نظام کے مرکزی کردار یہ مذہبی لوگ پرلے درجے کے بدکردار ہوتے تھے۔ "اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس! کہ تم سفیدی پھری قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں، مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور نجاست سے بھری ہیں۔ اس طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راست باز دکھائی دیتے ہو، مگر باطن میں

ریاکار اور بے دین ہو۔''

(6) یہاں کی سوسائٹی میں موجودہ دور کے اوقاف سے ملتا جلتا ایک محکمہ تھا جو لوگوں سے ٹیکس وصول کرتا تھا۔ یہ ٹیکس ایک مذہبی ٹیکس بھی تھا جو آمدنی کا 10 فیصد ہوتا تھا۔ اس کی ادائیگی کے بعد احکام شرعیہ کی پابندی ضروری خیال نہ کی جاتی تھی۔ ''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس! کہ پودینہ، سونف اور زیرہ پر تو دہ یکی [عشر: 10 فیصد] دیتے ہو پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف، رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔'' (یہ تمام مذکورہ اقتباسات ''متی'' کے باب 23 سے لیے گئے ہیں۔)

ان دو وجوہات کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف مذہبی طبقے کی مخالفت ایک فطری بات تھی۔ چنانچہ یہ طبقہ آپ کو ختم کرانے کی تجاویز سوچنے لگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کس جرم میں پھانسی دی گئی؟ یہودی اور عیسائی لٹریچر میں اس بارے میں بیانات مختلف ہیں۔ بائبل کے مذکورہ بالا بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جرم یہ تھا کہ آپ نے ہیکل کو گرانے کی بات کی تھی جبکہ یہودیوں کی سب سے معتبر کتاب ''تالمود'' (Talmud) (یہودیوں کی یہ کتاب کئی اجزاء پر مشتمل ہے اور ہر جزو کے آگے اجزاء ہیں اور کل 163 اجزاء پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب دس ضخیم جلدوں میں چھپی ہوئی ہے۔ ایک صفحہ عبرانی زبان میں اور دوسرا انگریزی میں ہے۔ یہ کتاب ان کے نزدیک بائبل سے زیادہ معتبر ہے۔) کے مطابق یسوع خاندانی لحاظ سے گرا ہوا آدمی، جادوگر تھا (جادو) سکھاتا تھا۔ یہودی قوانین کے مطابق جادوگری کی سزا پھانسی ہے، انصاف کے تمام تقاضے پورے کر کے اس کو پھانسی لگایا گیا ہے۔

تالمود کا یہ بیان سراسر جھوٹ ہے۔ پھانسی کی اصل وجہ یہ دو باتیں یعنی ہیکل کو گرانے کا دعویٰ اور مذہبی طبقے کی اصلاح تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی معاشرے کے مذہبی طبقے کی اصلاح سب سے زیادہ مشکل کام ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یہ لوگ ماضی میں انبیاء کے ساتھ جو سلوک کرتے رہے ہیں، مجھ سے بھی یہی سلوک کریں گے۔ انبیاء کی خداداد فقیہانہ اور حکیمانہ بصیرت حالات کو سب سے زیادہ سمجھنے والی ہوتی ہے۔ بائبل بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اندازہ ہو چکا تھا کہ

ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اس لیے آپ نے مصلوب ہونے سے پہلے یہ بتا دیا تھا کہ ان کی ان نافرمانیوں، قتل انبیاء اور اخلاقی گراوٹوں کے باعث یروشلم مع ہیکل ختم ہونے والا ہے۔ حتیٰ کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے گا۔" (۹۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ پیشگوئی یوں پوری ہوئی کہ آپ کے بعد رومیوں نے ان پر اپنے مذہبی قوانین جبراً نافذ کیے اور حکم دیا کہ دیگر رعایا کی طرح یہودی بھی شہنشاہ کی عبادت کیا کریں۔ جس پر ۶۶ عیسوی میں یہودیوں نے آزادی کی تحریک شروع کی۔ یہ تحریک علاقے میں رومی اقتدار کے لیے خطرہ بنی تو رومی حکمران ٹائٹس نے ۷۰ عیسوی میں حملہ کر کے پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور ہیکل کو بنیادوں سے ختم کر دیا۔

اس صورت حال نے یہودیوں کو فلسطین سے دوسرے علاقوں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ کچھ لوگ روس اور یورپ کی طرف ہجرت کر گئے۔ کچھ لوگ اسپین (مسلم سلطنت) کی طرف نکل گئے اور کچھ عرب علاقوں میں جا بسے جن میں سے تین قبیلوں بنو قینقاع، بنو نضیر اور قریظہ نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بنو نضیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی کوشش کی۔ اس بنا پر مدینہ سے نکال دیے گئے۔ فتح خیبر کے موقع پر ایک یہودیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت پر بلا کر کھانے میں زہر دینے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی شہید ہو گئے جن کے قصاص میں اس یہودیہ کو قتل کیا گیا۔

دور صحابہ، اموی دور اور عباسی دور میں یہ لوگ مسلم علاقوں میں نہایت امن اور سکون سے رہے۔ یہ احسان فراموش قوم اپنی اس بے خانمائی (Diaspora) کے دور میں مسلم علاقوں میں حکومت کے ایوانوں سے لے کر کاروباری دنیا میں مکمل دخیل تھی۔ اسلامی ریاست میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام چھ صدیوں سے زیادہ عرصہ امن اور ہم آہنگی سے رہے۔ باقی یورپ کی طرح انہیں ظلم و ستم کا نشانہ نہیں بننا پڑا۔ لیکن جب مسلم اقتدار کا خاتمہ ہوا تو عیسائیوں نے ان لوگوں کو جبراً عیسائی بنایا یا پھر قتل کیا گیا۔ عیسائیت قبول کرنے والے یہ یہودی "کنویسوس" (Canvesos) کہلائے لیکن عام عیسائی انہیں نفرت سے "مارانوس" (Marranos) خنزیر کہتے تھے۔

عثمانی ترکوں کے دور میں بھی مسلمانوں کی مہمان نوازی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس قوم نے مسلمانوں کو یہ صلہ دیا کہ عثمانی خلیفہ سلطان محمد رابع 1687ء سے ... میں یہودیوں نے شبتائی زیوی کی قیادت میں ریاست کے خلاف بغاوت کی۔ جب اسے گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو یہ مسلمان ہو گیا لیکن اندرونی طور پر یہ یہودی ہی رہا۔ اس کے بعد اس کے پیروکاروں میں سے دو سو یہودی خاندانوں نے بظاہر اسلام قبول کیا لیکن اندرونی طور پر یہ یہودی ہی رہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ مسجدوں میں نماز پڑھتے لیکن خفیہ طور پر اپنے معبدوں (Synogoge) میں عبادت بھی کرتے۔ یہ گروہ "دونمہ" (Donmeh) کہلاتا ہے (مصطفیٰ کمال اتاترک اور اس کے ساتھی اسی تحریک کے رکن تھے۔ اسی فرقہ میں ایک اور گروہ پیدا ہوا جس کا سربراہ جیکب فرینک 1791ء تھا۔ اس نے جنسی آزادی کا نعرہ لگایا۔ آج کے دور کے بہت سے جدید رجحانات، سیکولرازم، تشکیک پسندی، دہریت، عقلیت پسندی، منفیت پسندی، تکثیریت اور عقیدے کو نجی معاملہ سمجھانے کے پیش رو بھی یہودی ہیں۔

اپنی اس بے خانمائی (Diaspora) جسے قرآن نے "ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ" کہا ہے، کے دور میں یہ قوم ایک طرف مسلم علاقوں میں بڑے مزے سے رہ رہی تھی جبکہ یورپ میں اس کے ساتھ انسانیت سوز سلوک ہو رہا تھا۔

تاریخی بدکرداریوں کی حامل یہ قوم ماضی کی طرح آج بھی ہر جگہ، ہر علاقے اور ہر قوم کے ہاں نفرت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، جس کا اقرار یہودی قوم کے نجات دہندہ "تھیوڈور ہرٹزل" (Theodore Hertzel) کو بھی تھا۔ ہرٹزل اس بات کا شاکی رہا ہے کہ آخر پوری دنیا میں ہم سے نفرت کیوں کی جاتی ہے؟ ہرٹزل کو یقیناً اس کا جواب بھی معلوم تھا اور وہ تھا ان کی یہ تاریخی بدکرداریاں اور احسان فراموشیاں جو آج کتب تاریخ و مذاہب میں پوری طرح محفوظ ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے (بنی اسرائیل) درمیان مبعوث ہونے والے ہر نبی کی زبان سے لعنت کے مستحق بنتے رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر آج تک دنیا کی پوری قیادت ماسوائے سابقہ امریکی صدر بش کے ان کو نفرت کی نظر سے دیکھتی ہے۔

ہم نے بنی اسرائیل کا یہ سارا کردار ان کے مذہبی لٹریچر کی روشنی اور حوالہ جات سے بیان کیا ہے۔ اگر اس کی پوری تفصیل کو سمویا جائے تو ان کا قومی مزاج دو خصائص پر مبنی دکھائی دیتا ہے: "ایک نسلی تعلی، دوسرے ہوسِ زر"۔ ماضی کی تاریخ ہو یا حال کا ذکر، یہ قوم جس علاقے اور جس ملک میں گئی اپنے نسلی برتری کے زعم کی بنا پر اقلیت میں ہونے کے باوجود وہاں کی تہذیب کو قبول کرنے کے بجائے انہوں نے وہاں اپنا کلچر تھوپنے کی کوشش کی۔

ہوسِ زر کی خاطر ان کے اخلاقی ضابطے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ ماضی میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور اب امریکا میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ دولت کی خاطر وہاں برُائی پھیلا رہے ہیں۔ 1920ء میں ہنری فورڈ اول نے امریکا میں یہودی تعلی سے خبردار کرنے کے لیے "ہماری بین الاقوامی یہودیت" (Our International Jews) لکھی۔ اس میں وہ ان کے مزاج کی اس خاصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The claim made for the jews that they are sober race may be true but that has not obscured two facts concerning them that they usually constitute the liquar dealers of countries where they live in numbers and that in the United States they were only the race exempted from the operation of the prohibition law."

آج اس ملک کی ہوس زر کا یہ عالم ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ جس ملک کو امریکا مدد مہیا کرتا ہے وہ اسرائیل ہے۔ چنانچہ "رون ڈیوڈ" مشہور امریکی مصنف لکھتا ہے: "امریکا ہر سال اسرائیل کو 3 ارب ڈالر فنڈ مہیا کرتا ہے۔ یہ امداد فی اسرائیلی 1000 اور فی اسرائیلی سپاہی 9000 ڈالر بنتی ہے۔ اس رقم میں اسرائیل کو مہیا کیا جانے والا اسلحہ شامل نہیں ہے۔" اس طرح یہ قوم آج امریکی عوام پر بوجھ بنی ہوئی ہے۔ ہوسِ زر ہی کی وجہ سے اسرائیل عورتوں کی خرید و فروخت کا ایک بڑا مرکز ہے۔ لاہور سے شائع ہونے والے اردو ہفت روزہ "ندائے

حال ہی میں لندن سے شائع ہونے والے مشہور عربی جریدے ''المجلۃ'' کے حوالے سے ایک مضمون میں بیان کیا گیا ہے: ''یہاں (اسرائیل) میں پوری دنیا بالخصوص روس سے لڑکیاں لائی جاتی ہیں جن کی قیمت ایک ہزار سے چار ہزار ڈالر تک ہوتی ہے۔ یہاں عورتیں کرائے پر بھی میسر ہوتی ہیں۔ 150، 300 اور 500 ہزار اسرائیلی کرنسی ''شیکل'' (Shequel) میں آدھے گھنٹے کے لیے کرائے پر عورت مل جاتی ہے جبکہ منشیات، ایڈز اور منی لانڈرنگ کا بھی یہ ملک ایک بڑا مرکز ہے۔'' جنس زدگی نے اس ملک کے معاشرے کا یہ رنگ بنا دیا ہے۔ یوں یہ ملک اپنے ان گھناؤنے کرتوتوں کی بنا پر دنیا کی اخلاقیات کی تباہی کا سامان پیدا کر رہا ہے۔ اس ملک کی قتل و غارت گری کی پالیسی بھی کوئی پوشیدہ نہیں ہے۔ اسرائیل کی اس قتل و غارت گری کا اعتراف خود اسرائیلی اہل علم کو بھی ہے۔ پروفیسر ''شاحک'' (Shahik) تل ابیب یونیورسٹی کیمسٹری کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ''جیوش ہسٹری اینڈ جیوش اسٹیٹ'' (Jewish History and Jewish State) میں عربوں پر اسرائیلی مظالم کی داستانیں تفصیل سے لکھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہودیوں پر سخت پابندی ہے کہ وہ غیر یہودیوں کو زمین مزارعت پر بھی نہیں دے سکتے۔ وہاں تعصب کا یہ عالم ہے:

"A jew could not even drink a glass of water in the home of a non-jew."

فلسطینیوں کے قتل عام کے بارے میں معروف اسرائیلی مورخ ''ایلان پاپ'' (Ilan Pape) جو 2007ء تک حیفا یونیورسٹی میں پروفیسر رہے ہیں، کی کتاب ''The Ethnic cleansing of Palist'' میں درج ہے: ''دسمبر 1947ء سے 1949ء تک فلسطینیوں کا مسلسل 31 بار قتل عام ہوا۔ یہودیوں نے فلسطینیوں کی 418 بستیاں صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ ماہنامہ مذکورہ مورخ کے حوالے سے مزید لکھتا ہے کہ موصوف نے جنوری 2008ء میں ''مانچسٹر میٹروپولیٹن'' یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

''جس طرح فلسطینیوں کا نسلی صفایا ہوا ہے وہ ناقابل فراموش ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد

اسرائیل نے ایک منظم منصوبے کے تحت قتل عام کرکے نصف سے زیادہ فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے 1967ء سے اب تک دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں۔ یہ دہشت گردی کی تاریخ کا وہ تسلسل ہے جو انبیاء کے قتل سے شروع ہو کر فلسطینیوں کے قتل تک آ پہنچا ہے۔ اپنے انبیاء کی قاتل قوم غیر یہودی نسل کے لوگوں کی طرف انسان دوستی کا ہاتھ کیسے بڑھا سکتی ہے؟ یہ سوچنا بھی حماقت ہے۔''

اخلاقی گراوٹ کے لحاظ سے بھی اسرائیل دنیا کے ممالک میں صف اول پر ہے۔ آج انسانیت جس بداخلاقی و بدکرداری کی طرف جا رہی ہے اس میں بھی مکمل اسرائیل کا ہاتھ ہے۔ یہودی نیٹ ورک ''فوکس لائف'' (Fox Life) چینل کے شرمناک پروگرام اور انٹرنیٹ پر حیا سوز فلمیں یہودی بداخلاقی کی زندہ تصویر ہیں۔ تل ابیب ہم جنس پرستی کا دنیا میں ایک بڑا مرکز ہے۔ یہاں کا ''Gay Pride Centre'' مشہور ہے جہاں ہر سال ایک لاکھ ''Gay'' جلوس نکالتے ہیں۔

اسرائیل میں شراب سازی کی صنعت بڑے زوروں پر ہے۔ تقریباً دو درجن کارخانے اسرائیل میں شراب بناتے ہیں۔ یہاں کی تیار کردہ شراب، فرانس جو شراب سازی میں سب سے آگے ہے، کی شراب سے زیادہ پسند کی جاتی ہے۔ شراب بنانے کے لیے ''بوتیک شراب ساز کارخانے'' (Boutique Wineries) قائم کیے گئے ہیں۔ ان میں مشہور بوتیک یروشلم کے مغرب میں جوڈیا کے پہاڑوں میں ہے۔ اس کی تیار کردہ شراب کو مسلسل تین سال ''وائن آف دی ایئر'' (Wine of the Year) کا اعزاز مل چکا ہے۔

فحاشی کے پھیلاؤ کے لیے ''Enlightenment'' کی اصطلاح یہودی تاریخ کی ایجاد ہے۔ جس کے مطابق اٹھارویں صدی میں مشرقی یورپ کے ''آرتھوڈوکس'' یہودیت کی تحریک برائے تحفظ یہودی تہذیب اٹھی، تو اسی دور میں اس کے برعکس مغربی یورپ میں یہودیوں میں اخلاقیات سے آزادی کی تحریک چلی۔ اس تحریک کا کرتا دھرتا ایک یہودی ''موسیٰ مینڈلسن'' (Moses Mondelessohn) 1786ء تھا:

"As such Mendelssohn became a symbol and reform and liberalism-a reform of belief and in religious matters."

اس تحریک کو مزید تقویت ... انقلاب [illegible] ... یہودیوں کی جماعتوں نے مہیا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودیوں نے اپنی معاشرتی حیثیت کو بہتر بنانے کے لیے اخلاقی آزادی، آزاد خیالی اور روشن خیالی کی بنیاد پر "ریفارم یہودیت" (Reform Judaism) کے نام سے یہودی مذہب میں ایک تبدیلی قبول کی۔ اس روشن خیالی کے نتیجے میں یہودی سوسائٹی میں تین بڑے کام ہوئے:

(1)...... مذہب اور معاشرت دو الگ الگ چیزیں تسلیم کی گئیں۔ اس کے مطابق مذہبی لحاظ سے یہودیت کا مکمل وفادار رہتے ہوئے مغربی تہذیب کو مکمل طور پر اپنا لیا گیا۔ یہی چیز اب مسلمانوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

(2)...... یہودی لٹریچر کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کے تحت مسلمانوں کو یہ ترغیب دینا ہے کہ وہ اپنی تمام مذہبی کتب بشمول قرآن کو صرف دیگر زبانوں میں شائع کیا جائے اور اصل ٹیکسٹ سے جان چھڑوائی جائے۔ اسی بنا پر آج کل صرف تراجم قرآن شائع کرنے کی مختلف جانب سے کوششیں ہو رہی ہیں۔

(3)...... خواتین کو بھی صومعہ میں ربی کے طور پر قبول کیا گیا۔ بالکل اسی انداز میں مسلم سوسائٹی میں بھی اس قسم کی کوشش کی جا رہی ہے کہ مساجد میں خواتین ائمہ رکھی جائیں۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ قبل امریکا کی کسی مسجد میں پینٹ شرٹ میں ملبوس ایک خاتون نے امامت کرائی تھی جس کی تصاویر بمع خبر اخبارات میں چھپی تھیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ہمارے ہاں بعض نام نہاد مذہبی تنظیمیں تبلیغ دین کے بہانے عورتوں میں دروس قرآن کا اہتمام کرتی ہیں اور اس میں خواتین کی نماز با جماعت کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ یہ اصل مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے جس کی خاطر ان تنظیموں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ان تمام معروضات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے:

1۔ اللہ کے احکام سے علی الاعلان روگردانی کرنا اس قوم کا شیوہ رہا ہے۔ اس سلسلے میں یہ قتل انبیاء سے بھی نہیں چوکے۔

2۔ ہوس زر کی بنا پر بداخلاقی اور بدکرداری پھیلانا ان کے قومی کردار کا حصہ ہے۔ آج بھی یہودیوں کے ذرائع ابلاغ اس شیطانی مہم میں لگے ہوئے ہیں۔

دجالی ریاست: مغربی مفکرین کی نظر میں

''عالمی دجالی ریاست'' کا قیام اور اہداف

ایک غیر مسلم صحافی کے زاویۂ نظر سے

قارئین کرام! اگلے صفحے میں آپ جو تحریر پڑھنے جارہے ہیں، یہ کینیڈا سے تعلق رکھنے والے ایک باہمت صحافی کی تحریر ہے جس نے خطرات مول لے کر اسرائیل کا پُرخطر سفر کیا اور واپس آ کر مغربی دنیا کی آنکھیں کھول دینے والی ایک زوردار معلوماتی کتاب لکھی۔ کتاب کا نام ''نیا عالمی نظام اور دجال کا تخت'' (The New World Order Land Of Thorn Of Antichrist) ہے۔ نام ہی سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ''نفرت کی ریاست'' اسرائیل کے بارے میں یہ خیال کہ وہ دجال کی عالمی حکومت کا پایۂ تخت ہے، صرف مسلم زعما کا نہیں، بہت سے مغربی دانش ور بھی اسے اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کتاب کی تلخیص اس غرض سے پیش کی جارہی ہے کہ ہمارے قارئین اس حقیقت تک پہنچ سکیں کہ غیر مسلم اہل مغرب میں سے بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو حالات و واقعات کو صہیونی عینک کی نظر سے نہیں بلکہ حقیقت تک رسائی کے شعور سے دیکھتے ہیں اور دنیا میں پیش آنے والے مخصوص حوادث کے پیچھے کارفرما خفیہ شیطانی قوتوں کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ دلچسپ تلخیص آپ کو بتائے گی کہ مغرب کے باشعور دانش ور جو صہیونیت کے اثر سے اپنے آپ کو بچائے ہوئے ہیں، دنیا کو وہی چیز باور کرانے کی کوشش کررہے ہیں جس کی طرف مسلم مفکرین مسلسل توجہ دلا رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ دونوں کے انداز فکر اور انداز بیان میں فرق ہے۔ آخر کیوں نہ ہو؟ جبکہ ایک کو وحی کے سچے علم سے رشد و ہدایت اور استفادے کا موقع دستیاب ہے اور دوسرا محض اپنی عقل اور بصارت سے دھندلے شیشے کے پار دیکھنے کی کوشش کررہا ہے۔ اس

معرکۃ الآرا کتاب کے خلاصے سے قارئین کو یہ بھی پتا چلے گا کہ مشاہدہ اور تحقیق کرنے والا مسلم ہو یا غیر مسلم، اگر اس کی فکر راست سمت میں سفر کر رہی ہے تو اس کے اخذ کردہ نتائج بالآخر ایک ہو جائیں گے اور انسانی فطرت تھوڑے سے فرق کے ساتھ ایک ہی نتیجے تک جا پہنچتی ہے۔ آئیے دیکھیے کہ غیر مسلم مفکرین موجودہ حالات کو کس زاویے سے دیکھتے اور مستقبل قریب میں دنیا کو پیش آنے والے واقعات کو کس انداز میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

ہم پہلے مصنف کا تعارف دیں گے پھر کتاب کا تعارفی خلاصہ پیش کریں گے۔ اس کے بعد آپ اصل کتاب کی تلخیص ملاحظہ کر سکیں گے۔ یاد رہے کہ مصنف مغربی قلم کار ہے لہٰذا وہ "مسلمانوں" کے بجائے "عرب" کا لفظ استعمال کرتا اور فلسطین کے معرکے کو اسلام اور یہودیت کے بجائے "عرب اسرائیل تنازع" کے تناظر میں دیکھتا ہے۔ اسی طرح وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے وہ القاب استعمال نہیں کرتا جو مسلمانوں کا خاصہ ہیں۔ یہ القاب راقم نے "مربع قوسین" میں بڑھائے ہیں۔

مصنف کا تعارف:

مصنف کا نام "رابرٹ اوڈرسکول" ہے۔ 1938ء میں پیدا ہوئے اور 1996ء میں انتقال ہوا۔ ان کا آبائی وطن کینیڈا ہے اور یہ پیشے کے اعتبار سے معلم ہیں۔ انگلینڈ، آئرلینڈ اور کینیڈا کی یونیورسٹیوں میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ "یونیورسٹی آف ٹورنٹو" میں عرصہ دراز تک اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ تدریس کے ساتھ ان کو تحقیق اور تصنیف کا عمدہ ذوق بھی تھا۔ یہ مغرب کے ان انسانیت پسند اور منصف مزاج لوگوں میں سے ہیں جو اعلیٰ انسانی اقدار اور آفاقی انسانی اصولوں کے قائل ہیں۔ انہوں نے اپنے ضمیر کا گلا نہیں گھونٹا، نہ آنکھوں کے آگے تعصب کی دھند آنے دی ہے۔ ان کے اندر چھپے متجسس محقق کا رنے جب انہیں کھوج اور جستجو پر آمادہ کیا تو انہوں نے اس راہ میں آنے والے خطرات کی پروا نہیں کی۔ ایک طرف تو تحقیق کا مستند معیار ان کے پیش نظر رہا ہے اور دوسری طرف تحقیق کے نتائج سے دنیا کو آگاہ کرنے میں انہوں نے کسی خوف کو آڑے نہیں آنے دیا اور نہ کسی دیدہ یا نادیدہ دشمن کی دشمنی انہیں اس سے باز رکھ سکی ہے۔ انہوں نے اپنی تحقیق کے دوران جن مختلف مصنفین کی تحقیقات سے استفادہ کیا، ان کے حوالے

فراخدلی سے دیے ہیں تاکہ علمی خدمات میں ان کی اوّلیت کا اعتراف کیا جاسکے۔ ان میں ڈیس گریفن، آئی وتوف ذبروسکی اور ایرڈکلس شامل ہیں۔ انہوں نے سب سے زیادہ استفادہ ''ڈیس گریفن'' سے کیا۔ مناسب ہوگا کہ یہاں ڈیس گریفن کو بھی آپ سے متعارف کروادیا گیا ہے۔

''ڈیس گریفن'' ایک سینئر لکھاری اور محقق مزاج امریکی مصنف ہے۔ اس نے اب تک پانچ معرکۃ الآرا کتابیں لکھی ہیں۔ 1985ء میں اس نے ایک جریدے ''The Midnight Messenger'' کی بنیاد رکھی جس کا مقصد تیزی سے بدلتے ہوئے عالمی حالات کے بارے میں دنیا کو آگاہی دینا تھا۔ اس ششماہی جریدہ کی امریکا کی 50 ریاستوں اور دنیا بھر کے 12 ممالک میں اشاعت ہوتی ہے۔ گریفن امریکا کا بے باک مصنف سمجھا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم نیٹ سے اس کا تعارف پیش کرتے ہیں۔ نیٹ پر دی گئی معلومات چونکہ یہودی لکھاریوں کے زیرِ اثر ہوتی ہیں، اس لیے اگر آپ ''ڈیس گرفن'' کے بارے میں معلومات لینے نیٹ پر جائیں تو آپ کو اس کا تعارف ایک مخصوص انداز میں مخصوص اصطلاحات کے استعمال کے ساتھ مذمتی اسلوب میں ملے گا، جو اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کی تحقیقات نے اگر صہیونیت کی صفوں میں دراڑ پیدا نہیں کی تو کھلبلی ضرور مچائی ہے۔ یہی حال زیرِ نظر کتاب ''دجال کا تخت'' کا ہے۔ آپ اسے سرچ کرنا چاہیں گے تو اس کے بیسٹ سیلر ہونے کے باوجود آپ کو نیٹ پر اس کی تفصیلات لینے میں بہت مشکل محسوس ہوگی۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے فی الواقع ''برادری'' کی دکھتی رگ کو چھیڑا ہے۔ تعارف ملاحظہ فرمایئے:

''ڈیس گریفن'' (Des Griffen) سازشی ذہن رکھنے والا ایک قدامت پسند امریکی لکھاری ہے۔ یہ ٹھوس عیسائی نقطۂ نظر سے لکھتا ہے اور بنیادی طور پر عالمی سازشوں اور خاص طور پر نیو ورلڈ آرڈر کے موضوع میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اس کی کتابیں امریکی حکومتی کرپشن اور بدنامِ زمانہ یہودی منصوبہ سازوں کے گروہ ''الومیناتی'' (Illuminati) کے امریکی معاشرے پر اثرات کے درمیان رابطہ دکھانے کی کوشش پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح فری میسنری اور ورلڈ بینکس اس کے خاص موضوع ہیں۔ یہ روتھس چائلڈ فیملی اور راک فیلرز کے دنیاوی سیاست میں خفیہ اثر پر یقین رکھتا ہے۔ اس کی کتاب ''Fourth Rich of the Rich'' آٹھ مرتبہ شائع ہوئی اور اس کا

جرمن زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ 1980ء کی دہائی میں اس کا خاص مشغلہ ''کنگ مارٹن لوتھر'' کی اسٹوری کی تحقیق و تفتیش کرنا تھا تا کہ اس پُر اسرار کہانی کے پیچھے اصل آدمی کو دریافت کر سکے۔ 1975ء میں یہ ایک آزاد پبلشنگ ہاؤس ''Emissary Publications'' کے اہم بانیوں میں سے ایک تھا۔ 1985ء میں اس نے ایک اخبار ''midnight Messenger Newspaper'' کے نام سے بھی تیار کیا جس کو یہ عموماً خود ہی اپ ڈیٹ کرتا ہے۔ ''Emissary Website'' پر اور ''Conspiracy Nation'' کے لیے بھی لکھتا ہے۔
صیہونیت پر اس کے آرٹیکل ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے ہیں۔ ہتک عزت کی مخالف جماعت [یہاں اس سے صیہونی لابی مراد ہے۔] اس کی تحریر کو سامیوں کی مخالف [یعنی یہود مخالف] خیال کرتی ہے۔ اس کی کتابوں کے نام سے اس کے کام کی نوعیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

- غلامی میں اُترنے کا عمل (1980ء)
- مارٹن لوتھر کنگ، کہانی کے پیچھے اصل آدمی (1987ء)
- سامی مخالف اور بے بی لونین تعلق (1988ء)
- دوزخ کے طوفانی گیٹ (1996ء)
- بائبل کے حقائق اللہ کے منتخب بندوں کے بارے میں (1996ء)

اس وقت ''گریفن'' اپنی چھٹی کتاب پر کام کر رہا ہے جس کا نام ''Stroming the Gates of Hell'' ہے۔

کتاب کا تعارف:

زیرِ نظر کتاب ''نیا عالمی نظام اور دجال کا تخت'' کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ اسرائیل پر ہے۔ اس میں مصنف نے اسرائیل کے قیام کی سازشی داستان بیان کی ہے۔
دوسرے حصے میں مصنف نے فلسطین کی موجودہ صورت حال اور فلسطینیوں کی کسمپرسی اور بے بسی کا ذکر کیا ہے۔ اسرائیل کا سیاسی قیدیوں پر ظالمانہ تشدد اور متاثرین سے براہ راست سنی ہوئی داستان تحریر کی ہے۔ یہ ایک مغربی مصنف کی براہِ راست گواہی ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ

فلسطین پر مظالم کی جو داستانیں اسرائیل کی جیل سے باہر نکلتی ہیں، وہ اس سے کہیں زیادہ بھیانک اور المناک ہیں جتنا ہم سنتے ہیں۔

تیسرے حصے میں مصنف نے اسرائیل سے واپس اپنے ملک (کینیڈا) جاتے ہوئے پیش آنے والے سنسنی خیز واقعات کا ذکر کیا ہے۔ جس سے اسرائیلیوں کی سنگ دلانا ذہنیت اور متعصبانہ فطرت کا پتا چلتا ہے۔ آخر میں صہیونیت پر زوردار معلوماتی تبصرہ کیا ہے اور دنیا والوں کو مستقبل میں پیش آنے والے حالات اور ان کے سدِ باب کا طریقہ اپنے فہم کی حد تک بیان کیا ہے۔ بندہ نے اس حصے میں مربع قوسین لگا کر جا بجا کچھ اضافات کیے ہیں۔ یہ کتاب کا سب سے دلچسپ اور زوردار حصہ ہے۔ اس تبصرے کے آخر میں اس نے صہیونیت کا مقابلہ کرنے کے لیے امریکی قوم کو جو تجاویز دی ہیں، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ سطریں اس کتاب کا حاصل اور نچوڑ ہیں۔

یاد رہے کہ یہ مقالہ اسرائیل کے بارے میں 93-1991ء کے دوران لکھا گیا تھا۔ اس میں فلسطینیوں کے بارے میں جو بھی بتایا گیا ہے وہ PLO یا حماس کے زاویہ نظر سے ہرگز بیان نہیں کیا گیا۔ اس میں PLO کے کسی رکن کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا گیا ہے، اس میں زیادہ تر عام عوام، صحافی اور انسانی حقوق کے نمائندوں کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ اس لیے یہ تحریر انتہائی متوازن، معتدل اور تمام اہلِ انصاف کے نزدیک معتبر قرار دی جاسکتی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس نے دجال کو ایک شیطانی طاقت یا شیطانی کارندے کے طور پر نہیں لیا اور نہ اسے مذہبی رنگ سے دیکھا ہے، بلکہ وہ اسے ایک ہوس پرست اور حریص معاشی طاقت کے طور پر دیکھتا اور تبصرہ کرتا ہے جو ساری دنیا کے وسائل پر قبضہ کر کے انسانی نسل میں سے چند لوگوں کا کلی اقتدار قائم کرنا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے مغربی تحقیق کار جب اپنی آسمانی کتابوں تورات اور انجیل سے بھی رہنمائی حاصل نہ کریں گے جبکہ ان میں دجال کے برپا کردہ فتنوں کا متعدد مقامات پر مختلف انداز میں تذکرہ موجود ہے تو حالات کو محض مادی تناظر میں ہی دیکھیں گے۔ بہر حال اس سب کچھ کے باوجود کتاب ایک دلیر صحافی اور نڈر تحقیق کار کی جراتمندانہ کوشش اور چشم کشا حقائق پر مشتمل ہے جس پر ہمیں مصنف کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

ذیل (د)

اس تلخیص میں آپ پہلے مقدمہ پڑھیں گے، پھر بالترتیب اس کے تین حصے اور آخر میں خلاصہ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ ان تحقیق کاروں کو اس زبردست محنت کے صلے میں مہلت کی گھڑیاں ختم ہونے سے پہلے سچے دین کی ہدایت نصیب فرمادے۔ آمین۔

دجال کا تخت

(مقدمہ)

جیسے جیسے ہم زندگی کی کشتی میں سوار ہو کر اختتام کے ساحل کی طرف سفر کرتے ہیں، راستے میں کبھی نہ کبھی ہمیں یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ ہماری زندگی اور تاریخ میں جتنے بھی حادثے ہوئے ہیں، وہ شاید حادثے نہ ہوں، شاید وہ ایک منظم منصوبے کا حصہ ہوں حتیٰ کہ ایک فرد یا متعدد اشخاص نے اس کی باقاعدہ پلاننگ کی ہو۔ "منصوبے" کی جگہ "سازش" کا لفظ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

آج کل ہم اپنی زندگی اور معاشرے پر (یعنی امریکیوں کی زندگی اور مغربی معاشرے پر) جو اثرات دیکھ رہے ہیں، کیا وہ ایک طے شدہ منصوبے کا نتیجہ ہیں جس کی مسلسل نگرانی کی جا رہی ہے؟ ہمیں کبھی محسوس ہوتا ہے جب ایسا خیال ہمارے ذہن میں آتا ہے؟ اگر ہم ایسا ہی محسوس کرتے ہیں تو ہم یقیناً اکیلے نہیں ہیں۔ پچھلے 60 سالوں کی غلطیوں اور حماقتوں پر اگر نظر دوڑائی جائے تو ایک "Best Seller" مصنف "Gray Allen" امریکا پر اپنے مضمون کے بارے میں کہتا ہے:

"اگر ہم اوسط کے قانون کے لحاظ سے دیکھیں تو امریکی تاریخ کے آدھے سے زائد واقعات ہمارے لیے اچھے تھے، جبکہ بقیہ آدھے واقعات امریکا کے لیے اچھے نہیں تھے۔ اگر ہم اپنے رہنماؤں کی نادانی اور ناعاقبت اندیشی کو بھی مد نظر رکھ لیں تو ہمارے رہنما اکثر ہمارے حق میں غلطی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم محض کسی اتفاق یا کسی حماقت کا سامنا نہیں کر رہے، ایک منظم اور ذہین ترین منصوبہ بندی کا سامنا کر رہے ہیں۔"

پچھلے 200 سالوں میں بہت سی سرکاری اور غیر سرکاری شخصیات نے اس "سازش" (یعنی امریکیوں کے خلاف امریکا میں کی جانے والی سازش) کا ذکر کیا ہے۔ وہ انہیں اسے "چند عناصر کی سازش" بتاتے ہیں۔ ان شخصیات میں Charles ،Henry Foril ،Dissali، Winston اور Taylor Caldinel ،Lindherth عقل و دانش کا منبع سمجھے جانے والے

Churchill بھی شامل ہیں۔

حتیٰ کہ چرچل نے تو 1920ء میں یہ بیان دیا تھا:

''ایک بین الاقوامی سازش ہمارے بہت قریب ہے جس کا مقصد ''تہذیب وتمدن کا خاتمہ'' اور ''انسانی معاشرے کی ازسرِنو تعمیر'' ہے۔ یہ سازش اتنی ہی گھناؤنی ہے جتنی کہ عیسائیت پاکیزہ ہے اور اگر اس کو نہ روکا گیا تو یہ عیسائیت کی تعلیمات کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گی۔''

چرچل بالشویک انقلاب کا سخت مخالف تھا اور وہ اس کو ایک سیاسی تبدیلی سے آگے کی چیز کے طور پر دیکھتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ ایک نئی بادشاہت کے قیام کے لیے ایک آڑ یا پردہ ہے۔

ایک دجالی بادشاہت کا قیام:

''کچھ لوگ یہود کو پسند کرتے ہیں کچھ نہیں، لیکن کوئی باشعور شخص اس بات سے انکار نہیں کرے گا کہ یہ ایک ناپسندیدہ اور انتہائی سے زیادہ حیرت انگیز نسل ہے جو کہ اس دنیا میں آئی ہوگی۔''

اچھائی اور بُرائی میں جو جنگ ہمیشہ انسانی سینے میں جاری ہوتی ہے، کہیں بھی اتنی زیادہ شدت اختیار نہیں کرتی جتنا کہ یہودی نسل میں اختیار کرتی ہے۔ انسانی فطرت کا دوغلا پن کہیں بھی اتنا کھل کر سامنے نہیں آتا جتنا کہ اس نسل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ قوم موجودہ دور میں اخلاقیات وفلسفہ کا ایک نیا نظام لے کر آنا چاہ رہی ہے یا پھر اس کو ترتیب دے رہی ہے۔ یہ نیا نظام اتنا ہی گھناؤنا ہے جتنی کہ عیسائیت پاکیزہ ہے اور یہ نظام عیسائیت کو مسخ کر کے رکھ دے گا۔ اس گھناؤنی سازش میں شامل افراد نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر اپنے ذہنوں کو موت کے بعد کی روحانی دنیا سے خالی کر لیا ہے۔

یہودیوں میں یہ کوئی نئی تحریک نہیں۔ Sparataus-Weishaupt کے زمانے سے ''کارل مارکس'' (Karl Marx) سے لے کر ''ٹراٹسکی'' (Trotsky) روس، ''بیلا کن'' (Bela Kun) ہنگری، ''روزا لیفن بری'' (Rosa Lunenboury) جرمنی، اور ''ایما گولڈ مین'' (Emma Goldman) امریکا کے دنوں تک اس ''بین الاقوامی سازش'' نے زور پکڑنا شروع کر دیا ہے۔ یہ روز بروز بڑھتی اور پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ اسی سازش نے فرانسیسی

انقلاب میں انتہائی اہم کردار ادا کیا تھا۔ انیسویں صدی کی بیشتر تحریکوں کو اس سے تعلق کی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اب انہی لوگوں نے ، ان غیر معمولی لوگوں نے جن کا تعلق یورپ اور امریکا کی چھپی ہوئی قوتوں سے ہے ، روسی عوام کو ان کے بالوں سے دبوچ لیا ہے اور ان کے سروں کو قابو کر لیا ہے۔ اب وہ اس بڑی سلطنت کے "غیر متنازع آقا" بن چکے ہیں۔

اس موضوع پر میں نے یعنی [رابرٹ اوڈسکول Robert O' Driscoll] نے ایک نظم لکھی اور ساتھ ہی اس کے کئی مقالے تھے جس کو "The Nato and Waraw Pact are one" کے نام سے کتابی شکل دے دی گئی۔ ابتدا میں تو یہ کام صرف نظم کی حد تک محدود تھا لیکن اس کو ایک تحقیقی مقالے کی شکل دینا انتہائی مشکل ثابت ہونے لگا۔ جس چیز کو ہم حالات و واقعات کے مشاہدے کی فطری جبلت کو استعمال کرتے ہوئے جانچ لیتے یا پہچان لیتے ہیں ، وہ بعینہٖ اسی طرح مقالے کی شکل میں پیش نہیں کیے جا سکتے ، کیونکہ اس کے لیے ٹھوس ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں خود اپنی تربیت اور پیشے کے اعتبار سے ایک معلم ہوں۔ پچھلے تیس سالوں سے برطانیہ ، آئرلینڈ اور کینیڈا کی جامعات میں پڑھاتا آیا ہوں ، جس میں کینیڈا کی سب سے بڑی جامعات میں سے ایک "یونیورسٹی آف ٹورنٹو" بھی شامل ہے۔ میں یہاں 25 سال سے پڑھا رہا ہوں۔ میں نے اسی مقصد کے تحت اس موضوع پر لکھے گئے مواد میں غوطے لگانے شروع کیے جس میں یورپ ، شمالی امریکا اور جاپان وغیرہ کا تاریخی اور عسکری مواد شامل ہے۔ ان ہزاروں لاکھوں تحریروں اور مقالوں یا پھر کتابوں میں سے اکثر و بیشتر ہمیشہ کے لیے کھو چکی تھیں۔ ان کے آثار یا تو کسی کتاب میں حوالے کی حد تک محدود ہیں یا پھر کسی لائبریری میں کسی اندھے تاریک گوشے میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب میں اپنے جمع کردہ اقتباسات اور حوالہ جات کو جانچ رہا تھا تو میں یہ بات محسوس کر کے اور بھی زیادہ حیرت زدہ ہو گیا کہ "دجال کے اس تخت" کی تیاری منظم ترین انداز میں پچھلے دو سو سالوں سے جاری ہے۔

اس موقع پر میں خود ایک دوراہے پر کھڑا تھا۔ یا تو میں اس سارے مواد کو اکٹھا کر کے اپنی ساری عمر اس کو ترتیب دے کر ایک کتاب لکھنے میں گزار دیتا جو کہ میں اکیلے لکھتا ، یا پھر دوسرا طریقہ

یہ تھا کہ ان تمام مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ کرتا اور آخر میں ان میں سے سب سے جامع کتاب لکھنے والے میں سے ایک کو چن لیتا جو کہ میری کہانی سناتا (یعنی میں اس کے لکھے ہوئے مواد سے اپنی نئی ہونی تحقیق کو سہارا دیتا)

اس کے لیے میرے نزدیک سب سے موزوں شخص ''ولیس گریفن'' تھا جس نے اپنی تیس سالہ تحقیق میں پانچ کتابیں لکھی تھیں۔ میں گریفن کے پیش کردہ نتائج سے نہ صرف بہت متاثر ہوا تھا بلکہ اس کے طریقۂ تحقیق سے بھی بہت متاثر ہوا جس کی مدد سے اس نے یہ نتائج حاصل کیے تھے۔

دوسرے لکھاریوں کی بہ نسبت سرکاری دستاویزات جیسے ''War Office Records'' اور ''Public Record'' پر بہت زیادہ انحصار کرنے کے بجائے، جو کہ اکثر لوگوں کی کمزوری بنتی ہے، خاص طور پر اس موضوع پر لکھنے والے مصنفوں کی، گریفن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اصل حقائق یا بنیادی حقائق کو کبھی بھی متضاد طور پر مشہور کیے گئے فرضی دلائل کی خاطر نظرانداز نہیں کرتا۔ پردے کے پیچھے کے واقعات کو تمام حالات و واقعات کے تناظر میں دیکھتا ہے۔ وہ اس نیت سے تحقیق کرتا ہے کہ اس سازش کو تیار کرنے والوں نے اصل حقائق احتیاط کے ساتھ دبا دیے ہیں، لیکن عسکری رازوں کو ایک خاص موقع کے بعد چھپایا نہیں جاسکتا، چاہے وہ جنگ ہو یا کچھ اور، کیونکہ جب فوجی ریٹائر ہو جاتا ہے تو وہ دوبارہ ایک عام شہری اور ایک عام انسان بن جاتا ہے۔ عام شہری کی طرح شیخیاں بھگارتا ہے، اپنے کارنامے اور مشاہدے اِدھر اُدھر ہانکتا ہے اور اپنے افعال کو وسیع تر تناظر میں دیکھتا ہے۔ گریفن اسی مقصد کے تحت ان لوگوں کا حوالہ دیتا ہے جو اس وقت وہاں پر موجود تھے۔ جیسے کانگریس کے ارکان، وزیر دفاع، ایڈمرل، جرنیل اور سفیر وغیرہ۔ اس کے علاوہ سینیٹ اور ایوانِ نمایندگان کی کمیٹیاں جنھوں نے تحقیقاتی رپورٹیں تیار کیں۔ جنگ کے دوران جاری کیے گئے پمفلٹ اور اس دوران عسکری مرکز سے دیے گئے احکام۔

میں نے گریفن کے اصولوں اور طریق کار کو سختی سے اپنایا اور اپنی تحقیق کے دوران سخت معیار اور تحقیق کے اصولوں پر پابند رہا۔ اس کے علاوہ حقائق کی سچائی کو ہر نکتۂ نظر سے دیکھا اور ان کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ گریفن وہ شخص ہے جو ایک

وسیع تناظر میں تمام واقعات کو دیکھتا ہے اور ذہنی، سماجی اور معاشرتی تبدیلی کی گہرائی میں جا کر سمجھتا ہے۔ وہ اس بات میں بھی تفریق کرسکتا ہے کہ کیا چیز حقیقی ہے اور کیا چیز حقائق کو بدل کرنے کے لیے گھڑی گئی ہے؟ اس لیے میں نے امریکہ اور روس کے بارے میں کریشن کی کتاب سے مضامین لیے تاکہ قارئین ایک محقق کی تحقیق کو دوسرے محقق کے جائزے اور جانچ کے بعد ملاحظہ کرسکیں۔

رابرٹ اوڈرسکول

یونیورسٹی آف ٹورنٹو

13 ستمبر 1992ء

حصہ اوّل

اسرائیل کیسے وجود میں آیا؟

ایک پُرخطر سفر کی روئیداد

ذیل میں ہم کینیڈا سے تعلق رکھنے والے ایک نڈر صحافی ''رابرٹ اوڈرسکول'' کا ''سفر نامہ اسرائیل'' دے رہے ہیں۔ اس صحافی نے جان جوکھوں میں ڈال کر اسرائیل کا سفر کیا۔ مسلمانوں اور یہودیوں سے ملاقاتیں کیں۔ اسرائیلی افواج کی کارستانیاں دیکھیں۔ حالات کا بچشم خود مشاہدہ کیا اور واپسی پر اسرائیلی تفتیش کار افسروں کو کامیابی سے غچہ دے کر نکل گیا، جبکہ اس کے پاس ایسی تصویریں اور نوٹس موجود تھے جو اسے اسرائیلی جیلوں میں نصب گونگی بہری سلاخوں کے پیچھے پہنچا سکتے تھے۔ وطن واپس پہنچ کر اس نے اپنی یادداشتوں کو بڑے دلچسپ انداز میں مرتب کیا اور درحقیقت وہ کام کیا جو کسی مسلمان صحافی کو کرنا چاہیے تھا۔ ہم سب کو دعا کرنی چاہیے کہ اللہ رب العزت مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی اس مدد کے صلے میں اسے اس دنیا سے جانے سے پہلے ہدایت نصیب کرے تاکہ وہ دنیا و آخرت کی فلاح کا مستحق ہو جائے۔

صیہونیت اسرائیل کو جنم دیتی ہے:

انیسویں صدی (1800's) کے آغاز سے ہی یورپ اور امریکا میں ''سیاسی صیہونیت'' ایک نئی طاقت بن کر ابھری لیکن تاریخ خود اس بات کی گواہ ہے کہ صیہونیت کی سب سے زیادہ مدد یورپ اور بحر اوقیانوس کے پار امریکا میں موجود ''روتھ شیلڈ'' کے گماشتوں نے کی۔ راتھس چائلڈ خاندان خود بھی ''خازار'' نسل کا یہودی تھا۔ 1880ء کی دہائی میں مشہور یہودی سرمایہ دار Baron Edmund de Rothschild نے ''خازار'' نامی یہودیوں کی ایک خاص نسل کے لیے بہت

ساری خازار بستیاں فلسطین میں بنائیں۔ خازار زیادہ تر یہودی ہیں۔ ''روتھ شیلڈ'' فیملی خود بھی ''خازار'' یہودی ہیں اور کٹر قسم کے تالمودی یہودی ہیں۔ جنہیں مذہب نے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سکھایا کہ وہ گوئے (Goy) یا (Gentile) کو (یعنی عام انسانوں کو۔ یہ دونوں اصطلاحات دراصل غیر یہودیوں کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔) چوپایوں اور حیوانوں سے بھی بدتر اور یہودی نسل کو سب انسانوں سے برتر سمجھیں۔ ''روتھ شیلڈ'' اپنے قبیلے کے یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کے لیے بے دریغ پیسہ خرچ کرنے کے علاوہ اس معاملے میں انتہائی متشدد اور شدت پسند تھا اور اس حوالے سے کسی یہودی کی مداخلت یا ایسا مشورہ بھی برداشت نہ کرتا تھا جو اس کے مزاج کے خلاف ہو۔ ایک مرتبہ اس نے یعنی ''ایڈمنڈ روتھ شیلڈ'' (Edmund Rothschild) روسی صیہونیوں کو صاف صاف منع کرتے اس وقت جھڑک دیا تھا جب انہوں نے ان یہودی آبادی کے متعلق اپنی تجویز دی تھی کہ اس کے معاملات کس طرح چلائے جائیں؟ وہ اس قدر ہٹ دھرم اور ضدی تھا کہ اس نے یہاں تک کہہ دیا تھا: ''یہ میری بستیاں ہیں اور میں یہاں وہی کچھ کروں گا جو میں چاہوں گا۔''

(Morton, The Rothschild p30-31)

جدید صیہونی سیاست کی بنیاد ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل نے اس وقت رکھی جب اس نے 1897ء میں صیہونی کانگریس کی بنیاد رکھی اور سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل (Basel) میں پہلی عالمی صیہونی کانگریس بلائی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس کانفرنس میں شرکت کرنے والے وفود میں سے زیادہ کا تعلق مشرقی یورپ سے تھا جن کی تعداد 197 تھی۔ اس کانگریس کو مغربی یورپ کے زیادہ تر یہودیوں نے نظر انداز کر دیا۔

اس کے علاوہ اگر پچھلے واقعات پر نظر دوڑائی جائے تو ہمیں پتا چلے گا کہ ہرزل کو یقیناً کسی نے آگے بڑھایا ہوگا، اس کی مدد اور اس کی پشت پناہی کی ہوگی۔ جیسے اس کا ''یہودی ریاست'' (The Jewish State) نامی کتابچہ لکھنا اور اس کی اشاعت، اسی طرح سے اس کا سوئٹزرلینڈ میں عالمی صیہونی کانفرنس بلانا۔ ایک اور چیز قابل غور ہے کہ باسل میں بلائی گئی کانفرنس میں مغربی

یہودیوں کی عدم دلچسپی ایک ہی چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یقیناً وہ اسے نسل پرست [illegible]
ایک "خارزار منصوبہ" سمجھتے تھے۔ اسی لیے وہ اس میں دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔

اس کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ خود ہرزل نے لکھا تھا "اس کانفرنس میں ہم نے روسی یہودیوں کی ایسی طاقت دیکھی جس کا پہلے ہم نے اندازہ بھی نہیں لگایا تھا اور وہ ہمارے [illegible] تھی۔ 70 سے زائد وفود روس سے آئے تھے اور وہ روس کے پچاس لاکھ یہودیوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ ہمارے لیے یہ کتنی ذلت کی بات ہے کہ ہمارے مخالفین نے ہماری طاقت کو نظر انداز کر رکھا ہے۔"

(Read the controverry of Zainuism, Page 200)

یہی وہ لمحہ تھا جہاں سے "تالمودی یہودیت" کا مغرب پر اثر بڑھنا شروع ہو گیا اور مغربی قوتوں نے "تالمودی یہودیوں" (یا صیہونی یہودیوں) کو ساری یہودیت کا نمائندہ تسلیم کر لیا۔ اس کا آگے چل کر ہم ذکر کریں گے کہ اس غلط فہمی کی وجہ سے مغربی معاشرے میں ایک تباہ کن اثر پیدا ہوا۔

چونکہ مشہور یہودی سرمایہ دار "روتھ شیلڈ" ز کے زیر اثر یہودی بین الاقوامی بینکروں اور صیہونی سیاست دانوں کے سیاسی مقاصد اور عزائم ایک ہی جیسے تھے۔ اسی لیے اس وقت کے بعد سے صیہونیت کی سب سے بڑی مدد امریکی سرزمین سے آئی۔ یہ مدد خاص طور سے اس وقت سے شروع ہوئی جب 1913ء میں وفاقی ریزرو ایکٹ (Federal Reserve Act) کے ذریعے امریکی معیشت کی شہ رگ تالمودی بینکروں کے حوالے کی گئی۔

مشہور یہودی رہنما ربائی وائز (Rabbi Wise) اپنی کتاب Challenging Years کے صفحہ 186 اور 187 میں لکھتا ہے:

"وڈرو ولسن" (Woodrow Wilson) کی انتظامیہ کے بارے میں مدینہ یز (Brandies) اور میں اچھی طرح جانتے تھے کہ اس میں ہمیں شروع ہی سے ایک ہمدرد اور خیر خواہ مل جائے گا جو کہ صیہونی مقاصد کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کرے گا۔ اس کے علاوہ ہمیں وڈرو ولسن کے قریبی دوست کرنل ہاؤس (Cornel House) جو کہ اس کا سب سے اہم اور طاقتور دوست تھا، اس کی مدد بھی مل گئی۔ کرنل ہاؤس ہمارے مقصد کو نہ صرف اہم سمجھتا تھا بلکہ اس

نے صدر اور صیہونی تحریک کے درمیان سب سے اہم رابطے اور پل کا کردار ادا کیا۔ 1914ء کے بعد سے یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا جب ساری دنیا کے یہودی صیہونیت کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے اور "یہودی گھر" (Jewish Homeland) کے مطالبے پر سختی سے اصرار کرنے لگے تھے۔"

1916ء میں اپنی صدر سے ملاقات کے بارے میں وائز مین خود کہتا ہے کہ اس نے صدر سے کہا تھا: "جناب صدر! دنیا کے یہودی آپ کی طرف دیکھتے ہیں جب ان کو آپ کی ضرورت پڑے گی۔" جواب میں اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا: "گھبرانے اور اندیشہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، فلسطین تمہارا ہے۔"

صیہونی مورخ Dr. Joseph Kastein، 1933ء میں لکھتا ہے کہ باسل کی 1897ء میں بلائی گئی صیہونی کانفرنس میں ایک ایگزیکٹو Executive کی بنیاد ڈالی گئی تھی جو کہ پہلا بین الاقوامی یہودی ادارہ تھا۔ Arthur Brain Coell اپنے قاریوں کو بتاتا ہے کہ کس طرح سے چھوٹا سا صیہونی بین الاقوامی جال دنیا بھر میں کام کرتا تھا (اور کرتا ہے) اس سے پہلے بین الاقوامی یہودی ادارے کے سب سے پہلے ارکان پر ذرا نظر ڈالتے ہیں۔

Sir Ernest Cassel اور Man Warburg ہیمبرگ کے بہت بڑے بینک سے وابستہ تھا اور "روتھ شیلڈ" کا قریبی شراکت دار اور دوست تھا جبکہ پہلی جنگ عظیم میں جرمن خفیہ ادارے ..... جو حساس ترین ادارہ تھا..... کا سربراہ بھی تھا۔ - Banque de paris edouard noetzilin (پریس کا ایک بینک) جو کہ Pays Bas پریس میں واقع ہے، کا اعزازی صدر تھا۔

Franz Phillipson جو کہ برسلز میں تھا اور ان سب میں نمایاں Jacob Schiff جو کہ Kuhn, Loeb and Company جو کہ نیویارک میں واقع "روتھ شیلڈ" کی ایجنٹ تھی، اس کا سربراہ تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جس نے کہ 1917ء کے بالشویک انقلاب (روس) میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ ان سب لوگوں کو خون، نسل اور سودی ریبوں نے آپس میں باندھ رکھا تھا اور ان کا خفیہ نیٹ ورک ایک ہلکے سے اشارے سے سرگرم ہو جاتا تھا۔ ان لوگوں نے اقتصادی، سیاسی اور

مالیاتی انٹیلی جنس کا حد سے زیادہ مضبوط جال بچھایا ہوا تھا۔ ایک ہلکے سے اشارے پر یہ بہت بڑی مدد جمع کر سکتے تھے، اضافی فنڈز مہیا کر سکتے تھے، بڑی بڑی رقوم تھوڑے عرصے میں اکٹھی کر سکتے تھے۔

(Conell,"Sir Eduord Cassel,From Meifest Destiny")

یقیناً سیاسی صیہونیت "تالمودی یہودیت" کا ایک لازمی جز تھا۔ دنیا بھر کے زیادہ تر یہودی، دنیا کے کسی بھی حصے میں "یہودی ریاست" قبول کر لیتے تھے لیکن تالمودی یہودی فلسطین کی ضد کرتے رہے۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ ان کا منصوبہ یہ بھی تھا کہ یروشلم کو اپنا پایہ تخت بنا لیا جائے۔

پہلی جنگ عظیم کا جب آغاز ہوا تو برطانیہ کے لیے بہت سے معاملات بہت اچھی طرح نہیں چل رہے تھے..... خاص طور سے صیہونیوں کے لیے..... کیونکہ برطانیہ ان کے شکنجوں میں اچھی طرح سے جکڑا ہوا نہیں تھا۔ برطانوی وزیر اعظم اور تمام جنگی جرنیل اس بات پر زور دے رہے تھے کہ کس طرح سے جنگ جیتی جا سکتی ہے۔ لیکن جب برطانوی وزیر اعظم نے صیہونی پیش کش کے لالچ میں آنے اور صیہونیوں کے مطالبے کو ماننے سے انکار کر دیا تو گویا اس نے اپنی سیاسی موت کے سرٹیفکیٹ پر دستخط کر دیے تھے۔ چنانچہ پردے کے پیچھے پوری یہودی مشینری حرکت میں آ گئی اور وزیر اعظم Lord Asqith کو ہٹا کر اپنے پٹھو Llod George کو لایا گیا جس کے بارے میں Dr Cham Wizmann نے کہا تھا کہ: "یہودی سرزمین کے لیے حمایت وزیر اعظم بننے سے بھی پہلے سے اس کا خاصہ تھا۔"

اس نے آنے کے ساتھ ہی برطانوی فوج فرانس سے نکال کر فلسطین میں ڈالنا شروع کر دی اور "Sir William Robertson" جیسے قابل جرنیل کو فوج سے فارغ کر دیا جو کہ انتہائی احمقانہ فیصلہ تھا۔ اس پر تنقید کرنے کے لیے برطانوی ماہر عسکریات کرنل "Repington" نے مضمون لکھا۔ اس میں کہا گیا تھا:

"یہ انتہائی احمقانہ فیصلہ ہے کیونکہ فرانس کو چھوڑ کر فلسطین میں فوج ڈالنے سے ہم فلسطین کی وجہ سے اپنی سلامتی خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ جرمنی نے روس سے جنگ جیت لی ہے اور اب وہ ادھر سے بھی اپنے فوجی فرانس میں ڈالے گا تو ہم کیوں اپنے دس لاکھ فوجی فرانس سے فلسطین میں پھینک رہے ہیں؟؟"

جب یہ مضمون لے کر وہ "The Times" کے دفتر گیا تو اس کا کہنا ہے: "ایڈیٹر Geoffery Darson نے مجھے انکار نامہ دے دیا اور کہا کہ میرا آج کے بعد سے The Times سے کوئی تعلق نہیں۔"

اس کے بعد Cornel Repington نے Morning Post میں یہ مضمون دیا جو کہ سنسر بورڈ کے پاس بھیجے بغیر شائع کر دیا گیا۔ اس وجہ سے ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا (کرنل اور اخبار کے ایڈیٹر کو) اور ان پر "قومی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے" کا مقدمہ چلایا گیا لیکن عوامی دباؤ کے باعث ان پر صرف حب الوطنی کی خلاف ورزی کی فرد جرم عائد کی گئی اور سزا کے طور پر جرمانہ لگا دیا گیا۔

اتحادیوں کی عربوں سے غداری:

عربوں سے آزادی کے وعدے کے باوجود برطانوی حکمران عربوں سے غداری پر تلے بیٹھے تھے، جیسا کہ ایک یہودی مورخ Alferd Lilienthal کہتا ہے:

"اگر عربوں کو پتہ ہوتا کہ خفیہ سفارتی معاہدے پہلے ہی سے طے ہو چکے ہیں تو اس بات کا شاید ہی کوئی امکان ہوتا کہ کسی قسم کی بغاوت ہوتی۔"

انگریزوں اور اتحادیوں کی عربوں کے بارے میں بدنیتی کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس بات پر نظر ڈالنی چاہیے جو کہ "لارڈ بالفورڈ" (Lord Balforer) نے اس وقت کہی تھی جب اس نے اس تاریخی بدعہدی پر مشتمل "اعلان بالفور" کا اجرا کیا تھا۔ اس نے کہا تھا:

"فلسطین میں ہم اس تجویز کو ہرگز پیش نہیں کریں گے جس میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ فلسطین کی مقامی آبادی کی خواہشات کو بھی مدنظر رکھا جائے کیونکہ بڑی طاقتوں نے پہلے ہی صیہونیوں سے معاہدے اور وعدے کیے ہوئے ہیں اور صیہونیت چاہے صحیح ہو یا غلط، اچھی ہو یا بری، وہ ایک لمبی روایت پر مبنی ہے اور ان سات لاکھ کے لگ بھگ عربوں سے زیادہ اہم اور اثر انگیز ہے جو کہ وہاں رہتے ہیں۔ جہاں تک فلسطینیوں کا تعلق ہے تو بڑی طاقتوں نے تو شاید ہی ان کے حق میں کوئی ایسا بیان دیا ہو جس کی انہوں نے خلاف ورزی نہ کی ہو۔"

(Hisst "The gun and the olive branch p.42")

دوسری جنگ عظیم کے بعد دہشت گردی کے ذریعے صہیونی ریاست کا قیام

جب یورپ اور ایشیا سے ساری دنیا کی توجہ ہٹی، خاص طور سے جب دوسری جنگ عظیم اپنے اختتام تک پہنچی تو ساری دنیا کی توجہ کا مرکز فلسطین بن گیا کیونکہ صہیونی اسرائیلی ریاست کے قیام کے لیے سرتوڑ کوششیں کر رہے تھے۔ نومبر 1944ء میں جب برطانوی نوآبادیاتی سیکرٹری "Lord Mayne" فلسطین کے مسئلے کے پرامن حل کے لیے قاہرہ پہنچا تو فلسطین کے دو صہیونی دہشت گردوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ اور بہت سے منصف مزاج لوگوں کی طرح سمجھتا تھا کہ مشرق وسطیٰ میں صہیونی منصوبہ تباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں لا سکے گا۔

جب 1946ء میں اگلی "عالمی صہیونی کانگریس" کا انعقاد جنیوا میں ہوا تو "ڈاکٹر وائزمین" (Dr. Weizman) (جو کہ اس یہودی ادارے کا سربراہ بھی تھا) نے ایک خاص چارٹر کی منظوری لی۔ اس میں فلسطینیوں سے لڑنے کے عزم کو مختلف ناموں سے پیش کیا گیا تھا، جیسے: "مزاحمت، دفاع اور حریت۔" اس چارٹر کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں فلسطین کی برطانوی اتھارٹی کے خلاف لڑنے کی اور ہر جگہ لڑنے کی بات کی گئی تھی، یا دوسرے لفظوں میں عالمی صہیونی کانگریس نے صہیونی ریاست کے قیام کے لیے دہشت گردی کی منظوری دی اور توثیق کی۔ روس میں بھی یہی ہتھکنڈے نہایت کارآمد ثابت ہوئے تھے۔ دراصل "برادری" نے نہایت دوراندیشی سے کام لیا تھا اور اس بات کو سمجھ گئے تھے کہ صہیونی ریاست دہشت گردی کے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی۔

اس مقصد کے لیے کئی یہودی دہشت گرد تنظیمیں فلسطین میں قائم ہو گئیں تاکہ صہیونی ریاست کے قیام کے لیے دہشت کے ذریعے دباؤ ڈالا جا سکے۔ ان میں سے دو انتہائی اہم تھیں۔ ایک کا

نام تھا "ارن زوائی یےوی" جس کی سربراہی میناخم بیگن کر رہا تھا۔ دوسری دہشت گرد تنظیم کا نام تھا "لیہی" (Lehi) جس کی سربراہی اسحق شامیر کر رہا تھا۔ Los Angeles Times کے مطابق یہ اسرائیل کی زیر زمین شروعات تھیں اور قتل کو سیاسی حربے کے طور پر استعمال کرتی تھیں۔ ان دونوں تنظیموں کے سربراہ آگے چل کر اسرائیل کے وزیراعظم بنے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صیہونیت اور دہشت گردی یا اسرائیلی رہنما اور دہشت گردی کس حد تک لازم و ملزوم ہیں۔

Lord Moyne کے علاوہ صیہونی دہشت گردوں نے Sir Harold Mac Millan جو کہ فلسطین کا برطانوی ہائی کمشنر تھا، کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی۔

(Bell, "The lang War : Israel and the Arahs Since 1948, p201)

اسی طرح Count Folke Bernadotte جو کہ 1948ء میں اقوام متحدہ کا مقرر کردہ سویڈن کا ثالث تھا، اس نے بغیر کسی روک ٹوک کے فلسطین میں یہودی آمد کی سختی سے مخالفت کی تھی۔ اس کے علاوہ وہ اس بات پر بھی زور ڈال رہا تھا کہ وہ فلسطین میں موجود پناہ گزینوں [مہاجر فلسطینی مسلمانوں] کو اسرائیل میں دوبارہ واپس جانے کی اجازت دی جائے۔ اس کے علاوہ وہ اس بات پر بھی زور دے رہا تھا کہ جتنی بھی ملکیتوں کو نقصان پہنچا ہے اس کا بھی ازالہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو بھی ایک دہشت گرد یہودی تنظیم "اسٹرن گینگ" نے ہلاک کر دیا۔ اسرائیلی حکومت کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ یہ قتل کس نے کیا ہے؟ لیکن کسی کو بھی گرفتار نہیں کیا گیا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ویسے ویسے قاتل ہیرو بن گئے اور "بیگن" اور "شامیر" تو بعد میں اسرائیلی حکومت کے سربراہ اور وزیراعظم بھی بنے۔

جیسے جیسے فلسطینی مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی اور خونریزی بڑھتی چلی گئی، یہودیوں کی اسرائیل آمد میں منظم طریقے سے اضافہ ہوتا چلا گیا۔ برطانوی ایوان عام (House of Commons) کی ایک کمیٹی نے اعلان کیا:

"بہت بڑی تعداد میں یہودی مشرقی یورپ سے جرمنی میں موجود امریکی زون کی طرف ہجرت کر رہے ہیں تاکہ بالآخر فلسطین پہنچ سکیں۔ یہ بات تو بالکل صاف ہے کہ ایک انتہائی زیادہ

منظم تحریک جس کے پاس بے پناہ پیسہ، طاقت اور اثر ورسوخ ہے، اس کے لیے کام کر رہی ہے۔''

اس کے علاوہ امریکی ایوان بالا (Senate) کی بھی ایک کمیٹی جو کہ جنگ کے بارے میں تحقیقات کے لیے یورپ بھیجی گئی تھی، اس نے بھی یہ بیان دیا تھا:

''یہودیوں کی مشرق یورپ سے جرمنی میں موجود امریکی زون کی طرف نقل مکانی ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ جس کے لیے پیسہ امریکا میں موجود بعض گروپ اور تنظیمیں مہیا کر رہی ہیں۔''

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ ہجرت روس کے زیر انتظام مشرقی یورپ اور خود روس کے اندر سے ہوئی جو کہ چرچل کے بقول Iron Curtain (سرخ پردے) سے ہوئی جہاں سے مکھی بھی ادھر سے اُدھر نہیں جاسکتی تھی، بلکہ امریکی اور اتحادی تو دوسری طرف کے لوگوں کو واپس روس میں دھکیل رہے تھے۔ ایسے کٹھن وقت میں ہزاروں کی تعداد میں روس اور مشرقی یورپ سے یہودیوں کی نقل مکانی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اس کو لندن، ماسکو اور واشنگٹن کی پوری پوری حمایت حاصل تھی۔ کہاں تو کوئی بھی شخص سوویت یونین سے بغیر اجازت کے نہیں نکل سکتا تھا اور کہاں یہ حال کہ Iron Curtain نے یہودیوں کے ریلے کو فلسطین جانے کی کھلی چھوٹ دے رکھی تھی۔

1946ء اور 1947ء میں صیہونی دہشت گردی اپنے عروج پر تھی۔ یہودی دہشت گردوں نے برطانوی فوجیوں کو بھی نہ بخشا۔ ہزاروں برطانوی فوجی (جن کو پہلی جنگ عظیم میں فلسطین لایا گیا تھا) ان پر گھات لگا کر حملہ کیا گیا، کبھی انہیں سوتے ہوئے اپنے ابدی گھر روانہ کر دیا گیا، یا پھر دھماکے کر کے مختلف طریقوں سے ہلاک کر دیا گیا۔ ایک باغ میں دو برطانوی فوجیوں کو اذیتیں دے کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ جولائی 1946ء میں یروشلم میں موجود کنگ ڈیوڈ ہوٹل (King Dewad Hotel) کو دھماکے سے اڑا دیا گیا۔ یہ دھماکا کرنے والے دہشت گرد صیہونی اچھی طرح سے جانتے تھے کہ اس وقت اس ہوٹل میں نہ صرف برطانوی فوجی بلکہ بیس بے خبر یہودی اور چالیس مسلمان بھی اس ہوٹل میں کام کر رہے ہوں گے۔ بم دھماکے سے بیس منٹ پہلے ہوٹل میں ایک فون کال موصول ہوئی جس میں برطانوی کمانڈر کو یہ دھمکی دی گئی تھی کہ وہ اس علاقے کو خالی کر لے جو کہ نہ کیا گیا، کیونکہ برطانوی سمجھتے تھے کہ یہ علاقہ پوری طرح سے محفوظ ہے اور اس طرح

کی دھمکی فون کالیں پہلے ہی موصول ہوتی آئی تھیں۔

اب دیکھنے میں تو یہ سب اتفاقی محسوس ہوتی ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ صیہونیوں نے اپنے ہم نسل اور ہم مذہب یہودیوں کو بھی نہ بتایا جو اس عمارت میں کام کر رہے تھے تاکہ اس آپریشن کی کامیابی کو خفیہ منصوبہ بندی سے ممکن بنایا جائے۔ اس دھماکے میں 91 سے زائد برطانوی، یہودی اور مسلمان ہلاک ہوئے اور صیہونی پالیسی کہ ''ضرورت آخری حد تک جانے پر مجبور کرتی ہے۔'' اپنی پوری آب و تاب سے دنیا کا منہ چڑاتی نظر آئی۔

دہشت گردی کی بڑھتی ہوئی وارداتوں، ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں روسی یہودیوں کی نقل مکانی اور خود برطانیہ پر صیہونیوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ اور امریکا میں فری میسن امریکی صدر ہیری ٹرومین کے بھی سخت دباؤ میں انگریز نے یہودی دباؤ قبول کرتے ہوئے اپنا مینڈیٹ ختم کر کے فلسطین کو اقوام متحدہ کے حوالے کر دیا تھا۔ نومبر 29، 1947ء میں فلسطین کو دو آزاد ریاستوں میں تقسیم کرنے کی سفارش کی گئی۔ یکم اکتوبر 1947ء کو اقوام متحدہ میں اس پلان کو مسلمانوں نے مسترد کر دیا تھا۔ ان کے لیے یہ بات بالکل ناقابل قبول تھی کہ وہ اپنے 2000 سال پرانے وطن کو چھوڑ دیں۔

اقوام متحدہ میں جب بالآخر فلسطین تقسیم کا پلان پیش کیا گیا تو اس میں 54 فیصد سے زیادہ علاقہ یہودیوں کو دیا گیا تھا تاکہ وہ اسرائیل کا قیام ممکن بنا سکیں۔ سب سے زیادہ مزے کی بات یہ تھی کہ جب اقوام متحدہ کی نگرانی میں نجی املاک کا سروے کیا گیا تو 93 فیصد نجی ملکیت والی زمینیں فلسطینیوں کی اپنی تھیں۔ یہ بات اقوام متحدہ کی اپنی سروے رپورٹ میں درج ہے لیکن اقوام متحدہ کی سب سے حیرت انگیز تجویز یہ تھی کہ 93 فیصد ملکیت اور 70 فیصد آبادی والے مسلمانوں کے حصہ میں 40 فیصد علاقہ دیا گیا جبکہ صیہونیوں کو 54 فیصد علاقہ دیا گیا۔ تقریباً تمام اچھی اور قابل کاشت زمینیں یہود کو دے دی گئیں۔ خاص طور سے بحر متوسط کے ساتھ کی زرخیز زمینیں بھی انہی کو دے دی گئیں، حالانکہ یہ زمینیں کئی نسلوں سے عربوں ہی کی تھیں اور ان پر ان کے آباء و اجداد کاشتکاری کرتے آئے تھے اور ان کی پیداوار ہی اس علاقے کی اصل برآمدات تھیں۔ اس کے علاوہ اقوام متحدہ کی تقسیم کے منصوبے میں نجف کا صحرا بھی صیہونیوں کو دے دیا گیا تھا۔ حالانکہ

یہاں تو زیادہ تر عرب بدو قبائل آباد تھے اور یہاں پر یہود عرب تناسب 1,00,00 پر 475 کا تھا۔ اسی طرح یہیں سے ارضِ فلسطین کی زیادہ تر گندم اور گیہوں کی پیداوار حاصل کی جاتی تھی جبکہ زیتون اور سٹراس (ایک صحرائی پھل) کی پیداوار بھی اس علاقے سے ہوتی تھی لیکن اس سب کے باوجود اسرائیل یہ کہتا رہتا ہے: ''اسرائیل وہ ہے کہ جس نے نجف کے صحرا کو ایک زرخیز اور خوبصورت باغ میں تبدیل کرلیا ہے۔'' (Dimbleby : The Palestenians)

ایک مرتبہ پھر صیہونی پروپیگنڈے نے دنیا بھر کے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک دی۔ جیسے جیسے اقوام متحدہ میں فلسطین کے تقسیم کی کوشش شروع ہوئی، ویسے ویسے صیہونیوں نے مربوط لابنگ شروع کردی جبکہ دوسری طرف عربوں کے پاس ایسے ذرائع نہیں تھے جن سے وہ ایسی لابیاں بناسکتے اور نہ ہی وہ جھوٹ بولنے کے فن سے آشنا تھے۔

اس پلان پر جب پہلی بار ووٹنگ کی گئی تو اسے مطلوبہ تعداد میں ووٹ نہیں مل سکے۔ اگلے چند دنوں میں امریکی صدر ہیری ٹرومین اور امریکی انتظامیہ نے دیگر ممالک پر اتنا دباؤ ڈالا کہ زیادہ تر ووٹ جو کہ ''نہیں'' میں تھے یا ایسے ممالک کے تھے جو ووٹنگ سے اجتناب کر رہے تھے، ان کو ہاں میں تبدیل کرلیا گیا جبکہ بعض ممالک جن کا ووٹ اس منصوبے کے خلاف تھا ان کو ووٹ ڈالنے سے اجتناب کرنے کی ترغیب دی گئی۔ اس وقت کے امریکی سیکرٹری دفاع Jhon Forestal نے کہا تھا: ''امریکا اس وقت اسکینڈل کی حد تک دوسری قوموں پر دباؤ اور زور ڈالنے والا مجرم تھا۔''

ایک مؤرخ J.Boweryer Bell کا کہنا ہے کہ اگرچہ صیہونیوں نے سفارتی جنگ ضرور جیت لی تھی حالانکہ ''انجیل اور تورات کی پیش گوئیوں کی جذباتی انداز میں دہرانے کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔'' لیکن چونکہ عرب پوری سرزمین چاہتے تھے جبکہ صیہونی سمجھوتے کی بات کر رہے تھے اور اقوام متحدہ میں زیادہ تر ممالک انصاف پر مبنی فیصلے کی بات کر رہے تھے، اسی لیے عربوں کی بات کو بالکل غلط پیرائے سے دیکھا جانے لگا جبکہ صیہونیوں کے لیے فلسطین میں آدھا حصہ مار لینا ایک اچھا سمجھوتہ تھا کیونکہ وہ تو ایک رتی برابر بھی اس زمین کے

مالک نہیں تھے جوان کو الاٹ کی گئی تھی۔ (یعنی وہ خطہ جو آپ کی ملکیت نہیں اس کا 54 فیصد اگر آپ کو مل جائے تو یہ ایک نہایت نفع بخش اور اچھا سمجھوتہ ہے) یہ ایک شیطانی منصوبہ تھا لیکن انتہائی چالاکی سے ترتیب دیا گیا تھا۔

سب سے بڑی دھوکہ بازی یہ ہوئی تھی کہ اس قرارداد میں جب اسرائیل نے اپنے مطلوبہ رقبے سے بھی زیادہ خطے پر قبضہ کرلیا تو پھر بعض حلقوں نے اسے 1948ء کی قرارداد کے مطابق پیچھے ہٹنے کو کہا۔ اس پر اسرائیلی سفیر نے بنی اسرائیل کی روایتی تاویل سازی کی جھلک دکھاتے ہوئے کہا: ''کیونکہ اس مسودے کی تحریر فعل ماضی میں ہے اس لیے اگر اس پر عملدرآمد نہیں ہوتا تو یہ خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔''

چونکہ اقوام متحدہ کی ان سفارشات کے باوجود فلسطین میں تشدد بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس لیے اقوام متحدہ نے سلامتی کونسل کی تمام سفارشات کو معطل کرنے کی کوشش کی جبکہ ٹرومین نے بھی صیہونیوں کی بے جھجک دہشت گردی سے تنگ آکر اسرائیل کے بارے میں اپنی پالیسی تبدیل کرنے کا عندیہ دیا اور اس بات کی افواہیں گردش کرنا شروع ہوگئیں کہ برطانیہ کی سربراہی میں دوبارہ سے مینڈیٹ والا انظام قائم کیا جائے گا جبکہ اس میں امریکا کا بھاری کردار ہوگا۔ اس موقع پر صیہونیوں نے اس بات کا احساس کرلیا کہ اگر ایسا ہو گیا تو اسرائیل کا معاملہ شاید ہمیشہ کے لیے کھٹائی میں پڑ جائے۔ لہٰذا انہوں نے ذرا بھی دیر لگائے بغیر دہشت گردی کی کارروائیوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔

ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بے سروسامان عربوں کو جنگ میں جھونکا گیا۔ جبکہ ان کو تو 1939ء کے وائٹ پیپر (قرطاس ابیض) کی اشاعت کے بعد پہلے ہی ہتھیار ڈلوا کر نہتا کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس یک طرفہ جنگ میں جو کچھ ہوا وہ اس طرح سے ہے:

''یہودی دہشت گرد تنظیموں ''ارگن'' اور ''لیہی گینگ'' نے ''دیر یاسین'' نامی گاؤں پر حملہ کر دیا۔ انہیں جو بھی نظر آتا اس کو چھریوں سے کاٹ دیتے۔ 250 سے زائد عرب مسلمانوں کو جن میں زیادہ تر عورتیں اور بچیاں تھیں، کنوؤں میں پھینک دیا گیا۔'' (Time Magzine)

اس سنگین دہشت گردی کے نتیجے میں فلسطینیوں کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اگر انہوں نے اپنی زمین نہیں چھوڑی تو ان کے ساتھ کیا ہوگا..... لہٰذا چند ہزار افراد کے علاوہ لاکھوں کی تعداد میں عربوں نے قریبی عرب ریاستوں میں ہجرت کرنا شروع کر دی۔

اس بہیمانہ قتل عام کا واقعہ کچھ اس طرح سے ہے:

''جب لوگوں کو خبر ملی کہ ''ارگن'' (بدنام زمانہ دہشت گرد یہودی تنظیم) کے بدمعاش اس گاؤں کے قریب آ رہے ہیں جو کہ زیادہ تر عرب عیسائیوں پر مشتمل تھا تو بہت سے لوگوں نے ایک گرجا گھر میں پناہ لے لی اور ایک مقامی راہب کے پیچھے سفید جھنڈے کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ یہ دکھانے کے لیے کہ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں اور یہ کہ ان کی کوئی خواہش نہیں کہ وہ اسرائیلیوں سے لڑیں۔ دیر یاسین ہرگز کوئی عسکری ٹھکانہ نہیں تھا بلکہ اس گاؤں کے عیسائیوں کے یہودیوں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ یہ گاؤں ''حیفہ'' میں واقع تھا۔ لیکن یہودی دہشت گردوں نے کسی چیز کا لحاظ نہ کیا۔ نہ گرجا گھر، نہ امن کی خواہش اور سفید جھنڈے کی علامت کا۔ انہوں نے عورتوں، بچوں سمیت بے دریغ قتل عام کیا۔ ان کی خونی پیاس اس وقت بجھی جب وہاں لاشوں کے علاوہ کچھ نہ بچا۔''

اس گاؤں کے رہنے والوں کا قتل عام صرف ایک نیت سے کیا گیا تھا۔ وہ یہ کہ مقامی غریب آبادی میں خوف برپا کیا جا سکے۔ Jaques de Reynier جو کہ ریڈ کراس کا نمائندہ تھا جب اگلے روز اس جگہ پر پہنچا تو اسے اسرائیلیوں نے بتایا کہ وہ اس علاقے کی ''صفائی'' کر رہے ہیں۔ انہوں نے مشین گنوں اور دستی بموں کو استعمال کیا تھا جبکہ آخر میں چھریاں استعمال کی تھیں۔ کوئی بھی شخص دیکھ سکتا تھا کہ 250 سے زائد مرد، عورتیں اور بچے ذبح کیے گئے تھے۔ نوجوان عورتوں کی عصمت دری کی گئی تھی۔ ایک حاملہ عورت کو بری طرح سے مارا پیٹا گیا تھا اور اس کے بچے کو چاقو سے پیٹ کاٹ کر نکال دیا گیا تھا۔ ایک نو عمر لڑکی کو اس وقت گولی سے ہلاک کر دیا گیا تھا جب اس نے ایک چھوٹے بچے کو بچانے کی کوشش کی تھی۔

(Dimbleby, "The Palestenians" p 80)

Richard Cutting کے مطابق جو کہ اس پورے علاقے کے لیے اقوام متحدہ کا نائب

انسپکٹر جنرل تھا، لوگوں کو باقاعدہ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا تھا اور کانوں کے کٹے ہوئے ٹکڑے ہمیں اسرائیلی فوجیوں کے کپڑوں سے چپکے ہوئے ملے تھے جن میں ان عورتوں اور بچیوں کے بُندے بھی کانوں میں لگے ہوئے تھے جن کو "صفائی مہم" کے دوران ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا تھا۔

Cutting نے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ اس کو ایک خفیہ پیغام یادداشت دیکھنے کو ملا تھا جو ارگن کو ہگانہ (Hagannah) جو کہ اس وقت اسرائیل کی باضابطہ آرمی تھی، کی طرف سے دی گئی تھی۔ اس میں لکھا تھا:

"دیر یاسین ہمارے پلان کا پہلا حصہ تھا، جب تک تم اس پر قبضہ جمائے رکھتے ہو تو ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ تم کس طرح سے یہ سب کچھ کرتے ہو۔"

(Dimbleby , "The Palestenians" , p.80)

اس کے کافی عرصے بعد بیگن نے اپنی آپ بیتی میں اس بات کا اعتراف کیا:

"یقیناً یہ ایک کامیاب منصوبہ تھا کہ عربوں کو افواہوں کے ذریعے کہ اس طرح کے مزید واقعات بھی ہو سکتے ہیں، اتنا دہشت زدہ کر دیا جائے کہ وہ اپنی زمینیں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔"

(Hisst, "The Gun and The Olive Branch")

اگرچہ دیر یاسین پر صیہونی حملہ بہت بڑا انسانی سانحہ تھا مگر دوبارہ اسی طرح کے حملے کرنے کی دھمکی محض خالی خولی دھمکی نہیں تھی۔ انہی دھمکیوں اور دہشت گردی کی کارروائیاں کرنے والے یہودیوں کا سب سے بڑا اور کامیاب حربہ یہ تھا کہ وہ پیٹرول کے بھرے ڈرم میں آگ لگا کر لڑھکا دیا کرتے تھے۔ یہ گھومتے ہوئے بیرل عربوں کے محلوں میں جا کر تباہی مچاتے تھے۔ ان بموں کو "Barrel Bombs" کہا جاتا تھا۔ ان کو عام طور سے گنجان آباد بستیوں اور دکانوں میں پھینک دیا جاتا تھا جن سے بے پناہ جانوں اور املاک کا ضیاع ہوا تھا۔

(Dimbleby , The Palestenians, P.89)

صہیونیوں کی سیاہ تاریخ اور قیامِ اسرائیل کی بنیادیں

اس عنوان کے تحت ہم اسرائیل کے قیام (1948ء) اور اس صہیونی ریاست کے لیے اختیار کیے جانے والے شیطانی ہتھکنڈوں کو بیان کریں گے۔

صہیونیت کے دو چہرے:

صہیونیوں کے دو رُخ ہیں: ایک عوامی دکھاوے کے لیے ہے۔ یہ بڑا نرم دل اور سیاسی مسکراہٹ سے بھرپور ہے۔ دوسرا وہ سنگدل اور خوفناک رُخ ہے جو خفیہ اور دنیا سے چھپا ہوا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ بات بہت زیادہ فائدہ مند ہوگی کہ ہم "تھیوڈور ہرزل" جو کہ سب سے بڑا صہیونی سیاست دان تھا اور جس نے پہلی مرتبہ صہیونی ریاست کے لیے ایک باقاعدہ منظم ترین کوششوں کا آغاز کیا تھا، کے بیانات اور کتابوں کا مطالعہ کریں اور اس کی ذاتی اور عوامی رائے جس کا وہ ہر جگہ اظہار کرتا رہتا تھا، اس پر نظر رکھیں۔ اس نے اپنے مقالے "یہودی ریاست" (The Jewrish Stat) میں تفصیل سے اپنے دماغ میں موجود طریقۂ کار کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''صہیونیوں کا عظیم الشان منصوبہ یہ ہے کہ تہذیب وتمدن کی ایک شاخ بربریت کے درمیان کھولی جائے اور اس کی بنیاد رکھی جائے۔''

(Hisst, "The Gun and The Olive Branch P.15")

ہرزل اور اس کے دوست بین الاقوامی دنیا کو یہ دھوکہ دے رہے تھے کہ مقامی عرب آبادی کے حقوق اور ان کی آزادی پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔ اپنے ایک اور مقالے (1902ء) Alteneuland یعنی Old New Land میں ہرزل نے ایک ایسا نقشہ کھینچا تھا جس میں

صیہونی ریاست کے فلسطین میں قیام کے فوائد کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس میں اس نے لکھا تھا:

''عرب ہمارے نئے دوست بن جائیں گے اور ہاتھ کھول کر ہمارا ساتھ دیں گے اور اس بات پر بہت زیادہ پر جوش ہوں گے کہ صیہونی ان کے لیے جدید دنیا کے تمام لوازمات لے کر آرہے ہیں۔ اور ملیریا سے بھرے ہوئے دلدلی علاقے اور بے آب وگیاہ صحرا کو ایک خوشنما باغ میں تبدیل کر رہے ہیں۔''

(Hisst, "The Gun and The Olive Branch P16")

یہ تو تھی اس کی دنیا دکھاوے والی سوچ جو وہ عوام کے سامنے بیان کرتا تھا، لیکن اس کی اپنی ڈائری جس میں وہ اپنی ذاتی رائے کا ذکر کرتا ہے اور جس کے بارے میں اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ کسی وقت عوامی نظروں میں آجائے گی اور ایک اس خفیہ ڈائری کی اشاعت بھی ہوگی۔ اس میں اس کے خیالات ہی کچھ اور تھے۔ اس کتاب کا نام ہے: "The Complete Diaries of Theodre Hezl"

اس ڈائری میں اس نے کھل کر اسرائیل کے قیام کی اصلی حقیقت کا ذکر کیا ہے۔ اسرائیل کے قیام کے لیے اپنے منصوبے کا ذکر وہ ان مرحلہ وار نکات کی شکل میں کرتا ہے:

اولاً: وہ ایک یورپی طاقت سے اسپانسر شپ (Sponser Ship) کا ذکر کرتا ہے تاکہ یہودیوں کے لیے ایک سازگار ماحول پیدا کر سکے جس کا طریقہ کار یہ ہوگا کہ یہودی اس مقصد کے لیے اپنی دولت اور پریس (میڈیا) کو استعمال کریں۔

دوم: ہرٹزل اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ عربوں اور یورپی اقوام میں بھی پھوٹ ڈالنے کی ضرورت ہے خاص طور سے بڑی یورپی قوتوں کے درمیان۔

سوم: یہ کہ یورپی حکومتوں کو زیر کرنے کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ ان کے جاسوسی نیٹ ورک میں گھس کر کارروائی کی جائے اور اپنے نیٹ ورک کی طاقت کو دکھایا جائے جو کہ ساری دنیا بالخصوص یورپ میں بڑی تیزی سے کام کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے بڑی زبردست بات کی:

''ایک نئی یورپی جنگ صیہونیت کے لیے انتہائی فائدہ مند ہوگی۔''

ہرزل نے یہ بھی لکھا کہ صرف تمناؤں ہی سے ''صیہونی ریاست'' قائم نہیں کی جا سکتی ہے۔ اپنی ڈائری میں وہ اس بات پر بحث کرتا ہے کہ صیہونی ریاست صرف اسی صورت میں پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتی ہے جب مکمل اور دوسروں کو کچل کر رکھ دینے والی صیہونی بالادستی قائم ہو جائے جبکہ ساتھ ساتھ یہ کوشش بھی کرنا ہوگی کہ مقامی آبادی (یعنی فلسطینی مسلمانوں) کو وہاں سے نکال باہر کیا جائے (واضح رہے کہ یہ شخص پہلی جنگ عظیم سے پہلے مر گیا تھا اور یہ تحریر غالباً 1900 کی ہے) اس نے لکھا:

''ہماری کوشش یہ ہوگی کہ غربت سے چور آبادی کو بارڈر کی دوسری طرف چپکے سے منتقل کیا جائے اور اس مقصد کے لیے انہیں قریبی ریاستوں میں نوکریوں اور دوسری مراعات کی لالچ دی جائے، جبکہ خود فلسطین میں انہیں کام کرنے کی اجازت نہ دی جائے یا پھر ان کے لیے روزگار کا حصول ناممکن بنا دیا جائے۔''

"The Complete Diaries of Theodre Hezl Vol1 p 343"

بعد میں 1940ء کی دہائی میں Joseph Heitz نے جو کہ صیہونی نوآبادیات کا چارج سنبھالے ہوئے تھا، بھی یہی بات دہرائی:

''ہمارے آپس کے درمیان یہ بات بالکل صاف صاف ہونی چاہیے کہ اسرائیل میں دونوں فریقوں کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر اتنی بڑی تعداد میں عرب یہاں پر موجود رہیں تو ہم اپنی آزادی کے نصب العین کو ہرگز نہیں پا سکیں گے۔ ہم ساری عرب آبادی کو یہاں سے منتقل کر دیں گے یا ہمیں ایسا کرنا ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک بھی گاؤں اور ایک بھی قبیلہ باقی نہ رہے۔''

(Hisst, "The Gun and The Olive Branch P130")

قیامِ اسرائیل کے لیے صہیونیت کے دو حربے

1- مسلمانوں کی نسل کشی:

اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ کس طرح سے فلسطینی عربوں کی نسل کشی کے لیے یہودی دہشت گردی کا بے دریغ مظاہرہ کیا گیا، تاکہ صہیونی ریاست کے لیے جگہ بنائی جاسکے۔ جیسے ''المنارہ'' کے گاؤں کو مکمل طور پر خالی کرلیا گیا تھا، جب صہیونی قوتوں نے مسلمانوں کے تمام گھروں کو دھماکے سے اڑا دیا اور دھمکی دی کہ واپس نہیں آنا۔ اسی طرح ایک اور عرب قصبے ''نصر الدین'' میں ہر گھر کو مسمار کردیا گیا تھا یا پھر جلا دیا گیا تھا یا پھر مکمل طور پر تباہ کردیا گیا تھا۔ اسی طرح ''الروما'' میں ہگانہ نے سب کو کہا تھا: ''یا تو لبنان کی طرف بھاگ جاؤ یا پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' حیفہ اور تائبریس (Tiberius) کے شہروں کی ساری عرب آبادی ختم ہوگئی تھی جب 1948ء میں ہگانہ نے وہاں پر حملہ کیا تھا۔ Einez Zetium کے گاؤں میں سب کو اکٹھا کیا گیا تھا اور ایک ایک شخص کو چن کر صلیب کیا جاتا تھا۔ کئی عورتوں کو مارا پیٹا گیا جبکہ 37 نوجوان مرد اور بچوں کو شہید کردیا گیا۔ 29 اکتوبر 1948ء کو اسرائیلی ہوائی جہازوں نے ''صف صف'' کے گاؤں پر وحشیانہ بمباری کی تھی۔ اس کے بعد فوجی، قصبے میں داخل ہوتے چلے گئے۔ مقامی آبادی کا صفایا کرتے چلے گئے۔ اسی دوران چار لڑکیوں کی کئی اسرائیلی فوجیوں نے ان کے خاندانوں کے سامنے بار بار آبروریزی کی۔ اس کے بعد میں لوگوں کو اندھا کرکے باری باری گولی ماردی گئی۔ ماجد الکرم میں دس عام نہتے شہریوں کو قتل کردیا گیا۔

1948-49ء کے دوران جب صہیونی حملے کی خبر پھیلی اور فلسطینیوں کو اس بارے میں پتہ چلا تو اسرائیلیوں نے اپنی پالیسی تبدیل کردی اور پھر دھوکہ اور فریب کی ایک نئی روایت قائم ہوئی۔ اسرائیلی فوجی مقامی ریڈیو اسٹیشن سے اور ٹرکوں پر بھاری میگافون لگا کر مسلمان رہنماؤں کی طرف

سے عربی میں اعلانات کرواتے تھے:

''اللہ کے نام پر اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگ جاؤ۔''

(Dimbleby, "The Palestenians, Page 80)

ظاہری بات ہے کہ سرکاری سطح پر یہی کہا جاتا تھا کہ مسلمان رہنماؤں ہی نے مقامی عرب آبادی کو بھاگنے کا مشورہ دیا تھا تاکہ اپنی جائیدادیں چھوڑ کر اس جنگ زدہ علاقے سے دور بھاگ جائیں۔ لیکن ایک فلسطینی مصنف ولید خلیل اور بہت سے دوسرے مصنفوں نے جن میں Erskine Childers بھی شامل ہے جو کہ اقوام متحدہ کی اس کمیٹی کا رکن بھی رہا جو کہ عرب ریڈیو اور رپورٹوں کی نگرانی کرتی تھی، ان سب کا کہنا ہے کہ مسلمان رہنماؤں کی طرف سے فلسطین میں اپنے آبائی گھروں کو چھوڑنے کا ایک ذرہ برابر بھی حکم فلسطینی رہنماؤں نے نہیں دیا تھا۔ اس کے برعکس متعدد ایسے حوالے دیے جاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فلسطینی عرب آبادی سے یہ کہا گیا تھا کہ فلسطین چھوڑنے سے معاملہ اپنے ہاتھ سے نکل جائے گا اور اس سے فلسطینی مقصدیت کو نقصان پہنچے گا۔

(Woolfson, Portrail of a Palestenian, Page17)

حتیٰ کہ صہیونی بھی 1950ء کے بعد سے اس بات کا ذکر کرتے ہیں جب اسرائیلی حکومت نے فلسطینی مہاجرین کے بارے میں یہ پالیسی اپنائی: ''جو چلے گئے وہ چلے گئے۔'' یعنی وہ فلسطینی مسلمان جو آج بھی اقوام متحدہ کے زیرِ نگرانی امدادی کیمپوں میں رہ رہے ہیں اور فلسطین سے چلے گئے ہیں وہ دہشت زدہ ہو کر جب فلسطین سے چلے گئے تو بس چلے گئے۔ اب انہیں واپس آنے دیا جائے گا۔ یہی وہ وقت تھا جب اسرائیلی حکومت یہ کہتی رہی تھی: ''پناہ گزینوں کا مسئلہ ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے جس کا اسرائیل کے قیام سے کوئی تعلق نہیں۔''

2۔ جھوٹا پروپیگنڈہ:

صہیونی تحریک کے آغاز ہی سے اس کے پیچھے سب سے بڑی قوت Anti Semitism تھی۔ جس کا مطلب ہے ''یہود مخالف'' یا پھر ''یہود کے خلاف نفرت'' جبکہ اس کا حقیقی مطلب یہ

ہے کہ ''اسرائیل کے بیٹے'' (یہود) ''جنائل'' (غیر یہودی انسانوں) کے ساتھ نہیں رہ سکتے کیونکہ وہاں پر انہیں نفرت، تعصب اور ظلم کا نشانہ بنایا جائے گا۔ اسی لیے یہودیوں کو بھی اپنے آپ کو الگ کرنا پڑے گا، بالکل ویسے ہی جیسے "Britan Is British"۔ یہ بات ڈاکٹر وائز مین نے کہی تھی کیونکہ صیہونی تحریک کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اتنے یہودیوں کو جمع کیا جا سکے جو کہ نہ صرف اس مقصد کے لیے مالی مدد کر سکیں بلکہ وہ اسرائیل کی طرف نقل مکانی کرنے کے لیے راضی بھی ہوں۔ اس مقصد کے لیے بہت سے مواقع پر صیہونی رہنماؤں کو عام یہودیوں پر دباؤ اور دہشت گردی کے ہتھکنڈے استعمال کرنا پڑے، تاکہ وہ اس بات کو یقینی بنا سکیں کہ یہودی آبادی فلسطینیوں کی آبادی سے زیادہ رہے جس کی پیدائش کی شرح بہت زیادہ ہے۔

جیسے 1945ء میں امریکی صدر فرینکلن روز ویلٹ نے مغربی یورپی اقوام جو کہ امریکیوں کے ساتھ ہیں، یہ تجویز دی کہ ہولوکاسٹ کے مظلوموں کو امریکا اور یورپ کے لیے ایک لاکھ ویزوں کا اجرا کیا جائے۔ اس ہولوکاسٹ سے بچ جانے والے یورپی یہودیوں میں سے زیادہ تر مشرق وسطی (اسرائیل) نہیں جانا چاہتے تھے اور ان کا صیہونیوں سے کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن صیہونیوں نے فوراً اس منصوبے کو (یعنی یورپی یہودیوں کو امریکا کا ویزا دینے کے منصوبے کو) شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور اس بات پر زور دیا کہ کم از کم تین لاکھ افراد کو اسرائیل بھیجا جائے جبکہ امریکا کی کانگریس پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ صرف بیس ہزار یہودیوں کو امریکا کا ویزا جاری کرے اور اس کام میں صیہونیوں کی مدد کی جائے کہ باقی سب یہودی اسرائیل کی طرف نقل مکانی کر سکیں۔

(Dimbleby, "The Palestenians, Page 84)

1950ء کی دہائی کے آغاز ہی میں اسرائیل سے یہودیوں کی واپس نقل مکانی اسرائیل آمد کے لیے کی گئی نقل مکانی سے بھی بڑھ گئی جو کہ صیہونیوں کے لیے انتہائی خطرناک تھا۔ اس چیز کو روکنے اور آبادی کی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اسرائیلی حکومت کی نظر قریبی عرب ممالک پر پڑی۔ خاص طور سے عراق پر جہاں 1,30,000 یہودی آباد ہیں۔ یہاں کے یہودی نسبتاً خوشحال تھے اور عرب آبادی کے ساتھ پرامن طریقے سے رہ رہے تھے اور یہاں پر ان کی سیاسی

سا تو بھی مضبوط تھی۔ اسرائیل کی طرف نقل مکانی کی ترغیب دینے کے لیے صیہونیوں نے 1950-51ء کے درمیانی عرصے میں عراق میں رہائش پذیر یہودیوں کے محلے میں تین بم دھماکے کیے اور اس کا یہ نقشہ کھینچا کہ یہ یہودی مخالف دہشت گرد گروہوں کا کام ہے۔ ان دھماکوں کے فوراً بعد ہی صیہونیوں نے ایسے پمفلٹ بانٹنا شروع کر دیے جن میں یہ درج تھا کہ اسرائیل کی طرف ہجرت کی جائے کیونکہ یہی وہ محفوظ علاقہ ہے جہاں وہ اب رہ سکتے ہیں۔ ناقص منصوبہ بندی اور جلد بازی کی وجہ سے تحقیقی اداروں کی نظر ان صیہونیوں کی طرف ہوگئی جو ان دھماکوں میں ملوث تھے اور اس سلسلے میں تحقیقات کا آغاز کیا گیا۔ ایک آدمی جس کا نام Yehudah Tajja تھا، کو اس کے ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا گیا جس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس کو دھماکے کرنے کے لیے صیہونیوں نے پیسے دیے تھے۔ یہ ثبوت عراقی اہلکاروں کے لیے انتہائی مؤثر ثابت ہوئے، لیکن صیہونی پروپیگنڈے کا کمال دیکھیے کہ انہوں نے پھر بھی عراقی حکومت پر بہت زیادہ سیاسی دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ خاص طور سے بین الاقوامی حلقوں کی طرف سے بے تحاشا دباؤ ڈالا گیا اور یہودیوں کو عراق چھوڑنے کا مشورہ دیا گیا۔ قدرتی طور پر ان پر صرف اسرائیل ہی کے دروازے کھلے تھے۔

(Hisst, "The Gun and The Olive Branch P155-164")

اس سے بھی زیادہ افسوسناک واقعہ اور صیہونی سفاکیت کی مثال نومبر 1940ء کے مہینے میں Patria نامی کشتی کے ڈوبنے کے واقعے میں ہوئی جب اس میں سوار کئی برطانوی معززین کو 252 غیر قانونی یہودی تارکین وطن سمیت غرق کر کے ڈبو دیا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل 1968ء میں Dr. Herzl Resenblim نے تل ابیب کے اخبار Yedios Acheronos میں لکھی۔ Resenbliam اس صیہونی ایکشن کمیٹی کا حصہ تھا جس نے اس حملے کا حکم دیا تھا۔ اس نے اخبار میں انکشاف کیا کہ اس نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی تھی کہ Patria حملہ نہ کیا جائے لیکن اس کو سخت دھمکی دی گئی اور جسمانی تشدد کا بھی نشانہ بنایا گیا تھا تاکہ اس کی زبان بند کی جا سکے۔ اس غیر انسانی عمل کے دفاع میں موشے شارت Moshe Sharret نے بیان دیا تھا (جو کہ اسرائیلی حکومت کا اعلیٰ عہدیدار تھا): ''ہمیں کبھی چند افراد کی قربانی دے کر بہت سے

افراد کو پہنچاہوتا ہے۔'' ان یہودیوں کو اس لیے قربان کیا گیا تھا کہ ساری دنیا میں یہ ڈھنڈورا پیٹا جائے کہ یہود مخالف لہر حد سے تجاوز کرچکی ہے۔ یہی Anti Semitism صیہونی تحریک کے خون کا حصہ اور اس کی بقا کا سہارا ہے۔

یہود دنیا بھر میں اپنے خلاف پائی جانے والی نفرت کا رونا روتے رہتے ہیں لیکن درحقیقت اس میں موروثی اور عالمگیر نفرت نے اسرائیل کے استحکام میں بڑا موثر کردار ادا کیا۔ World Zionist Organization کے صدر Dr. Nahun Goldman اپنی 23 جولائی 1958ء کی جنیوا کی کانگریس میں منعقد کی گئی تقریر میں کہتا ہے:

''یہود سے نفرت میں موجودہ کمی نے ایک نئی گھنٹی بجادی ہے۔ اب یہودی ہر جگہ برابر کے شہری ہیں۔ جہاں یہ یہودی کمیونٹی کے لیے اچھی بات ہے، وہاں دوسری طرف ہماری سیاسی زندگی کے لیے یہ انتہائی سے زیادہ منفی اثر رکھتی ہے۔''

اسی طرح Davar اخبار کے مدیر نے جو کہ اسرائیل میں سب سے بڑی سوشلسٹ پارٹی کا اخبار ہے، لکھا تھا کہ وہ ان یہودیوں کو جو کہ سکھ کا سانس لے کر آرام سے دنیا بھر میں بیٹھ گئے ہیں، ان کو اس طرح سے واپس لائے گا کہ چند اچھی کارکردگی والے نوجوانوں کو بھیج کر یہ نعرہ بازی کروائی جائے: ''یہودیو! تم اسرائیل واپس چلے جاؤ۔'' اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز انکشاف اس وقت سامنے آیا جب Malkid Greenwald جو کہ جرمن حکومت کا رکن تھا، اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ یہودی ایجنسی جو کہ اس وقت صیہونی اداروں کی سب سے مضبوط ایجنسی تھی، نے نازیوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ ہزاروں کی تعداد میں یہودیوں کو بے دخل اور یہودی کیمپوں میں منتقل کرنے کی کوششوں میں خودکش جرمن نازی حکومت کی مدد کریں گے۔ اس کی غرض یہ تھی کہ ان کو صحت مند یہودیوں کو اسرائیل کی آبادی بڑھانے سے اسرائیل بھیجنے کی اجازت دی جائے۔ اس کو بعد میں معاف کردیا گیا لیکن اس نے یہ الزام یہودی ایجنسی کے Rudolph Kastner کو دیا۔ اس کا اعتراف جرمن حکومت کے سب سے بڑے نازی رکن Adolph Eihmann نے Life میگزین کے ایک آرٹیکل میں بھی کیا۔

انصاف پسند یہودیوں کی جانب سے صہیونیت کی مخالفت

یہ باب بڑا دلچسپ ہے۔ یہودیوں اور صہیونیوں کی پیدا کردہ تباہی و بربادی کو جاننے کے لیے ہمیں عربوں ہی کی نہیں، بلکہ ان یہودیوں کی بھی سننی چاہیے جو کہ اسرائیل میں آئے تھے اور ان کی رائے بھی لینی چاہیے۔ اس سلسلے میں Nahan Chofshi کے خیالات حد سے زیادہ اہم ہیں۔ وہ ان پہلے پہل کے صہیونی تارکین وطن میں سے تھے جن کا جوش ایک بھیانک تجربے میں تبدیل ہوگیا۔ جب اس نے اسرائیل کے قیام اور فلسطینی آبادی کے لیے غیر منصفانہ رویے کو دیکھا۔ وہ لکھتا ہے:

''ہم آئے اور ہم نے مقامی عرب آبادی کو پناہ گزینوں میں تبدیل کر دیا اور اس سب کے باوجود ہم ان کو گالی دیتے ہیں اور ان سے نفرت برتتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنے کیے پر نادم ہوں، ہمیں شرم آئے اور ہم اس کا کچھ حد تک ازالہ کریں۔ ہم اپنے بھیانک کرتوتوں کا دفاع کرتے ہیں اور ان کو مزید بڑھا چڑھا کر حسین منظر کشی کرتے ہیں۔''

(Dimbleby, The Palestenians, Page91)

Chofsi آگے چل کر کہتا ہے:

''صرف ایک اندرونی انقلاب ہی سے یہ طاقت ہمیں نصیب ہو سکتی ہے کہ ہم عربوں سے قاتلانہ نفرت نہ کریں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو یہ نفرت ہمارے لیے بالآخر تباہی لے کر آئے گی۔ اس وقت ہمیں یہ احساس ہوگا کہ ہم پر ان بھیانک کرتوتوں کی کتنی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو کہ ہم نے عرب پناہ گزینوں کے ساتھ روا رکھے۔ ہم نے ان کے ساتھ کتنا برا کیا۔ ہم نے یہودیوں کو دنیا بھر سے (سات سمندر پار سے) فلسطین لا کر بسایا لیکن ان عربوں کی وراثتوں اور جاگیروں پر جن کے کھیت پر ہم کاشتکاری کرتے ہیں، جن کے باغوں کے ہم پھل کھاتے ہیں، جن کے انگور ہم اکٹھا کرتے ہیں اور جن شہروں میں ہم رہتے ہیں، ان کو ہم نے لوٹ لیا۔ عربوں سے

[illegible]
[illegible]

(Zionist Archies & Library)

Jhon Magnes جو Hebraw University کے چانسلر تھے، انہوں نے بھی صیہونیت کا ذکر اس طرح سے کیا تھا ''ہم طاقت کے نشے میں [illegible] پرست اور ظلم کے پجاری ہیں۔'' اسی طرح 1956ء میں ایک اسرائیلی کی میت کی تدفین کے وقت موشے دایان (Moshe Dayan) نے اپنے ساتھی صیہونیوں سے یہ کہا تھا

''ہم ہوتے کون ہیں جو ان کی نفرت کے خلاف شکایت کریں؟ اب آٹھ سال ہو چکے ہیں فلسطینی غزہ کے پناہ گزین کیمپوں میں محصور ہو کے بیٹھے ہیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے ہم ان زمینوں اور گاؤں کو اپنا گھر بنا چکے ہیں جن میں ان کے آباؤ اجداد رہتے تھے۔''

(Hisst, "The Gun and The Olive Branch P172")

1921ء سے بھی قبل ایک یہودی مصنف Asher Ginzburg صیہونی تحریک کے رخ کو دیکھتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہو گیا تھا:

''کیا یہ وہ منزل ہے جس کے لیے ہمارے والدین نے کوششیں کیں اور جس کی خاطر اتنی نسلوں نے مشقتیں جھیلی ہیں؟ کیا صیہون (Zion) کی طرف واپسی کا یہی وہ خواب ہے جو کہ صدیوں سے ہمارے لوگ دیکھتے آئے ہیں لیکن اب جب ہم وہاں لوٹ آئے ہیں تو ہم زمین پر شب خون مار رہے ہیں۔ وہ بھی معصوموں کا؟ ان لوگوں نے اپنے نبیوں کی قربانی دے کر اور تہذیب و تمدن کے اصولوں کی خاطر خود انہوں نے مشقتیں جھیلی ہیں، لیکن یہ آپس میں حریص ہیں اور پھر بھی خون بہا رہے ہیں اور اپنی انتقام کی خواہش کو پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔''

اس کے بعد، بہت بعد، یعنی 1940ء کی دہائی میں ایک اور یہودی مصنف Rib Binyomin لکھتا ہے:

''میں خود اپنے لوگوں کو پہچان نہیں پا رہا ہوں، کیونکہ ان کی روحوں میں تبدیلی آ چکی ہے۔ ان

لوگوں کے مظالم اور سفاکیت ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس بات سے بھی کہ عوامی رائے میں ان لوگوں کے کرتوتوں کو اچھی اور قابل ستائش نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا۔"

(Thylier, "The Zionist Mind," P108)

ڈاکٹر وائز مین جو کہ ایک "روتھ شیلڈ" ایجنٹ اور سفارتکار تھا، اس نے 1944ء میں جب فلسطین کا دورہ کیا تو یہ بیان دیا تھا:

"اس وقت ماحول بالکل Militorisation کا ہوگیا ہے (صیہونی آبادی اور رہنماؤں کا) اور اس سے بھی بری چیز جو کہ افسوسناک بھی ہے اور غیر یہودی بھی کہ وہشت گردی کا ارتکاب بھی کیا جارہا ہے۔"

(Zionist Archives and Library)

مشہور یہودی مذہبی رہنما Hirsch جو کہ Neturei Karata کا ایک سابق حکمران تھا، اس نے بھی یہ بیان دیا:

"صیہونیت یہودیت کے حیران کن حد تک خلاف ہے۔ یہودی لوگ ایک روحانی حلف اُٹھا چکے ہیں کہ وہ بزور طاقت مقدس زمین پر واپس نہیں جائیں گے۔ خاص طور سے وہ لوگ جو وہاں پر رہ رہے ہیں (یعنی مقامی آبادی) ان کی خواہشات کے خلاف وہ ہرگز اس زمین میں نہیں جائیں گے۔ یہودی لوگوں کو مقدس زمین خدا کی طرف سے دی گئی تھی اور ہم نے اس پر گناہ کیے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں جلاوطن کر دیا گیا تھا اور ہمیں اس کی پاداش میں یہ سزا دی گئی کہ اس زمین کو دوبارہ لینے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

(Zionist Archves & Liberary)

یہ یہودی رہنما تو اس حد تک کہتا ہے: "ہولوکاسٹ بھی صیہونیت کی وجہ سے ہوا تھا۔"

اب نہیں معلوم کہ یہ شخص ہولوکاسٹ کو خدا کی پکڑ اس وجہ سے سمجھتا تھا کہ یہ سب صیہونیوں کی نافرمانی کی وجہ سے ہوتا آیا تھا یا پھر صیہونی قیادت کے کالے کرتوتوں کو اس کی وجہ سمجھتا تھا؟ ("روتھ شیلڈ" اور اس کا نیٹ ورک اور اس کے سوویت نازی اور امریکی حکومت کے ساتھ تعلقات) یہ بات تو واضح نہیں، لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ اسے صیہونیت کی مچائی گئی تباہی کا اندازہ ضرور ہو چکا تھا۔

حصہ دوم

فیلڈ اسٹڈی

اسرائیل جا کر مرتب کی گئی یہ معلومات بہت زیادہ جامع نہیں ہیں، لیکن جو کچھ بھی میں لکھ رہا ہوں وہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ اس کے لیے میں نے فلسطین کے مقامی باشندوں سے بہت سے انٹرویو کیے۔ میں مقامی لوگوں سے بہت زیادہ گھل مل گیا تاکہ مجھ کو اپنے قارئین کو تحقیقی بات بتانے میں زیادہ ہچکچاہٹ نہ ہو۔ میں نے زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کا انٹرویو لیا۔ میں نے ان افراد کے ساتھ گفتگو اس طرح سے نہیں کی کہ ان کو یہ احساس ہو میں ان سے کچھ پوچھ رہا ہوں، بلکہ میں ان سے جھوٹ موٹ بہت سی ایسی چیزیں کہہ دیتا تھا جس سے ان کو پتا نہیں چلتا تھا کہ میں ان سے یہ سب کس لیے پوچھ رہا ہوں؟ اس لیے مجھے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوئیں جن کا عام حالات میں معلوم ہونا میرے لیے ناممکن تھا۔ جن لوگوں نے مجھے اجازت دی میں نے ان کے اصلی نام لکھے ہیں اور ان کے شعبہ بھی بتائے ہیں، لیکن میں نے زیادہ تر اپنے ان دوستوں کی شناخت کو خفیہ ہی رکھا ہے۔

میں نے سب سے پہلے اس بات کی کوشش کی کہ واقعات سے براہ راست منسلک لوگوں کے انٹرویو کیے جائیں۔ پھر ان کو میں نے دوسرے انٹرویوز سے ملا کر اور دیگر ذرائع اور طریقوں سے ان کی جانچ کی اور ان کے Reliability (مستند ہونے کے ثبوت) کو دیکھا۔ میں نے اس سلسلے میں ایسے سوال ناموں (Questionarer) جو کہ ایک جیسے اور معیاری تھے، کا بھی استعمال کیا۔ یہ سوال نامے میں نے ان لوگوں سے بھروائے جو مختلف علاقوں کے رہنے والے تھے اور ایک دوسرے کو جان بھی نہیں سکتے تھے، لیکن ان کے جوابات میں جو ان کس حد تک مماثلت موجود تھی۔ ان سب کو مدنظر رکھتے ہوئے میں بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ واقعی اسرائیلی حکام اور فوجی

[illegible]

فلسطین

فلسطین کے سیاسی قیدیوں کو ظلم کا نشانہ بناتے ہیں اور باقاعدہ منصوبے کے تحت اذیت دیتے ہیں اور عام فلسطینی آبادی کے انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

آرتھوڈوکس (کٹر) یہودی اور صیہونیت

اس سے پہلے کہ میں اپنی تحقیقات کا تفصیل سے ذکر کروں اور فلسطینیوں کے لیے اسرائیلیوں کے رویے کا ذکر کروں، میں اتنے ہی ضروری ایک اور موضوع کا ذکر کرنا چاہوں گا جو ایک عام اسرائیلی ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔ ''آرتھوڈوکس'' یہودی مذہبی تنظیمیں اسرائیل کے لیے سخت رویہ رکھتی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر اسرائیلی فوج میں شمولیت کے مکمل خلاف ہیں حتیٰ کہ بعض تو اسرائیل کو تسلیم تک نہیں کرتیں۔ لیکن اس سب کے باوجود آرتھوڈوکس یہود کے صیہونی تحریک اور اس کے رہنماؤں پر گہرے اثرات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی اسرائیل کے قیام کے لیے کی جانے والی کوششوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ [مصنف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو یہودی صیہونیت کے کسی حد تک مخالف ہیں، وہ بھی اسرائیل کے قیام میں ان کے معاون اور مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم پر خاموش حامی یا شریک کار رہیں۔]

اپنے آپ کو جب میں نے ایک نوجوان یہودی مذہبی طالب علم ظاہر کیا تو میں نے کئی دن یروشلم کے ''آرتھوڈوکس یشیوا'' (Yeshiva: یہ ایک طریقے کا منظم کیمپ ہوتا ہے) جو پرانے القدس شہر میں واقع ہے، میں داخلہ لے لیا اور کئی دن تک وہیں رہا۔ اس دوران میں نے بہت سے مذہبی مباحثے اور مذاکرے و مناظرے بھی دیکھے جو کہ علمی نوعیت کے تھے، لیکن ان کا تعلق براہ راست مذہب سے تھا۔ اس کے علاوہ میں نے بہت سے ربائیوں (یہودی مذہبی پیشواؤں) سے بھی گفتگو کی جس میں ان سے تورات اور تالمود کے بارے میں بات کی جاتی تھی۔ یہی باتیں میں بعد میں اپنے ساتھی طالب علموں سے بھی کرتا تھا اور ان سے مذاکرات کے ذریعے اپنی معلومات کو مستند اور وسیع کرتا تھا۔

تورات تو اس حد تک مبہم مطالب و مفاہیم پر مشتمل ہے کہ ان میں خود آپس میں تضاد موجود ہے۔ اسی بنا پر اس کی ضرورت پیش آئی کہ زبانی قانون کو ''مشناۃ'' (Mishnah) کی شکل میں الگ سے ترتیب دیا جائے جو کہ صرف معنی اور تشریح معلوم کرنے کے لیے استعمال ہوگا۔ اس کے

لیے ہمیں "تالموذ" کے ایک اور حصے جس کا نام "جمارہ" (Gemarah) ہے، کو بھی استعمال کرنا ہوتا ہے جو کہ حقیقتاً اس قانونی رائے دہی [یہودی علماء کے فتاوی] پر مشتمل ہے جو کہ نسل در نسل یہودی ربیوں نے کی تھی اور اس کے کچھ حصے جناب عیسی (علیہ السلام) سے بھی پہلے زمانے کے ہیں۔

ایک اور چیز جس پر آرتھوڈوکس یہودی سب سے زیادہ زور دیتے ہیں، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان کی بنیاد ہی اس چیز پر ہے، وہ یہ کہ تمام قوانین کو بالکل "جامع" کر دیا جائے تاکہ دنیا کے ہر مسئلے کا حل اس میں موجود ہو اور کوئی بھی مسئلہ رہ نہ جائے جو ان یہودی مذہبی قوانین کی رُو سے حل نہ ہوتا ہو۔ تورات کے بارے میں، میں کوئی عالم نہیں ہوں لیکن میں جو سمجھتا ہوں وہ کچھ یوں ہے کہ تورات کی سب سے پہلی شکل "احکام عشرہ" تھی۔ بعد کے انبیاء کے جو صحیفے آئے وہ تورات میں شامل کیے جاتے رہے جبکہ اس کی وضاحت اور اس کے معنی یہ لوگ الگ کتابوں میں لکھتے تھے جیسے تالمود۔ تالمود کی تاریخ کے مطابق یہ بابل میں قید کی تاریخ تک مکمل ہو گئی تھی، جبکہ مشناۃ (Mishanah) عیسیٰ [علیہ السلام] کے آس پاس کی لکھی ہوئی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس میں اور تالمود میں پیغمبروں کے علاوہ یہودی علماء کے فتوے بھی درج کیے ہوئے ہیں۔ جس سوال کا ان کے پاس جواب نہ ہوتا کہ انسان کو یہ اچھی طرح سے پتا ہو کہ اسے کس طرح سے اور کیا کرنا چاہیے، اس کے متعلق جوابات انہی قوانین سے دریافت کیے جاتے ہیں۔ [یہ بالکل سورہ بقرہ میں مذکور گائے والا واقعہ ہے کہ کس رنگ کی، کتنی عمر کی اور کیسے اوصاف والی گائے؟ راقم] اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حیران کن حد تک یہ 613 قوانین ہیں جو کہ وقت کے ساتھ ساتھ بنتے چلے آئے ہیں اور یہ بڑھتے ہی چلے گئے ہیں۔ اگر کوئی چاہتا ہے کہ وہ خدا سے قریب پہنچ جائے تو اسے ان سب پر اچھی طرح سے اور پوری پوری طرح سے عمل کرنا پڑتا ہے۔ زندگی کا ہر پہلو جس میں اس کا رہن سہن، اس کا لباس، اس کا کھانا پینا، اس کے بال، اس کے خیالات، اس کی عبادات اور ان کے طریقے بالکل اسی طرح سے ہونے چاہئیں جس طرح کہ یہ 613 قوانین بتاتے ہیں۔

حتیٰ کہ عام سے عام موضوعات اور زندگی کی روزمرہ کی چیزیں بھی انہی قوانین کی بھینٹ چڑھ گئی ہیں، جیسے مثال کے طور پر جب میں Yeshiva (یشیوا) میں تھا تو وہاں کے طالب علم

ربائی (زیرتربیت یہودی پیشوا) تین دن تک صرف ایک نکتے پر بحث کرتے رہے۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ اگر ہوا زور سے چلے اور میز پر موجود ایک شخص کے چشمے کو زمین پر گرا دے اور اس کا ساتھی اس پر چڑھ جائے تو تالمود کی روشنی میں اس وقت کیا فیصلہ ہونا چاہیے؟ طلب اس بات کو مدنظر نہیں رکھے ہوئے تھے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی ذاتی رائے دیں کہ ان چشموں کے نقصان کا ذمہ دار کون ہے؟ وہ تو اسی بات پر اٹکے ہوئے تھے کہ اس صورت میں ''تالمود'' کیا کہتی ہے؟ کیونکہ اس پوری بحث میں اپنے دل اور دماغ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ بندہ خدا کی طرف صرف اسی صورت میں رجوع کرسکتا ہے یا پھر اس کی توجہ کا مرکز بن سکتا ہے، جب وہ تالمود کے قوانین کی بہت زیادہ پاسداری پوری طرح کرتا ہو اور اس کی کوشش یہ ہو کہ وہ زندگی کو اس قانون کے تابع کرلے، حتیٰ کہ زندگی کی اسپرٹ (روح کو بھی) اسی قانون کے ماتحت اور تابع کرلیا جائے تاکہ وہ بالکل حرف بہ حرف مشناۃ (mishnah) کے قوانین جیسی ہو جائے۔

لیکن ان سب کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان آرتھوڈوکس یہودیوں کے متعلق یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ لوگ خدا کے وجود کو اپنے اندر ڈھونڈنے کے بجائے ایک دور دراز کی فرضی دنیا اور خیالی قوانین میں ڈھونڈتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ہمیشہ کے لیے خدا سے جدا ہو جاتا ہے اور انہی قوانین کی بھول بھلیوں (Maze) میں گم ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہی کرسکتا ہے یا پھر اس کے پاس یہی چارہ رہ جاتا ہے کہ اس دھندلے سے رشتے کے ذریعے جس کو وہ قانون کہتا ہے، اس کے ذریعے وہ خدا سے اپنا تعلق جوڑ سکے، لیکن یہ بھی اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اپنی زندگی کا ایک ایک پل تالمود کی ہزاروں تشریحات میں تلاش کرے، جو کہ اس کے یہودی علماء (اسکالرز) نے بیان کیے ہیں۔

آرتھوڈوکس (Orthodox) یہودیت کا اگر چند لفظوں میں خلاصہ نکالا جائے تو یہ بنتا ہے:

''ہر طرح سے عقل کا دل پر جبری اور نہ ختم ہونے والا نفاذ، ذمہ داری (Duty) کا اشد ضرورت پر، خیال کا احساسات پر۔''

لیکن کیا زندگی اس حد تک قانون کے زیر اثر ہوسکتی ہے کہ ہر چیز پتھر پر لکھ دی جائے؟ کیا

اسرائیل میں پریس کا کردار

دریائے اردن کے مغربی کنارے میں قیام کے دوران میں خوش قسمتی تھی کہ کئی فلسطینی صحافیوں سے رابطے میں آ گیا جنہوں نے مجھے اس بارے میں بتایا کہ اسرائیلی میڈیا کس طرح سے کام کرتا ہے؟ اسرائیلی میڈیا عام طور سے وہی کچھ بیان کرتا ہے جو کہ اسے اسرائیل کے عسکری ترجمان بتاتے ہیں۔ ان عسکری بیانات میں صرف یہودی فوجیوں سے لی گئی معلومات کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور دیگر عینی شواہد کا تو تذکرہ بھی نہیں ہوتا۔ عرب صحافیوں کو جو چیز جو کہ وہ لکھ رہے ہیں اسرائیلی سنسر والوں کو دینی پڑتی ہے۔ اس محکمے کے نگران اکثر ان آرٹیکلوں کو نکال دیتے ہیں جو کہ حکومت، فوج، پولیس اور آرمی کے کالے کرتوتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اسرائیلی سنسر والے اس بات پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں کہ ان واقعات کے پس منظر کو بیان نہ کیا جائے۔ جیسے مثال کے طور پر اسرائیل کا ایک فلسطینی ایجنٹ (جو کہ اسرائیلیوں کی مدد کر رہا ہے) اپنے ہی کسی فلسطینی پر یا اس کے گھر یا محلے پر حملہ کرتا ہے یا پھر اسرائیلی افواج اپنی پسندیدہ "اجتماعی سزاؤں" کے لیے کارروائی کرتی ہیں تو اس آرٹیکل میں اس طرح کی چھوٹی تفصیل شامل نہیں ہونی چاہیے کہ یہ کارروائیاں صرف اس لیے کی جاتی ہیں کہ فلسطینی ہڑتال جیسے "گناہ عظیم" کا اعلان کرتے ہیں یا پھر بچے دیواروں پر نعرے لکھ دیتے ہیں یا پھر مظاہرے کرتے یا اس بات پر دھرنا دیتے ہیں کہ ان کے شہری حقوق کی کھلی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔

دوسری طرف یروشلم پوسٹ (Jerosalem Post) جو کہ زرد صحافت (Yellow Journalism) کی ایک نادر مثال ہے، چیخ چیخ کر اسرائیلی فوج کے اوپر حملے کا اعلان کرے گا، لیکن وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دے گا کہ اسرائیلی فوجیوں نے اس عرب حملہ کرنے والے کے خاندان کے افراد کو بغیر کسی وجہ کے گرفتار کر لیا تھا۔ اگر کوئی فلسطینی صحافی ان تمام باتوں کے باوجود

حق گوئی سے کام لیتا ہے تو اسرائیلی سنسر والے اس پر سخت جرمانے لگاتے اور قید کی سزا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسرائیلی فوج کبھی بھی اس چیز میں جھجک محسوس نہیں کرتی کہ وہ اپنے ملک کی جمہوری اقدار سے صرف نظر رکھتے ہوئے اپنی پالیسیوں سے تھوڑا سا بھی اختلاف رکھنے والوں کے خلاف کارروائی کریں۔ مثال کے طور پر Voice of Palestine ریڈیو جو کہ ایک عرب اسٹیشن ہے اور سیڈون میں واقع ہے اور اپنا زیادہ تر وقت فلسطینی سیاسی مسائل کو دیتا ہے، اس کو اسرائیلی زیر زمین (خفیہ) دستوں نے 1988ء میں اڑا دیا تھا۔ اور پھر دوبارہ ایک مرتبہ 1990ء میں اس پر دھاوا بولا جس کی وجہ سے سات افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور اٹھارہ دوسرے زخمی ہو گئے تھے۔ فلسطینی صحافی اور بعض اوقات تو غیر ملکی رپورٹرز اور کیمرہ مین بھی بے دردی سے گولیوں کا نشانہ صرف اس وجہ سے بنا دیے گئے کہ وہ ایک "غلط وقت پر غلط جگہ میں" موجود تھے اور ان کو اکثر اوقات حملے سے پہلے کوئی وارننگ بھی نہیں دی جاتی تھی۔

▬

اسرائیلی قاتل اسکواڈ اور غیر ملکی میڈیا

اس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لیے سب سے اچھی مثال یہ ہے کہ کس طرح سے اسرائیلی حکومت بیرونی میڈیا اور صحافیوں سے معاملہ کرتی ہے؟ خاص طور سے اس ''خصوصی یونٹ'' سے جس کا مقصد بڑی مچھلیوں کو قتل کرنا ہے۔ ''انتفاضہ'' کے آغاز ہی سے اسرائیلیوں نے زیرزمین خصوصی دستے تشکیل دیے جن کا مقصد ہی ان لوگوں کا خاتمہ کرنا ہے جن کو وہ خطرہ سمجھتے ہیں۔ فلسطین انسانی حقوق کے مرکز Palestenian Human Rights Center(PHRC) اور Elia Zureil جو کہ Queens یونیورسٹی میں Sociology کی پروفیسر ہے، کے مطابق 1988ء سے 75 فلسطینی باشندوں کو انہی خصوصی زیرزمین دستوں کے ذریعے مار دیا گیا۔ ان خصوصی دستوں کے اہلکار عربوں ہی کی طرح لباس پہنتے ہیں اور اپنے فریب دینے والے حلیے کی وجہ سے بے گناہ شکاروں کی طرف اطمینان سے جاتے ہیں اور قریب پہنچ کر مشین گن کی گولیاں برساتے ہیں۔ جب عسکری ترجمان سے بار بار پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ 1991ء میں جن 29 لوگوں کو شہید کیا گیا۔ ان میں سے صرف 7 کے پاس پستول یا پھر محض چھریاں تھیں۔ ان کو Mista Rivim (مستع ریویم) یعنی عرب بھیس میں موجود اہلکاروں نے شہید کیا تھا۔ ان میں سے بھی صرف تین نے کسی قسم کی مزاحمت کی تھی۔ آدھے سے زائد افراد ایسے تھے جن کی عمریں بیس سال سے بھی کم تھیں۔ یہ خصوصی دستے اسرائیلی جوابی کارروائیوں کے لازمی جز بن گئے تھے اور یہ وزیر دفاع اسحاق رابن کے زیرنگرانی تھے، جو کہ بعد میں اسرائیل کا وزیر اعظم منتخب ہوا تھا۔

اگرچہ اسرائیلی زیرقبضہ علاقوں میں انہی خصوصی دستوں کے وجود کا اقرار ضرور کرتے ہیں، لیکن وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ یہ موت کے دستے (Death Squad) نہیں ہیں بلکہ ان کو اس لیے تشکیل دیا گیا تھا کہ وہ فلسطینی آبادی کے اندر گھس کر متشدد اور انتہا پسند عناصر کو پکڑ سکیں

جو کہ انتفاضہ کی حمایت کر رہے ہیں۔ فوج نے تو اس طرح کی فلمیں بھی بنائی ہوئی تھیں۔ تا کہ عوام دکھایا جا سکے کہ یہ زیرزمین دستے کس طرح سے گھات لگا کر گرفتاریاں کرتے ہیں اور اپنی مہارت اور تکنیک کے ساتھ ان دہشت گردوں کو پکڑ لیتے ہیں؟ اس فلم میں کہیں بھی یہ نہیں دکھایا گیا تھا کہ اسرائیلی فوجیوں کا یہ سنگدل دستہ بے گناہ فلسطینیوں کو کس طرح بے دردی سے قتل کرتا ہے۔

غیر ملکی میڈیا اور انسانی حقوق کے گروپوں نے اس کے بالکل برعکس نقشہ پیش کیا ہے، جو کہ اسرائیلی فوج کے پروپیگنڈے کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ انہوں نے تو کئی سیاسی قتل اور زیرزمین دستوں کی کارروائیاں بھی دکھائی ہیں۔ CBS-TV کو مجبور کیا گیا تھا کہ وہ اس ٹیپ کو تباہ کر دے جس میں فوجیوں کو حملہ کرتے ہوئے دکھایا تھا۔ یہ 1988ء کا واقعہ ہے یعنی سرکاری سطح پر اقرار سے بھی تین سال قبل کا۔ ایک اور موقع پر 1988ء میں تین صحافیوں کو رائٹرز اور Financial Times سے معطل کر دیا گیا تھا جب انہوں نے اس رپورٹ کی اشاعت کی کہ "خصوصی دستے" کیا ہیں اور یہ کس طرح کام کرتے ہیں؟ اسرائیلی وزیراعظم اسحاق رابن نے ان تمام الزامات کا اقرار کیا تھا اور انہیں "مکمل بیکار" کہہ کر مسترد کر دیا تھا۔ اگرچہ ان تینوں صحافیوں کو بحال کر دیا گیا تھا لیکن رائٹرز کا صحافی Steve Weizmann اس وقت بال بال بچا جب ایک دھماکہ خیز مواد نے اس کی گاڑی کو تباہ کر دیا، جبکہ Financail Times کے نامہ نگار Adrew Whitley پر حملہ کیا گیا تھا اور ایک نامعلوم حملہ آور کے ذریعے اس کی پٹائی لگائی گئی تھی۔ یہ افسوسناک واقعہ یروشلم میں اس لمحے کے کچھ دیر بعد پیش آیا جب اس نے اپنی رپورٹ جمع کروائی تھی۔

اس حقیقت کی کہ زیرزمین دستے درحقیقت قتل کے دستے (DeathSquad) ہوتے ہیں، تصدیق کئی ذرائع سے ہو چکی ہے جن میں خود اسرائیلی میڈیا بھی شامل ہے۔ جیسا کہ Danny Rubenstien نے 25 جنوری 1992ء کے شمارے میں اسرائیلی اخبار Haarety نے ذکر کیا تھا۔ اس آرٹیکل میں اس نے اس بات کا تذکرہ کیا تھا کہ اسرائیلی فوجیوں نے ایک نوجوان محمد عابد کو محض شک کی بنا پر مار دیا حالانکہ وہ عسکری آدمی نہیں تھا۔ اسرائیلی مصنف Maya Rosenfeld نے خود 1989-90ء کے دوران اسرائیلی فوجیوں کے ہاتھوں کیے گئے 18 سیاسی

قتل کروائے۔ یہ رپورٹ اس نے Association of Civil Rights in Israel کے لیے بنائی تھی۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی جنوری 1990ء میں اپنی رپورٹ میں اس بات کا ذکر کیا تھا کہ فلسطین میں سیاسی قتل کی وارداتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ اس رپورٹ میں یہاں تک لکھا ہوا تھا:

"پچھلے چند سالوں میں اسرائیلی حکومت نے انتہائی مہارت سے ماورائے عدالت قتل کی مذمت بھی کی اور ساتھ ہی حوصلہ افزائی بھی کی۔ خاص طور سے افواج کے ذریعے قتل کی، تاکہ وہ انتفاضہ کے دوران پھیلی ہوئی خراب صورتحال کو قابو کر سکے۔"

1991ء میں ملکی رپورٹ میں بھی امریکی State Department نے اسرائیل پر اپنی رپورٹ میں اس بات کی تصدیق کی کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور PHRIC نے یہ بات صحیح طور سے بیان کی ہے کہ 127 ایسے فلسطینیوں پر حملہ کر کے انہیں قتل کیا گیا تھا، جن میں سے زیادہ تر افراد غیر مسلح تھے لیکن State Department نے اپنے روایتی دوغلے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ "یہ اموات اس لیے صحیح تھیں کہ ان میں سے زیادہ تر افراد مطلوب تھے، چھپے ہوئے تھے یا پھر دیواروں پر نعرے لکھنے کے بعد بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔" امریکی اور اسرائیلی اتھارٹیز کے درمیان گہرے روابط کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو اس بیان کی حقیقت سمجھنا مشکل نہیں رہتا۔

اسرائیل کی ترقی یافتہ معیشت اور عربوں کے قابلِ رحم حالات

میں نے مغربی کنارے میں موجود مسلم آبادی میں افلاس اور غربت کو دیکھا اور دوسری طرف اسرائیل کی ترقی اور دولت کو دیکھا۔ اسرائیلیوں کو ظاہری بات ہے دنیا بھر کے مالدار صیہونیوں کی ہمدردی اور ان کے خزانوں تک رسائی حاصل ہے۔ اگرچہ جدید صیہونی ریاست اس زمین میں موجود ہے جہاں ہزاروں سال کی ثقافت اور تہذیب موجود تھی لیکن زیادہ تر انفرااسٹرکچر پچھلی دو سے تین دہائیوں میں قائم کیا گیا۔ اس بات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی کہ دلکش اور پرکشش عمارات تعمیر کی جائیں اور جدید سڑکوں کا جال بچھایا جائے۔ چنانچہ چوڑی چوڑی سڑکیں بنائی گئی ہیں جن کے دونوں طرف پیسے کی ریل پیل نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ ان پر موجودہ دور کی تمام آسائشیں موجود ہیں جن میں نائٹ کلب، ڈسکو ہال، شاپنگ مال سامان سے بھرے ہوئے اسٹور اور ریستوران شامل ہیں۔

فلسطینی آبادی میں اس کے بالکل برعکس صورتحال ہمیں نظر آتی ہے۔ زیادہ تر سڑکیں کچی ہیں اور ان پر چلنے میں جھٹکے لگتے ہیں۔ زیادہ تر عمارتیں ٹوٹی پھوٹی ہیں۔ جو لوگ اتنے خوش قسمت ہیں کہ ان کے پاس مکانات ہیں ان کو بھی جدید دور کی ضرورتوں کی کمی ہے یا پھر وہ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ تمام اسکول اتنے کم فنڈ زرکھتے ہیں کہ شاگرد اور معلم دونوں جدید تعلیمی مواد اور سازوسامان جیسے کمپیوٹر، آڈیو وژول وغیرہ چیزوں سے محروم ہیں۔ اس کے علاوہ یہ علاقہ بھی اتنا اچھا نہیں ہے، کیونکہ یہاں پر خشک اور پتھریلی زمین ہے اور یہ کاشتکاری وغیرہ کے لیے استعمال نہیں

ہوسکتی (البتہ یہاں درخت ضرور اگتے ہیں۔ زیتون یہاں کی اصل پیداوار ہے)۔

ایک بڑا انسانی المیہ یہ ہے کہ 15 لاکھ افراد پناہ گزین کیمپوں میں رہ رہے ہیں جن میں سے چند کا خود میں نے دورہ کیا تھا۔ ان کیمپوں کی صورتحال بھی انتہائی بری ہے اور اس کو تیسری دنیا سے ہی تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ غزہ کی مثال تو ایک کھلے زخم کی طرح ہے جو کہ مزید خراب ہوتا جارہا ہے اور ہر دن اس کی حالت مزید بگڑتی جارہی ہے۔ یہاں کے گھر کم وبیش کھنڈر ہیں۔ سڑکیں کچی ہیں اور سیوریج کا نظام موجود نہیں ہے۔ انسانی فضلہ گڑھوں میں پڑا ہوتا ہے جس کی وجہ سے بیماریاں عام ہیں۔ یہ کیمپ جن کی نگرانی اور دیکھ بھال اقوام متحدہ کی ایک تنظیم UNWRA کرتی ہے، اس کو بھی بہت کم فنڈز دستیاب ہیں۔ طبی سہولتیں بالکل ناکافی ہیں۔ بے روزگاری ہر جگہ عام ہے کیونکہ یہاں کوئی کارخانہ یا پھر کوئی جاب موجود نہیں ہے جبکہ ان میں سے بہت سے افراد اسرائیل میں روزگار حاصل نہیں کرسکتے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگ خطرناک حد تک غربت اور افلاس کا شکار ہیں۔ بہت سے افراد غذائی قلت کا شکار ہیں۔ یہاں کسی قسم کی طبی یا معاشرتی سہولتیں نہیں ہیں۔ نہ طبی انشورنس جیسے منصوبے جو کہ ضرورت کے وقت ان کی پہنچ میں ہوں۔ تقریباً تمام پناہ گزینوں کو ایک تنگ سی جگہ میں جمع کرکے رکھا گیا ہے کہ سات سے دس یا پھر اس سے بھی زیادہ افراد ایک کمرے میں رہ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان پناہ گزینوں کے خلاف اجتماعی سزاؤں، گھروں پر سیل لگانا اور اسکولوں کی بندش جیسے حربوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر تلکرم کے پناہ گزین کیمپوں میں 1989ء کے تعلیمی سال میں صرف 45 دن اسکول کھلے رہے تھے اور 1990ء میں صرف 36 دن کھلے رہے تھے۔ ڈاکٹر ثابت جو ایک فلسطینی دندان ساز (Dentist) ہے اور تلکرم کے پناہ گزین کیمپ کا ایڈمنسٹریٹر بھی ہے، اس نے بتایا کہ اسرائیلی فوجیوں کے مظالم اور اتنی زیادہ گنجان آبادی کی وجہ سے یہ کیمپ (Bitterness and Fussteration) کے گڑھ بن گئے ہیں اور یہاں تشدد بہت عام ہے جو کہ چڑچڑی شخصیت اور نفرت پسندانہ ماحول تشکیل دیتا ہے۔

یہ سارے معروضی حقائق اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ فلسطینی واضح طور سے ایک الگ

دوست چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنی معیشت بہتر بنا سکیں، انڈسٹری، کمرشل اور کمیونیکشن انفرااسٹرکچر کی تعمیر کر سکیں۔ وہ اس کے لیے تیار و مستعد ہیں۔ وہ اس کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔ وہ ایسا چاہتے ہیں اور سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ وہ ایک قوم کی حیثیت سے ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار ہیں۔ اس کے باوجود کہ وہ جانتے ہیں کہ اسرائیلیوں نے اپنی طاقت، استطاعت اور ان کی دسترس میں جو کچھ بھی تھا، وہ استعمال کرلیا تاکہ ظلم کے ذریعے فلسطینیوں کو دبایا جاسکے یا ان کو پیچھے رکھا جاسکے۔ فلسطینی عوام عرب ممالک بالخصوص مشرق وسطیٰ میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ ہیں۔

ایک امریکی انجینئر جو کہ کویت میں کام کررہا تھا جب اس سے میری لندن کی فلائٹ میں ملاقات ہوئی تو اس نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ خلیج کی جنگ سے پہلے سارا کویتی بنیادی ڈھانچہ (Infrastructure) فلسطین کے تعلیم یافتہ اور ہنر مند افراد پر تکیہ کرتا تھا۔ کویتی بہت زیادہ امیر ہیں اور وہ فلسطینی مینجمنٹ اور افرادی قوت کو استعمال کرتے تھے۔ یہ بات کچھ حد تک اردن کے لیے بھی صحیح ہے، جہاں 15 لاکھ سے زائد فلسطینی مہاجرین رہتے ہیں، بلکہ فلسطینی دنیا بھر میں رہ رہے ہیں اور قانون دان، ڈاکٹر، تاجر وغیرہ جیسے معزز پیشہ ور افراد کے طور پر کام کررہے ہیں اور وہ اس بات کے لیے بھی تیار ہیں کہ وہ واپس لوٹ کر اپنے ملک کو سنبھالنا شروع کردیں اور اپنے ملک کی تعمیر نو کریں۔ زیادہ تر سیاسی قیدی جن سے میری ملاقات ہوئی، روانی سے عبرانی، عربی اور انگریزی بولتے تھے اور تقریباً تمام نے یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ میرے ساتھ بہت زیادہ ادب اور عزت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ کئی بار میں نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور رات میں بھی ان کے ساتھ قیام کیا تھا۔ یہ لوگ مجھ سے اکثر اس بات کا سوال کرتے تھے کہ انہیں کب آزادی سے رہنے کا موقع ملے گا وہ بھی اپنے ملک میں؟ میں سمجھتا ہوں کہ انہیں یہ حق مل جانا چاہیے اور یہ وہ وقت ہے کہ دنیا اس موضوع پر غور کرے اور صیہونیت کو دیکھے کہ وہ کیسی قوت بن چکی ہے۔

▬

سابق فلسطینی قیدیوں سے بات چیت

سمیر ابوشمس:

مغربی کنارے میں میری سب سے پہلی منزل "تلکرم" تھی۔ اسرائیلی عسکری جیلوں کی سب سے خطرناک جگہ۔ ٹیکسی کے اڈے سے مجھے سیدھا ایک آدمی سمیر ابوشمس کے گھر لے جایا گیا۔ اگست 1990ء میں اسے اردن کی سرحد پر اس وقت گرفتار کرلیا گیا تھا جب وہ اسے پار کرنے والا تھا۔ اس پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ PLO کا ممبر ہے جو کہ وہ کبھی نہیں تھا۔ میں اسی وقت اس پر اس وجہ سے اعتماد کرنے پر تیار ہوگیا کہ جن لوگوں سے میں نے اب تک بات چیت کی تھی، انہوں نے یا تو اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی درخواست کی یا پھر اس بات کا کھل کر اعتراف کیا کہ وہ PLO کے ممبر تھے یا اب بھی ہیں۔ اسرائیلی تفتیشی افسروں نے جب اس سے پوچھا تو اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ PLO کا حمایتی تو ہے لیکن اس نے یہ بات بھی صاف صاف بتائی کہ وہ کبھی بھی تنظیم کا حصہ نہیں رہا تھا اور اس تنظیم میں کبھی اندر نہیں گیا تھا۔

سمیر کو بعد میں ایک اسرائیلی جیل میں لے جایا گیا تھا جس میں اس کو ایک میٹر اونچے اور 1.8 میٹر چوڑے پنجرے میں قید کردیا گیا۔ اسے اس حالت میں تین دن تک رکھا گیا تھا۔ اس پنجرے میں نہ تو کوئی کھڑکی تھی اور نہ ہی کوئی بیت الخلا۔ اسے مجبور ہوکر اسی پنجرے میں رفع حاجت کرنی پڑی۔ اس کے تین دن بعد اسے ایک اور پنجرے میں منتقل کردیا گیا جس میں اسے دو اور ساتھیوں کی رفاقت کی سہولت مل گئی۔ اس کا نیا پنجرا دو میٹر چوڑا اور دو میٹر اونچا تھا۔

ہر صبح سمیر کو اس چھوٹی سی جگہ سے نکال کر پوچھ گچھ کے لیے لایا جاتا۔ اس دوران اس سے کئی سوالات کیے جاتے۔ اس کے خاندان کے بارے میں اور اس کے PLO کے ممبروں کے بارے میں۔ ظاہری بات ہے کہ سمیر کچھ بھی نہیں بتا سکتا تھا، کیونکہ وہ کبھی بھی PLO کا رکن نہیں رہا

تھا۔ ہر صبح اسے پوچھ گچھ کے لیے لایا جاتا اور انھیوں سے پٹائی کی جاتی۔ انسانیت سے عاری اسرائیلی تفتیش کاروں کا ایک پسندیدہ طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کرسی میں اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر بالوں سے اسے پیچھے کھینچتے تھے جس سے بہت زیادہ درد اور تکلیف ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اسرائیلی اسے بہت زیادہ مذاق اور طنز کا نشانہ بناتے تھے، جبکہ رات میں بھی شور مچاتے تھے تاکہ اسے سونے نہ دیا جاسکے۔ اس کو اکثر ''جناب صدر'' کہہ کر پکارا جاتا اور آئینے میں اس کی اپنی شکل دکھائی جاتی جس کے بعد اسے رہائی کا جھانسہ دے کر اقبال جرم کرنے کو کہا جاتا۔ ایک مرتبہ تو سمیر کو ٹارچر کرنے والے اسرائیلی افسروں نے اس کا منہ کھولا اور اس میں تھوک دیا۔

اس کے پندرہ دن کے بعد اس کو ایک وکیل سے ملنے دیا گیا، لیکن جیسے ہی وہ عدالت گیا تو اس کے خلاف تیس دن کا ریمانڈ دے دیا گیا۔ (حالانکہ اس کے خلاف ایک رتی برابر بھی ثبوت نہیں تھا) تاکہ استغاثہ کو اپنا کام جاری رکھنے دیا جائے۔ عدالت کی اس تاریخ کے بعد اس کو ایک الگ پنجرے میں ڈال دیا گیا جہاں اس کی گردن کے گرد زنجیر باندھ دی گئی، پھر اس زنجیر کو چھت سے باندھ دیا گیا۔ اس حالت میں اسے تین دن تک کھڑا رہنے پر مجبور رکھا گیا۔ اگر وہ ذرا سا بھی جھکنے کی یا بیٹھنے کی کوشش کرتا تو گلے میں پھندا اور سخت ہو جاتا اور اس کا دم گھٹنے لگتا۔ ظاہری بات ہے اگر وہ گر جاتا تو اس کی موت واقع ہو جاتی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ صرف اس وجہ سے بچ گیا کہ وہ اور اس کے اردگرد کے قیدی ساتھی مل کر باتیں کرتے یا پھر نظمیں پڑھتے رہتے تاکہ اس دوران سونے نہ پائیں۔ اگر وہ اس حالت میں سو جاتے تو یہ نیند ان کے لیے موت کی جھپکی ثابت ہوتی۔

اس خوفناک واقعے کے بعد اسے ایک سرد پنجرے میں ڈال دیا گیا جہاں وہ بہت جلد بیمار ہو گیا اور اس کی اپنی آواز کھو گئی۔ اس کے کچھ عرصے بعد اسے جنین کی ایک جیل بھیج دیا گیا اور اسے فلسطینی مخبروں کے ساتھ رکھا گیا تاکہ جس حد تک ہو سکے معلومات اکٹھی کی جاسکیں۔ سمیر اور جیل میں اس کے ساتھ موجود فلسطینی ساتھی یہ جانتے تھے کہ یہ فلسطینی اسرائیلیوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں اس لیے یہ ان کا سامنا نہیں کرتے تھے۔ اسی دوران ان لوگوں کا ساتھی قیدی سخت بیمار ہو گیا اور سمیر اور اس کے دوستوں کو بھوک ہڑتال کرنا پڑی تاکہ اس کو ہسپتال منتقل کیا جاسکے۔

سمیر کو بالآخر تین مہینے بعد جیل سے رہا کر دیا گیا۔ اس کو بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ اسے جانک کیوں اتنی جلدی رہا کر دیا گیا؟ لیکن ایک تفتیشی افسر نے اسے اتنا ضرور بتایا کہ اسے اس لیے گرفتار کیا گیا، کیونکہ وہ دوران تعلیم General Union of Palestenian Students سے وابستہ رہا تھا، حالانکہ سمیر کبھی اس تنظیم کا رکن نہیں رہا تھا بلکہ صرف اس نے ایک تعارفی تقریب میں شرکت کی تھی جو کہ بظاہر اس بات کے لیے کافی تھا کہ اسرائیلی اس واقعے کے آٹھ سال بعد اسے اس جرم پر حراست میں لے لیں۔

خالد راشدی:

خالد راشدی کو 1985ء میں گرفتار کیا گیا تھا، جب اس پر PLO کا رکن ہونے کا الزام لگایا گیا۔ خالد نے صاف اعتراف کیا کہ وہ اس وقت PLO کا رکن تھا لیکن وہ جیل سے باہر آنے کے بعد دوبارہ اس تنظیم میں شامل نہیں ہوا۔ تقریباً ڈھائی سال کے بعد جب اس کو جیل سے رہائی ملی تو 45 دن کی آزادی کے بعد دوبارہ اسے مارچ 1988ء میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے چار مہینے بعد اسے عدالت سے لے جایا گیا۔ اگرچہ اس پر کوئی الزام نہیں تھا، لیکن جج نے اسے مزید چھ مہینے قید میں رکھنے کی منظوری دے دی تاکہ اس سے کچھ ثبوت اکٹھے کیے جا سکیں۔ اس غرض کے لیے اسے نابلوس کی مرکزی جیل بھیج دیا گیا۔ اس کے گیارہ مہینے بعد اسے اپنے وکیل سے ملنے کی اجازت ملی اور Lia Semel نے اسرائیلی سپریم کورٹ میں کامیابی سے اس کی درخواست پیش کی اور اسے قید سے رہائی دے دی گئی لیکن 1984ء میں ایک مرتبہ پھر اسے دوبارہ بغیر کوئی الزام لگائے جیل میں ڈال دیا گیا۔ اسی دوران خالد کا کیس Tamara Peeleg کی نظر سے گزرا جو کہ اسرائیل کی انسانی حقوق کی متحرک تنظیموں میں سے ایک کی رکن ہے۔ اس نے ایک سال کے بعد 1990ء میں اس کو رہائی دلوائی۔

دوران قید خالد کو بہت سے طبی مسائل کا شکار ہونا پڑا جن میں بڑی آنت میں انفیکشن اور معدے سے خون کا اخراج شامل ہے لیکن اس سب کے باوجود اسے کوئی طبی امداد نہیں دی گئی۔ اسرائیلی موٹے ڈنڈوں سے اس کی بار بار پٹائی لگاتے اور سوال کرتے۔ ایک مرتبہ اسرائیلی تفتیش

کار جب اسے ایک حساس سیکورٹی زون لے جارہے تھے تو نہ صرف یہ کہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی بلکہ اس کے سر پر جو کپڑا ڈالا گیا، اسے مجبور کیا گیا کہ وہ اس پر پیشاب کرے اور اس کو اپنے منہ پر ڈال دے تاکہ وہ سونگھ بھی نہ سکے کہ اسے کس جگہ لے جایا جارہا ہے۔

اپنی قید کے پہلے دورانیے کے بعد خالد کو ایک شناختی کارڈ دیا گیا تھا جس کو "گرین کارڈ" کہا جاتا ہے اور اس کا مطلب یا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص مغربی کنارے سے باہر نہیں جاسکتا تاکہ وہ کوئی روزگار تلاش کرے اور اپنے خاندان والوں کی کفالت کر سکے۔ حتیٰ کہ وہ یروشلم شہر میں بھی داخل نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اسرائیلی انتظامیہ کے خوف میں رہتے ہیں اور انہیں اکثر گرفتار کرلیا جاتا ہے اور پٹائی لگائی جاتی ہے۔

سعد الدین خارم:

دوران قید اس کے منہ پر کیڑے مار دوائی DDT چھڑکی گئی اور آنکھوں پر بھی۔ منہ پر ماسک لگا کر تین دن تک پٹائی لگائی گئی خاص طور سے سر اور شرم گاہ میں اور کئی دن تک بھوکا رکھا گیا۔ اس کے علاوہ اس کے ہاتھ ایک کرسی کے ساتھ باندھ کر کئی دنوں تک رکھا گیا (22 دن تک) اور اس دوران اس کے ہاتھوں کو اس قدر سختی سے کسا گیا تھا کہ وہ آج تک اپنی کلائیوں سے آگے کے حصے کے مکمل استعمال پر قادر نہیں ہوسکا۔

ناجی:

ایک فلسطینی طالب علم جس کا نام ناجی ہے، اس سے جب نابلس سے یروشلم جاتے ہوئے ملاقات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ اس کو چار مختلف واقعات کے دوران گرفتار کیا گیا کیونکہ وہ اکثر بیرزیت یونیورسٹی کے سامنے سے گزر رہا ہوتا تھا جب اسرائیلی پولیس وہاں چھاپہ مار رہی ہوتی تھی۔ ناجی کچھ ہی عرصہ پہلے سترہ سال کا ہوا تھا جب میری اس سے ملاقات ہوئی تھی۔

احمد جابر محمد ابراہیم:

ایک اور طالب علم احمد جابر محمد ابراہیم جو کہ سترہ سال کا تھا اس کو فوجیوں نے گولی مار کر ہلاک کر دیا، اس وقت وہ ایک پرامن مظاہرہ کرنے والوں میں شامل تھا۔ وہ بھی ثانوی طالب علموں کا ایک مظاہرہ

ہوا۔ یہ 17 مارچ 1990ء میں ہو رہا تھا۔ رفاہ کے شہر میں ناصر ہسپتال کے طبی ریکارڈ کے مطابق اس مظاہرے میں 14 طالب علموں کا گولیوں سے زخمی ہونے کے بعد علاج کیا گیا تھا۔ اسرائیلی اخبار یروشلم پوسٹ (Jerusalem Post) نے اس موقع پر یہ بتایا تھا کہ ایک ہلاک اور 9 زخمی ہوئے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا ''ایک تلخ تصادم جو حماس کے بنیاد پرستوں اور P.L.O کے درمیان جاری تھا کہ ان دونوں کو روکنے کے لیے اسرائیلی آرمی میدان میں کودی تاکہ مزید خونریزی کو روکا جا سکے۔'' کیا خوبصورت عذر ہے اور جھوٹ بولنے کی صلاحیت کا شاندار زبردست مظاہرہ ہے۔

جمال حسن:

سب سے بدترین تشدد جو کہ اسرائیلی فوجی استعمال کرتے ہیں وہ ہے بجلی سے تار چڑھا دینے کا طریقہ۔ ایک چودہ سالہ لڑکا جس کا نام جمال حسن تھا، جس سے میں نے بات کی تھی، اس کو اس کے والدین کے گھر سے حبرون (Hebron) کے عسکری قصر صدارت (Military Headquarter) لے جایا گیا۔ اس کو دیگر قیدیوں کی اذیت ناک آوازوں نے خوش آمدید کہا۔ اس کو برہنہ ہونے پر مجبور کر دیا گیا اور اس چیز کا اقبال جرم کرنے کو کہا گیا کہ اس نے اسرائیلی فوجیوں پر پتھر پھینکا تھا۔ جمال نے مجھے بتایا کہ اگرچہ اس نے دیواروں پر نعرے لکھے تھے لیکن اس نے کبھی اسرائیلی فوجیوں پر پتھر نہیں پھینکے تھے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر وہ اس طرح سے ان کا سامنا کرے گا تو اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔

شروع میں تو اسرائیلی پوچھ گچھ کرنے والے افسروں نے اسے دھمکیوں کی حد تک محدود رکھا۔ وہ چھری کی دھار کو اس کے گلے پر رکھ دیتے اور اس کے سر کے پیچھے دیوار پر موٹے ڈنڈوں سے پیٹتے۔ انہوں نے اسے خصی کرنے کی اور اس کی بہن کو گرفتار کرنے کی بھی دھمکی دی اور یہ کہا کہ اسرائیلی فوجی اس کی عصمت دری کریں گے۔ جمال نے اقبال جرم کرنے سے صاف انکار کر دیا اور خوف سے اس نے کسی بھی دھمکی کا جواب نہیں دیا۔

اس پر اس سے پوچھ گچھ کرنے والے اور بھی زیادہ بپھر گئے کہ اس سے اقبال جرم کا بیان لیا جائے۔ اس لیے انہوں نے اس کے بازوؤں اور ٹانگوں پر بجلی کے تار لگا دیے اور بجلی کے جھٹکے دینا

شروع کر دیے۔ وہ کانپنا اور ٹھٹھرنا شروع ہو گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بجلی کا Voltage اتنا زیادہ ہو گیا کہ وہ کرسی سے اچھل کر گر گیا (اس کو کرسی سے نہیں باندھا گیا تھا تاکہ بجلی کے طاقتور ترین جھٹکے دیے جا سکیں)۔ اس دوران اسرائیلی فوجی قہقہے لگا رہے تھے اور اس کی نقل اتار رہے تھے جبکہ اس کو "اپنے لوگوں کا ہیرو" کہہ رہے تھے۔ اس کے بعد اس کے سر پر گندگی کا بدبودار تھیلا باندھ دیا گیا جس سے اس کا دم گھٹنے لگا۔ بجلی کے جھٹکوں کے دوسرے سلسلے جو کہ اس کی شرم گاہ میں دیے گئے تھے، نہ صرف اس کو بے پناہ تکلیف ہوئی تھی بلکہ تکلیف کی ٹیسیں اٹھتی تھیں۔ درد کے دورے پڑتے تھے۔ اسی دوران اس کے سر پر کئی وار کیے گئے جس سے وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک فلسطینی کمرے میں داخل ہوا اور اس نے اسرائیلیوں کو بتایا کہ اس نے جمال کو اسرائیلی فوجیوں پر کئی مواقع پر پتھر پھینکتے ہوئے دیکھا ہے۔ جمال نے اس الزام کو سختی سے مسترد کر دیا اور اس نے اس فلسطینی کے منہ پر تھوک دیا جو کہ حقیقت میں اسرائیلیوں کا ایجنٹ تھا۔ اسرائیلیوں نے اس کو بجلی کے مزید جھٹکے دیے اور اس بار اس کو اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ بجلی کے تاروں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑے جس سے اس کے بدن اور بازوؤں میں بجلی کے جھٹکے لگے۔ دوبارہ اس کو اقبال جرم کرنے کو کہا گیا لیکن اب وہ بولنے کی سکت نہیں رکھتا تھا اور اس نے صرف اپنا سر ہلایا۔ ایک اور ایجنٹ کو لایا گیا اور اس نے بھی یہی کہا کہ اس نے جمال کو پتھر پھینکتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ کہ وہ جمال کو جانتا ہے، اس کے خاندان کو بھی اور یہ کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ پوچھ گچھ کرنے والوں نے مزید کہا کہ ان کے پاس ایک درجن سے بھی زیادہ اس بات کے شاہدین موجود ہیں، اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اقبال جرم کر لے، لیکن اس کے باوجود بھی جب اس نے اقبال جرم کرنے سے انکار کر دیا تو رائفل کے بٹ سے اس کے بازوؤں اور پاؤں پر شدید ضرب لگائی گئی۔ اس کے بعد اس کو بجلی کے جھٹکے دیے گئے تھے جس سے ظاہری بات ہے کہ تکلیف اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔

اس طرح سے اسے ایک ہفتے تک قید میں رکھا گیا۔ اس ظالمانہ تشدد کے باعث وہ اگلے تو دنوں تک چل نہیں سکتا تھا۔ اس کا سارا جسم آبلوں سے بھر گیا تھا اور اسے معلوم ہوا کہ شاید اس کی ایک پسلی

ٹوٹ گئی ہے۔ اس کے علاوہ جمال پر جا بجا چوٹ کے نشانات تھے۔ [illegible] اسرائیلی [illegible]
نے اس سے پوچھا "کیا وہ ٹھیک ہے؟" تو اس نے جواب دیا "وہ ٹھیک ہے۔" [illegible] قیدیوں نے اسے یہ بتایا تھا کہ وہ اسرائیلی صرف اس بات میں دلچسپی رکھتے ہیں کہ [illegible]
لیں تا کہ اس پر مزید تشدد کیا جا سکے اور پوچھ گچھ ہو سکے۔ وہ اپنے مزید اذیت [illegible] تفتیش کے
اگلے مرحلے میں سگریٹ کے ذریعے اس کی کھال اور آنکھوں پر [illegible] اس سے باوجود
بھی اس نے اقبال جرم کرنے سے انکار کر دیا۔ تب دوبارہ اس کے چہرے اور ٹانگوں پر ڈنڈوں سے
بے تحاشا پٹائی کی گئی۔

بالآخر تفتیش کار اس بات پر مجبور ہو گئے کہ روایتی دھوکہ بازی سے کام لیں تا کہ تحریری بیان پر اس کے دستخط لیے جا سکیں کہ اس نے اسرائیلی فوجیوں پر پتھراؤ کیا تھا لیکن یہ بیان عبرانی زبان میں تھا جو کہ جمال پڑھ نہیں سکتا تھا۔ جیسے ہی اس نے اس تحریری بیان پر دستخط کیے، اسرائیلی خوشی سے چیخنے لگے اور زبردستی اس کے انگوٹھے کے نشانات لیے گئے۔ بعد میں اسے عدالت لے جایا گیا جہاں استغاثہ نے جج کو اس حلف نامے کی بنا پر قائل کر دیا کہ اس کو دو مہینے تک مزید قید رکھا جائے۔ اس کے ایک مہینے بعد اسے قید سے نکال دیا گیا لیکن اس کے خاندان پر 1,500 شیکل کا جرمانہ عائد کر دیا گیا۔ جمال آج تک اپنے ہاتھوں کا استعمال دوبارہ بھی پوری طرح سے نہیں کر سکا اور نہ ہی ٹانگوں کا۔ اور اب بھی اکثر درد و تکلیف کی ٹیسیں اس کے بازوؤں اور پاؤں میں اٹھتی رہتی ہیں جو کہ اس کو مستقل طور سے ان بجلی کے جھٹکوں کی جو اسرائیلی ظالموں نے اسے دیے تھے، یاد دلاتی رہتی ہیں۔

قید کے دوران تشدد سے ہونے والی ہلاکتیں:

میں نے اس کے علاوہ اسرائیلی فوجیوں کے ظلم اور تشدد کا نشانہ بننے والے کئی درجن افراد سے بات چیت کی جن میں سے کئی بجلی کے جھٹکوں اور بار بار پٹائی کا شکار ہوتے رہے۔ اگرچہ ان میں سے اکثر مستقل زخموں کا تحفہ لیے جی رہے ہیں اور ان کے جسم کے مختلف حصوں میں مستقل درد رہتا ہے لیکن اس بات کو ہرگز نہیں بھولنا چاہیے کہ ان افراد کے ذہنی احساسات کے خلاف کیا کچھ نہیں کیا

گیا ہوگا اور وہ کس قسم کے تشدد کا شکار ہوئے ہوں گے؟ لیکن وہ یہ سوچ کر صبر کر لیتے ہیں کہ وہ اس مصیبت سے زندہ نکل آئے۔

جب سے ''انتفاضہ'' کا آغاز ہوا یعنی دسمبر 1987ء میں، PHIRC کی رپورٹ کے مطابق 25 فلسطینی اسرائیلی قید کے دوران شہید ہو گئے۔ کچھ کو گولی ماری گئی تھی، بعض طبی سہولتوں کی عدم فراہمی اور ایسی جسمانی پیچیدگیوں (Medical Complication) کی وجہ سے شہید ہو گئے جس کی وجہ مار پٹائی اور ٹارچر تھی۔

PHIRC کے مطابق دسمبر 1987ء سے مارچ 1992ء کے درمیان 1,030 فلسطینی اسرائیلی فائرنگ، تشدد اور Tear Gas کے استعمال سے جان کی بازی ہار گئے۔ اس کھلے عام اور تھوک کے حساب سے مذبح خانے جیسی کارروائیوں کا یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ اسرائیلی اپنا دفاع کر رہے ہیں اور فلسطینیوں کے حملے کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اس وجہ کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اسی عرصے کے دوران 100 سے بھی کم اسرائیلی ہلاک ہوئے تھے۔

فلسطینی سیاسی قیدیوں پر تشدد:

اسرائیلی انتظامیہ کی کارروائیوں کی بہت زیادہ تفصیلات کئی مصنفوں نے بیان کی ہیں۔ Marion Walfron جو کہ اسکاٹ لینڈ سے یہودی صحافی ہے، اس نے بھی ایک کتاب Bassam Shak'a : Portrait of a Palestenian لکھی ہے جس میں ان اذیتوں کی تفصیل دی گئی ہے جو کہ فلسطینیوں نے اسرائیلیوں کے ہاتھوں جھیلیں۔ مثال کے طور پر سب سے عام طریقہ یہ استعمال کیا جاتا تھا کہ بجلی کے تار اور شیشوں کے ٹکڑے نیچے ڈال دیتے تھے، خاص طور سے ان فلسطینیوں پر جو کہ حملوں کے شک میں گرفتار ہوتے تھے۔ اس کی تصدیق اسرائیلی اخبار Yedios Achronos نے اس وقت کی جب ایک آرٹیکل میں ایک پولیس افسر نے اس بات کا اقرار کیا۔ Felicia Langer جو کہ ایک اسرائیلی وکیل ہے اس نے بھی اس بات کا انکشاف اپنی کتاب With My Own Eyes میں کیا جس میں اس نے فلسطینیوں پر ہونے والے تشدد کا کھل کر تفصیل سے بیان کیا ہے جو کہ اس نے ایک وکیل کی حیثیت سے اسرائیلی انصاف کے نظام

میں دیکھا۔ اس کے علاوہ ولید خلیل کی تحریروں میں بھی اس کا تفصیلاً ذکر موجود ہے۔

انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں:

1972ء تک 17,000 سے زائد وکیل، ڈاکٹرز اور استادوں کو ڈی پورٹ کیا جا چکا تھا، وہ بھی بہت معمولی سی باتوں پر اور اپنے دفاع کا موقع دیے بغیر۔ اس کے علاوہ پچھلی دو دہائیوں میں مزید ہزاروں فلسطینیوں کو تعلیم یافتہ افراد اور ہنرمندوں کو ڈی پورٹ کیا جا چکا ہے۔

1948ء کی جنگ آزادی کے بعد (جس کو عرب ایک سانحہ کے طور پر یاد کرتے ہیں) جس کی وجہ سے لاکھوں فلسطینیوں کو اپنے گھر بار چھوڑنے پڑے تھے، اسرائیلیوں نے ان کے گھروں پر قبضہ کر لیا اور Law of Aquisition of Absentee Property کے تحت کوئی بھی فلسطینی جو کہ 1947ء سے 1950ء کی دہائی میں کبھی بھی باہر گیا ہو، اس کو یہ ملکیت کسی بھی صورت میں واپس نہیں مل سکتی ہے، نہ ہی وہ اس میں آباد ہو سکتے ہیں، نہ ان زمینوں کو کرائے پر لے سکتے ہیں اور نہ ہی اس پر کاشتکاری کر سکتے ہیں۔ 385 سے زیادہ فلسطینی گاؤں بالخصوص Galibee کے علاقے میں (شمالی اسرائیل خاص طور سے لبنان اور شام سے ملحقہ سرسبز و شاداب علاقہ) مکمل طور پر تباہ کر دیے گئے ہیں۔ یہ فلسطینی گاؤں بلڈوزر کے ذریعے تباہ کیے گئے تاکہ صیہونی نئی اسرائیلی بستیاں بنا سکیں۔

(Woolfson, Portriat of a Palestenian, p1718)

اسرائیلی حکومت کا غیر اعلانیہ نصب العین یہی ہے کہ فلسطینی ثقافت کی 2,000 سال سے زائد کی تاریخ کو مسخ کر دیا جائے۔ اس مقصد کے تحت اسرائیل بڑے پیمانے پر دنیا بھر سے اور خاص طور پر روسی یہودیوں کو درآمد کر رہا ہے اور انہیں مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں آباد کر رہا ہے تاکہ ان علاقوں میں اپنی عددی برتری قائم کر سکے۔ فلسطینیوں کو سختی سے منع کیا جاتا ہے کہ وہ فلسطین کے جھنڈے نہ لہرائیں جو کہ انہوں نے اپنی قوم کی نمائندگی کے لیے چنا ہے۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان سے سخت تفتیش کی جاتی ہے۔ گھر بلڈوز کر دیے جاتے ہیں حتیٰ کہ گولیوں سے بھی مار دیے جاتے ہیں۔

شہری حقوق کی خلاف ورزی:

اس سے بھی زیادہ تشویشناک صورت حال اسرائیلی مقبوضہ علاقوں کی یہ ہے کہ اسرائیلی

فلسطینیوں سے اپنی زمین پر رہنے کے حق کو بری طرح سے پامال کر رہے ہیں۔ خاص طور پر مشرقی یروشلم میں تو یہ ایک عام سی بات بن گئی ہے۔ مشرقی یروشلم میں کسی بھی فلسطینی کو بڑی مشکل سے عمارت کی تعمیر کی اجازت دی جاتی ہے جبکہ صیہونی آبادیاں جن کے رہائشیوں کی تعداد ہزاروں میں ہوتی ہے، یروشلم کے شہری علاقے کے چاروں طرف پھوٹ پڑی ہیں جس سے ان فلسطینی گاؤں کی آبادیاں گھٹ گئی ہیں جو کہ آس پاس ہیں۔ اسی طرح مغربی کنارے میں زمینیں مستقل بنیادوں پر ضبط کر لی جاتی ہیں تاکہ نئی سڑکیں بنائی جائیں جو کہ Kibutzim دیگر اسرائیلی آبادیوں کو ملا سکیں۔ یروشلم میں تو سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اسرائیلی فوجی کسی بھی جگہ کے متعلق ''حساس سیکورٹی زون'' کا اعلان کر کے کسی بھی گھر پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک علاقہ یروشلم کے مسلم حصے میں واقع Al-Wad ہے۔ اس علاقے سے گزرنے والی سڑک ''دیوار گریہ'' سے جا ملتی ہے۔ طرحی (Tirhi) خاندان..... مثال کے طور پر..... اس علاقے میں پچھلے تین سو سال سے ایک بڑے گھر کا مالک تھا لیکن 1969ء میں اسے مجبور کیا گیا کہ وہ اس گھر کو خالی کر دے کیونکہ اسرائیلی فوج نے کہا تھا کہ اسے یہ علاقہ حفاظتی مقاصد کے لیے چاہیے۔ بعد میں اسرائیلیوں نے یہ گھر کبھی بھی اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا اور اس گھر کو سیل کر دیا گیا۔ یکم مارچ 1992ء میں ایک عسکری آبادی Ataret Choanim Yeshira کے غنڈوں نے اس گھر پر قبضہ کر لیا۔ ''طرحی'' خاندان نے اس کی شکایت کی لیکن اس طرح کے مقدمات کا جو حشر ہوتا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

ایک شخص جس کا نام Naief ہے جو کہ ایک Gift Shop کا مالک تھا، بالکل ''طرحی'' خاندان کے گھر کے سامنے۔ اس نے اپنا علاقہ یہودی مذہبی تنظیم کو دینے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے کئی بار اس کی دکان میں توڑ پھوڑ کی گئی۔ میری ملاقات سے چند روز پہلے اس پر یہودی غنڈوں نے حملہ کیا تھا جس کی وجہ سے اس کی پسلیوں پر زخم تھے اور اس کے دانت ٹوٹ گئے تھے۔

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ Atarot Choanim نے پرانے شہر کے بالکل وسطی علاقے میں واقع کئی بڑے گھروں پر قبضہ کر لیا جو کہ کئی نسلوں سے عرب خاندانوں کے

پاس تھے۔ جب یہودیوں میں ایک دن یہ افواہ پھیلائی گئی کہ ایک اسرائیلی پر پرانے شہر میں حملہ کیا گیا ہے تو ان یہودی غنڈوں نے جو پہلے سے تیار بیٹھے تھے، بلوہ کیا اور بلا امتیاز فائرنگ شروع کردی جبکہ ایک عورت جس کا نام Aham Mushime ہے اس کا گھر جلانا شروع کردیا۔

میری جب اس عورت سے بات ہوئی تو اس نے بتایا کہ ان یہودیوں نے قریبی علاقے میں موجود گھروں پر بھی فائرنگ کی تھی اور وہ اس کا پہلے سے منصوبہ بنائے ہوئے تھے۔

یہ ہے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی وہ سنگین صورتحال جس نے فلسطین کو ایسا آتش فشاں بنادیا ہے جو کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے۔ اس میں سارا قصور اس مہذب اور بااختیار دنیا کا ہوگا جو یہ سب کچھ اپنے ناک تلے برداشت کررہی ہے۔

حصہ سوم

اسرائیل سے فرار

وطن واپسی کی تیاری:

جب میں نے اپنے وطن کینیڈا واپسی کے لیے تیاری شروع کی تو میں نے اس بات پر غور وفکر کرنا شروع کیا کہ کس طرح سے میں یہ سارا مواد، ریسرچ اور نوٹس وغیرہ اسرائیل سے باہر لے جاؤں کہ اس پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔ مجھے یہ بات بتائی جا چکی تھی کہ اسرائیل کے بن گوریان ایئرپورٹ پر چیکنگ انتہائی سخت ہے اور یہ کہ وہ میرے سامان کی مکمل تلاشی لی جائے گی۔ اس کے برعکس میں انتہائی آسانی کے ساتھ اسرائیل میں داخل ہوا تھا اور مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ اگر میں بم یا کوئی چھپا ہوا ہتھیار لے کر اسرائیل میں داخل نہیں ہو رہا تو پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اس کے علاوہ مجھے اس بات کی فکر بھی ہو رہی تھی کہ میں نے اتنا مواد اکٹھا کر لیا تھا کہ اس کو ضائع کرنا خود ایک ناقابل تلافی نقصان بن جاتا۔ اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے نوٹس کو جس حد تک بھی ہو سکے خفیہ شکل میں یا پھر ایک سیاح کی ڈائری کی شکل میں (سفرنامے) میں چھپا لیا جائے۔

میں اپنی فلائٹ سے تقریباً دو گھنٹے قبل ہوائی اڈے پہنچا۔ اس وقت وہاں پر زیادہ رش نہیں تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد ایک نوجوان عورت جو کہ ایئرپورٹ کی سیکورٹی میں کام کر رہی تھی، میرے پاس آئی اور اپنے ساتھ چلنے کی درخواست کی۔ اس نے نرمی اور ادب سے مجھے اپنا سامان میز پر رکھنے کو کہا تاکہ وہ اس کا معائنہ کر سکے۔ غور سے تلاشی لینے کے بعد اس نے مجھ سے بہت سے ذاتی سوالات پوچھے۔ سب سے پہلے اس نے مجھ سے پوچھا: ''میں اسرائیل میں کیا کر رہا تھا؟'' میں نے جواب دیا: ''میں نے خاص طور سے چھٹی لی تھی اور میں مقدس مقامات کی سیر کرنا چاہتا تھا۔''

اس نے پوچھا: ''کیا میری ملاقات اسرائیلیوں سے ہوئی تھی؟'' میں نے جواب دیا: ''ہاں، میری ملاقات بہت سے اسرائیلیوں سے ہوئی تھی، لیکن میری کسی ایک کے ساتھ بہت زیادہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔'' اس نے پوچھا: ''کیا میری ملاقات کسی فلسطینی سے ہوئی تھی؟'' میں نے کہا: ''ہاں! تھوڑی بہت القدس کے پرانے حصے میں ہوئی تھی۔'' اس نے پھر مجھ سے پوچھا: ''کیا آپ مغربی کنارے پر (دریائے اردن کے مغربی کنارے پر واقع فلسطینی مقبوضہ علاقہ) گئے تھے؟'' میں نے بے تکلفی سے کہا: ''ہاں! بس مقامات مقدسہ کی سیر کے دوران وہاں سے گزر ہوا تھا۔''

اس کے بعد مجھ سے وہ سوال پوچھا گیا جس نے میرے لیے مشکلات پیدا کر دیں اور سخت پریشانی کا سبب بنا۔ اس نے پوچھا: ''کیا ان فلسطینیوں نے آپ کو کچھ دیا تھا؟'' میں ویسے ہی ہر سوال کے بعد مزید گھبراہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ پہلے تو میں نے یہ سوچا کہ اگر میں اپنے مغربی کنارے دورے کا ذکر کرتا ہوں تو اس سے بہت سے شکوک وشبہات پیدا ہوں گے، لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے معلوم تھا کہ وہ عورت میرے بیگ کی تلاشی لے گی جس میں بہت سی ایسی دستاویزات تھیں جو کہ میں نے انسانی حقوق کی تنظیموں سے اکٹھی کی تھیں اور جن کے ساتھ میں رابطے میں تھا۔ اگرچہ میں نے اکثر دستاویزات کو اچھی طرح سے چھپا دیا تھا، لیکن مجھے معلوم تھا کہ کچھ نہ کچھ تو ضرور پکڑی جائیں گی، اس لیے میں نے ان دونوں طرح کے خوف کو مدنظر رکھ کر ایک درمیانہ سا جواب دیا۔ میں نے کہا: ''مجھے چند سیاسی پمفلٹ ایک فلسطینی شہری نے دیے تھے جس سے میری ملاقات ٹیکسی میں ہوئی تھی۔'' اس عورت نے اس پمفلٹ کو دیکھا اور اس پر نظر دوڑانے کے بعد اس کو اپنے اعلیٰ عہدیداروں کے حوالے کر دیا اور یہیں سے میرے لیے مشکلات کا آغاز ہو گیا۔

اس وقت میں چکرانا شروع ہو گیا جب مجھے دو مسلح سیکورٹی آفیسر نے پوچھ گچھ کے لیے ائیرپورٹ ٹرمینل کے پیچھے لے گئے۔ کمرے میں موجود تین افسروں نے مجھ سے (بغیر مارے پیٹے) جارحانہ انداز میں تفتیش شروع کر دی اور سخت الفاظ استعمال کیے۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے: ''یہ پمفلٹ مجھے کس نے دیا ہے؟'' میں نے کہا: ''اس کا نام سعید یا پھر صیام تھا اور میں اس کا پورا نام نہیں جانتا کیونکہ میری اس کے ساتھ ملاقات ایک یا پھر دو مرتبہ ہوئی تھی نہ ہی اس کا کوئی پتا مجھے

معلوم ہے۔'' اس پر انہوں نے مجھ سے پوچھا: ''میں نے زمین ضبط کرنے کے متعلق، گھروں کو سیل (SEAL) کرنے کے متعلق اور غزہ میں علاقوں کی ناکہ بندی کے متعلق دستاویزات اور مواد کیوں جمع کر رکھے ہیں؟'' میں نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے اداکاری شروع کر دی اور کہا: ''اس لیے کہ میں اسرائیلی ریاست کا بہت بڑا حامی ہوں اور میں اپنے دوستوں کو یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ کس طرح فلسطینی معلومات کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں، بالخصوص مغربی کنارے کے متعلق۔''

اس سب کے باوجود اسرائیلی مطمئن نہیں ہوئے اور مجھ سے پوچھنے لگے: ''میری ملاقات اور کس شخص سے ہوئی تھی؟'' میں نے جواب دیا: ''میری ملاقات اور عربوں سے نہیں ہوئی تھی، لیکن اس عرب صحافی نے مجھے چند اور کاغذات دیے تھے۔'' جب ان لوگوں نے میرے بستے کی مزید تلاشی لی تو انہیں فلسطینی انسانی حقوق کی تنظیم (PHRIC) کے مزید صفحات ملے، جس میں انتفاضہ کے دوران فلسطینیوں کی اموات کا ذکر تھا۔ انہوں نے مجھے کہا: ''اس طرح کے مواد کی وجہ سے تمہیں گرفتار کیا جا سکتا ہے۔''

دوسری طرف میں اس فکر میں پڑ گیا کہ میں کس طرح سے ان لوگوں کو یہ بتا سکتا ہوں کہ یہ مواد جعلی ہے جبکہ PHRIC کی اصل رپورٹ کی ایمنسٹی انٹرنیشنل (AMNESTY INTERNATIONAL) اور امریکی کمیشن برائے ممالک (US COUNTRY COMMISSION) نے تصدیق کی تھی۔ انہوں نے مجھ سے اس فلسطینی صحافی کے بارے میں بہت پوچھا: ''اس کا چہرہ اور حلیہ کس طرح کا تھا؟ وغیرہ۔'' میں نے ان لوگوں کو ایک فرضی سا حلیہ بنا کر بتا دیا اور فوراً یہ بحث چھیڑ دی کہ ایسی رپورٹیں یہودی مخالف دماغوں کی پیداوار ہیں۔

اس وقت تک وہ لوگ میرے سامان کی تین مرتبہ تلاشی لے چکے تھے اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ میں پی ایل او (یاسر عرفات کی تنظیم) کا ایک ہمدرد یا پھر میں PLO کے لیے کام کر رہا ہوں۔ اس وقت اسرائیلی آفیسر جو میری تفتیش کی نگرانی کر رہا تھا اس نے مجھ پر دباؤ ڈالا کہ جن فلسطینیوں کو میں نے دیکھا تھا، ان کا حلیہ وغیرہ بتاؤں۔ دوسری طرف ایک دوسرا آفیسر ایک موٹا سا ڈنڈا اپنے ہاتھ میں لے کر میز پر ہلکے ہلکے مار رہا تھا اور اس کا ساتھی مجھ سے پوچھ رہا تھا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ

PLO کے حامیوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟" میں نے اسے جواب دیا "مجھے تو معلوم نہیں۔" اس وقت جس آفیسر کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا اس نے ڈنڈے کو اپنی گردن پر مارنے کا اشارہ دیا کہ انہیں اس طرح مار دیا جاتا ہے۔ چیف سیکورٹی آفیسر نے کہا: "PLO کے حامیوں کو کئی مہینوں اور سالوں تک قید رکھا جاتا ہے اور اسرائیلی جیلوں کے آفیسر ان کے اس دورانیے کو انتہائی تکلیف دہ بناتے ہیں اور اس کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔" یہ حقیقت تھی کہ میں سرے سے PLO کا حامی تھا ہی نہیں اور یہ کہ یہ سراسر ایک جھوٹا الزام تھا اس کے باوجود میں دہشت کا شکار ہو گیا۔

سب سے زیادہ خوفناک میرے لیے وہ وقت ثابت ہوا جب انہوں نے مجھ سے سوال کیا: "کیا میں نے اپنے اسرائیل میں قیام کے دوران کوئی ڈائری رکھی تھی؟" مجھے معلوم تھا کہ وہ بڑی آسانی سے میرے دستی بیگ سے وہ ڈائری نکال سکتے تھے، اسی لیے میں نے فوراً اقرار کر لیا۔ دراصل میری ڈائری میں تمام انٹرویو اور نوٹس وغیرہ چھپائے گئے تھے۔ اس کے علاوہ میں نے جیلوں کے بارے میں رپورٹیں اور سیاسی قیدیوں کے ساتھ بدسلوکی کے واقعات بھی لکھے ہوئے تھے۔ اگر ان کو وہ دستاویزات اور رپورٹیں مل جاتیں تو وہ ضرور مجھے کسی تفتیشی مرکز لے جاتے اور مجھے کافی لمبے عرصے تک قید رکھتے۔

اب میری تفتیش چار گھنٹوں کی ہو چکی تھی۔ فلائٹ کو چھوٹے ہوئے بھی کافی دیر ہو چکی تھی۔ میں نے اپنی ڈائری نکالی اور میں نے وہ صفحہ کھول کر دیا جس میں میں نے چند خطوط لکھے ہوئے تھے جو میں بھیج نہیں سکا تھا۔ اس میں زیادہ تر مقامات مقدسہ کی عمارتوں اور ان کی آرکیٹیکچر (ARCITECTURE) کا ذکر تھا جن کو میں نے دیکھا تھا اور ان مقامات کا ذکر تھا۔ اسرائیلی سیکورٹی آفیسروں نے کل دس صفحات کا مطالعہ کیا جبکہ میں نے پوری کوشش کی کہ اپنی شکل کم از کم مطمئن رکھ سکوں اور گھبراہٹ کی کوئی علامت سامنے نہ آنے دوں لیکن میری حالت تقریباً نیم بے ہوشی جیسی تھی۔ میں یہ سوچنے لگا کہ مجھے کس طرح سے اذیت دی جائے گی؟ اور کس طرح سے مار پٹائی کی جائے گی؟ یا پھر بجلی کے جھٹکے دیے جائیں گے اور بھوکا رکھا جائے گا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد میں نے سکھ کا سانس لیا، کیونکہ اس اسرائیلی آفیسر نے میری ڈائری پڑھنا چھوڑ دی اور مجھے

واپس پکڑا دی۔ اگر وہ ایک صفحہ بھی آگے پلٹ دیتا تو ۔۔۔۔۔۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جاتا اور وہ سارے نوٹس وغیرہ مل جاتے جو کہ میں نے لیے تھے اور جس کی بنیاد پر میں نے اس آرٹیکل کے آخری حصے کو لکھا۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ اگر میں پکڑا جاتا تو میں آج یہاں ہوتا بھی یا نہیں۔

مزید تین گھنٹوں کی سخت تلاشی کے بعد مجھے یہ بتایا گیا کہ میں جا سکتا ہوں۔ اگرچہ بہت سی دستاویزات اسرائیلی آفیسروں کو دیکھنی پڑیں جو انہوں نے ڈھونڈ نکالی تھی۔ خوش قسمتی سے میں نے ان سب کو پہلے ہی کوڈز میں لکھ لیا تھا کیونکہ مجھے ایسی صورت حال کا اندازہ تھا۔

ایرپورٹ کے تفتیشی مرکز سے جب میں نکلا تو اس وقت تک آٹھ گھنٹے گزر چکے تھے اور میں تھکن سے چور چور تھا، لیکن پھر بھی میں مطمئن تھا کہ ایک مصیبت سے تو جان چھوٹی۔ اسرائیلی ایئر لائن ایل آل (EL AL) نے مجھے یہ پیشکش کی تھی کہ میں تل ابیب کے شیرٹن ہوٹل میں آرام کر سکوں تاکہ اگلے روز کی فلائٹ کے ذریعے لندن روانہ ہو سکوں لیکن پھر مجھے دوبارہ سے اسرائیلی سیکورٹی سے گزرنا پڑتا جس کا خطرہ میں دوبارہ نہیں مول لینا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے لندن کی اگلی فلائٹ پکڑی اور کینیڈا پہنچنے پر انتہا سے زیادہ خوش تھا۔

▬

آخری جنگ

جیسے ہی ہوائی جہاز نے اسرائیل کے بن گوریان کے بین الاقوامی ہوائی اڈے سے پرواز کی، میں اپنے اسرائیل کے دورے کے بارے میں سوچنے لگا۔ یک دم سے البرٹ پائیک (ALBERT PIKE) کی پیش گوئیاں میرے سامنے شیشے کی طرح شفاف طریقے سے سامنے آنے لگیں۔ اس فری میسن لیڈر نے حیران کن وضاحت کے ساتھ پہلی جنگ عظیم کی پیش گوئی کی تھی اور اس کے بعد ایک روسی کمیونسٹ ریاست کے قیام کی تفصیل بتائی تھی۔ اس نے دوسری جنگ عظیم کی بھی پیش گوئی کی تھی جو کہ جرمن قوم پرستوں اور صیہونیوں کے درمیان پیش آئی تھی جس کے بعد اسرائیل کے قیام کا اس نے اعلان کیا تھا...... پائیک نے یہ بھی کہا تھا کہ تیسری عالمی جنگ اسرائیل اور عربوں کے درمیان پیش آئے گی جبکہ اس کے بعد دنیا کو مکمل تباہی اور بربادی کا سامنا کرنا پڑے گا اور عالمی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔ جس طرح اسرائیلی مقبوضہ علاقوں میں دوبارہ آباد ہوتے ہی چلے جا رہے ہیں اور ان عربوں کو جو کہ وہاں کے آبائی رہائشی تھے ان کو دھکیلتے چلے جا رہے ہیں (جن میں ان صیہونی ظالموں کے خلاف نفرت بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے) اس سے یہ تو صاف نظر آ رہا ہے کہ باقی دنیا بھی اس کوشش میں لگتی چلی جائے گی اور اس میں شامل ہو جائے گی حتیٰ کہ البرٹ پائیک کی تیسری پیش گوئی بھی پوری ہو جائے گی۔

صلیبی جنگوں کے وقت سے لے کر اب تک تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جس قوم نے بھی عرب دنیا پر حملہ کیا وہ بالآخر بھاگ گئی اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ فلسطینی اور عرب کبھی بھی صیہونی ریاست کو دل سے تسلیم نہیں کریں گے۔ واقعی اس مسئلے کا دائمی اور فیصلہ کن حل میز کی بجائے میدان میں نظر آتا ہے جو کہ تمام فریقین کے لیے قابل قبول ہوگا۔ جوہری ہتھیاروں کی تیاری کے بعد سے تو "آخری جنگ جو کہ تمام جنگوں کا خاتمہ کر دے گی" کی علامات تو پہلے ہی

سامنے آرہی ہیں جس کے بعد تمام معاشرتی اقدار و ادارے (جس طرح کہ ہم جانتے ہیں) ختم
ہو جائیں گے اور سارا میدان اگلے مرحلے کے لیے ہموار ہو جائے گا۔

مستقبل میں کیا ہونے والا ہے؟

مستقبل قریب میں کیا ہونے والا ہے؟ کیا ہم سب شکست کا لبادہ اوڑھ لیں؟ کیا ہم صیہونیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں؟ آنجہانی Dr. Carrol iigely کا تو یہ خیال تھا کہ امریکا اور دنیا کو اب ان سازشوں کے شکنجے سے بچانا ناممکن ہے۔ اگر 1966ء سے قبل بھی کوئی تحریک چلائی جاتی تو اسے بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ غلامی ہمارا مقدر بن گئی ہے؟

نہیں! ہرگز نہیں! ابھی سب کچھ نہیں بگڑا ہے۔ آخر میں سازشی عناصر نہیں جیتیں گے۔ یہ سازش بالآخر تباہ و برباد ہو کر رہے گی۔ [لیکن افسوس کہ امریکی عوام کو اس کی خبر نہیں کہ اس سازش کو مسلم مجاہدین حضرت مسیح علیہ السلام کی قیادت میں تقویٰ اور جہاد کی بدولت ختم کریں گے۔ شاہ منصور] چونکہ اس سازش کی بنیاد لالچ، غرور اور برائی پر مبنی ہے اس لیے شیطان کے اس منصوبے میں بہت بڑی خامی ہے۔ یہ سازش اور منصوبہ تمام روحانی قوانین کے بالکل خلاف ہے جو کہ خود خدا نے بنائے ہیں اور اسی وجہ سے یہ سازش ضرور برباد ہو کر رہے گی۔

صیہونیت سمجھتی ہے شاید مستقبل میں صرف اسی سازش کے پاس طاقت اور قوت ہوگی، لیکن یہ محض اس کا دھوکہ ہے۔ اس نظام میں ہر جگہ دراڑیں پڑی ہوئی ملیں گی اور یہ نظام خود بھی ہل چل کر ٹوٹ رہا ہے۔ اخلاقی اور روحانی اقدار نہ ہونے کی وجہ سے یہ نظام انسانی فطرت کی کمزوریوں سے بھرا ہوا ہے۔ بالآخر یہ انتشار اور بدعنوانی ہی پیدا کر سکتا ہے۔ یہ نظام صرف اس وجہ سے یکجا ہے کہ اس مقصد کے لیے نفرت، خوف، وحشت، ہیرا پھیری، زبردستی، دھمکیاں اور دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ ان سب کے بغیر اس نظام کے تمام اجزاء اور اس سازشی عناصر کا پورا تیار کردہ نظام ایک دم بیٹھ جائے گا۔

جس طرح ہم اکیسویں صدی کے آخر کی طرف گامزن ہیں، ہمیں کیا کرنا چاہیے کہ امریکا واپس اپنے توازن کی طرف لوٹ آئے اور ترقی اور امن آسکے۔ ایک اور انقلاب کی ضرورت

ہے۔ امریکی عوام کے دل و دماغ کو ایک روحانی انقلاب کی اشد ضرورت ہے۔ [سبحان اللہ! مغربی مفکرین اسلام کے داعیوں جیسی بات کہہ رہے ہیں۔ افسوس کہ وہ روح اور روحانیت کا حقیقی مفہوم سمجھ رہے ہوتے۔ راقم] یہی روحانی بیداری امریکا کو صہیونی شکنجے سے آزاد کرسکتی ہے۔ کیا ایسا معجزہ اس وقت ممکن ہے؟ ہاں بالکل ممکن ہے بالکل اسی طرح جس طرح امریکی جرنیل مک آرتھر نے کہا تھا:

''تاریخ میں ایک بھی ایسی مثال موجود نہیں کہ کوئی قوم اخلاقی پستی کے بعد سیاسی اور معاشی بحران کا شکار نہ ہوئی ہو، لیکن اس نازک موڑ پر یا تو ایک روحانی انقلاب برپا ہوا جس کی وجہ سے اس اخلاقی پستی کا مقابلہ کیا گیا اور دوبارہ ترقی کی راہ اپنائی گئی یا پھر قوم اور بھی زیادہ پستی کی طرف چلی گئی جس کا بالآخر نتیجہ مکمل تباہی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔''

اگر ہم نے ایک مرتبہ پھر قومی بیداری کو دیکھنا ہے تو پھر Russ Walton جیسے کہتا ہے: ''یہ صرف انفرادی بیداری ہی سے شروع ہو سکتا ہے۔''

یا پھر T.S. Filliot جیسے کہتا ہے:

''کیا میں اپنے ہاتھ کم از کم سیدھے راستے کی طرف بڑھاؤں۔''

ہم سب کو اپنے ہاتھ سیدھے راستے کی طرف بڑھا دینے چاہئیں۔

[اللہ کرے کہ اس معتدل مزاج کینیڈین صحافی کی بات مغربی دنیا کو سمجھ میں آ جائے اور وہ اپنا ہاتھ اور قدم اس سیدھے راستے کی طرف بڑھا دیں جو انسانیت کی نجات کا واحد اور متعین راستہ ہے۔ آمین]

■

پراسرار دجالی علامات

دجالی نظام کے حق میں ذہن ہموار کرنے کے لیے پھیلائی گئی شیطانی علامات

آپ نے کبھی "سونی اریکسن" کا موبائل آن کیا ہے؟ اس میں آپ کو کیا نظر آتا ہے؟ ایک سبز آنکھ جو آہستہ آہستہ سرخ ہوتی ہے۔ پھر آگ کے مختلف رنگ بدلتی ہوئی چاروں طرف پھیلتی ہے اور موبائل زندگی کی حرارت پکڑ کر جھرجھری لیتا اور بیدار ہو جاتا ہے۔ یہ سبز، سرخ اور زرد رنگ کی آتشیں آنکھ جو خاص انداز سے رنگ بدلتی، پھیلتی اور اسکرین پر چھا جاتی ہے، پھر "حیات بخش قوت" یا "توانائی کے منبع" کا تاثر پیدا کرتی ہے، کیا ہے؟ کبھی آپ نے غور کیا؟

آپ نے سگریٹ کے پیکٹ دیکھے ہوں گے۔ ان کے سائز اور ڈیزائن ملتے جلتے ہوتے ہیں، لیکن کبھی غور کیا کہ ان میں ایک ایسی قدر مشترک بھی ہے جس کی بظاہر سگریٹ سے کوئی مناسبت نہیں، لیکن وہ سگریٹ کے علاوہ شراب کی بعض اقسام پر بھی یکساں طور پر ثبت نظر آتی ہے، خاص طور پر تمباکو اور شراب کی ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کے برانڈ پر جو امریکا یا برطانیہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے ٹریڈ مارک میں ایک عجیب و غریب قدیم جنگلی حیات کی نقال ایک "شبیہ" ہوتی ہے، جس کی آج کل کی روشن خیال کمپیوٹرائزڈ دنیا میں کوئی عقلی توجیہ ممکن نہیں، لیکن روشنیوں کی دنیا کے باسی اسے صبح و شام دھواں نگلنے اور اگلنے سے پہلے روزانہ بیسیوں مرتبہ دیکھتے اور اپنے ذہن پر نقش کرتے ہیں اور بتا نہیں سکتے کہ یہ دورِ قدیم کی جنگلی حیات کی یادگار عجیب و غریب چیز کیا ہے؟ یہ تین مختلف جانداروں پر مشتمل شبیہ ہے، جس کے بیچ میں ایک "نیم انسانی نیم جناتی" قسم کا ہیولیٰ ہے۔ اس کو دونوں طرف سے دو عجیب الخلقت جانوروں نے پکڑ کر سہارا دیا ہوا ہے۔ دائیں طرف کا جانور گھوڑے سے اور

بائیں طرف کا شیر سے ملتا جلتا ہے۔ بیچ میں موجود مرکزی شبیہ کے سر پر تاج ہے اور تاج کے اوپر چھوٹا سا شیر بنا ہوا ہے۔ کچھ یاد آیا؟ آپ کو یہ چیز یقیناً دیکھی بھالی محسوس ہوگی۔ جی ہاں بالکل ویسا شیر جیسے کہ حبیب بینک یا بینک الحبیب کے مونوگرام میں ہوتا ہے۔ اس پوری شبیہ کی تلخیص اور علامتی نمائندگی اس تاج سے کی جاتی ہے، جو اس ''نیم انسانی نیم شیطانی'' شبیہ کے سر پر موجود ہے۔ چنانچہ بہت سی مصنوعات پر تو مکمل شبیہ ہوتی ہے اور کچھ پر فقط یہ تاج جو اس کے مرکز میں بلند مقام پر مخصوص انداز میں چمکار دکھار ہا ہوتا ہے۔ مثلاً: پیپسی کے ڈسپوزایبل ٹن کو غور سے دیکھیے۔ اس میں جہاں اس ڈبے کو عارضی استعمال کے بعد ٹوکری میں پھینکنے کی علامت دی گئی ہے، وہاں اوپر تاج بھی بنا ہوا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے...... اور وہم و مفروضے یا بے جا تجسس کے بجائے عقل و منطق کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے کہ...... کچرے کی ٹوکری کے اوپر تاج شاہانہ کا کیا کام؟

آپ کبھی امریکا و یورپ گئے ہیں؟ نہیں گئے تو خدارا (نقل مکانی کر کے) وہاں جانے کی سوچ دل سے نکال دیجیے۔ وہاں عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے کہ آپ اپنے تن کے کپڑوں کے علاوہ کچھ ساتھ لے کر نہ نکل سکیں گے۔ اگر آپ وہاں گئے ہیں یا آپ نے دنیا کے مشہور شہروں کی سیاحت کی ہے تو کیا آپ نے محسوس کیا، آزاد خیال اور آزاد روی کی آخری حد تک پہنچنے کے باوجود عریانیت اور مادیت پرستی مزید بڑھتی جا رہی ہے اور بے تحاشا بڑھتی جا رہی ہے؟ شہرت اور دولت کے حصول اور من چاہی خواہشات کی تکمیل کے لیے لوگ جائز و ناجائز کی تفریق تو بھلا ہی چکے تھے، اب وہ جادو ٹونے اور غیر مرئی طاقت سے ماورائی اعانت کے حصول کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ ہیری پورٹر جیسے ناولوں، فلموں، کارٹونوں اور ویڈیو گیمز نے چھوٹے بچوں کے ذہن میں یہ راسخ کر دیا ہے کہ دنیا میں جادو ٹونا اور ماورائی مخلوقات [یعنی شیطان اور اس کے نمائندہ اعظم دجال، خبیث جنات اور ان کے چیلوں] کی طاقت ہی اصل طاقت ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا بن دیکھے انکار کرنے والوں کی نئی نسل شیطان کے ان دیکھے جال میں پھنستی جا رہی ہے۔

چلیے رہنے دیجیے! شاید آپ کے مشاہدے میں یہ بات نہ آئی ہو۔ یہ وہاں کی خفیہ سوسائٹی میں ہو رہا ہے۔ اس کو ابھی منظر عام پر آنے میں کچھ وقت لگے گا۔ اگرچہ وہ وقت کچھ زیادہ نہیں ہوگا۔ یہ بتائیے! آپ نے کبھی وہاں محسوس کیا کہ ایک آنکھ آپ کو گھور رہی ہے یا وقت بے وقت، جا بے جا، اکلوتی آنکھ مختلف شکلوں میں، مختلف انداز میں پیش کی جارہی ہے۔ اگر آج تک آپ نے اسے محسوس نہیں کیا تو اب مشاہدہ شروع کر دیجیے۔ کتابوں، رسالوں کے سرورق پر، ملٹی نیشنل کمپنیوں کے اشتہارات میں، اہرام کی طرز پر بنی ہوئی عمارات میں، بچوں کے کھلونوں اور کارٹونوں سے لے کر فلموں اور گانوں کے ٹائٹل پر، مشہور زمانہ کمپنیوں کے لوگو اور مونوگرام میں "ایک آنکھ" یا اس کی شبیہ، حقیقی تصویر یا مصور کی دستکاری کے متنوع اندازوں میں، امریکا اور یورپ کے روشنیوں سے بھرے شہروں پر تاریکی کا راج قائم کرنا چاہتی ہے اور باخبر امریکی اور باعلم یورپین قطعاً اور حتماً بے خبر اور لاعلم ہیں کہ یہ اکلوتی آنکھ ان کے مذہب کے پیغمبر جناب "مسیح صادق" سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والے "مسیح کاذب" سے ان کو مانوس اور قریب کرنے کے لیے طاقت اور روحانیت کا سمبل بنا کر پھیلائی جارہی ہے۔

آپ کو کبھی حرمین شریفین حاضری کی سعادت نصیب ہوئی؟ اللہ مجھے، آپ کو، ہر صاحب ایمان کو وہاں بار بار لے جائے اور حرمین کی عقیدت اور اس پر مر مٹنے کا جذبہ نصیب فرمائے، کہ وقت ہی ایسا آنے والا ہے جب وہاں فدائیوں کے فنافی اللہ کی تہہ سے بقا کا راز دنیا کے سامنے آشکارا ہوگا۔ آپ نے مناسک حج کی ادائی کے دوران شہری دفاع کے محکمے کو متحرک دیکھا ہوگا۔ ٹریفک کنٹرول کے محکمہ کی طرف سے حجاج کرام کی سہولت اور گاڑیوں کے ہجوم کو کنٹرول کرنے کے لیے مختلف اشتہارات، ہدایات وغیرہ ملاحظہ کی ہوں گی۔ ان محکموں کے مونوگرام میں آپ کو کوئی چیز غیر متعلق اور عجیب تو نہیں لگی؟ آپ نے محسوس کیا وہی آنکھ جو رنگ اور شکلیں بدل بدل کر یورپ و امریکا پر چھائی نظر آتی ہے، یہاں بھی جھانکتی دکھائی دیتی ہے۔ وہی تکون جو شیطان اور دجال کی متحدہ طاقت کی علامت ہے،

یہاں بھی مختلف جگہوں پر جھلملاتی اور مختلف چیزوں پر نقش دکھائی دیتی ہے۔ آپ اگر سفر حرمین کے دوران بیمار ہوئے ہیں تو میڈیکل اسٹور ضرور گئے ہوں گے یا کم از کم کسی ''صیدلیہ'' کے سامنے سے تو ضرور گزرے ہوں گے۔ وہاں بھی سانپ کی شبیہ دیکھی؟ بیماروں کے لیے مسیحائی بانٹنے کے مرکز میں سانپ کی موذی شکل کا کیا کام ہے؟ لیکن آپ حافظے پر زور دیں تو سانپ کی شکل ''عالمی ادارۂ صحت'' کے مونوگرام اور طب وصحت سے متعلقہ بہت سی اشیا پر بھی موجود ہے۔ گزشتہ دنوں راقم الحروف پنجاب کے ایک شہر کی ایک سڑک سے گزر رہا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ ایک میڈیکل اسٹور پر نظر پڑی۔ یہ چیز تو بڑی خوش آئند تھی کہ اس کے مالک نے تیس سال سعودی عرب میں رہ کر آنے کی وجہ سے اپنی دکان کا نام ''صیدلیہ'' رکھا تھا اور انداز آرائش بھی ویسا ہی تھا جیسا سعودی عرب کے صیدلیہ، یعنی دوا فروشوں کا ہوتا ہے، لیکن یہ دیکھ کر نہایت دکھ ہوا کہ بے خبری میں اس نے سانپ کی مخصوص علامت بھی واضح طور پر بنائی ہوئی تھی، جو عموماً بلادِ حرمین کے میڈیکل اسٹوروں کی پہچان بن چکی ہے اور بغیر سوچے سمجھے بن چکی ہے۔ آخر تریاق وعلاج اور زہر وایذا میں مناسبت کیا ہے کہ موذی شکل کا یہ جانور سنہرے اور دیدہ زیب رنگوں اور معصوم شکل کے ساتھ اپنی فطرت اور روایت سے بالکل متضاد اشیا کے ساتھ لہراتا دکھائی دیتا ہے؟ کہیں یہ بچوں کے کپڑوں، جوتوں اور ٹوپیوں پر محبوبیت اور معصومیت کی علامت بنا کنڈلی مارے بیٹھا ہوتا ہے اور کہیں ہیرو قسم کے اداکاروں، کراٹے کھیلنے والے جنگجو کھلاڑیوں کی وردیوں پر طاقت اور قوت کے نشان کے طور پر پھن پھیلائے نظر آتا ہے۔

عالم مغرب اور عالم عرب کے بعد آپ اپنے ملک کو لے لیجیے! بہت سی جگہوں پر آپ کو ایسی چیزیں نظر آئیں گی جن پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک نامانوس چیز کو دھیرے دھیرے، رفتہ رفتہ مانوس کیا جا رہا ہے۔ اس طرح ''ناخوب'' آہستہ آہستہ ''خوب'' ہوتا جا رہا ہے۔ مثلاً: آپ جیو اور پی ٹی سی ایل کے مونوگرام کو تاڑیے۔ ایک آنکھ آپ کو تاڑتی دکھائی دے گی۔ ''LG'' مشہور بین الاقوامی کمپنی ہے۔ اس کے مونوگرام میں واضح انسانی

شبیہ ہے، جو یک چشم ہے۔ ونڈوز xp2007 کھولیے۔''ACDC'' یا ''ایڈوب فوٹو شاپ، ایڈوب ایکروبیٹ ریڈر'' کے لوگو کو توجہ سے دیکھیے۔ پراسرار قسم کی آنکھ آپ کو گھور رہی ہوگی۔ آج کل ''کمپیوٹر وائرس'' کو روکنے کے لیے ایک پروگرام "NOD32" آیا ہے۔ اس کی علامت ایک آنکھ ہے جس سے روشنیاں پھوٹ رہی ہیں اور یہ آنکھ تن تنہا ہر طرح کے وائرس سے دفاع کر رہی ہے۔ بچوں کے ویڈیو گیمز میں سب سے طاقتور ہیرو کی جو شبیہ ہوگی، غور کریں تو اس کی ایک آنکھ ہوگی۔ بچوں کے ایک مشہور کارٹون میں ایک آنکھ والی شبیہ کو سب سے طاقتور وجود کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔ اب تو ہمارے ہاں ایک معروف اخبار اور چینل کے ''ہر خبر پر نظر'' کے اشتہار میں ایک آنکھ ہر چیز پر نظر جمائے اور نگرانی کرتے دکھائی دینا شروع ہوگئی ہے۔ یہ اکلوتی آنکھ آپ کو کمپیوٹر اور ٹی وی کی اسکرین پر جھلملاتی نظر آئے گی، آپ کے دماغ میں بجلیاں کوندیں گی اور یہ ذہن کے پردے پر انمٹ نقش کی طرح جم جائے گی۔ رفتہ رفتہ کچھ ہی عرصے بعد اس کا ایسا تاثر دنیا کے ذہن میں بیٹھے گا کہ عوام الناس دو آنکھوں کو کمزوری اور ایک آنکھ کو طاقت اور ذہانت کی علامت سمجھنے لگ جائیں گے۔ کھیل ہی کھیل میں یہ نوبت آجائے گی کہ ایک یا تین آنکھیں بھلی اور دو آنکھیں بری معلوم ہوں گی۔ ''جیو'' کے موسیقی چینل ''آگ'' میں ایک ''آتشی تکون'' ہے یعنی مثلث کا نشان جس کے بیچوں بیچ آگ سینگوں کی شکل میں جل رہی ہے۔ یہ اسی طرح کا مثلث ہے جیسا مصر کے مشہور زمانہ فرعونی اہرام میں بھی ہوتا ہے اور اس کی چوٹی پر روشنی پھیلاتی ایک آنکھ ثبت ہوتی ہے۔ چوٹی پر موجود روشنیاں بکھیرتی یہ آنکھ ڈالر کی پشت پر دنیا بھر میں سفر کرتے ہوئے پوری دنیا کو پیغام دے رہی ہے کہ امریکا اور مغرب کی ترقی کے بل بوتے پر زور دکھانے والے اس فتنے کو سمجھو، جو اپنی مخصوص علامات دنیا بھر میں پھیلا کر انسانی ذہنوں کو تاریخ کے عظیم ترین فتنے کے لیے ہموار کر رہا ہے۔

امریکی ڈالر کی طرح برطانوی پاؤنڈ بھی شیطانی علامات یا دجالی نشانات سے خالی نہیں۔ اس کو الٹا کر کے غور سے دیکھیں تو 666 کا مخصوص شیطانی ہندسہ جلوہ گر نظر آئے گا۔

ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مصنوعات پر "چیپ" کوڈ "بار" میں بھی آپ کو یہ [illegible]
شکلوں میں دکھائی دے ہی جائیں گے۔ ذرا دھیان دو جوانوں کی شرٹس اور بچوں کی ٹوپی،
استعمال کی دیگر اشیاء پر کھوپڑی اور ہڈیوں کا مخصوص نشان بھی آپ سے پوشیدہ نہ رہا ہوگا۔ لیکن
اگر آج کے دور کی "ام الخبائث" یعنی ٹیلی ویژن دیکھنے کی لت لگی ہوئی ہے تو اسے وقتے
وقفے سے کسی نہ کسی شکل میں پروگراموں، اشتہارات اور کارٹون میں، ایک آنکھ یا تکون
وقفے وقفے سے کسی نہ کسی شکل میں انگریزی حروف تہجی A ،O ،یا I کے مختلف ڈیزائنوں
میں جھلملاتی اور اپنا آپ منواتی نظر آئے گی۔ ان حروف سے بنے ڈیزائن جہاں پائے
جائیں، وہ تجارتی کمپنیاں ہوں یا تعلیمی ادارے، شعوری یا لاشعوری طور پر A کے ڈیزائن
میں تکون اور بقیہ حروف میں آنکھ کی تمثیل پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کے بغیر ان کے ذوق
زیبائش کی تسکین نہیں ہوتی نہ انہیں کوئی اور طرز سوجھتا ہے۔ تاج، تکون، آنکھ، سانپ،
کھوپڑی اور ہڈیاں، چھ سو چھیاسٹھ اور تین سو بائیس کے ہندسے ..... آخر یہ سب کچھ کیا
ہے؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ ایک طلسم ہے جس کے آگے رنگا رنگ پردہ زنگاری ہے۔
"دجال I" کے آخر میں دی گئی روحانی و عملی تدابیر میں "فتنہ میڈیا سے حفاظت" کا عنوان
بڑھا دیا گیا ہے۔ اس میں اپنے اردگرد پھیلی دجالی علامات پر غور کرنے اور ان کے شر سے
بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس مضمون کی تلخیص "دجال II" کے آخر میں بھی دے دی گئی ہے،
لیکن وہاں یہ علامات مختصراً تھیں۔ آئیے! ذرا ان علامات کو بالترتیب تفصیل سے دیکھتے ہیں
اور ان کے پیچھے چھپے فلسفے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید کہ ان علامات کی حقیقت سے
واقفیت ہمیں فریب کے اس نادیدہ جال میں اُلجھنے سے بچنے کی سوچ پیدا کرے، جو انسانیت
دشمن اور شیطان پرست قوتیں کرۂ ارض پر تاننے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ذکر کا نور، مسنون
اعمال، ماثور دُعاؤں کا حصار اور تقویٰ کی برکت..... ان سب شیطانی علامات اور جادوئی
نشانیوں کا اصل توڑ ہے، خیر کی یہ چیزیں اپنانے کے ساتھ ساتھ شر کی نمائندہ ان کھلی نشانیوں
کے پیچھے چھپے خفیہ پیغام کو جاننا بھی ضروری ہے۔ فہرست بنائی جائے تو یہ ایک درجن کے

قریب بنتی ہیں۔ ایک دو غیر مشہور بھی ہیں جن کو ہم آخر میں ضمناً ذکر کریں گے۔ اصل بحث کے آغاز سے پہلے چند باتوں کی وضاحت ضروری ہے:

(1) یہ علامات یا ان کی شبیہ جہاں حقیقی یا قریب بہ حقیقت ہو، ہماری بحث اسی سے ہے۔ بعض چیزوں میں خیالی یا وہمی طور پر قسماقسم فرضی شکلیں یا تصوراتی شبیہیں بن جاتی ہیں، جن میں حقیقت سے زیادہ قوت واہمہ کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ یہ ہماری بحث سے قطعاً خارج ہے۔ سمجھداری کی بات یہ ہے کہ حقیقت سے آنکھیں نہ چرائی جائیں اور وہم یا احتمال کی بنیاد پر کسی کو مورد الزام بھی نہ ٹھہرایا جائے۔ اعتدال اور میانہ روی ہی زندگی کے ہر موڑ پر..... دینی ہو یا دنیاوی..... تحفظ اور سلامتی کی ضامن ہے۔

(2) یہ علامات دو قسم کی ہیں: ایک تو وہ جو شیطان کے ساتھ ایسے خاص الخاص انداز میں مخصوص ہیں کہ ان کا کوئی اور مطلب بنتا ہی نہیں، ان کا استعمال کرنے والا یہ عذر کرے کہ میں ان کی اصلیت اور پس منظر سے ناواقف ہوں تو اس کا عذر سو فیصد مقبول ہے کہ ان علامات و نشانات کی حقیقت اچھے خاصے تعلیم یافتہ لوگ بھی نہیں جانتے، لیکن اگر وہ اس کی کوئی اور تاویل کر کے جان چھڑانا چاہے تو وہ قطعاً مقبول نہیں ہو سکتی کہ کوئی لاکھ تاویل کرے ان کا دوسرا احتمالی معنی متصور نہیں۔ مثلاً: پہلی علامت جس میں "عجیب الخلقت جانوروں" کی نقش گری ہوتی شبیہ اور اس شبیہ کے سر پر سنہرا تاج، یا شعبہ صحت کے مونوگرام میں سانپ، یا سینگ، کھوپڑی، ہڈیاں اور مخصوص پراسرار ہندسے۔ ایسی علامات کو مٹا کر متبادل شناخت بنانا، یا ان کی طرف توجہ دلا کر انہیں بدلنا بہرحال ضروری ہے۔

دوسری قسم ان علامات کی ہے جن کی تاویل ممکن ہے۔ ان کے دوسرے مطلب بھی ہیں یا انہیں کسی مطلب کے بغیر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے تکون، پنج گوشہ ستارہ یا ایسے انگریزی حروف (O، e، Q وغیرہ) جن سے آنکھ یا تکون بنتی ہے۔ بلاشبہ یہ عام استعمال کے نقوش، اشکال اور حروف ہیں۔ ان کی ایک مخصوص شکل کے علاوہ اصرار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بالیقین ہی شیطانی علامات ہیں یا ضروری ہی غلط مطلب میں استعمال ہوتی ہیں۔ ایسا کرنا

خصوصاً غیر مغربی معاشروں میں اس بات پر زور دینا ناانصافی ہوگی۔ ان مشترک اور مبہم علامات کو اکثر ڈیزائنر کسی خاص مطلب کے بغیر آرائشی شکل سمجھ کر ڈیزائن کر لیتے ہیں اور استعمال کرنے والے بھی بے خیالی اور بے دھیانی میں استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے اس مضمون میں اس طرح کے لوگوں پر تعریض بھی ہرگز مقصود نہیں، چہ جائیکہ ہم ایسی تصریح کریں۔ نیتوں کا حال جاننے والا اس پر گواہ ہے۔ قارئین بھی احتیاط کریں۔ افراط وتفریط سے بچیں۔ غیر واقعی اور فرضی بحثوں میں نہ الجھیں۔ نہ کسی کو بلاوجہ مورد الزام ٹھہرائیں۔ ہمیں فتنے کے خاتمے کے لیے کام کرنا چاہیے۔ نیا فتنہ کھڑا کر کے نئے مسائل میں الجھنا دانشمندی ہے نہ دین داری۔

(3) ان علامات کی طرح انہیں استعمال کرنے والے بھی دو طرح کے ہیں: مغرب کے کچھ ادارے اور کمپنیاں بلاشبہ جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں۔ ان کے چلانے والے ان علامتوں کو اپنے مونوگرام یا پیشانی پر سجا کر شیطان کی مدد حاصل کرنے کے ساتھ دنیا کو شیطانی اثرات سے آلودہ کرنا چاہتے ہیں۔ امریکا و یورپ میں بنی اسرائیل کے سامریت زدہ افراد اس مبہم کو مقصد بنا کر چلا رہے ہیں۔ جبکہ ہمارے ہاں زیادہ تر لوگ اور کمپنیاں ناسمجھی میں اور دوسروں کی دیکھا دیکھی یہ سب کچھ کرتی ہیں۔ ان کو حقیقت کا علم نہیں ہوتا، بلکہ اکثر کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ اتنی بے جا حرکت کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ لہٰذا ان کا ہم پر حق بنتا ہے کہ ہم انہیں حقیقت سے آگاہ کریں، نہ کہ پہلی مرتبہ ہی ان پر اعتراضات کی لاٹھی لے کر برس پڑیں۔ اہل علم اور داعیانِ دین اور دیندار حضرات کو انسانیت کے لیے رحیم وشفیق ہونا چاہیے نہ کہ بدمزاج وغضب ناک۔

(4) زیر نظر تحریر میں شیطان اور دجال یا شیطانی علامات اور دجالی علامات ہم معنی اور ہم مطلب ہیں۔ ایک کے ذکر کا مطلب دوسرے کا تذکرہ ہے اور ایک سے منسوب علامت دوسرے کی پہچان ہے۔ قارئین کے لیے یہ بات تشویش کا باعث نہیں ہونی چاہیے کہ کسی علامت کے ضمن میں شیطان کا تذکرہ ہے اور کہیں دجال کی طرف وہی چیز منسوب کی گئی

ہے۔ اس لیے کہ یہ صرف بڑے چھوٹے کا فرق ہے، ورنہ انجیل کی تصریح کے مطابق دجال کی ساری غیر معمولی قوتوں کا راز یہ ہوگا کہ شیطان نے اپنی ساری طاقتیں اسے سونپ دی ہوں گی۔ اس لیے زیر نظر تحریر میں جب کسی چیز کی ان میں سے کسی ایک کی طرف نسبت کی جائے تو وہ دوسرے کے لیے بھی خود بخود سمجھی جائے۔ ان میں سے ایک تاریکیوں کی طرف بلاتا ہے تو دوسرا تاریکیوں میں پھنسانے کا جال ہے۔ ایک بنی آدم کو جہنم کے گڑھے میں گرانا چاہتا ہے تو دوسرا اس میں اس کا معاون اور دستِ راست ہے۔ کتاب وسنت میں دونوں سے اللہ کی پناہ چاہنے اور دونوں کے فتنے سے اپنے آپ کو بچانے اور ان کے خلاف جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔

اب آئیے! ان علامات کی فہرست شروع کرتے ہیں۔ ان کا پس منظر، ان کے پیچھے چھپا فلسفہ اور مثالیں تو ساتھ ساتھ ذکر ہوں گی، البتہ ان علامات کو پھیلانے کا مقصد اجمالاً ساتھ ساتھ اور تفصیلاً آخر میں ذکر ہوگا۔ وہیں ہم یہ بھی سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ ان پراسرار علامات کی بھرمار اور شیطانی نشانات کی یلغار کے سامنے بند کیسے باندھا جائے؟ ان کا توڑ کیسے ہو؟ اور ان کے شر سے بچنا اور بچانا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

تاجِ زرّیں وحیوانِ عجیب

پہلی علامت ــــ سنہرا تاج اور عجیب الخلقت جانور:

تاج عرفِ عام میں شان وشوکت اور فخر وغرور کی شاہی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ خصوصاً جب سونے کا ہو تو اسراف، کبر اور غرور ونخوت کا متکبرانہ فرعونی اظہار ہے۔ جب مرد کو سونے کی انگوٹھی اور چاندی کے کنگن کی اجازت نہیں تو تاج کی اجازت کیسے ہوگی؟ خاص کر سونے کا تاج تو کوئی ایسا شخص پہن ہی نہیں سکتا جسے آخرت میں عزت کا تاج پہننے کی ادنیٰ سی بھی خواہش ہو۔ ایک مسلمان کے لیے تو عمامہ ہی وہ خوبصورت، دیدہ زیب اور وقار وعزت کی بابرکت وپُرنور علامت ہے جو اس کے لیے کافی ہے۔ جس چیز کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا، زیب تن فرمایا اور اسے ''تاج'' کہا، اس سے بڑھ کر سر کی زینت کیا ہو سکتی ہے؟ مگر شیطان نے اپنے لیے اور اپنے چیلوں کے لیے جس چیز کو پسند کیا ہے، وہ فرعونوں، دنیا پرستوں اور متکبرین کی علامت ہے۔

یہی علامت اس کے سب سے بڑے آلہ کار کی ہے جسے پوری دنیا کا بے مہار بادشاہ بنانے کے لیے شیطانی قوتیں پورا زور لگا رہی ہیں اور اس کے خروج سے پہلے اس کی مخصوص علامتوں کو کرۂ ارضی کے باشندوں کے لیے مانوس اور جانی پہچانی بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ آپ کو شاید اس پر یقین نہ آئے...... معمول کے مطابق دکھائی دینے والی چیزوں کے بارے میں غیر معمولی باتوں پر یقین آتا بھی نہیں...... لیکن معمول کے مطابق نظر آنے والی چیزیں کسی عقلی توجیہ اور فطری مناسبت کے برخلاف ہوں تو انسان سوچنے پر مجبور ہو ہی جاتا ہے۔ ہم آپ سے یہی اُمید رکھتے ہیں کہ آپ توجہ دلائے جانے کے بعد ایسے اجتماعی موضوعات پر غور وفکر سے لاتعلق نہیں رہیں گے، جن کا سامنا پورے عالمِ بشریت کو ہے۔

سنہرے تاج کی شیطان یا اس کے نمائندۂ اعظم (دجال اکبر) سے کیا مناسبت ہے؟ تاج کے نیچے یہ نامانوس قسم کی ناگوار حیوانی شبیہ کیا ہے؟ اس کو دونوں طرف سے سہارا دینے والے تین تین جانوروں سے مرکب فرضی حیوان کس دنیا سے تعلق رکھتے ہیں؟ کیا دجال جب ظاہر ہوگا تو اس کے سر پر تاج ہوگا؟ ان سب چیزوں کا پس منظر سمجھنے کے لیے ہم ''سماویات'' اور ''دجالیات'' دونوں سے مدد لیں گے۔ انجیل کی آخری کتاب ''یوحنا عارف کا مکاشفہ'' میں چند آیات ایسی ہیں جو تاج کے علاوہ ان عجیب الخلقت جانوروں کی حقیقت سے بھی پردہ اُٹھاتی ہیں، جنہوں نے اس شبیہ کو دونوں طرف سے تھام رکھا ہے، جن کے سر پر تاج دھرا ہے۔ اس کتاب کے شروع میں ہے:

''یسوع مسیح کا مکاشفہ جو اسے خدا کی طرف سے اس لیے ہوا کہ اپنے بندوں کو وہ باتیں دکھائے جن کا جلد ہونا ضروری ہے۔''

اس مکاشفہ میں سات فرشتوں کے تذکرے کے بعد شیطان کے بارے میں جو اللہ کے نیک بندے یوحنا عارف کو ''کشف'' کی حالت میں اژدھا جیسا نظر آتا ہے، کا تذکرہ ہے۔ شیطان کے تذکرے کے متصل بعد دجال کا تذکرہ ہے جو سمندر سے نکلتے حیوان کی شکل میں اس وقت کی نیک ہستی یوحنا عارف کو مکاشفہ کے دوران دکھایا گیا۔ یاد رہے کہ دجال کا مسکن سمندر میں ہے اور وہ ''نیم انسان، نیم حیوان، نیم جن'' قسم کی دوغلی مخلوق ہے۔ اب آگے چلتے ہیں۔ مکاشفہ میں ہے:

''اور میں نے ایک حیوان کو سمندر میں سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ اس کے دس سینگ اور سات سر تھے اور اس کے سینگوں پر دس تاج اور اس کے سروں پر کفر کے نام لکھے ہوئے تھے۔ اور جو حیوان میں نے دیکھا اس کی شکل تیندوے کی سی تھی اور پاؤں ریچھ کے سے اور منہ ببر کا سا۔ اور اس اژدھا نے اپنی قدرت اور اپنا تخت اور اپنا بڑا اختیار اسے دے دیا۔ اور میں نے اس کے سروں میں سے ایک پر گویا زخم کاری لگا ہوا دیکھا، مگر اس کا زخم کاری اچھا ہو گیا اور ساری دنیا تعجب کرتی ہوئی اس حیوان کے پیچھے پیچھے ہولی۔ اور چونکہ اس اژدھا

نے اپنا اختیار اس حیوان کو دے دیا تھا، اس لیے انہوں نے اژدھا کی پرستش کی اور اس حیوان کی بھی یہ کہہ کر پرستش کی کہ اس حیوان کی مانند کون ہے؟ کون اس سے لڑ سکتا ہے" .. بڑے بول بولنے اور کفر بکنے کے لیے اسے ایک منہ دیا گیا اور اسے بیالیس مہینے تک کام کرنے کا اختیار دیا گیا۔" [مکاشفہ: باب 13، آیت 2 تا 8، نیا عہد نامہ: ص 251]

ان آیات میں کئی باتیں غور کرنے کی ہیں۔ حیوان کے سر پر کفر کے نام (یعنی اقوام متحدہ، یورپی یونین، جی سکس، جی ایٹ یا مغربی ممالک کے "ناٹو" جیسے کسی اتحاد میں شامل ممالک کے نام) درج ہونا، اژدھا (یعنی ابلیس) کی طرف سے اپنا اختیار اس حیوان کو دینا، اس حیوان کی طرف سے اپنی اور اژدہا کی پرستش کروانا، کفر بکنے (یعنی جھوٹی خدائی کا دعویٰ کرنے کے لیے) کے لیے اس کو ایک منہ ملنا، [سر پر زخم کاری لگنے سے شاید اس کا ایک آنکھ سے محروم ہونا مراد ہے، واللہ اعلم بالصواب] اس کی شعبدہ بازیاں دیکھ کر لوگوں کا یہ کہہ کر اس کے پیچھے چل پڑنا کہ اس حیوان سے کون لڑ سکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ...... بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو "احادیث الفتن" اور ان کی عصری تطبیق سے شغف رکھنے والوں کے لیے فکر کے بہت سے دریچے کھولتی ہیں، لیکن ہم یہاں صرف اس حیوان کی شکل وصورت اور اس کے تاج پر توجہ دیں گے کیونکہ شیطان کی آلہ کار دجالی قوتوں نے اس پر غیر محسوس طریقے سے اتنی توجہ دی ہے کہ اس کی شبیہ بہت سی چیزوں پر شیطانی علامت کے طور پر دجال کی آمد سے پہلے اس کے لیے ذہن سازی کے حوالے سے موجود ہوتی ہے۔ اس علامت کی تشہیر میں سب سے زیادہ حصہ "برٹش کالج آف ہیرالڈری" (British College of Heraldry) کا ہے۔ یہ برطانیہ کا قومی ادارہ ہے جو سرکاری افسران اور ملازمین کے لیے وردیاں ڈیزائن کرتا ہے۔ اس نے اپنی گزشتہ کئی صدیوں کی تاریخ کے تناظر میں "رائل کوٹ آف آرمز" ڈیزائن کیا ہے۔ اس میں وہ شبیہ ہے جس کے سر پر تاج اور جس کے دائیں جانب گھوڑے کی شکل کا اور بائیں جانب شیر سے مشابہ جانور نظر آتا ہے۔

یہ شبیہ برطانوی افسران کی وردیوں، شاہی اداروں اور تعلیمی جامعات کے مونوگرام

سے ہوتی ہوئی مغربیت سے پیشوں اور شراب کی بوتلوں پر آن پہنچی اور یہاں ایک تمغے کا ان کی پہچان بن گئی۔ پھر اس تماثول "شبیہ" کے خلاصے کے طور پر "تاج" کو مختلف اداروں کے مونوگرام اور پیشوں کی مصنوعات کے ذریعے "رائل آرٹ"، "کنگ اسٹائل" اور "کراؤن ورائٹی" کا نام دے کر پھیلایا اور عام کیا گیا۔ حتیٰ کہ ہمارے ہاں کی بیکریوں، ہوٹلوں اور تعلیمی اداروں کو تو رہنے دیجیے، بعض مسلم ممالک کے اداروں جو نجی نہیں، سرکاری ہیں، کے مونوگرام پر بھی بغیر سوچے سمجھے "سنہرا تاج" نقش کرنا شروع کر دیا گیا۔ مثلاً: راقم کے سامنے اس وقت ایک برادر اسلامی ملک کے "محکمہ امن عام" کا مونوگرام موجود ہے۔ اس کے بیچ میں آنکھ کی شبیہ اور اس شبیہ کے عین اوپر سنہرا تاج ہے۔ یہ نقش اس ادارے کی گاڑیوں پر بھی ثبت ہے اور حج و عمرہ کے زائرین اسے عام ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں بادشاہی نظام ہے۔ یہ تاج بادشاہت کی علامت ہے، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس اسلامی مملکت کے بادشاہ تو تاج پہنتے ہی نہیں، اور حرمین کے تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سنہرا تاج (جو ظاہر ہے سونے کا ہے اور سونا مرد کے لیے ممنوع ہے) پہننے کی اجازت ہی نہیں دی، تو اسے سرکاری مونوگرام میں لگانا غفلت کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ غفلت تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ اس پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ توجہ دلائے جانے کے بعد غلطی پر اصرار اچھی بات نہیں۔ چلیں مان لیا کہ اس برادر ملک میں بادشاہت کا نظام ہے اور تاج بادشاہت کی علامت ہے، لیکن پھر اس بات کا کیا جواب دیا جائے گا کہ اسی قابل احترام ملک کے ایک اور ادارے "الدفاع المدنی" (شہری دفاع) کے مونوگرام میں جزیرہ نمائے عرب کے وسط میں تکون ثبت ہے۔ اس تکون کی یہاں کیا مناسبت ہے؟ عرب بھائیوں کے میڈیکل اسٹوروں میں جن کا نام "صیدلیہ" ہوتا ہے، سانپ کی شبیہ لازمی نمونے کے طور پر موجود ہوتی ہے۔ سانپ کا دوا اور شفا کے شعبے سے کیا تعلق؟

بات "سنہرے تاج" کی ہو رہی تھی۔ کہیں کہیں تو اس کی فقط شبیہ ہوتی ہے۔ جیسے شیل، نائیکی اور واٹس کے لوگو میں، اس کو یقینی طور پر تاج کہنا مشکل ہے، لیکن کہیں کہیں واضح

طور پر ''تاج'' ہی ہوتا ہے، جو شیطان اکبر کی طرف سے عالمی بادشاہت کے لیے نامزد واحد امیدوار ''دجال اعظم'' کی بے بنیاد بادشاہت کے قیام کے لیے لوگوں کے ذہن ہموار کرنے ان میں دجال کی انسیت کا بیج بونے کے لیے قسما قسم شکلوں میں پھیلایا جاتا ہے۔ آپ نے بلیک واٹر کے مونوگرام کو غور سے دیکھا ہے۔ یہ چیتے کا پنجہ معلوم ہوتا ہے، لیکن درحقیقت اس پنجے کو تاج کی شکل دے کر بیضوی دائرے میں دکھایا گیا ہے۔ خصوصاً ان تجارتی یا تعلیمی اداروں میں جو ہوتے تو مشرق کے باسی اور زات کے جٹ ہیں، لیکن انہیں ''شاہی محل''، ''شاہی بیکری''، ''شاہی طعام گاہ'' غرض کہ ہر چیز کو ''رائل میڈ'' بنانے یا ''گولڈن کراؤن'' کے سائے تلے پنپتا ہوا دکھانے کا شوق ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں دیکھا دیکھی اور رواروی میں شاہوں کی یہ روایت فٹ پاتھیوں نے سجانی شروع کردی ہے۔ اس عاجز کو تلاش کرتے کرتے ایسے مغربی ادارے کا مونوگرام بھی ملا جو ''تھری ان ون'' کا نمونہ تھا۔ یعنی اس میں تاج کا ڈیزائن اس طرح بنایا گیا تھا کہ دائیں بائیں دو سینگ بن جائیں، بیچ میں دو سانپ ایک عصا سے چمٹے ہوئے ہوں۔ بتائیے ''برادری'' نے کوئی کسر چھوڑی ہے؟

غور کیا جائے تو تاج کی شبیہ ملکہ برطانیہ سے تو جڑتی ہے کہ اس کی شاہی کرسی میں تخت داؤدی جڑا ہوا ہے، عجیب الخلقت جانوروں کی حیوانی طاقت سے فائدہ اُٹھانے کا وہم برطانوی سرکار سے میل کھاتا ہے کہ اس نے خون آشام حیوانوں کی طرح پوری دنیا کے وسائل چوسے ہیں، لیکن ان دونوں چیزوں کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں فرعونی تاجوں کی جگہ رحمانی عماموں کو رواج دینا چاہیے۔ اپنے دل میں بھی، اپنے سر پر بھی اور اپنے معاشرے پر بھی۔ اس سے اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے، نبی علیہ السلام کی سنت زندہ ہوتی ہے اور شیطانی اثرات کا خاتمہ ہوتا ہے۔

اکلوتی آنکھ اور تکون

دوسری علامت۔اکلوتی آنکھ:

حدیث پاک کی سب سے مستند کتاب بخاری شریف میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہیں دجال کے بارے میں آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ دنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس نے اپنی قوم کو دجال کی آمد اور اس کے شر سے محفوظ رہنے کے حوالے سے خبردار نہ کیا ہو، لیکن میں تمہیں ایسی بات بتاتا ہوں جو اس سے پہلے کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی۔ وہ بات یہ ہے کہ دجال کی ایک آنکھ ہوگی اور اللہ کی ایک آنکھ نہیں۔''

(صحیح بخاری، کتاب الانبیاء: 1/ 47)

ایک آنکھ والا ہونا سخت عیب ہے، لیکن دجال اس قبیح عیب کے باوجود خدائی کا دعویٰ کرنے سے نہیں شرمائے گا۔ چونکہ جھوٹ اور فریب اس کی سرشت میں شامل ہے، اس لیے وہ اپنے خروج سے پہلے اپنے چیلوں کے ذریعے اکلوتی کانی آنکھ کو دو آنکھوں کے نشیلے حسن سے زیادہ حسین، دو آنکھوں کی طاقت سے زیادہ طاقت ور اور جڑواں آنکھوں کی بہ نسبت اکلوتی آنکھ کو زیادہ آبدار و تابدار باور کروانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس غرض کے لیے اکلوتی آنکھ کو دنیا بھر میں متعارف کروایا جا رہا ہے۔ کہیں اسے تیسری آنکھ (Third Eye) کا نام دیا جاتا ہے، کہیں سب کچھ دیکھنے والی آنکھ (All Seeing Eye) کا اور کہیں پس پردہ رہ کر گھورتے رہنے والی ''میسونک لارڈ کی آنکھ'' کا لقب دیا جاتا ہے، جو کمانڈ اور کنٹرول کی علامت ہے۔ طاقت اور بصیرت کا مرکز ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بدنما چیز طاقت، ذہانت اور ناقابل شکست قوت کی علامت بنادی جائے گی۔ بچوں کے کارٹون ہوں یا اخبار کے اشتہارات، کمپیوٹر کے گرافک ڈیزائن ہوں یا فلموں، گانوں کی سی ڈیز، رسالوں کے سرورق، ویڈیو گیمز

ہوں یا ٹی وی پروگرام، آپ کو یہ آنکھ متعلقہ یا غیر متعلقہ جگہوں پر بلکہ بغیر کسی تعلق اور مناسبت کے دکھائی دے گی۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مونوگرام میں تو ڈیزائنرز کو گویا اس کے علاوہ کوئی ڈیزائن سوجھتا ہی نہیں، ان کی مرغوب ترین آرائشی علامت یہی اکلوتی آنکھ ہے، اور کیوں نہ ہو کہ یہ کمپنیاں جس سرمایہ دار اور سرمایہ پرست قوم کے ہاتھ میں ہیں، اس کے نزدیک آنکھ کا یہ نشان ''اکلوتے الوہی مرکز'' کی علامت ہے، جو ایک نئے اور عالمی سیکولر نظام (Novus ordo Seclorum) کی چوٹی کی طاقت ہے، جو گمنام اور وحشت ناک دور افتادہ اور ویران سمندری جزیرے میں مقید ہے، لیکن اس کے متعلق ہمیں باور کروایا جا رہا ہے کہ وہ بلندی پر رہ کر چوکسی سے سب کی نگرانی کر رہی ہے۔ اس کی کراہیت اور نفرت کو ختم کرنے کے لیے مختلف بھونڈی حرکتیں کی جاتی ہیں۔ مثلاً: مختلف مقبول شخصیات، اداکار اور کئی ماڈلز کی ایسی تصویریں لی جاتی ہیں، جس میں ان کے بال ان کی ایک آنکھ کو چھپائے ہوئے ہوں اور زلفوں کے گھنے سائے سے بچ کر ابھرنے والی ایک آنکھ حسن کا استعارہ بنی ہوئی ہو۔ ہیئر اسٹائل کے غیر شرعی فیشنوں میں تو گویا محبوب کی زلفیں دراز ہوتے ہی اس کی ایک آنکھ غائب ہو جاتی ہے۔ کچھ مقبول عوام شخصیات کی تصاویر ایک طرف سے (ون سائیڈڈ) لے کر انہیں رسالوں کے سرورق پر چھاپا جاتا ہے۔ پرندوں اور حیوانات، مثلاً: امن کی آشا ''فاختہ'' یا جارحانہ طاقت کی علامت ''عقاب'' کی ایسی تصویر یا آرٹ ورک بنایا جاتا ہے، جس میں وہ ایک طرف دیکھ رہے ہوں اور ایک جانب سے ان کی صرف ایک آنکھ نظر آ رہی ہو۔ امریکا کے بیشتر سرکاری اداروں کے مونوگرام میں عقاب موجود ہوتا ہے اور چونکہ یہ عقاب ایک طرف دیکھ رہا ہوتا ہے، لہٰذا خود بخود یک چشم ہوتا ہے۔ کبوتر اور فاختہ کی ایسی شبیہیں تو شمار نہیں کی جاسکتیں جو ''تجریدی آرٹ'' کے نام پر بنائی جاتی ہیں اور ان میں صرف ایک آنکھ دکھائی جاتی ہے۔ یہ صرف آرٹس کونسلوں میں نہیں ہوتیں، بسوں، کوچوں اور ٹرکوں کے ''ٹرانسپورٹ آرٹ'' پر بھی بکثرت ہوتی ہیں۔ ٹی شرٹ، پی کیپ اور گلاسوں پیالوں میں بھی ایک آنکھ والا عقاب آپ کو بجا و بے جا ملے گا، جو دائیں یا بائیں طرف دیکھنے

کے باعث غیر محسوس طور پر یک چشم جارحانہ اور قہر انگیز حیوانی طاقت کا نشان ہے۔ بلیک واٹر کے مونوگرام کو دیکھیے۔ اس میں آنکھ سے کے اندر چھپنے کا پنجہ ہے۔ یہ اس شکل میں بنایا گیا ہے کہ وہ شیطانی تاج معلوم ہوتا ہے۔ گویا کہ خباثت در خباثت ہے۔ ''ویژن'' کا لفظ تو اتنی بری طرح استعمال ہوا ہے کہ اکثر و بیشتر اس کے ''( )'' میں آنکھ ضرور بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس مضمون کے شروع میں سونی ایریکسن کے مونوگرام کا ذکر ہوا۔ اس میں موجودہ آنکھ گلوب کی شکل کی ہے۔ اس پر پردہ رکھنے کے لیے اس کے بیچ میں سے ایک لہر گزاری گئی ہے، لیکن پاکستان میں پیٹرول اور گیس کی ایک نئی کمپنی لانچ ہوئی ہے جس کا مونوگرام ہی گول سبز دائرہ ہے۔ شیشے پر ابھرا ہوا گول سبز دائرہ۔ مستند روایات کے مطابق دجال کی ایک آنکھ سبز شیشے جیسی ہوگی۔ (مسند احمد بن حنبل: 183، 21 و مجمع الزوائد: 337\1، التاریخ الکبیر للامام البخاری: حدیث: 1615) اس شیشے میں روشنی جیسی چمک بھی ہوگی۔ کیونکہ دوسری حدیث میں اسے چمکتے ستارے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ ان ساری کارروائیوں کی بدولت انسان ایک آنکھ سے ہر طرح مانوس ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کو اگر اس امر میں مبالغہ محسوس ہو تو آپ نیٹ پر چلے جائیں اور ''شیطانی آنکھ'' یا ''اکلوتی آنکھ والے لوگو'' جیسا کوئی لفظ لکھ دیجیے۔ آپ کو اتنی بے شمار شبیہیں اور ایسے ایسے اداروں کے لوگو دیکھنے کو ملیں گے کہ آپ کو اس تحریر میں بیان کیے گئے انکشافی نکات مبالغے کے بجائے حقائق سے کم معلوم ہوں گے۔ کچھ مثالیں ہم چوتھی علامت ''تکونی آنکھ'' میں بھی دیں گے۔

یہ تو ایک پہلو ہوا۔ یعنی ''حقیقی آنکھ'' کی مختلف شکلوں کا۔ اب دوسرے پہلو کی طرف آتے ہیں۔ تشہیری ادارے مختلف اداروں اور ان کی مصنوعات کی تشہیر کے لیے گول یا بیضوی دائرے کو تزئین کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ آرٹسٹ اور آرٹ ماسٹر دائرہ یا نیم دائرہ کو تزئین کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جیومیٹریکل اشکال کی اس جمالیاتی خصوصیت کو کام میں لاتے ہوئے دجالی قوتیں اسے گمنام مقام میں پوشیدہ ماورائی طاقت اور ''تباہی کے دیوتا'' کی نمایاں ترین علامت کی شبیہ کے لیے استعمال کر رہی ہیں۔ آپ اپنے گرد و پیش پر نظر رکھیں تو

آپ نوٹ کریں گے کہ یہ علامت اخبار، چینلز، اشتہارات، سائن بورڈز، لوگو، مونوگرام وغیرہ میں اس کثرت سے ہے گویا دنیا کو ''ایک آنکھ والے دیوتا'' کی نگرانی کا بھرپور تاثر دیا جا رہا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ تاثر باطل ہے۔ اللہ رب العالمین کے سوا کوئی نہیں جو ہر جگہ موجود ہو۔ ہر جاندار اور بے جان کا نگران ہو۔ ہر ادنیٰ یا اعلیٰ مخلوق کا رازق و مہربان ہو۔ اکلوتی آنکھ والے جھوٹے دعوے دار کی یہ اوقات نہیں کہ وہ ساری دنیا کو اپنی نگرانی میں لے سکے۔ اس کے سیٹلائٹ، اس کے خفیہ کیمرے، اس کے لیے جاسوسی کرنے والے ''حساس'' یا ''حساس ادارے''، معلومات فراہم کرنے کا ذریعہ بننے والے ''نادر'' اور ''غیر نادر'' ادارے سب دھرے رہ جائیں گے اور حاکمیت اعلیٰ ایک وحدہٗ لاشریک کی ہوگی جس کی ناقابلِ شکست خدائی ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔

تیسری علامت — تکون:

ریاضی اور جیومیٹری میں مثلث کی بحث میں ''معلوم زاویوں اور ضلعوں'' سے ''نامعلوم زاویوں اور ضلعوں'' تک رسائی بڑی دلچسپ مشق سمجھی جاتی ہے۔ انجینئرز اور کاریگروں کے زیر استعمال ''پرکار اور گنیا'' دو ایسے اوزار ہیں جو پیمائش ناپنے، درست زاویے قائم کرنے اور خطوط و دائروں کو مستقیم حالت میں رکھنے کے لیے سکہ بند آلات ہیں۔ مستری لوگ کہتے ہیں ''جو چیز گنیا میں ہے وہ درست ہے، بدگنیا چیز درست نہیں ہوسکتی۔'' ہیکل سلیمانی کے معمار تعمیر کے وقت انہی اوزاروں کو ستون کھڑا کرنے اور ان ستونوں پر محرابوں اور چھتوں کا وزن تقسیم کرنے کے لیے مثلث کے قوانین سے کام لیتے تھے۔ ہیکل کی تعمیر میں انسانوں کے ساتھ جنات نے بھی حصہ لیا تھا۔ اس تعمیر کی نگرانی اللہ کے سچے نبی سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان و جنات کو ان کے تابع کر دیا تھا۔ ایک قول کے مطابق دجال اس دور کی پیداوار ہے۔ اس کی ماں ''جنیہ'' تھی۔ یعنی جنات کی نسل سے ایک مؤنث فرد۔ آپ آں محترمہ کو بھوتنی یا چڑیل بھی کہہ سکتے ہیں جو اس کے باپ پہ عاشق ہوگئی۔ [ملاحظہ ہو: برزنجی، علامہ محمد رسول، الاشاعۃ لأشراط الساعۃ،

ص 217:" كانت أمه جنية، فعشقت أباه، فأولدت له شقا. " اہل علم توجہ فرمائیں کہ عشق نامراد کے بعد نکاح بامراد کا تذکرہ نہیں ہے۔ فعشقت اور فولدت میں بیچ کی کڑی غائب ہے۔ عشق مجازی اپنی جنس سے ہو تو بھی تباہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ خلاف جنس سے ہو تو کیا کچھ نہ کرے گا؟ خاک کا آتش سے جوڑ ہی کیا ہے؟ ایک بجھی جاتی ہے، دوسری بڑھکوں پر بڑھکیں مارے تو بھی چین نہ آئے۔ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ نکاح کے جواز کے لیے فریقین کا ایک ہی نوع سے ہونا شرط ہے۔ خلاف جنس ونوع سے نکاح نہیں ہوتا۔ مثلاً: انسان اور جنات دو الگ الگ مخلوقات ہیں اور خشکی میں بسنے والا انسان اور پانی میں رہنے والا انسان یا جل پری دو الگ الگ نوع ہیں۔ ان کا باہمی نکاح جائز نہیں۔ (دیکھیے: شامیہ المعروف ردالمحتار: ج 3، ص 3) جب جناتی عاشقہ نے اپنی خفیہ طاقت کے بل بوتے پر انسانی معشوق کو رام کرلیا تو خاک وآگ کے اس ناجائز امتزاج سے "احرم الحرام"، "شرالشرور" اور "افتن الفتن" یعنی جناب دجال اکبر نمودار ہوئے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ حضرت آدم وحضرت نوح علیہ السلام کے درمیانی عرصے کی پیداوار ہے۔ اس لیے کہ بخاری شریف کی روایت ہے" أنذره نوح والنبيون من بعده" (باب حجة الوداع، رقم الحديث: ٤٤٠٢) جس چیز سے نوح علیہ السلام اور بعد کے انبیاء علیہم السلام ڈراتے رہے، اس چیز کو ان کے دور میں موجود ہونا چاہیے۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے:" مابين خلق آدم إلى قيام الساعة خلق أكبر من الدجال." (صحيح مسلم، باب قصة الجساسة، رقم الحديث: ٢٩٤٠) "حضرت آدم کی پیدائش سے لے کر قیامت تک کے درمیان دجال سے بڑی مخلوق نہیں۔" توجہ رہے کہ اس روایت میں دجال سے بڑا فتنہ کوئی نہیں، کے بجائے دجال سے بڑی یعنی لمبی عمر کی کوئی اور مخلوق نہیں، کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

جادو پر تحقیق کرنے والوں کا کہنا ہے کہ اگر جائز روحانی عملیات میں ناجائز سفلی عملیات کو خلط کردیا جائے تو "طلسم" وجود میں آجاتا ہے۔ یعنی خیر وشر کا ایسا گھماؤ جھر لو جس

کی کوئی توجیہ نہ کی جاسکے۔ جیسا کہ سامری جادوگر نے حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں تلے سے مٹی لے کر بچھڑے کے بت میں پھینک دی تو طلسمی نمونہ وجود میں آگیا تھا۔ سونے کا بے جان بچھڑا لیکن آواز دیتا تھا جاندار سے زیادہ زوردار۔ عام لوگ جب اس راز کو نہیں سمجھتے تو ضعیف الاعتقادی ان کو شرک اور توہم پرستی تک لے جاتی ہے۔ دجال جب انسان و جن، خاک و آتش کے ملاپ سے پیدا ہوا تو اس میں نیم انسانی اور نیم جناتی صلاحیتیں وجود میں آگئیں۔ اوپر سے غضب یہ کہ خبیث شیاطین اس کی مدد کرتے اور طرح طرح کے محیر العقول کام اس سے کروالیتے تھے۔ اس پر خلق خدا فتنے میں پڑنے لگی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے قید میں ڈال دیا۔ (حوالے کے لیے درج بالا ماخذ ملاحظہ ہو: "وَكَانَتِ الشَّيَاطِيْنُ تَعْمَلُ لَهُ الْعَجَائِبَ، فَحَبَسَهُ سُلَيْمَانُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَلَقَبُهُ الْمَسِيْحُ".) اب جب اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی تو فتنوں کے زور کے دور میں یہ فتنوں کا فتنہ نمودار ہوگا۔ اس کے مقید ہونے کے بعد شیاطین نے لوگوں کو یہ باور کرایا کہ اس کی ساری طاقت جادو میں مضمر تھی، بلکہ وہ یہاں تک چلے گئے کہ معاذ اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو انسانوں اور جنات سے کام لینے کی جو قدرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی تھی، وہ بھی خدانخواستہ جادوئی عملیات کے بل بوتے پر تھی۔ ان کے پروپیگنڈے کے مطابق ہیکل کے معمار اسی جادو کے بل بوتے پر اونچے اونچے ستونوں پر بڑی بڑی محرابیں بناتے تھے۔ بڑے بڑے چٹان نما پتھروں کو روئی کے گالوں یا پروں سے بھرے ہوئے تکیوں کی طرح اُٹھا کر بلندی تک لے جاتے اور ایک دوسرے کے اوپر جمادیتے تھے۔ جھوٹ کے اس پلندے کے مطابق مصر کے اہرام میں بڑے بڑے جناتی سائز کے پتھر اسی جادوئی تسخیر کے ذریعے ایک دوسرے پر رکھ کر تکون کی شکل میں مصنوعی پہاڑ کھڑے کرنے کے لیے استعمال کیے گئے۔ یہ سب شیاطین کا کفر ہے۔ اس کفر کے مطابق تکون، پرکار اور گنیا "آزاد جادوئی معماروں" کی ظاہری علامتیں ہیں اور ان کی باطنی قوتیں جادو کے وہ جنتر منتر، ٹونے ٹوٹکے، نقش و زائچے ہیں جو کسی قدیم نسخے میں درج

ہیں۔ یہ قدیم نسخے کہاں ہیں؟ کسی خزانے بھرے صندوق میں دفن ہیں یا متبرک اسرائیلی آثارِ قدیمہ کے ساتھ گم ہو چکے ہیں یا ''علم قبالہ'' (اس کا تلفظ ''کبالا'' بھی کیا جاتا ہے) کے ماہر یہودی سفلی عاملوں کے پاس محرف حالت میں سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ جتنے کالے جھوٹ اتنی لمبی زبانیں۔ بیسیوں تاویلات اور فرسودہ جوابات ہیں جو اس موقع پر یہود کے جھوٹ کے عادی علمائے سوء کرتے ہیں۔ جھوٹ کو سچ بنانے کے لیے جتنی بھونڈی تاویلیں ڈھونڈی جا سکتی ہیں، تقریباً سب ہی گھڑی گئی ہیں اور چونکہ جادوئی عملیات کا قدیم مجموعہ کسی کے پاس نہیں، نہ ہوگا، کیونکہ وہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس بھی تھا ہی نہیں، اس لیے کچھ ظاہری علامات پر گزارہ کرنے کے لیے انہیں جادوئی اثرات کا حامل قرار دے کر دنیا میں جا بجا پھیلایا جا رہا ہے۔ ان علامات میں ''مثلث'' یعنی تکون فہرست کے اوپر والے سرے پر آتی ہے۔ اس کے پیچھے چھپی ''دجالی سرّی'' روایات کو لوگ نہیں جانتے، اس لیے بیضوی آنکھ یا سہ ضلعی تکون ڈیزائنروں اور آرٹسٹوں کا پسندیدہ انتخاب ہے۔ آج کل آپ تکون کی ایک خاص شکل کو جا بجا دیکھیں گے۔ یہ تین تیر ہیں جو تکون کے تین ضلع کے طور پر ایک دوسرے کی دم کے پیچھے مثلث کی شکل میں گھوم رہے ہیں۔ کوئی ضروری نہیں کہ یہ ڈیزائن بنانے اور چھاپنے والے حضرات اس علامت کی مقصدیت سے آگاہ ہوں۔ ہمارا گمان یہی ہے کہ ان کی اکثریت تکونی ڈیزائن کو سوچے سمجھے بغیر بہت سی ایسی کمپنیوں یا اداروں کے مونوگرام میں بھی ڈال دیتے ہیں جن کا اس شیطانی سلسلے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ نہ وہ اس دجالی علامت کی ترویج سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں۔

آپ کو اس بیان میں مبالغہ یا شدتِ احساس نظر آئے تو جلدی میں کوئی فیصلہ نہ کیجیے۔ اپنے گرد اگرد غور کیجیے۔ موٹر وے پر تکون کے بیچ میں کیمرہ نصب ہوتا ہے اور نیچے لکھا ہوتا ہے: ''کیمرے کی آنکھ آپ کو دیکھ رہی ہے۔'' مجھے خدشہ ہے کہ مستقبل میں ''کیمرے کی آنکھ'' کی جگہ ''اکلوتی آنکھ'' لے لے گی۔ آپ کہہ سکتے ہیں کیمرے کی ایک ہی آنکھ ہوتی ہے، لیکن عرض ہے کہ وہ تو گول ہوتی ہے، تکون نہیں ہوتی۔ تکون میں مقید اکلوتی آنکھ جو

روشنیاں بھیجتی ہے۔ یہ مختلف امریکی اداروں کے مونوگرام میں بلا سبب نصب نہیں ہوئی۔ امریکا جیسے ترقی یافتہ ملک کے سرکاری اداروں کے مونوگرام میں کوئی چیز اتنے تکرار اور تسلسل سے بلا سبب تو نہیں ہو سکتی۔ یہ ہر دو اشکال میں مقید ایک آنکھ والے دیوتا کا علامتی استعارہ بھی تو ہو سکتی ہے۔ آپ کو اس بات پر یقین نہ آئے گا، لیکن ہم آپ کو یہ نہیں کہیں گے کہ یہودی فلم ساز کمپنیوں نے اسے کانوں اور فلموں کے ٹائٹل پر نصب کرنے سے لے کر اہرام کی شکل میں تعمیر کردہ عمارات کی شکل میں ایک مہم کی طرح پھیلایا ہے۔ یہ عمارات امریکا و یورپ میں بھی ہیں، دبئی میں "وافی شاپنگ مال" کی شکل میں بھی، اور عرض کرنے کی اجازت ہو تو بتائے دیتے ہیں کہ پاکستان میں بھی بننی شروع ہوگئی ہیں۔ آپ ہم سے اس کا ثبوت طلب کریں گے۔ آپ کو حق ہے کہ ضرور طلب کریں، لیکن آپ ایسی چیز کا ثبوت اس عاجز سے طلب کر کے کیا لطف اٹھا سکتے ہیں جو جا بجا اپنا ثبوت آپ کو خود دیتی اور اپنا آپ منواتی ہے۔ یہ تحریر جس دن لکھی، شام کو احسن آباد کے سائٹ ایریا کی طرف چہل قدمی کے لیے نکلے تو "بینک الحبیب" کے ساتھ ہی تکونی عمارت کا جدید ترین ڈیزائن ہماری توجہ اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اگلے دن پی آئی ڈی سی کے پاس سلطان آباد کے پل کی کمر پر پہنچے تو سامنے ایک عمارت کی چوٹی پر تکونی اہرام سب سے اوپر تعمیر کیا گیا نظر آرہا تھا۔ خیر! آپ ان سب چیزوں کو تسلیم نہ کرنے کا حق رکھتے ہیں، لیکن ہم آپ سے زبردستی اپنی بات منوانا نہیں چاہتے۔ ہم اس کے ثبوت میں کئی درجن سے زیادہ تکونی آنکھ والی ان تصاویر کا حوالہ بھی نہیں دیں گے جو امریکا و یورپ میں مقیم مسلمانوں نے جمع کی ہیں اور میرے لیپ ٹاپ میں اس وقت موجود ہیں۔ ہم شیطان کے پوجا گھروں سے لے کر ویٹی کن سٹی میں بیٹھے صلیب کے محافظ پوپ صاحب کی نشست گاہ کی پشتی دیوار پر نصب اسی علامت کے پیچھے چھپے راز پر بھی اصرار نہیں کریں گے۔ ہم آپ سے یہ بھی نہیں کہیں گے کہ آپ نیٹ پر جائیں اور پھر "شیطانی مثلث" (Satanic TryEngle) کا لفظ لکھ دیں، آپ کو جواب میں خود مغرب کے غیر مسلم افراد کی جمع کردہ جو معلومات ملیں گی اس میں یہ شیطانی مثلث

سیکڑوں مختلف شکلوں میں دکھائی دے گی۔ ہم آپ سے یہ بھی نہیں کہتے کہ ڈرائنگ روموں کے فرش پر بچھے قالین سے لے کر بیڈ روموں میں بچھی چادروں اور تکیوں تک، آرائشی اشیاء میں یہ مثلث کیوں پائی جاتی ہے؟ میں آپ سے یہ سب شواہد و قرائن ماننے کو نہیں کہتا۔ میری آپ سے فقط اتنی درخواست ہوگی یہ مضمون مکمل ہونے تک ہمارے ساتھ چلتے رہیے۔ ہم کج بحثی سے بچتے ہوئے تحقیق و مشاہدے کے ذریعے حقیقت تک رسائی کی کوشش مل جل کر کرتے ہیں۔ اور اس غرض کے لیے دجال کی نمائندہ قوم یہود کے نزدیک "مثلث" کی حیثیت پہچاننے سے اچھا نکتۂ آغاز اور کیا ہوگا؟ تو آیئے! اسی سے بسم اللہ کرتے ہیں۔

مثلث کا راز

یہودی روایات اور رسوم و رواج کو دیکھا جائے تو ''مثلث'' کا ایک خاص مفہوم و مطلب ہے۔ اس کے تین کونے تین زبردست صفات کی ترجمانی کرتے ہیں جو ظاہر ہے کہ جھوٹی ہیں، لیکن جھوٹ کو سچ کرنا ہی تو فتنۂ دجالیت کی اصل بنیاد اور خصوصیت ہے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں: (1) خود مختاری۔ (2) طاقت۔ (3) ذہانت۔ یہودی شارحین اس کی تشریح اپنے مخصوص انداز میں کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''فطرت میں موجود تمام اشیا'' خدائی صفت خود مختاری'' کا نتیجہ ہیں اور یہی وہ قانون قدرت ہے جو تمام چیزوں کو'' وجود کا جواز'' فراہم کرتا ہے۔ پھر ہر چیز کے پاس'' طاقت اور دانش'' کا ایک درجہ آجاتا ہے جو ارتقائی ترقی کو ممکن بناتا ہے۔ بالآخر صفت ذہانت کے تحت اس کو حتمی شکل مل جاتی ہے۔ جس طرح جسمانی دنیا میں ایسا ہوتا ہے، بالکل ویسے ہی کائنات میں بھی ہر مخلوق چیز کے یہی تین انتسابات ہوتے ہیں۔ تمام مذاہب میں مختلف ناموں سے ان تین انتسابات کا حوالہ ملتا ہے: (1) عیسائیت میں باپ بیٹا اور روح القدس۔ (2) مصری روایات میں اوسارس، آئسیس اور ہورس۔ (3) ہندومت میں برہما، وشنو اور شیواجی۔ (4) ہرمز، مترا اور اہرمن فارسی روایات میں۔ (5) بدھا، سنگھا اور دھرما بدھ مت میں۔ (6) زیوس، ایتھنز اور اپولو یونانی مذہبیات میں۔

''اہرام صرف ایک مثلث نہیں ہے، بلکہ یہ مربع بھی ہے کیونکہ اس کی چار اطراف ہیں۔ 7=4+3۔ سات کے عدد کو ایسوٹیریسزم (وہ نظام جس میں ایک ''مخصوص گروہ'' کو ''مخصوص علم'' کے قابل سمجھا گیا ہو) میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے، کیونکہ وہ ''شعور و معرفت کے سات مراحل'' کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو پہلے خدائی شعور آزادی

وخودمختاری کے ساتھ مل کر ایک خاص ترتیب سے دوبارہ ایک ساتھ آتے ہیں۔ اس خدائی شعور آزادی وخودمختاری کو بندومت میں آتمان کا نام دیا گیا ہے۔''

آپ نے اقتباس ملاحظہ کیا۔ اس میں جا بجا ابہام اور اجنبیت ونامانوسیت ہے۔ اس میں استعمال شدہ گاڑھی اصطلاحات ذومعنی ہیں۔ اس پر مستزاد وہ الفاظ ہیں جو انتہائی معنی خیز ہیں۔ مثلاً: ''خدائی صفت خودمختاری کا نتیجہ''، ''طاقت و دانش کا ایک درجہ''، ''شعور ومعرفت کے سات مراحل''، ''مخصوص گروہ کا مخصوص علم''...... یہ سب کچھ دراصل گورکھ دھندا ہے۔ دجال کے پیروکار صہیونی دماغوں اور روحانی یہودیوں کا ڈالا ہوا بکھیڑا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ تکون تین دجالی صفات کی نمائندہ علامت ہے: (1) اللہ رب العالمین کی حاکمیت سے آزادی وخودمختاری۔ (2) شیطانی اور جادوئی طاقت۔ (3) عیارانہ ومکارانہ خصلت۔ ان تینوں کی مدد سے جھوٹے خدا کی جھوٹی خدائی کا نقارہ بجایا جارہا ہے اور اس پر پردہ رکھنے کے لیے اسے کبھی ''مخصوص گروہ کو حاصل مخصوص علم'' کہا جاتا ہے اور کبھی دوسرے شرکیہ مذاہب سے اشتراک کا سہارا لے کر دھوکا دیا جاتا ہے۔

یہودیت اور یہودی روایات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ''مثلث کے بھید'' سے ایک اور طرح سے بھی پردہ اُٹھتا ہے۔ اللہ کے غضب کا شکار اور دجال سے مدد کی اُمیدوار اس قوم کے جاہلانہ فلسفے کے مطابق کائنات کی حقیقت ایک مثلث ہے۔ اس میں خدا کی ذات سب سے اوپر ہے، جبکہ نیچے ایک جانب ''تصورات'' کی اور دوسری طرف ''موجودات'' کی دنیا ہے۔ یہ مثلث کی ایک سادہ سی تشریح ہے جو واضح ہے اور سمجھ میں آتی ہے۔ اس میں اُلجھن یا پیچیدگی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس سیدھی مثلث کے اوپر اُلٹی مثلث رکھ دی جائے جیسا کہ اسرائیل کے جھنڈے میں ہے۔ اس سے چھ کونوں والا ستارہ بن جائے گا جس کے متعلق سب جانتے ہیں کہ یہودیوں کا خاص نشان ہے، لیکن یہ جاننے والے بہت کم ہیں کہ یہ نشان جن دو اجزا سے مل کر بنے ہیں، ان میں دوسرے مثلث سے کیا مراد ہے؟ دوسری مثلث جو پہلے ''مستقیم مثلث'' کے اوپر ''معکوس مثلث'' کی شکل میں ثبت ہے۔ اس کا

سب سے نچلا کنارہ دجال کو، دائیں طرف کا بائت اور بائیں طرف کا طاقت کو ظاہر کرتا ہے۔ گویا کہ اللہ کی حاکمیت کے مقابلے میں دجال کی حاکمیت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ان مثلثوں کے اوپر نیچے دو نیلی پٹیاں ہیں۔

درج بالا تشریح کے تناظر میں اوپر کی نیلی پٹی آسمان کو ظاہر کرتی ہے جہاں اللہ رب العالمین موجود ہے اور نیچے کی پٹی سمندر کو جہاں کسی جگہ دجال ملعون پوشیدہ ہے۔ سچا خدا آسمان کی بلندیوں میں عرش عظیم پر اپنے جلال و جمال اور عزت و کبریائی کے ساتھ موجود ہے اور خدائی کا جھوٹا دعوے دار سمندر کی پنہائیوں میں کسی نامعلوم جزیرے کی اندھیریوں میں مقید ہے۔ اللہ پاک وحدہٗ لاشریک ہے، بے عیب اور بے نیاز ذات ہے، آسمانوں وزمینوں کا نور ہے، محبت وشفقت کا سرچشمہ ہے۔ انسانیت کو گمراہی کے اندھیروں سے ہدایت کی نورانی روشنیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ معاف کرتا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے۔ جبکہ خود کو اللہ تعالیٰ کی محبوب قوم کہنے والے بنی اسرائیل نے اپنے گناہوں کے سبب اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر جسے ''مسیحائے اعظم'' اور ''نجات دہندہ'' مانا ہے، وہ خسیس اور رذیل قسم کی ایک نیم وحشی مخلوق ہے، تمام عیبوں کا عیب بلکہ عیوب کی کھڈ ہے، اس کی ذات نفرت وضلالت کا منبع ہے، وہ انسانیت کو دجل وفریب اور دھوکا وفراڈ سے رحمت ومغفرت کی چھتری تلے سے نکال کر اندھیری تاریکیوں کی طرف، خوشحالی اور کامیابی سے محروم کر کے بربادی اور رسوائی کی طرف لے جانے کو اپنا مشن بنائے ہوئے ہے۔ اللہ رب العزت، ذوالجلال والاکرام ہے۔ خالق السمٰوات والارض ہے۔ حی وقیوم ہے۔ لایزال ولایموت ہے۔ اس کی سچی خدائی کے مقابلے میں سفلی زمینی مخلوق کی جھوٹی خدائی کے ذریعے اللہ کی کائنات اور اس کی مخلوق پر اپنا جابرانہ تسلط قائم کرنا یہ سیدھی مثلث پر الٹی مثلث کا ''بھید'' ہے۔ کبھی یہ مثلث اکیلی ہوتی ہے اور کبھی دوسری مثلث کے ساتھ۔ کبھی یہ سیدھی ہوگی اور کبھی الٹی۔ ہر صورت میں یہ شر کا راز اور بدی کا پیغام اپنے اندر چھپائے ہوئے ہوتی ہے۔

یہاں واضح رہے کہ یہودی شارحین دھوکا دینے کے لیے کہتے ہیں: ''تین کا عدد خدا کی طرف منسوب تین چیزوں کی ترجمانی کرتا ہے'' ...... لیکن ان کی تحریرات میں خدا سے مراد اللہ رب العالمین نہیں، ان کا جھوٹا مسیحا یعنی دجال اعظم ہے جسے وہ '' کائنات کا عظیم ترین معمار'' "Great Arcteet of Univers" کہتے ہیں۔ وہ معمار جو ہیکل سلیمانی کی تعمیر میں شریک تھا اور پھر اسے سلیمان بادشاہ (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) نے شیطانی حرکتوں کی بنا پر جزیرے میں قید کر دیا تھا۔ وہ اپنے اس جھوٹے مسیحا کو مختصراً ''G'' کے حرف سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ اگر نیویارک گئے ہوں (جسے جیویارک کہنا چاہیے) تو وہاں مجسمہ آزادی کے نیچے بنائی گئی پرکار، گنیا اور تکون ملاحظہ کیجیے اور پھر کسی تعلیم یافتہ امریکی سے پوچھ لیجیے گا کہ G کا حرف کس کی طرف اشارہ ہے؟ اس سے اگر God مراد ہے تو اسے ان دو اوزاروں سے بننے والی تکون کے بیچ میں کیوں لکھا گیا ہے؟ اللہ احکم الحاکمین کا پاک نام تو مجسمے کی چوٹی پر ہونا چاہیے جیسا کہ مسلمان اسے میناروں کی آخری بلندی پر عزت واحترام سے نصب کرتے ہیں۔ آپ لوگوں نے جو کہ "In God we Trust" کے دعوے دار ہوں، اور کوئی معزز جگہ نہیں ملی تو اسے اپنے نوٹ پر لکھ دیا جو دن میں ہزاروں ہاتھوں میں مسلا جاتا ہے۔ آپ لوگوں نے یہاں بھی ''G'' کی علامت کو مجسمہ کی جڑ میں مستریوں کے نام کے ساتھ لکھا ہے۔ آخر کیوں؟ اس کیوں کا جواب امریکن گریجویٹوں کے پاس نہیں۔ کیونکہ امریکن قوم نے اپنی سوچ و فکر ان کے پاس گروی رکھوا دی ہے جو اس کے اور پوری انسانیت کے دشمن ہیں۔ اسی آنکھ کے پجاریوں کے پاس جو انہیں اقتدار کی چوٹی سے گھور رہی ہے اور جس سے گندی اور حرام طاقت کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے ہم ایک اور مشہور دجالی علامت کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں جو کہ اوپر بیان کی گئی دوسری اور تیسری مشہور علامتوں (آنکھ اور تکون) کے ملاپ سے وجود میں آتی ہے۔

تکونی آنکھ

چوتھی علامت۔تکون میں مقید آنکھ:

آپ نے کبھی ایک ڈالر کے نوٹ کی پشت پر نظر ڈالی ہے؟ نہیں ڈالی تو یقین مانیے کہ وہاں ایسی شیطانی اور جادوئی علامت ہے جو اپنے تئیں آپ پر نظر ڈال رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے المسیح الدجال (مسیح کاذب) کی نشانی بتائی ہے کہ وہ ''یک چشم'' یعنی ایک آنکھ رکھنے والا ہوگا۔ ڈالر کی پشت پر اہرامی تکون کی بلندی پر مصنوعی روشنیوں کی فرضی کرنیں بکھیرتی آنکھ وہی اکلوتی آنکھ ہے جسے ''یہودی دجالی اصطلاحات'' اور ''میسونک ڈکشنری'' میں ''سب کچھ دیکھنے والی آنکھ'' (All Seeing Eye) کہا جاتا ہے۔ اس کو اہرام کی چوٹی پر نصب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ طاقت واقتدار کی بلندی پر فائز ہو کر چوکسی سے سب کی نگرانی کر رہی ہے۔ تکونی اہرام کی چوٹی پر نصب تیز شعاعیں خارج کرتی یہ پُراسرار آنکھ صرف امریکی کرنسی پر ہی نہیں، کچھ دیگر امریکی سرکاری اداروں کے مونوگرام میں بھی پائی جاتی ہے اور خوب وضاحت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ مثلاً: امریکا کا ایک سرکاری ادارہ ہے ''انفارمیشن ایورنس ڈپارٹمنٹ'' (Information Awereness Departement) اس کے مونوگرام میں گلوب دکھایا گیا ہے۔ گلوب کے ساتھ اہرام ہے اور اہرام کی چوٹی پر نصب ایک آنکھ ہے...... اکلوتی آنکھ...... جو پوری دنیا پر موہوم تکون سے حاصل کردہ حساس شعاعیں ڈال رہی ہے۔ اس طرح کا ڈیزائن متعدد امریکی اداروں کے ''لوگو'' میں پایا جاتا ہے۔ یہ محض اتفاق ہے یا کسی طے شدہ منصوبے کا حصہ......؟ اس کو جانچنے کے لیے ہمیں اس بات کی کھوج لگانی پڑے گی کہ یہ آنکھ ہے کیا؟ آئیے! ذرا یہودی شارحین کی تحریرات کو دیکھتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رکھیے کہ وہ اصل راز ظاہر نہیں کرتے،

بات سمجھا چکے ہیں۔ اب اور اس پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فلسفے یہودی قوم سے زائد یوں بیان کرتے ہیں:

''سیاست اس تمام طریقہ کار کی ایک چھوٹی اکائی ہے اور بادشاہ یا حکمران وہ اس اہرام کی چوٹی پر ہونا چاہیے جو (بادشاہ) ''آزادی وخودمختاری کا ترجمان'' ہے۔ وزراء اور اعیان حکومت، محبت اور دانش کے ترجمان (جو کہ اس حکمران کے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں مددگار ہوتے ہیں) اور عام آبادی جو کہ بادشاہ کی مرضی کے مطابق احکامات بجالاتی ہے، ایک قوم کی صورت اختیار کرتی ہے (اس سے تیسرے شعور کی طرف اشارہ ہے یعنی ذہانت جو کہ شکل بناتی ہے) یہ ''عاقلانہ فلسفے'' کے مطابق حکومت کی بہترین شکل ہے۔''

آپ نے اقتباس پڑھ لیا؟ اس میں کچھ مبہم اصطلاحات ہیں۔ ان کا آپ کیا مطلب سمجھے؟ خوب سمجھ لیجیے کہ ''آزادی وخودمختاری'' سے یہاں مراد اللہ رب العالمین کے قوانین سے آزادی اور بے لگام شہوت پرستانہ خودمختار زندگی ہے۔ بادشاہ سے مراد برطانیہ کی ملکۂ عظمیٰ یا اسرائیل کا وزیراعظم نہیں، دجال اکبر ہے، جو گلوبل ویلیج کا پریذیڈنٹ اور جدید فتنہ زدہ دنیا کا سربراہ اعظم بننے کے لیے بے تاب ہے۔ وزراء سے مراد دجال کی عالمی تنظیم ''فری میسن'' کے گرینڈ ماسٹر اور ڈپٹی ماسٹرز ہیں۔ عام آبادی جو بادشاہ کی مرضی کے مطابق کام بجا لاتی ہے، وہ ''جنٹائل'' اور ''گوئیم'' ہیں یعنی غیر یہودی آبادی جس کے متعلق 70 منتخب افراد پر مشتمل گرینڈ جیوری اور 12 منتخب سرداروں پر مشتمل سپر باڈی (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ کوہ طور پر لے جانے کے لیے ستر افراد منتخب کیے تھے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے بارہ سردار تھے جو نقیب کہلاتے تھے) فیصلہ کرے گی کہ ان میں سے کتنوں کو زمین پر رہنا چاہیے اور کتنے زمین کی کمر پر بوجھ ہیں جن کا صفایا کردینا ضروری ہے۔

تکون اور اس میں نصب آنکھ ڈالر کی شکل میں دنیا بھر میں گردش تو کر رہی تھی، اب مختلف شکلوں میں مناسب اور غیر مناسب، متعلق اور غیر متعلق انداز میں، نیون سائن، ہورڈنگ بورڈ، مونوگرام، لوگو وغیرہ میں نظر آنے لگی ہے۔ کمپیوٹر پروگرامز، فلم، تھیٹرز، ٹی وی

چینلز، موسیقی اور ڈراموں کے اسٹیج، اداکاروں کے لباس میں بھی یہ علامت کھدی ہوئی ملے گی۔ حد تو یہ ہے کہ پوپ صاحب کی نشست گاہ کی پشتی دیوار تک بھی اس دو آتشہ دجالی علامت (یعنی علامت در علامت...... تکون اور اس میں آنکھ) کی رسائی ہو چکی ہے اور وہاں بھی یہ آپ کو گھورتی، تاڑتی اور کچھ کہتی نظر آئے گی۔ مغرب میں تو شیطان کے ایسے چیلے بھی موجود ہیں جو ایسی منحوس علامات کو متبرک سمجھ کر اپنے جسم پر گودوا لیتے ہیں یا پھر مختلف مواقع پر انگلیوں سے یہ شکل بنا کر ''طاقت کے اس اکلوتے مرکز'' سے ''ماورائی طاقت'' حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جو خود تو سمندر کی اندھیریوں میں کہیں مقید ہے اور دوسروں کو روشنیوں سے منور اور طاقت سے بہرہ ور کرنے کا جھانسہ دیتا ہے۔ انگلیوں سے مثلث بنانے کے لیے یہ فتنہ زدہ لوگ دونوں انگوٹھوں اور شہادت کی انگلیوں کو خاص انداز میں جوڑتے ہیں۔ شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو جوڑ کر ہتھیلی کی پشت کو اپنی طرف کیا جائے تو بھی تکون وجود میں آجاتی ہے۔ اسے آپ اتفاق بھی کہہ سکتے ہیں کہ بے دھیانی میں انگلیوں سے کھیلتے ہوئے ایسی شکل بن گئی...... لیکن...... اس کا کیا کریں کہ وہ اس دستی تکون کو ایک آنکھ کے سامنے لا کر تصویر کھنچواتے ہیں۔ اس طرح آخری نتیجے کے طور پر فرضی تکون کی کھڑکی (window) میں سے حقیقی آنکھ جھانک رہی ہوتی ہے۔ کھڑکی کے لفظ سے آپ کے ذہن میں کوئی دریچہ تو نہیں کھلا؟ جی ہاں! ونڈوز کے معنی کھڑکی کے ہیں اور کمپیوٹر اسکرین کی کھڑکی سے دنیا بھر کو جھانک کر دیکھنے کا کام خود بل گیٹس کے مطابق اس لفظ کی اصل ''وجہ تسمیہ'' ہے۔

اہل اسلام پر لازم ہے کہ شرک و کفر اور جادو ٹونے کی اس شیطانی علامت کو مٹانے اور رحمانی علامات کو فروغ دینے کے لیے کام کریں۔ ہماری یہ مراد نہیں کہ ٹریفک کے نشانات میں تکون کا استعمال درست نہیں، نہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ سوئی گیس یا سی این جی گیس کا علامتی ڈیزائن تکون اور تکون کے بیچ میں جلتی آگ کی شکل میں نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بھی ہم نہیں کہتے کہ A کے حرف کو مختلف تکونی شکلیں دے کر جو مونوگرام بنائے جاتے ہیں، مثلاً:

وارد کا یا اسے آر دوائی کا مونوگرام، ان کو بالقصد دجالی تکون کی شکل دی گئی ہے۔ نہیں! ہم یہ نہیں کہتے۔ ہماری اس تحریر کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ احتمال کو بھی لازمی حقیقت مانا جائے۔ نہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ تکون کی طرح کی ہر شکل مثلاً: الائیڈ بینک کا نیا ڈیزائن اسی پس منظر کے تحت بنایا گیا ہے۔ نہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہر بیضوی تزئین مثلاً: یو بی ایل کا نیا لوگو، یا ہر گول شکل جیسے آج یا کیو ٹی وی کا مونوگرام، یہ بھی لازماً آنکھ ہی ہیں۔ ہمارا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہمارے ہاں ایک معروف آئل کمپنی کے لوگو میں A کی شکل کے اندر یک چشم عقاب قصداً بنایا گیا ہے۔ نہیں! دوسری جیومیٹریکل اشکال کی طرح یہ اشکال اور حروف بھی درست مقاصد کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں، لیکن ڈالر کی طرح تکون میں آنکھ نقش کرنا یا جیو موسیقی چینل کی طرح اس میں شعلے بھڑکا کر آگ کو سفلی خواہشات کے ابھارنے کا ذریعہ بنا کر دکھانے کی آخر کیا تک ہے؟ انسان کو متشدد نہیں ہونا چاہیے۔ اعتدال اچھی چیز ہے۔ لیکن تساہل یا متغافل ہونا بھی تو کوئی اچھی بات نہیں۔ آپ اگر وہم اور حقیقت میں فرق کرنے کے لیے انہیں کسوٹی پر پرکھنا چاہتے ہیں تو نیٹ پر جائیں اور ''شیطانی آنکھ'' (satenic eye) یا ''ابلیسی تکون'' (dole tryengle) لکھ دیں پھر تماشا دیکھیے کہ ہزاروں نہیں تو سیکڑوں شبیہیں آپ کے سامنے رقص کرتی ہیں یا نہیں؟

■

لہراتا سانپ اور آتشیں اژدھا

پانچویں علامت — سانپ اور اژدھا:

سانپ تمام جانوروں میں موذی، ایذا پسند اور خوفناک وزہرناک سمجھا جاتا ہے۔ جانور انسان سے وفاداری میں بے مثال ہیں لیکن یہ وہ جانور ہے جو ہر ذی روح کا کھلا دشمن ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ شیطان کے لیے جو بنی آدم کا کھلا دشمن ہے، اسی موذی جانور کی شبیہ پسند کی گئی ہے۔ تورات کی پہلی سورت ''پیدائش'' جس میں کائنات کی ابتدا اور اولین تخلیق کا ذکر ہے، اس کے شروع کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیے:

''اور سانپ کل دشتی جانوروں سے جن کو خداوند خدا نے بنایا تھا چالاک تھا اور اس نے عورت سے کہا: کیا واقعی خدا نے کہا ہے کہ باغ کے کسی درخت کا پھل تم نہ کھانا۔ عورت نے سانپ سے کہا کہ باغ کے درختوں کا پھل تو ہم کھاتے ہیں۔ پر جو درخت باغ کے بیچ میں ہے، اس کے پھل کی بابت خدا نے کہا ہے کہ تم نے تو اسے کھانا اور نہ چھونا ورنہ مر جاؤ گے۔ تب سانپ نے عورت سے کہا کہ تم ہرگز نہ مرو گے۔ بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن تم اسے کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی۔ اور تم خدا کی مانند نیک وبد کے جاننے والے بن جاؤ گے۔ عورت نے جو دیکھا کہ وہ درخت کھانے کے لیے اچھا اور آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتا ہے اور عقل بخشنے کے لیے خوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے شوہر کو بھی دیا اور اس نے کھایا۔ تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لیے لنگیاں بنائیں۔ اور انہوں نے خداوند کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا سنی اور آدم اور اس کی بیوی نے آپ کو خداوند خدا کے حضور سے باغ کے درختوں میں چھپایا۔ تب خداوند خدا نے آدم کو پکارا اور اس

سے کہا کہ تو کہاں ہے؟ اس نے کہا میں نے باغ میں تیری آواز سنی اور میں ڈرا کیونکہ میں ننگا تھا اور میں نے اپنے آپ کو چھپایا۔ اس نے کہا تجھے کس نے بتایا کہ تو ننگا ہے؟ کیا تو نے اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا؟ آدم نے کہا کہ جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے اس نے مجھے اس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا۔ تب خداوند خدا نے عورت سے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا؟ اور خداوند خدا نے سانپ سے کہا اس لیے کہ تو نے یہ کیا تو سب چوپایوں اور دشتی جانوروں میں ملعون ٹھہرا۔ تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور اپنی عمر بھر خاک چاٹے گا۔ اور میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا۔ وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تو اس کی ایڑی پر کاٹے گا۔"

[پیدائش: باب 3، آیت: 1 تا 16]

اس مفہوم کی روایات مفسرین نے بھی نقل کی ہیں جو مشہور تفاسیر میں موجود ہیں۔ مثلاً دیکھیے: تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۱۸، تفسیر طبری: ۱/۳۳۶، تفسیر کشاف: ۱/۱۲۸ وغیرہ۔

قرآن مجید میں ذکر ہے فرعون کے دربار میں جب جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں منتر پڑھ کر زمین پر ڈالیں تو وہ سانپ کی شکل میں بدل گئیں اور ایسا لگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف تیزی سے دوڑ رہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے جادو کی دنیا میں سانپ کی خاص علامتی اہمیت ہے اور یہ سفلی طاقت اور شیطانی قوت کی نمائندہ شبیہ ہے۔ دنیا کی تقریباً تمام قابل ذکر زبانوں کے محاروں اور استعاروں میں سانپ بدی اور تکلیف کا دوسرا نام مانا جاتا ہے۔ ماہرین تعبیر کے نزدیک خواب میں سانپ نظر آنا بہت بری علامت سمجھا جاتا ہے۔ غرضیکہ سانپ یا اس کی شبیہ شر ہی شر ہے۔ یہ شیطان کی فطری دشمنی اور زہریلی طاقت کا استعارہ ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود اس کی نامانوس اور وحشت ناک شکل کو جسے نفرت، کراہت اور لعنت کی علامت سمجھا جاتا ہے، ان اداروں کی مانوس علامت بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو انسانیت کے خادم اور محسن سمجھے جاتے ہیں۔ صحت اور

محکمہ ہائے صحت سے سانپ جیسی موذی مخلوق کا کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ لیکن عالمی ادارہ صحت سے لے کر میڈیکل اسٹور، لیبارٹریز اور شعبۂ صحت سے متعلقہ اداروں تک آپ کو یہ جو... کنڈلی مارے، جسم لہراتے، بل کھاتے یا پھن اٹھائے نظر آ رہا ہوگا۔ سوچیے تو سہی مسیحائی کا مرہم بانٹنے اور بیماری کا تریاق تقسیم کرنے والوں سے اس موذی مخلوق اور کریہ الفطرت شبیہ کا کیا واسطہ ہوسکتا ہے؟ لیکن دجل اسی کو تو کہتے ہیں کہ کھلا دشمن، محسن و مشفق ہمدرد کے روپ میں پیش کیا جائے۔ تاکہ لوگ اس سے نفرت نہ کریں، اس سے مانوس ہوجائیں۔ انہیں اس سے گھن نہ آئے، انسیت محسوس کرنے لگیں۔ سانپ کی طرح بل کھاتی لہریں جو رسیوں کی شکل میں ہوتی ہیں، بھی جادو اور شیطان سے منسوب علامت ہیں، جیسے کہ پچھلی کے لوگو میں دکھائی گئی ہیں۔ شیطان کی یہی شکل فائٹرز، ریسلرز اور ہیروز کے لباس پر اژدھا کی شکل میں پیش کی جارہی ہے اور قوت وطاقت کا سمبل مانی جاتی ہے۔ انگریزی حرف A کو جس طرح تکون کے ڈیزائن میں اور e، o یا Q کو آنکھ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اس طرح S کے حرف کو بآسانی سانپ کی علامتی شکل بنالیا جاتا ہے۔ اس S کے سرے پر ایک نقطہ بھی لگادیں تو یہ بالکل تیار سانپ ہے جیسا کہ ''سپر'' نام کے چینلز یا سپر اسٹور کی پیشانی پر بآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ جس دن اس عاجز نے یہ تحریر لکھی اس کے اگلے روز ایک سی این جی اسٹیشن پر گاڑی رکی تو سامنے اسٹور کی پیشانی پر ''سپر مارٹ'' لکھا ہوا تھا اور سپر کی شکل میں سانپ اپنے سر پر موجود زہریلے نقطے کے ساتھ لہرا رہا تھا۔ واپسی میں سڑک کی دوسری جانب سی این جی اسٹیشن پر نظر پڑی تو اس پر سی این جی کے نام کا مخفف ''S'' کی شکل میں جابجا سجا ہوا تھا۔ ایس کو خوبصورت شکل دینے کے لیے جو ڈیزائننگ کی گئی تھی اس میں اور سانپ میں بس زہر کی پوٹلی کا فرق تھا اور کوئی کسر نہ تھی۔ کیونکہ ایس کے شروع میں لگا ہوا نکتہ ایک نقطے والے سنپولیے سانپ کی ہو بہو نقالی کررہا تھا۔ سانپ دوسری دجالی علامتوں میں سے اس اعتبار سے چھوٹے سی چیز ہے کہ بعض جاہل اور توہم پرست فرقے اژدھا میں خدائی قوتوں کی کارفرمائی تسلیم کرکے اس کی پوجا شروع کردیتے ہیں۔ یعنی اسے دیوتاؤں کا اوتار سمجھتے

ہیں۔ درحقیقت شیطان ان سے اپنی عبادت کروا رہا ہوتا ہے۔ جیسا کہ کچھ بدنصیب سورج کی پوجا کرتے ہیں، تو شیطان سورج کے سامنے اس طرح کھڑا ہو جاتا ہے کہ سورج اس کے دو سینگوں کے بیچ میں آجاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی انا کی تسکین کر لیتا ہے کہ میرے ورغلانے پر جو بنی آدم سورج کی یا کسی اور چیز کی پوجا کر رہے ہیں، وہ گویا کہ میری پوجا کر رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے دشمنی کا عہد بھی پورا ہو جاتا ہے اور اس کی جھوٹی انانیت کو تسلی بھی مل جاتی ہے۔ پس ابن آدم کو زیب نہیں دیتا کہ اپنے آبائی دشمن کی شبیہیں سجاتا پھرے یا اس کے شیطانی اثرات والی شکلوں کو آویزاں کر کے دشمن کی خوشی میں اضافے کا باعث بنے۔

■

جادو کے اوزار

چھٹی علامت-کھوپڑی اور ہڈیاں:

جولوگ جادو جیسا گندا کام کرتے ہیں ان کے پاس جنتر منتر کا جو [illegible] وقت مردے کی کھوپڑی یا ہڈیاں ضرور موجود ہوتی ہیں۔ عرف عام میں جب دو ہڈیاں [illegible] بنا کر ان کے بیچ میں کھوپڑی ثبت کی جائے تو یہ خوف وخطرے کی علامت سمجھی جاتی ہے، لیکن مزیدار سوال یہ ہے کہ دہشت اور شیطنت کی یہ علامت بچوں کی ٹوپیوں، نوجوانوں کی شرٹوں یا چائے کی پیالیوں پر کیوں چسپاں کی جاتی ہے؟ جو چیز سالہا سال سے مخفی علوم اور جادو ٹونے کرنے والوں کی ناپاک خلوت گاہوں کے ساتھ مخصوص تھی، وہ آج بستہ [illegible] اور سینے پر کیوں سجائے جانے لگی ہے؟ جادو، خطرناک قسم کے شرکیہ ٹوٹکوں اور ایمان سلب کر لینے والے عملیات کے ساتھ مخصوص یہ علامت اپنے پیچھے مخصوص جادوئی اثرات چھوڑ جاتی ہے۔ سب سے برا اثر ذہنوں کا مسخ ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العالمین کی رحمت سے محروم ہو جانا اور دجال کے فتنے میں مبتلا ہو کر دنیا پرست، مادہ پرست اور مفاد پرست بن جانا ہے۔ کرۂ ارض کے باشندے ان علامتوں کی جادوئی تاثیر کے سبب درج بالا روحانی امراض میں مبتلا ہوتے جارہے ہیں اور انہیں نہیں معلوم کہ ان میں یا ان کی معصوم اولاد میں ان باطنی بیماریوں کے جراثیم کی نمو کا سبب کیا ہے اور اس کا علاج کیسے ہو سکتا ہے؟ مردے کی کھوپڑی اور ہڈیوں (اسکل اینڈ بونز) کے ساتھ ایک عدد بھی آپ لکھا ہوا دیکھیں گے 322۔ یہ پر اسرار عدد شیطانی اثرات کا حامل اور 666 کے بعد سب سے بڑا شیطانی عدد ہے۔ کھوپڑی اور ہڈیاں اس ہندسے کے ساتھ مل کر ایسا جادوئی نقش تشکیل دیتی ہیں جو گندے اور ناپاک اثرات کا حامل ہے۔ انسان کا خالق و مالک اللہ رب العزت ہے۔ خیر اور شر [illegible]

اسی کے ہاتھ میں ہے۔ نیکی اور بدی کی تمام قوتیں اس کے قبضہ قدرت میں اور اس کے امر کے ماتحت و تابع ہیں۔ علمائے اسلام نے فرمایا ہے کہ اللہ رب العزت سے خیر اور مدد طلب کرنے والی یا بدی اور شر سے محفوظ رہنے کی دعا پر مشتمل مقدس آیات و کلمات کو چند شرائط کے ساتھ بطور تعویذ یا برکت ساتھ رکھنا درست ہے۔ مبارک آیات اور مسنون کلمات اور ماثورہ دعاؤں کو چھوڑ کر جادو کی شبیہ سر یا سینے پر سجالینا یا کھانے پینے کے برتنوں پر نقش کر لینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ (۱) انہیں مؤثر بالذات نہ سمجھے۔ مؤثر حقیقی صرف اللہ رب العالمین ہے۔ (۲) درج شدہ کلمات معلوم المعنی اور صحیح المعنی ہوں۔ اجنبی زبانوں کے غیر معلوم المعنی الفاظ یا شرکیہ کلمات نہ ہوں جن میں غیر اللہ سے مدد مانگی گئی ہو۔ (۳) جائز مقصد کے لیے ہی تعویذ کیا جائے۔ ناجائز کام کے لیے نہیں۔ اب یہ ہماری ناواقفیت ہے کہ متبرک کلمات سے استفادہ کرتے ہوئے ان شرائط کا خیال نہیں رکھتے اور دشمن کے طریق کار سے واقفیت نہیں ہوتی تو ایسے نقوش یا خاکوں کی اشاعت کا واسطہ بن جاتے ہیں جن میں رحمانی نہیں، شیطانی اثرات ہوتے ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ اہل حق علمائے دین سے ربط رکھا جائے۔ زندگی کے اہم کام ان سے پوچھ پوچھ کر کیے جائیں۔ دکھ سکھ میں ان سے راہنمائی لی جائے۔ ان کے حلقے سے جڑ کر، ان کی اصلاحی تربیت سے فائدہ اٹھا کر اپنا عقیدہ اور عمل درست کیا جائے۔ تاکہ جب دنیا سے جانے کا وقت آئے تو ایمان کی قیمتی پونجی سلامت ہو۔ اسے کوئی لٹیرا لوٹ کر نہ لے گیا ہو۔

■

جادوئی نشانات

ساتویں علامت۔ بکرے کے سینگ، اُلو کے کان:

بکرے یا بیل کے دو سینگ یا اُلو کے کان بھی جادوئی نشانات میں سے ہیں۔ آج تک یہ جنات کے ساتھ مخصوص تھے یا ڈراؤنی مخلوقات، دیو، بھوت وغیرہ کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ اب یہی ڈراؤنی چیز اتنی ماڈرن ہوگئی ہے کہ صدر امریکا بھی طاقت واقتدار کے اظہار کے لیے یا عوام کے پُرجوش استقبالیہ نعروں کا جواب دینے کے لیے ہاتھ بلا کر جواب دینا چاہے تو بیچ کی دو انگلیاں انگوٹھے سے بند کر کے کنارے کی دو انگلیاں (شہادت کی انگلی اور چھنگلیا) کھڑی کر لیتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں وکٹری سے ملتی جلتی کوئی شکل یا وکٹری کا ایڈوانس ڈیزائن بنایا ہے۔ درحقیقت وہ شیطان کی جے بول رہا ہوتا ہے اور اپنی شہرت، عزت اور منزلت کو شیطان کی عطا سمجھ کر اس کے شکریے کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔ مسلمان کلمے کی انگلی بلند کر کے ایک عظیم اللہ کی وحدانیت کا اقرار واظہار کرتے ہیں۔ نماز میں بھی اور عام زندگی میں بھی۔ ہر نمازی دن میں کم از کم گیارہ مرتبہ تشہد کے دوران انگلی سے توحید کا اشارہ کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''یہ انگلی شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت اور بھاری ہوتی ہے۔'' (مسند احمد، بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ: ۲/۱۹۸) جبکہ شیطان کے پجاری اللہ کے مقابلے میں جھوٹے خدا کے پرچار کے لیے دو انگلیوں سے شیطان کے سینگ کی طرف اشارہ کر کے اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے تھے، اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''فتنہ وہاں

سے ہوگا جہاں سے "شیطان کا سینگ" نکلے گا۔" (بخاری شریف، باب ما جاء فی بیوت أزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث ۳۱۰۴)

حدیث شریف میں سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے: "فَإِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ، وَتَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ" کہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ یعنی طلوع اور غروب کے وقت سورج کی طرف پشت اور کرۂ ارض کی طرف منہ کرکے اس طرح کھڑا ہوتا ہے کہ سورج کی ٹکیہ اس کے سینگوں کے بیچ میں آجائے۔ سورج کے پجاری جب "سن گاڈ" سے منتیں مانتے اور مرادیں مانگتے ہیں تو شیطان کو دل بہلانے کا موقع مل جاتا ہے کہ چلو مجھے کچھ وہمیوں نے بڑا مان لیا، کہ بلاواسطہ نہ سہی تو بالواسطہ میری عبادت کر رہے ہیں۔ اگرچہ شیطان کی بلاواسطہ عبادت کرنے والے بھی اس فتنہ زدہ دور میں کم نہیں، زمانہ قدیم کے جاہلی دور سے کچھ زیادہ ہی ہیں۔ اس کو یہ عاجز انشاء اللہ ایک مستقل مضمون میں بیان کرے گا، لیکن شیطان جیسے خودفریب کی جھوٹی انا کی تسکین کے لیے بالواسطہ عبادت ہی کافی ہے۔ جو وہ اپنے سینگوں کے درمیان سورج پھنسا کر کروالیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ "سینگ" شیطان کی مخصوص علامت اور پہچان ہے۔ یہ سینگ بکرے کے ہوں یا بیل کے، بہرصورت علامتی تشبیہ کے طور پر ایک ہی چیز کی نمائندگی کرتے ہیں اور وہ چیز کسی بھی طرح خیر نہیں، "شرِ کثیر" سے عبارت ہے۔

اب ذرا دجل کی انتہا ملاحظہ کیجیے۔ خبیث شیاطین اور کریہہ المنظر جنات کے دو سینگ جہالت اور نفرت کی علامت تھے، لیکن شیطان سے حرام طاقت اور ناجائز مدد حاصل کرنے کے خواہش مند طاغوت کے پجاریوں نے اسے کامیابی اور شہرت کا ٹوٹکا بنادیا ہے۔ کبھی آپ کسی فوڈ ریسٹورنٹ پر جائیں تو دائیں بائیں غور سے نظر ڈالیے گا۔ سائن بورڈ پر یا اس کے قریب ہی انسانی ہاتھوں سے بنائے گئے سینگ بلاوجہ، بلاموقع اور بغیر کسی مناسبت کے منہ چڑاتے نظر آئیں گے۔ اگر ایسا ہو تو ریسٹورنٹ کے مالک کو کم از کم ایک مرتبہ سمجھانے کی

کوشش کیجیے کہ [illegible] خانہ کعبہ، روضۂ اطہر یا مسجد اقصیٰ کی تصویر شبیہ وغیرہ [illegible] تم نے یہ کس کی نمائندہ شبیہ یہاں نصب کی ہے؟ کم از کم ایک مرتبہ سمجھانا تو آپ پر فرض ہے۔ اس کے بعد بھی جب تک اسے بات سمجھ نہ آئے، سمجھانے کی کوشش کرتے رہنا ایمان کا تقاضا ہے۔ اللہ و رسول سے محبت کی علامت اور شیطان لعین اور دجال کے چیلوں سے نفرت کی علامت ہے۔ یاد رکھیے! اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے نفرت ایسی چیز ہے جو اس دن عرش کا سایہ نصیب کروا دے گی جس دن عرش کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا اور ابن آدم اس دن سے زیادہ سائے کا محتاج کبھی نہ ہوا ہوگا۔

شطرنج کی بساط

آٹھویں علامت۔ ڈبل اسکوائر:

آج کل اصلی اور مصنوعی ہر طرح کی ٹائلوں کا بہت رواج ہوگیا ہے۔ رنگارنگ قدرتی پتھروں کے ساتھ طرح طرح کی رنگ برنگی مصنوعی ٹائلوں کی بیسیوں اقسام بھی "زُخْرُفَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا" (دنیا کی بناوٹی زیب وزینت) کی عکاسی کرتی ہیں۔ مسلم اُمہ کے سرمایہ دار اصحابِ خیر کی دولت کا بہت سا حصہ بیت الخلاؤں کی آرائش وتزئین یا دوسرے لفظوں میں خبیث جنات کے مسکن کو سجانے سنوارنے پر خرچ ہورہا ہے۔ کمروں کی دیواریں اور صحن کا فرش تو رہنے دیجیے، بیت الخلا اور غسل خانے جس شان سے سنوارے جارہے ہیں، اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ پوری دنیا میں فکر وغم سے آزاد اور اضافی اموال کو خرچ کرنے کے لیے ہمہ وقت آمادہ اور تیار اگر کوئی ہے تو بس اہل اسلام ہیں جنہیں نہ کسی دشمن کی دشمنی کا سامنا ہے اور نہ حال یا مستقبل میں انہیں کسی قسم کا چیلنج درپیش ہے۔ غور فرمایئے! فتنے میں مبتلا ہونے کی اس سے زیادہ افسوسناک اور قابل رحم صورت اور کوئی ہوگی......؟

آج کل تو متنوع اقسام وانواع کے قدرتی پتھروں اور مصنوعی مواد کی بنی ہوئی اتنی ٹائلیں وجود میں آگئی ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے، لیکن ایک زمانہ تھا کہ ایک خاص طرح کی دو رنگی ٹائلیں بہت مقبول تھیں۔ جی ہاں! صرف دو رنگی۔ یعنی سیاہ اور سفید خانوں پر مشتمل۔ آج سے تیس چالیس سال قبل فرش کی تزئین کا یہ انداز بہت مقبول تھا۔ اب یہ پٹرول پمپوں اور فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹس کی پیشانی سے لے کر گاڑیوں کے مڈگارڈ اور بونٹ تک میں رنگ اور شکل بدل کر نظر آتا ہے۔ کچھ عرصے بعد شاید اصل رنگ (کالے اور سفید چوکور خانے) میں دوبارہ آجائے گا۔ ٹوپیوں اور نئی شرٹوں اور شاپرز میں بھی نمودار ہونا شروع ہوگیا ہے۔

فی الحال یہ کم یا متروک ہوگیا ہے۔ اب سیاہ اور سفید کی جگہ سرخ اور سفید یا نیلے اور سفید چوکور خانے تزئین کے لیے استعمال ہوتے ہیں، لیکن دنیا میں دو قسم کی جگہیں ایسی ہیں جہاں ان خانے دار ڈیزائننگ کا چلن ہے اور وہاں اب تک شطرنج کے بساط جیسے دو رنگے چوکور خانوں کو ہی ترجیح دی جاتی ہے۔ ایک تو شیطان کی عبادت گاہیں اور دوسری شیطان کے چیلوں کی اجتماع گاہیں یعنی فری میسن لاجز۔ ان دونوں جگہوں میں دو قسم کے رنگوں پر مشتمل فرش کے ساتھ دو ستون بھی لازماً دکھائی دیتے ہیں۔ ذیل میں ہم فرش پر بچھے ان دو رنگوں اور فرش پر سامنے کھڑے ان دو ستونوں کی غرض وغایت سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ یہاں ہم آپ کو یہ بھی بتاتے چلتے ہیں کہ مذکورہ بالا دو جگہوں کے علاوہ بعض امریکی سرکاری اداروں کے فرش پر بھی یہی "سادہ ڈیزائننگ" پر مشتمل نشان موجود ہوتا ہے۔ کیوں؟ اس کے جواب کی تلاش آپ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

دنیا میں ازل سے خیر وشر، حق و باطل اور نور وظلمت یعنی ہدایت وضلالت میں جنگ چلی آرہی ہے۔ ہدایت کی دعوت دینے والے نیک بخت لوگ جتنے نیک اعمال کرتے اور ان کی ترغیب دیتے ہیں، دنیا میں اتنا ہی اللہ کی رحمت برتی ہے۔ خیر و برکت بڑھتی ہے۔ جتنا اللہ کا نام لیا جاتا ہے، کائنات میں بھی اور انسان کے دل میں بھی نور اور روشنی (انرجی) میں اضافہ ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت ہی آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اس کے برعکس جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے، گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے، شیطان کے نقش قدم پر چلا جاتا ہے، اتنا ہی خیر و برکت سے محرومی اور اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے دوری ہوتی ہے۔ شیطان کا ابن آدم سے انتقام پورا ہوتا ہے۔ زمین پر شر وظلمت پھیلتی ہے۔ انسان کے اندر سے ہدایت کا نور کم ہوتا اور اس کی روحانی طاقت کمزور ہوتی ہے۔ پھر جو آدمی اپنے نیک اعمال کی بدولت اللہ تعالیٰ سے جتنا قریب ہوتا ہے، اتنا اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں۔ زندگی کے کٹھن مراحل میں اس کی غیبی نصرت ہوتی ہے۔ اس کے دل پر سکینہ واطمینان نازل ہوتا ہے۔ کبھی کبھار اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرامت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے

خطرناک، شیطان کو سب سے زیادہ خوش کرنے والا اور شیطان کے چیلوں کو سب سے زیادہ شیطانی قوت فراہم کرنے والا ہے۔ پاکستان میں یہ عمل بلوچستان میں ہنگلاج سے پہاڑوں میں قائم استھانوں میں ہوتا ہے اور مغرب میں شیطان کی عبادت گاہوں میں۔ فرق یہ ہے کہ پاکستان و ہندوستان اور بنگلہ دیش میں حقیقی انسان کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے جبکہ مغرب میں قوانین کی سختی کے باعث ''ڈمی'' سے کام لیا جاتا ہے۔ مشرق ہو یا مغرب، یہ عمل سیاہ اور سفید خانوں والے فرش پر ہوتا ہے۔ اس کو ''ڈبل اسکوائر'' کہتے ہیں یعنی ''دہرا مربع''۔ ایک مربع کے اوپر دوسرا مربع۔ خفیہ دجالی سوسائٹی کی زبان میں پہلے مربعے سے روشنی اور دوسرے سے اندھیرا مراد ہے۔ ایک مربع کا مطلب ہے کہ اس چیز کا مکمل احاطہ کر کے اس پر قابو پالینا جو ٹھیک اور جائز ہے۔ ایک مربع پر دوسرے مربع کا ہونا اس بات کی عکاسی ہے کہ ان سب پر کنٹرول حاصل کرنا جو ٹھیک ہے اور جو غلط ہے۔ وہ سب کچھ جو جائز ہے اور جو ناجائز ہے۔ وہ سب کچھ جو مثبت ہے اور جو منفی ہے۔ بالفاظ دیگر خیر اور شر، بدی اور نیکی، دونوں چیزوں پر کنٹرول کا دعویٰ جو ظاہر ہے۔ میں خدائی کے جھوٹے دعوے کے مترادف ہے۔ انگریزی زبان کی دو اصطلاحات "Fair and Square" اور "Square Deal" اسی مفہوم سے اخذ کرتے ہوئے مرتب کی گئی ہیں۔ برطانوی پارلیمنٹ کی لابی کے عین وسط میں ''ڈبل اسکوائر'' کا مخصوص نشان ہے اور اس کے اردگرد دنیا بھر کی پولیس فورسز کے بیجز اس نشان کے گرد ثبت ہیں۔ یہ ڈیزائن اتفاقیہ نہیں، اسی مفہوم کے پیش نظر ہے کہ دنیا میں ہر چیز پر ہمارا کنٹرول ہے۔ جو ٹھیک ہے اس پر بھی اور جو غلط ہے اس پر بھی۔ ان دو مربعوں کے سامنے دو ستون بھی ہوتے ہیں۔ یہ بھی اسی مفہوم و مطلب کی علامتی عکاسی ہے۔ یعنی جو چیز فرش پر پڑی ہے وہی چیز سامنے کھڑی ہے۔ روشنی اور اندھیرا۔ نیکی اور بدی۔ خوبی اور خامی اور پھر ان دونوں پر مکمل کنٹرول کا جھوٹا دعویٰ۔ پھر جھوٹی طاقت حاصل کرنے کے لیے ناجائز کام حتیٰ کہ بے گناہ انسانی خون کی بھینٹ۔ روشنی یعنی سفید مربع سے خیر اور اندھیرے یعنی سیاہ مربع سے شر مراد ہے۔ دونوں ساتھ ساتھ

کیوں ہیں؟ اندھیرے کے پجاریوں کا روشنیوں کی کرنوں سے کیا تعلق؟ اس کے لیے پراسرار دنیا کی خفیہ زبان سے استفادہ کرنا ہوگا۔ آپ یہ نہ سمجھیے کہ آج کل کی مہذب مغربی دنیا میں کسی انسان کو شیطان کے چرنوں میں بھینٹ چڑھانے جیسی خوفناک جاہلانہ حرکت کہاں اور کیونکر ہوتی ہوگی؟ یہ عاجز ان شاء اللہ اس پر ایک مستقل مضمون لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے جس میں ان جگہوں کی نشان دہی کے علاوہ دنیا میں سب سے بڑی شیطانی قربان گاہ کا تذکرہ بھی ہوگا جو امریکی ریاست ''کیلی فورنیا'' کے شہر سان فرانسسکو میں ایک جنگل میں جھیل کے قریب قائم ہے۔ یہ البتہ ضرور ہے کہ قانون کی گرفت اور میڈیا کی نظر میں آنے سے بچنے کی جدوجہد میں اسے اگر اصل انسانی جسم نہ ملے تو پتلے سے بھی کام چلا لیا جاتا ہے۔ اس پر قرائن وشواہد کے ساتھ گفتگو ان شاء اللہ ''بوہیمین گروو'' والے مضمون میں ہوگی۔ اب ہم قربان گاہ کے فرش کے مخصوص رنگ کی حقیقت، پس منظر اور مخصوص فلسفہ کی وضاحت کی طرف واپس آتے ہیں۔

اس طرح کے گندے اعمال کی طاقت بڑھانے میں دیگر ناجائز مؤثر عناصر مثلاً: جنابت کی حالت میں ہونا، شراب اور دوسری گندی چیزوں کے حرام نشے میں ہونا، حرام جانوروں یا ذبح شدہ انسان کے خون سے چھینٹے دینا وغیرہ وغیرہ...... اس طرح کا ایک مؤثر عنصر یہ خانے دار فرش بھی ہے۔ جس کا علامتی مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ گندے کام کرنے والے بزعم خود خدا اور اس کے نور سے دور ہو کر شیطان اور اس کی تاریکی سے مدد حاصل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ ان کے مطابق شیطان لعین دراصل جنت سے نکالی گئی طاقتور روح (فرشتہ) ہے اور (معاذ اللہ) اللہ رب العالمین، ارحم الراحمین نے اسے جنت سے نکال کر اس کے ساتھ ناانصافی کی تھی۔ اب وہ اپنی غیر معمولی طاقت کو استعمال کر کے اس ناانصافی کا بدلہ لینا چاہتا ہے اور ہم اس کی طاقت سے استفادہ کر کے اپنی تقدیر سے ناگوار چیزیں ختم کر کے اپنی مرضی کی زندگی بنانا اور من چاہی خواہشات پوری کرنا چاہتے ہیں۔

قارئین کرام! یہ ہے وہ دھوکا جس میں ''شیطان کے پجاری'' اپنی کم عقلی اور بدنصیبی کی

وجہ سے گرفتار ہیں۔ اس دشمن کو دوست سمجھتے ہیں جو دومنہ والے کڑیالے سانپ کی طرح ہے۔ ایک سے پھپکارتا ہے تو دوسرے سے ڈستا ہے۔ شیطان کو انسانی دنیا میں دخل اندازی کا محدود اختیار ہے۔ یہ اختیار اس وقت کسی قدر وسیع ہو جاتا ہے جب شیطان کے چیلے مخصوص جادوئی یا شیطانی رسوم ادا کرتے ہیں۔ ان رسومات کے لیے مخصوص وقت، مخصوص ماحول اور مخصوص کیفیات کی طرح مخصوص جگہ بھی چاہیے۔ چوکور خانے دار فرش انہی مخصوص جگہوں میں سے ایک جگہ ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ چوکور خانے دار مخصوص جگہ فری میسن لاجوں اور علم ''کبالا'' کے ماہر یہودی ملحدوں کی زیر نگرانی چلنے والے جادوگھروں کی طرح ''وائٹ ہاؤس'' میں بھی پایا جاتا ہے۔ آپ حیران نہ ہوئیے! وہائٹ ہاؤس کی طرح کیمپ ڈیوڈ میں بھی جادوئی حصار باندھ کر انسانی ذہنوں کو مسخر کرنے والے جادو اور ہپناٹزم کے ماہرین اس طرح کے فرش کو اپنے خفیہ جادوئی ٹوٹکوں کی کامیابی کے لیے روبہ عمل لائی جانے والی ''سرّی روایات'' کا لازمی حصہ سمجھتے ہیں۔ انور سادات، یاسر عرفات اور پرویز مشرف جیسے حکمرانوں کا استقبال کیمپ ڈیوڈ میں اسی ذہنی دباؤ کی سوغات کے ساتھ کیا جاتا ہے جس کے متعلق ہمارے ماہرین کا کہنا ہے کہ وہاں آکسیجن کی کمی سے ہونے والے ذہنی دباؤ کے تحت ایسے فیصلے کرتے ہیں۔ الغرض اس نشان اور اس طرح کی دیگر علامات کے اندر ناپاک جادوئی اثرات ہیں۔ جن سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ کی پناہ میں آنے، معوذتین پڑھ کر خود پر دم کرتے رہنے، تعوذ کے کلمات پر مشتمل مسنون دعاؤں کا ورد کرنے اور گناہوں سے بچتے ہوئے، اپنے گرد مسنون اعمال کا حصار قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

بھڑکتے شعلے اور پُراسرار ہندسے

نویں علامت۔ آگ اور شعلے:

شیطان اور تمام جنات آگ سے بنے ہیں۔ آگ کی فطرت میں بھڑکنا، تعلّی دکھانا، برتری ظاہر کرنا اور اپنا آپ منوانا ہے۔ شیطان انسان کا ایسا دشمن ہے کہ اس کی طرف جو چیزیں بھی منسوب ہیں، اس نے انسان کو گمراہ کر کے تقریباً ان تمام چیزوں کی پرستش کروائی ہے۔ دنیا میں بہت سے فرقے آگ، سانپ، اژدہا، بیل، اُلو وغیرہ کی پرستش کرتے ہیں ورنہ کم از کم ان حقیر وخسیس اور فانی وعاجز چیزوں کو مقدس یا عظمت کے قابل جانتے ہیں۔ مجوسی ہزاروں سال سے اس آگ کی پرستش کرتے آئے ہیں جس کو وہ اپنے ہاتھوں جلایا کرتے تھے اور پھر اسے بجھنے سے محفوظ رکھنے کے لیے جتن کیا کرتے تھے۔ ہندوستان اور افریقہ کے بہت سے قبائل سانپ یا اژدھے کو طاقت وقوت کا منبع اور دیوتاؤں کا اوتار قسم کی مخلوق سمجھتے ہیں۔ شیطان کی طرف سے انسان کو گمراہ کرنے اور اسے بہکا کر دھوکا دینے کے بعد اس پر جمنے کا سلسلہ زمانہ قدیم کے تاریک دور پر ختم نہیں ہوا، آج کی متمدن اور ترقی یافتہ سمجھی جانے والی دنیا میں بھی شیطان سے منسوب علامتوں کو مقدس سمجھا جاتا ہے اور اس طرح شیطان کی تعظیم کر کے اس سے اپنی خواہشات کے حصول میں مدد مانگی جاتی ہے۔ فلم انڈسٹری اور پاپ میوزک کی کالی دنیا میں تو خصوصیت سے اداکاروں اور گلوکاروں کے منہ سے شیطان کی پوجا یا اس کی تعظیم پر مشتمل گانے کے بول یا مکالمے کہلوائے جاتے ہیں۔ یہ بول آہستہ آہستہ زبان زد عام ہو جاتے ہیں۔ شائقین اور ناظرین تفریح تفریح میں وہ کچھ کہہ جاتے ہیں جس سے شیطان اور شیطانی قوتوں کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان میں شیطانی علامات بھی مختلف انداز سے رنگ اور ہیئت بدل بدل کر پیش کی جاتی ہیں۔ ان

میں اکلوتی آنکھ اور تکونوں کے علاوہ آگ کی کارفرمائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ آج کے دور میں انسان کی بدنصیبی ہے کہ چھوٹے بڑے اس علامت کو اتنا پھیلانا چاہتے ہیں کہ "آگ" چھپتی نہ ہی نہیں، بہت سے دیگر مناظر جلا دینے اور فلموں کی قسموں ہی نہیں بڑے کائنات میں کسی نہ کسی شکل میں آگ جلتی ہوئی یا اس کی لپٹیں بھڑکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ صرف انسان کی سفلی حیوانی خواہشات کو بھڑکتا ہوا دکھانے کا استعارہ نہیں، بلکہ شیطان کے مرکزی مادۂ تخلیق کو انسان کے لیے معظم و مکرم بنا کر دکھانے کی علامتی کوشش ہے۔ اس کوشش کے نتائج سے آخری فائدہ بدی کی طاقتوں کا منبع و محور "دجال اکبر" اٹھائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ آج کے دور کے والدین پاپ میوزک سنتے اور فلمیں دیکھتے وقت یا اپنے بچوں کو اس کی اجازت دیتے وقت صرف عملی گناہ ہی نہیں کر رہے، عقیدے سے انحراف اور شیطان کے پجاریوں کے آلہ کار بھی بن رہے ہوتے ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل ہم اللہ کی مدد سے "دجال II" میں بیان کر چکے ہیں۔ حقیقت واقعہ یہ ہے جدید تہذیب میں فیشن سمجھی جانے والی یہ چیزیں صرف فسق و فجور ہی نہیں، شرک و شیطان پرستی کی تعلیم بھی دے رہی ہیں۔ متمدن دنیا کی ان روشنیوں میں قدیم جاہلیت کی خوفناک تاریکیاں چھپی ہوئی ہیں۔ صرف انداز بدل گیا ہے، شیطان کی انسان دشمن اصلیت اور اس کی شرکیہ مہم نہیں بدلی۔ وہ آج بھی آدم کے بیٹوں سے انتقام لینے کے لیے انہیں خلاف شرع چیزوں میں لگا کر اپنی جھوٹی انا کی تسکین کر رہا ہے۔ اس فتنہ زدہ دور میں تو شریعت کے خلاف جو بھی چیز ہو، اس سے سخت احتیاط کرنے اور اللہ کی پناہ میں آنے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً مغربی تہذیب جو جاہلیت جدیدہ کی بودی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ مغربی موسیقی، مغربی فنون لطیفہ، آرٹ، ادب، کلچر وغیرہ مغربی فلمی دنیا کی بے ہودہ روایات اور نت نئی شیطانی ایجادات تو ہیں ہی سراپا فتنہ۔ فتنوں کے اس دور میں اور گناہوں سے بھری اس دنیا میں، انسانوں کو اللہ کی رحمت کے نور کی ضرورت ہے نہ کہ آگ کی لپٹوں کی۔ وہی آگ جس کے بارے میں حکم ہے جس چیز کو چھوتی ہو اسے قبر میں نہ لگایا جائے تاکہ جنت کے باغ میں جہنم کی تختی نہ

آئے۔ اس آگ سے اور نفسانیت اور شہوانیت کی اس علامت سے ہمیں دور رہنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کی رحمت اس کی یاد ہے۔ اس کا دھیان ہٹانے سے اور اس کی طرف دل کی توجہ ہٹانے سے اترتی ہے۔ جو لوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں ان پر تو اس رحمت کی برسات اترتی ہے۔ ہمیں ایسے لوگوں سے جڑنا چاہیے۔ ان کی صحبت کی برکت سے استفادہ کرنا چاہیے۔

شیطانی ہندسے

دسویں علامت -- پراسرار ہندسے:

ماہرین لسانیات کے مطابق ایک ہی زبان کو لکھنے کے ایک سے زیادہ رسم الخط ہو سکتے ہیں۔ نیز ایک ہی زبان کو حروف اور ہندسوں دونوں کی مدد سے لکھا جا سکتا ہے۔ اس طرح سے کہ ہر حرف کی کوئی قیمت مقرر کر لی جائے جو ظاہر ہے ہندسے کی شکل میں ہوگی۔ مثلاً: عربی زبان کو لے لیجیے۔ اس کے ہر حرف کے لیے آپ اگر کوئی ہندسہ مقرر کر لیں تو حروف کے بجائے ہندسوں کے ذریعے مافی الضمیر کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً: عربی کے 29 حروف تہجی ہیں۔ اگر پہلے نو حروف کے لیے اکائی کے ہندسے، اگلے نو حروف کے لیے دہائی کے ہندسے اور اس کے بعد والے حروف کے لیے سیکڑے کے ہندسے مقرر کر لیے جائیں تو جو بات الف، ب، ج...... حروف کے ذریعے کی جا رہی تھی وہی 1، 2، 3...... ہندسوں کے ذریعے بھی بولی یا لکھی جا سکتی ہے۔ اس کو "ابجد کا نظام" کہتے ہیں۔ یعنی حروف کے بجائے ہندسوں میں لکھنا۔ ایک آیت یا جملے میں اگر دس حروف استعمال ہوتے ہیں، ان حروف کے قائم مقام دس ہندسوں کو اگر ترتیب دے کر جمع کر لیا جائے تو جو حاصل آئے گا، وہ ایک طرح کا کوڈ ہوگا جس میں ان حروف کی تاثیر جمع ہوگی جنہیں مختصر کرنے کے لیے اعداد کی شکل میں لکھ لیا گیا تھا۔ صحیح العقیدہ اور متبع شریعت عامل حضرات جو تعویذ لکھتے ہیں، اس میں مختلف خانوں میں لکھے ہوئے اعداد مختلف کلمات کے حروف کا متبادل ہوتے ہیں۔ یہ کلمات اگر صحیح المعنی ہیں یا کسی آیت یا دُعا کا مخفف ہیں تو یہ تعویذ انہی اثرات کا حامل ہوتا ہے جو اثرات ان اصل کلمات یا دُعاؤں میں پائے جاتے تھے۔ تعویذ چونکہ بار بار لکھنے ہوتے ہیں، اس لیے طوالت سے بچنے کے لیے یہ مختصر طریق کار اپنا لیا جاتا ہے۔ یہ تو ہوا رحمانی عملیات کا طریق

کار۔ اس کے برعکس شیطانی یا سفلی کام کرنے والے جو اعداد استعمال کرتے ہیں ان کے پس پشت وہ گندے جادوئی جنتر منتر ہوتے ہیں، جن میں شیطان یا بدروحوں یا دیوی دیوتاؤں سے مدد مانگی جاتی ہے۔ یہ کفر و شرک کا وہ گورکھ دھندا ہے جس میں اس کائنات کی ان دیکھی مابعد الطبعی سفلی طاقتوں سے ناجائز مقاصد میں تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی پوشیدہ حکمت کے تحت انسانی دنیا میں کسی حد تک مداخلت کی چھوٹ دے رکھی ہے۔ پھر جس طرح رحمانی عملیات میں مشہور متبرک کلمات کے اعداد مشہور ہوگئے ہیں۔ مثلاً: بسم اللہ شریف کے اعداد "یا اللہ" اور "محمد" کے پاک ناموں کے اعداد، اسی طرح سفلی عملیات میں کچھ اعداد مشہور ہیں۔ مختلف شرکیہ کلمات کے تناظر میں ترتیب دیے گئے یہ اعداد مختلف شیطانی اور جادوئی اثرات رکھتے ہیں۔ آج ہم اس طرح کے چند ابلیسی ہندسوں کا تذکرہ کریں گے جسے شیطان کے پجاری چیلے چپکے مذموم مقاصد کے تحت پوری دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔

پہلا شیطانی ہندسہ 666:

ان اعداد میں سب سے مشہور شیطانی عدد چھ سو چھیاسٹھ (666) ہے۔ اس کا پس منظر اور ابلیس کے ساتھ اس کے تعلق کو بیان کرنے کے لیے ہم کوشش کریں گے کہ قدیم ترین مذہبی حوالوں کے ساتھ جدید مغربی مصنفین کی تحریرات سے بھی اقتباسات پیش کریں تاکہ بات کو استناد میں گوندھ کر توثیق سے نتھی کر کے آگے بڑھایا جاسکے۔ تو آئیے! سب سے پہلے انجیل کا ایک حوالہ دیکھتے ہیں۔ پھر اس میں موجود چند اہم اشاروں کا مطلب اور ان کی تطبیق و تشریح سمجھنے کی کوشش کریں گے، جن سے تاریخ اور عصری اکتشافات آہستہ آہستہ پردہ اٹھا رہے ہیں اور جن کی طرف یہ عاجز اپنے کالموں میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہے۔ انجیل کی آخری کتاب "یوحنا عارف کا مکاشفہ" میں درج ہے:

"پھر میں نے ایک اور حیوان کو زمین میں سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ اس کے "برہ" کے سے دو سینگ تھے اور اژدھا کی طرح بولتا تھا۔ یہ پہلے حیوان کا سارا اختیار اس کے سامنے کام میں لاتا تھا اور زمین اور اس کے رہنے والوں سے اس پہلے حیوان کی پرستش کراتا تھا،

جس کا زخم کاری اچھا ہو گیا تھا۔ اور وہ بڑے بڑے نشان دکھاتا تھا۔ یہاں تک کہ آدمیوں کے سامنے آسمان سے زمین پر آگ نازل کر دیتا تھا۔ زمین کے رہنے والوں کو ان نشانوں کے سبب سے جن کے اس حیوان کے سامنے دکھانے کا اس کو اختیار دیا گیا تھا، اس طرح گمراہ کر دیتا تھا کہ زمین کے رہنے والوں سے کہتا تھا جس حیوان کے تلوار لگی تھی اور وہ زندہ ہو گیا اس کا بت بناؤ۔ اور اسے اس حیوان کے بت میں روح پھونکنے کا اختیار دیا گیا تا کہ وہ حیوان کا بت بولے بھی اور جتنے لوگ اس حیوان کے بت کی پرستش نہ کریں، ان کو قتل بھی کرائے۔ اور اس نے سب چھوٹے بڑوں، دولت مندوں، غریبوں، آزادوں اور غلاموں کے داہنے ہاتھ یا ان کے ماتھے پر ایک ایک چھاپ کرا دی۔ تا کہ اس کے سوا جس پر نشان یعنی اس حیوان کا نام یا اس کے نام کا عدد ہو اور کوئی خرید و فروخت نہ کر سکے۔ حکمت کا یہ موقع ہے۔ جو سمجھ رکھتا ہے وہ اس حیوان کا عدد گن لے کیونکہ وہ آدمی کا عدد ہے اور اس کا عدد چھ سو چھیاسٹھ ہے۔"

[مکاشفہ: باب 13، آیت نمبر 11 سے 18]

اس عبارت میں دو حیوانوں کا ذکر ہے۔ "پہلے حیوان" کا تذکرہ ہم پہلی علامت "تاج پوش شبیہ" کے ضمن میں کر چکے ہیں کہ اس سے مراد دجال ہے۔ دوسرے حیوان سے کون مراد ہے؟ یہ اہم سوال ہے۔ اس کا جواب اگر ہم مسیحی شارحین کے ہاں تلاش کریں تو وہ زبردست کنفیوژن کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ 1957ء کا چھپا ہوا انجیل کا جو نسخہ اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس کے حاشیے میں ہمیں درج بالا دو حیوانوں کے متعلق یہ تشریحات لکھی ہوئی ملتی ہیں:

O...... "یہ حیوان بے ایمانوں کا لشکر ہے جو شروع سے دنیا کے آخر تک خدا کے بندوں کو ستاتے ہیں۔ سات سو سات بادشاہ یعنی سات زور آور بادشاہتیں ہیں۔ ساتویں بادشاہت "گناہ کے اس شخص" کے ساتھ دنیا کے آخر میں ظاہر ہو گی۔"

O...... "یہ دوسرا حیوان بت پرست، کاہن اور جادوگر لوگ ہیں، کیونکہ وہ بت پرستی کو تھامتے اور بادشاہوں کو بہکاتے تھے۔"

O...... "وہ حیوان یا بت پرست روح ہے جو سات پہاڑوں پر بستا تھا یا شیطان کا اختیار

ہے جو مسیح کے دنیا میں آنے سے پہلے نہایت بڑا تھا، لیکن مسیح کے ظاہر ہونے کے بعد کم ہوا مگر دنیا کے آخر میں جب وہ "گناہ کا شخص" آئے گا شیطان پھر ساری طاقت سے اُٹھے گا۔"

ان عبارات میں "گناہ کے شخص" سے "دجال اکبر" مراد ہے۔ اسے مذکورہ بالا آیات سے قبل کی آیات اور بعد کی آیات میں پہلا حیوان کہا گیا ہے۔ دوسرے حیوان سے جو اس پہلے حیوان یعنی "المسیح الدجال" کی مدد کرے گا، وہ طاقت مراد ہے جو دجالی تہذیب کی علمبردار ہوگی۔ اس کے ہراول دستے کے طور پر کام کرے گی، اس کے نکلنے سے پہلے اس کے لیے راہ ہموار کرے گی اور اس کے نکلنے کے بعد اس کی بنیادی طاقت اور دست و بازو ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ قوم یہود کی تشکیل کردہ "صہیونی طاقت" ہے جس کا مرکز امریکا، برطانیہ اور اسرائیل کی تکون میں ہے۔ مسیحی شارحین وحی کے سچے علم سے محرومی کے سبب اپنی مسیحی برادری کو انجیل کی ہدایات اس تفصیل و تشریح سے نہیں پہنچا سکے جیسا کہ اہل اسلام کے علمائے کرام نے فریضہ انجام دیا ہے اور دیتے چلے آئے ہیں۔ حیوان سے "بت پرست روما" ہرگز مراد نہیں، روم والے انجیل کے نزول کے وقت بت پرست تھے مگر اب تو وہ عیسائی ہو چکے ہیں، لہٰذا اس سے لازمی طور پر شیطانی قوتیں مراد ہیں جو دجال کی مدد کریں گی۔ ان کی مدد سے جب دجال دنیا کے وسائل پر اختیار حاصل کرے گا تو وہ ہر فرد کو اور دولت کی ہر اکائی کو اپنے تسلط اور نگرانی میں رکھنے کے لیے جو دو کام کرے گا، ان کی طرف انجیل کی ان آیات میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔ انجیل کے مطابق ان میں سے پہلی چیز ہے، ہر شخص کے داہنے ہاتھ یا ماتھے پر چھاپ اور دوسری وہ نشان یعنی اس حیوان کا نام یا اس کے نام کا عدد کہ جس کے بغیر دنیا میں کوئی لین دین نہ ہو سکے گا۔ اگر آج کی دنیا پر نظر ڈالی جائے تو ان دو چیزوں میں سے پہلی چیز کا مطلب وہ "ڈیوائس" ہے جو ہر شخص کے جسم میں کہیں لگی ہوگی یا شناختی کارڈ میں چسپاں ہوگی۔ اس کا رابطہ سیٹلائٹ سے ہوگا اور کوئی بھی شخص دنیا کے سات براعظموں میں جہاں بھی ہوگا، وہ "خفیہ آنکھ" کی نظر اور نگرانی میں ہوگا۔ دوسری چیز وہ "چپ" ہے جو کریڈٹ کارڈ یا ٹیکنالوجی کی کسی ترقی یافتہ شکل میں نصب ہوگی اور پوری دنیا میں اس کے بغیر لین دین نہ ہو سکے گا اور اس کے ذریعے وہی لین دین کر سکے گا جو اس

شیطانی نظام یعنی دجال اعظم اور اس کے یہودی برکاروں کی نظر میں ''شفاف'' ہوگا۔ یہ فقط یہ تجزیہ نہیں، مغرب کے کچھ بیدار مغز قلم کار بھی یہی کچھ کہتے ہیں۔ ڈاکٹر جان کولمین مشہور محقق مصنف ہیں، ان کی کئی کتابیں شہرت عام و مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ وہ اپنی کتاب ''Conspirators Hierarchy'' میں مستقبل کی دنیا اور اس پر نافذ عالمی حکومت کا نقشہ کچھ اس انداز میں کھینچتے ہیں:

''ہر شخص کے ذہن میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا جائے گا کہ وہ (مرد یا عورت) ایک عالمی حکومت کی مخلوق ہے اور اس کے اوپر ایک شناختی نمبر لگا دیا جائے گا۔ یہ شناختی نمبر برسلز، بلجیم، کے نیٹو کمپیوٹر میں محفوظ ہوگا [جی ہاں! اسی سپر کمپیوٹر میں جہاں نادرا اور دیگر اداروں کے پاس جمع شدہ ڈیٹا محفوظ ہوتا ہے۔ راقم] اور عالمی حکومت کی کسی بھی ایجنسی کی فوری دسترس میں ہوگا۔ سی آئی اے، ایف بی آئی، ریاستی اور مقامی پولیس ایجنسیوں، آئی آر ایس، فیما، سوشل سیکیورٹی وغیرہ کی ماسٹر فائلیں وسیع کر کے ان میں لوگوں کے کوائف کا اندراج امریکا میں تمام شہریوں کے ذاتی ریکارڈ کے انداز میں کیا جائے گا۔''

''معاشی نظام، حکمران طبقے کا مرہون منت ہوگا۔ وہ صرف اتنی خوراک اور خدمات کی اجازت دے گا جس سے عوام یعنی غلاموں کی زندگی برقرار رہے۔ تمام دولت کمیٹی آف 300 (فری میسنری) کے ممتاز ارکان کے ہاتھوں میں دی جائے گی۔ ہر فرد کو ذہن نشین کرا دیا جائے گا وہ اپنی بقا کے لیے ریاست کا محتاج ہے۔''

''طبقہ اشرافیہ کے علاوہ کسی کے ہاتھوں میں نقدی یا سکے نہیں دیے جائیں گے۔ تمام لین دین صرف اور صرف کریڈٹ کارڈ کے ذریعے ہوگا۔ (اور آخرکار اسے مائیکرو چپ پلانٹیشن کے ذریعے کیا جائے گا۔) ''قانون توڑنے والوں'' کے کریڈٹ کارڈ معطل کر دیے جائیں گے۔ جب ایسے لوگ خریداری کے لیے جائیں گے تو انہیں پتا چلے گا کہ ان کا کارڈ ''بلیک لسٹ'' کر دیا گیا ہے۔ وہ خریداری یا خدمات حاصل نہیں کر سکیں گے۔ پرانے سکوں سے تجارت کو غیر معمولی جرم قرار دیا جائے گا اور اس کی سزا موت ہوگی۔ ایسے قانون شکن عناصر جو خود کو مخصوص مدت کے دوران پولیس کے حوالے کرنے میں ناکام رہیں، ان

کی جگہ سزائے قید بھگتنے کے لیے ان کے کسی گھر والے کو پکڑ لیا جائے گا۔''

ان تین اقتباسات میں سے پہلے اقتباس میں ''چھاپ'' کی اور دوسرے میں اس نشان یا ''عدد'' کی تشریح ہے جس کے بغیر کوئی آٹھ آنے کی مونگ پھلی یا دو روپے کی گاجریں بھی نہ خرید سکے گا۔ آپ کو اگر کہیں سے برطانیہ کا پونڈ ہاتھ لگے تو اسے اُلٹا کر کے غور کریں۔ اس پر 666 کے ہندسے کی شبیہ ملے گی جو آہستہ آہستہ مستقبل میں وضع کیے جانے والے ڈیزائن میں مزید واضح ہو جائے گی۔ مختلف ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مصنوعات پر جو ''کوڈ بار'' چھپا ہوا ہوتا ہے اسے بھی توجہ سے دیکھیں۔ ''6'' کا ہندسہ تین مرتبہ تکرار کے ساتھ آپ کو دنیا کی معیشت پر دجالی تسلط کی دھیرے دھیرے بڑھتی ہوئی گرفت کی طرف متوجہ کر رہا ہوگا۔

دوسرا شیطانی ہندسہ:

666 کے بعد سب سے بڑا شیطانی ہندسہ 322 ہے۔ یہ عموماً جادوگروں کے مشہور ہتھیار ''کھوپڑی اور ہڈیاں'' کے ساتھ درج ہوتا ہے۔ یہودیوں کے خفیہ جادوگری علم ''کبالا'' میں اس کی خاص اہمیت ہے اور اسے انتہائی کارگر اور موثر اثرات کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ 666 اور 322 کے بعد شیطانی جادوئی اعداد کی فہرست میں 13 اور 33 آتے ہیں۔ ان اعداد کو بھی فری میسن کے سامراجی جادوئی ماہرین نے اپنے لیے خفیہ نشان ٹھہرایا ہے۔ قوم یہود کی سرّی جادوئی روایات اور ان اعداد کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ یہ تعلق امریکا کے سرکاری اداروں اور نجی کمپنیوں کے نشانات میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً: امریکی اسٹیٹ آف ڈپارٹمنٹ کے نشان میں دو چیزیں آپ کو واضح اور ممتاز نظر آئیں گی جو امریکی ڈالر کی طرح امریکی اداروں کی پہچان ہیں: عقاب اور ستارے۔ ان دونوں میں کسی نہ کسی طرح 13 کا عدد پایا جاتا ہے۔ عقاب کے دائیں پنجے میں تیر اور بائیں میں ٹہنی ہے۔ تیر 13 ہیں اور ٹہنی کے پتے بھی 13 ہیں۔ ستاروں کو گنیں تو ان کا عدد بھی 13 ہے۔ فلموں اور گانوں میں بھی دوسری دجالی علامات کے ساتھ ساتھ اس عدد کی کارفرمائی دکھائی دے ہی جاتی ہے۔ مثلاً: امریکا میں بسنے والے کچھ مسلمان محققین کے مطابق مشہور امریکی گلوکارہ میڈونا جس کو امریکی میڈیا کے نامور نام (جو ظاہر ہے کہ شیطانی صیہونی گروہ سے تعلق

رکھتے ہیں) سحر انگیز شخصیت بتاتے ہیں، اس کے گانوں کی مقبولیت میں اس کی صلاحیت اور یہودی میڈیا کی حمایت کے علاوہ ''کبالا'' کے ''سری علم'' کے ماہر یہودی ساحرین کا بھی خاص عمل دخل ہے۔ امریکا میں مقیم وہ مسلمان جو دجال کی شیطانی مہم سے آگاہی رکھتے ہیں، ان کے مطابق یہ عورت خود بھی شیطانی مذہب کی پیروکار ہے۔ اس کے شوہر سے جدائی کا سبب اس کا شیطانی مذہب ہی تھا اور یہ دوسروں کو بھی شیطان کی غلامی میں مبتلا کرنے کی تگ ودو میں لگی رہتی ہے۔ اس کے گانوں میں شیطان کی پوجا پاٹ ہوتی ہے اور ایک سے زیادہ ایسے شواہد اور قرائن پائے جاتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کی آلہ کار یہ ساحرۂ عالم شیطان کی پوجا کی طرف سامعین اور ناظرین کو غیر محسوس طور پر مائل کر رہی ہے۔ اس کے گانوں کے لیے تیار کردہ اسٹیج کے لیے اتنے ہی قدمچے ہوتے ہیں جتنے فری میسنری کے جادوئی گھروں کی سیڑھیوں میں یعنی تیرہ عدد۔ 52 سال کی عمر میں لٹکے ہوئے بدن کی کھنچی ہوئی سرجری کروا کر شیطانی حرکتوں کو پھر سے زندہ کرنے والی یہ کم نصیب خاتون گانے میں کبھی کتا بن جاتی ہے، کبھی کوا، کبھی کالی مائی جیسی مخلوق۔ اس کے مشہور گانوں کے (Back) بیک ٹریک پر شیطان کو پکارنے کی آواز صاف سنائی دیتی ہے یعنی سامنے کے الفاظ (فارورڈ ٹریک) کچھ اور ہیں اور پیچھے گانے کے الفاظ کچھ اور ہیں جس میں شیطان کو مدد کے لیے پکارا جا رہا ہوتا ہے۔ ''دجال II'' میں ''دجالی ریاست کے قیام کے لیے ذہنی تسخیر کی کوشش'' کے عنوان کے تحت اسے تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ سارا گورکھ دھندا یہودی میڈیا نے فلم اور موسیقی کی دنیا کو کنٹرول کرنے والے یہودی ماہرین کے ساتھ مل کر بنایا ہے اور ان کے پھیلائے ہوئے یہ جادوئی اور شیطانی اعداد درحقیقت خدا کے مقابلے میں شیطان کی عبادت اور اس سے استعانت کا بھونڈا استعارہ ہیں۔ چونکہ شیطان کی قوتیں فریبی اور فانی ہیں، اس کا جال مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ بودا اور کمزور ہے، اس لیے اللہ رب العزت پر کامل یقین اور اس کی مدد کو حاصل کرنے والے شرعی اعمال اس شیطانی سلسلے کے تار و پود کو یوں بکھیر ڈالتے ہیں گویا وہ کبھی تھے ہی نہیں۔

اوندھا ستارہ

گیارہویں علامت۔اوندھی نوک والا ستارہ:

مضمون کے شروع میں ہم نے عرض کیا تھا کچھ علامتیں ضمنی ہیں۔ان کو ہم آخر میں بیان کریں گے۔ضمنی کا ایک مطلب یہ ہے اس کو شیطان کے پرستار مخصوص مطلب میں بھی استعمال کرتے ہیں اور عام استعمال بھی یکساں طور پر ہوتا ہے۔گویا یہ آدھو آدھ کا معاملہ ہے۔ان علامات میں سرفہرست پانچ کونوں والا اوندھا ستارہ ہے۔یہ اگرچہ دیگر جیومیٹریکل اشکال کی طرح ایک خوبصورت اور جچتی ہوئی شکل ہے جو بے دھڑک مختلف عنوانات اور حوالوں سے استعمال ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیے کہ کسی چیز کو بلاوجہ مشکوک یا متروک قرار نہیں دیا جاسکتا،لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اس کی ایک خاص صورت پس پردہ رہ کر''نیو ورلڈ آرڈر''نافذ کرنے والوں کے پراسرار جادوئی ہتھیاروں میں سے ایک ہتھیار کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے۔ضمنی علامات میں شمار کیے جانے کی وجہ یہ ہے اس عاجز کی تحقیق کے مطابق یہ صرف اسی صورت میں شیطانی نشان قرار دیا جاتا ہے اور جادو کی رسومات میں استعمال ہوتا ہے جب یہ پنج گوشہ ستارہ''اوندھا''ہو۔اوندھا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی پانچویں نوک بالکل نیچے کی طرف ہو۔اس صورت میں خود بخود اس کی اوپر کی دو نوکیں بکرے کی سینگ کی شکل میں اوپر اٹھ جاتی ہیں،دو بکرے کے کان کی شکل میں دائیں بائیں مڑ جاتی ہیں اور پانچویں میں بکرے کی ٹھوڑی سما جاتی ہے۔اس مخصوص ہیئت میں یہ شیطان کے چہرے کی شبیہ بن جاتی ہے اور شیطانی روحوں کو حاضر و غائب کرنے یا اندھیرے کی طاقتوں سے مدد لینے اور طلسماتی کاموں میں مافوق الفطرت حرام تاثیر پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔سفلی جادوگروں کی سامری روایات کے مطابق:''جب اس کے گرد دائرہ

کھینچا ہو تو یہ علامت عناصر اربعہ (زمین، پانی، ہوا اور آگ) کی نمائندگی کرتی ہے جن کا ایک رخ (جنت سے نکالی ہوئی بدروح یعنی شیطان) احاطہ کیے ہوئے ہوتی ہے۔ تب یہ مضبوط علامت میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کی پکڑ سے نکلنا ماہر روحانی شخصیات یعنی عملی عاملین کے علاوہ مشکل ہوتا ہے۔'' شیطان کے چیلے برائی کو علامتی طور پر ظاہر کرنے اور شیطان سے مدد حاصل کرنے کے لیے اس کی ایک نوک نیچے رکھ کر استعمال کرتے ہیں، چاہے اس کے گرد دائرہ ہو یا نہ ہو، جبکہ عام لوگ جن کا اس شیطانی چکر سے واسطہ نہیں، اسے ایک نوک اوپر رکھ کر یا بغیر کسی خاص سمت میں رخ دیے، اسے استعمال کرتے ہیں، نوک یا دائرے کے فلسفے کا انہیں علم نہیں ہوتا، وہ تو محض آرائشی علامت کے طور پر اسے مختلف شکلوں میں سجاتے ہیں۔ انہیں اس میں مضمر متضاد حقیقت کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ شیطان اور اس کے چیلوں کی ذلت اور رسوائی کی انتہا ملاحظہ کیجیے کہ اہل ایمان تو اللہ کی توحید اور بڑائی ڈنکے کی چوٹ پر بیان کرتے ہیں، تلواروں کے سائے تلے اور سنگینوں کی نوک پر اس کی گواہی دیتے ہیں، شیطان کے پجاری اس کے برعکس چوری چھپے، لوگوں کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر اس کی کسی علامت کو چور ضمیروں کی طرح پیچھے رہ کر پھیلاتے ہیں، ان میں اتنی سکت نہیں کہ اپنے جھوٹے معبود کا کوئی وصف اگر حقیقی ہے تو اسے حق سمجھ کر حقیقت کی طرح کھل کر بیان کر سکیں۔ ذلت بلکہ لعنت کی اس سے بدترین صورت اور کیا ہوگی جو شیطان کے پیچھے چلنے والوں کا مقدر ہے۔

انجامِ گلستاں کیا ہوگا؟

بارہویں علامت۔الو کے کان:

اردو کے ایک مشہور شعر کا مصرع ہے جو کسی قوم کے اسباب زوال کی مختلف وجوہ میں سے ایک اہم وجہ بیان کرتا ہے۔آپ نے بھی سنا ہوگا ؏

ہر شاخ پہ الو بیٹھا ہے، انجام گلستان کیا ہوگا؟

الو کو ہمارے ہاں حماقت، غباوت اور حقارت کا دوسرا نام سمجھا جاتا ہے۔"ہما" نامی پرندہ کسی کے سر پر بیٹھ جائے تو اس کی خوش نصیبی کی انتہا اور الو کا کسی گھر میں بسیرا کرنا بد نصیبی کی علامت قرار دیا جاتا ہے، لیکن اہل مغرب کے پیمانے جس طرح ہم مشرق کے باسیوں سے لین دین میں مختلف ہیں، اسی طرح یہاں بھی ان کا عرف و دستور ہمارے رواج اور زبان سے الگ ہے۔ خصوصاً وہ اہل مغرب جو اسلامی دنیا کو تو قدامت پرستی کا طعنہ دیتے ہیں، لیکن خود بدترین قسم کی توہم پرستی میں مبتلا ہیں۔الو کی خلقت چونکہ کچھ اس طرح کی ہے کہ اسے دن کو کچھ نظر نہیں آتا، رات ہوتی ہے تو اندھیرا اس کے لیے روشنی کا کام کرتا ہے، اس لیے یہ دن کو ویرانوں میں بسیرا کرتا اور رات کو اپنی سرگرمیوں پہ نکلتا ہے۔ بس اسی چیز نے اسے جادوگروں اور شیطنت پرستوں کے لیے پراسرار اور منفی سرگرمیوں کے لیے کارآمد بنا دیا ہے۔اس غریب کو خبر بھی نہ ہوتی ہوگی کہ اس کے بصری عیب اور تنہائی پسندی کو فریبی اور وہمی سامریت پرستوں نے کیسا رنگ دے دیا ہے؟ توہم پرستوں کے نزدیک اس کی مقبولیت، تاثیر اور تقدس کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ وہ اسے یا اس کے مختلف اعضا کو جادو ٹونے میں تاثیر کے لیے استعمال کرنے کے علاوہ اسے ماورائی طاقت کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔امریکا جیسے مہذب ملک میں ان وہمی تصورات کی کارفرمائی اس

[illegible]

[illegible] امریکہ [illegible] ایک [illegible] (نشان دیکھیں)

[illegible] امریکہ [illegible] کلب [illegible] میں ایک [illegible]

[illegible] نشان [illegible] ہے [illegible] نیز [illegible] عالمات [illegible]

[illegible] یہ ہے کہ ایک [illegible] الو یعنی [illegible] کس قسم کا عظیم ابلیس [illegible]

[illegible] ہے۔ امریکہ میں شیطان پرستوں کا ایک گروہ ہے جس نے اپنے کلب (بوہیمین گروو، سان فرانسسکو، کیلی فورنیا) کا تعارفی نشان ہی الو کو قرار دیا ہے۔ دنیا میں چھوٹی بڑی ایسی چیزیں ملتی ہیں جن کے بارے میں اہل نظر کی رائے ہے کہ وہ الو کے کان اور آنکھوں کی شبیہ کو مدنظر رکھ کر ڈیزائن کی گئی ہیں۔ گویا کہ الو بے چارے کے دو ہی اعضا ہمارے ہاں مضحکہ خیز اور نامبارک سمجھے جاتے تھے۔ لمبوترے کان اور ذہانت سے محروم، حماقت سے بھرپور گول مٹول آنکھیں۔ خیر سے دونوں ہی کو مغرب میں وہ قدر و منزلت ملی ہے کہ کم ہی کسی کے حصے میں آئی ہوگی۔ شیطان پرستوں اور دجل کاروں کی یہ علامت ہمارے مخصوص عرف اور رواج کی بنا پر ہمارے ہاں کم استعمال ہوتی ہے، لیکن مغرب میں اس کا استعمال بھی زوروں پر ہے۔ اس لیے ہم نے اسے مخفی اور غیر معروف نشانیوں میں شمار کیا ہے، ورنہ تو مغرب میں الو کے پٹھے تو باقاعدہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اس پر ہم ''بوہیمین گروو'' پر لکھے گئے مضمون میں انشاءاللہ تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

یمین السطور سے سطور کی طرف

بارہ شیطانی علامات کا تذکرہ تو مکمل ہوا۔ دس اصلی اور دو ضمنی۔ یہ قصہ ہم نے کیوں چھیڑا اور اس ساری دردسری کا مقصد کیا ہے؟ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس شیطانی مہم کا شکار ہونے سے ہم کیسے بچ سکتے ہیں؟ رحمان کا بندہ ہونے کی حیثیت سے ہم پر اس شیطانی قسم اور دجالی فتنے کے مقابلے کے حوالے سے کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں یا ہم یونہی خود کو اور انسانیت کو شیطانی مہمات کے سامنے بے دست و پا ہدف بنتا دیکھتے رہیں؟ ان سوالات کا جواب ہم ان سطور کے بین السطور میں دیتے رہے ہیں۔ اب موقع آ گیا ہے کہ اس کی تفصیلی وضاحت کردینی چاہیے، لیکن اس سے بھی پہلے ایک اور سوال نہایت اہم اور ضروری ہے۔ اس پر حسب مقدور گفتگو کرنے کے بعد ہم ان شاء اللہ درج بالا نکات کی طرف لوٹ آئیں گے۔

ان علامات کے پھیلانے سے دجالی قوتوں کا مقصد:

قارئین کے دل میں مضمون کی ابتدا سے بلکہ عنوان پڑھ کر ہی قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہوا ہوگا۔ یعنی شیطانی قوتوں کی طرف سے ان دجالی علامات کو پھیلانے کا مقصد کیا ہے؟ یہودی میڈیا اور صہیونی منصوبہ ساز اس سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ پس پردہ رہ کر ان مشتبہ علامتوں کو رواج دینے کی مہم سے یہ دشمن انسانیت دجالی گروہ چاہتا کیا ہے؟

شیطان کے پجاریوں اور شیطان کے سب سے بڑے ہتھیار اور شیطانی قوتوں کے سب سے بڑے نمائندے یعنی [illegible] "دجال اکبر" کے چیلوں کی طرف سے ان علامات اور نشانات و اشاروں کو نمونوں میں چھپانے کے دو بڑے مقاصد ہیں۔ پہلا طبعیاتی ہے اور دوسرا ماورا الطبعیاتی۔ ایک کا تعلق ظاہری اسباب سے ہے اور دوسرے کا باطنی تاثیرات سے۔ ہم بساط بھر کوشش کرتے ہیں کہ دونوں کی آسان تشریح کر سکیں۔

(1) دجال کے لیے میدان ہموار کرنا:

پہلا مقصد ہے کرۂ ارضی کے باشندوں خصوصاً ترقی یافتہ مغربی ممالک اور بالخصوص مسلم ممالک میں دجال کے خروج کے لیے ذہنوں کو ہموار کرنا تاکہ جب سراپا دجل وفریب اس فتنۂ عظمیٰ کا ظہور ہو تو مہذب انسانی دنیا اس غیر مہذب حیوانی شتونگڑے سے نامانوس نہ ہو، نہ اسے اجنبی یا اپنے احساس وشعور سے دور محسوس کرے۔ اس کے ساتھ مخصوص علامتیں اتنی مرتبہ ان کی نظروں سے گزری ہوں، کان میں پڑی ہوں، دل ودماغ میں جگہ بنا چکی ہوں کہ انہیں سب کچھ اپنا اپنا، دیکھا بھالا اور شعور واحساس سے قریب قریب محسوس ہو۔ خاص کر وہ علامتیں جو درحقیقت عام انسانی عقل اور عرف عام میں عیب سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً: اندر کو دھنسی ہوئی یا باہر کو اُبھری ہوئی آنکھ...... یا ان سے نفرت کی جاتی ہے، مثلاً: سانپ، سینگ، کھوپڑی اور ہڈیاں وغیرہ...... یا ان کے جادوئی وشیطانی پس منظر کی بنا پر لوگ ان سے کراہت محسوس کرتے ہیں، مثلاً: جادوئی اعداد یا آگ وغیرہ...... ان سب سے آج کی مہذب اور تعلیم یافتہ دنیا ایسی آشنا اور مانوس ہو جائے اور دجال کے خروج سے پہلے ہی ہر طرف دجالیات کا ایسا چرچا ہو جائے کہ ہر بڑا چھوٹا اس فتنے کی حشر سامانیوں کو معمول کی چیز اور انسانیت کے اس دشمن کو بنی نوع انسان کے لیے خیر خواہی کا مجسم روپ سمجھنے لگے۔ اس کی ایک مثال ہم دوسری علامت ''اکلوتی آنکھ'' میں دے چکے ہیں۔ ایک آنکھ کو اتنا مشہور کیا جارہا ہے کہ رفتہ رفتہ دو آنکھیں حسینوں کا حسن اور مہ جبینوں کا استعارہ نہیں بلکہ ایک آنکھ حسن کی علامت اور طاقت کا منبع سمجھی جانے لگے گی۔ یہی وہ دجل وفریب ہوگا جس کا شکار انسانیت اپنی تاریخ میں کبھی نہیں ہوئی ہوگی۔

(2) شیطان سے مدد حاصل کرنا:

دوسرا مقصد پراسرار ہے اور ماوراء الطبیعات سے تعلق رکھتا ہے۔ شیطان کے چیلے ان علامات سے نہ صرف یہ کہ شیطانی طاقت اور شیطان کی حمایت حاصل ہونے کا یقین رکھتے ہیں بلکہ اس میں ایسی شیطانی تاثیر کے قائل ہیں جو شیطان کی توجہ کھینچتی ہے اور اسے خدا کی

طرف سے بطور آزمائش ومہلت دی گئی، گندی طاقت کو شیطان کے پجاریوں کے حق میں استعمال کرنے کی درخواست کرتی ہے۔ یوں سمجھیے جس طرح مسلمان مقدس مقامات کی شبیہ یا متبرک کلمات کا عکس اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی طرف سے نازل شدہ برکت کے حصول کے لیے شائع کرتے، پھیلاتے اور آویزاں کرتے ہیں، شیطان کے چیلے بالکل اسی طرح اس لعین کو خوش یا متوجہ کرنے کے لیے ان علامات کو پھیلانے اور ان کی تشہیر کر کے لوگوں کو ان سے مانوس کرتے ہیں تاکہ شیطان اپنی اوقات کے اندر رہتے ہوئے ان کی ناجائز سفلی خواہشات کی تکمیل میں ان کی مدد کرے اور اس کے بدلے یہ زیادہ سے زیادہ دولت وشہرت حاصل کرسکیں اور حتی الوسع حیوانی لذت اور شہوت پوری کرسکیں۔

O.......O.......O

اصل مقصد کی طرف:

اس سوال کے جواب سے فارغ ہونے کے بعد ہم اس تحریر کے اصل مقصد کی طرف لوٹتے ہیں۔ شر کا تذکرہ شر ہی پھیلاتا ہے، یہ خیر صرف اسی وقت بن سکتا ہے جب شر کی تردید کی جائے، حق کا گرز باطل کے سر پر اس زور سے مارا جائے کہ اس کا بھیجا نکل جائے، جب ہم نے یہ سمجھ لیا اور محض اندازے قیافے سے نہیں، شواہد وقرائن کی رو سے سمجھ لیا کہ ان پراسرار علامات کے پیچھے "اسرار" وغیرہ کچھ نہیں، محض شیطان کی رسوائی اور بنی آدم سے انتقام کی داستان ہے تو اب ہمیں جس علامت کے بارے میں یقین ہو...... مضمون کے آغاز میں کہہ دیا گیا تھا کہ یقینی بات کا اعتبار ہے، وہمی شک وشبہات کی کوئی حیثیت نہیں،...... تو جو علامات یقینی ہیں ان سے بچنا چاہیے۔ انسانیت کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے...... لیکن کیا ایک منظم مہم کے سامنے اتنا کافی ہوگا؟ کیا ہم ہمیشہ دفاع ہی کرتے رہیں گے؟ اس طرح تو یہ دنیا اندھیری وارداتوں کا شکار ہوکر شیطان کی بستی بن جائے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے یا شیطنت کو دھتکارنے اور اس کے آلہ کاروں کو ناکام بنانے کے لیے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہاتھ پیر ہلانے پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے۔ وہ بندے کے اس عمل سے راضی ہوتے ہیں جو خلوص سے بھرا ہوا اور مشقت

وآزمائش کا سامنا کرتے ہوئے جگہ اور ماحول کی مناسبت سے اختیار کیا جائے۔ فتنوں کے اس دور میں انسانیت کو فتنوں سے بچانے کی کوشش (ان شاء اللہ) اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگی۔ اس کے لیے ہمیں مرحلہ وار درج ذیل ترتیب اختیار کرنی چاہیے تاکہ نہ ہم خوفزدہ ہوں اور نہ کسی اور کو مرعوب وخوفزدہ کریں۔ ہم حق کے علمبردار ہوں اور بلاخوف وجھجک اپنا فرض انجام دیں۔ اس سلسلے میں ہم برادران اسلام کی خدمت میں چند باتیں عرض کریں گے۔ یہ گزارشات دراصل فتنوں کے اس دور میں ایک طرح کا مربوط اور مرتب لائحہ عمل ہیں جس کے مطابق زندگی کا معمول بنانے سے ان شاء اللہ تعالیٰ فتنوں سے حفاظت بھی رہے گی اور اللہ تعالیٰ کی محبت ونصرت بھی حاصل ہوگی۔ دجال I اور II میں اس طرح کی تدابیر بیان کی جاچکی ہیں۔ یہاں اسلوب کچھ الگ ہے اور نوعیت بھی ایک طرح سے الگ ہے۔ انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔

پہلی اور آخری بات

اس شیطانی منصوبے اور دجالی مہم کے خلاف اہم عمل کے نکات ترتیب وار پیش خدمت ہیں۔ اس میں سے پہلی اور آخری بات پوری بحث کا خلاصہ اور جان ہیں۔

پہلی بات: سچی توبہ نہایت ضروری ہے۔

سب سے پہلے تو ہمیں ہر طرح کے گناہوں سے سچی توبہ کرنی چاہیے۔ اس فتنہ زدہ دور میں سچی توبہ اور رجوع الی اللہ ہی ہمیں آزمائشوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے اب تک بے خبری میں اگر کسی شیطانی علامت کو اپنے لباس، جوتے، اشتہار یا کسی اور شکل میں برتا ہو، زبان سے اس کا اظہار کیا ہو تو اس کو اللہ پاک معاف فرمادیں۔ آئندہ کے لیے ایسے اعمال کی توفیق مل جائے جو ان شیطانی اعمال کو مسترد کرنے اور ان کے خلاف جدوجہد کا ذریعہ ہوں۔ شیطان کا مکروفریب مکڑی کے جالے کی طرح انتہائی بودا اور اس کے منصوبے اور چالیں انتہائی کمزور ہیں۔ دل کی توجہ سے ایک مرتبہ اللہ کی طرف رجوع کرنے، اس کی کبریائی بیان کرنے یا ایک لاحول پڑھنے کی دیر ہوتی ہے، یہ واویلا کرتا ہوا، سر میں مٹی ڈالتا ہوا بھاگتا ہے۔ مغربی دنیا تو وحی الٰہی کی مقدس و مبارک تعلیمات اور اس کے نور و حفاظتی حصار سے محروم ہے۔ اس لیے وہ شیطانی قوتوں کی یلغار کے سامنے بہتی چلی گئی۔ اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ نے بابرکت کتاب اور سچی تعلیمات دی ہیں۔ مسلم امہ کے پاس اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اصل حالت میں موجود ہیں، جن میں آخر زمانوں کے فتنوں کی وضاحت خوب تفصیل سے کی گئی ہے، اسے چاہیے کہ ساری دنیا کے لیے خیر اور سلامتی کی داعی بن جائے اور مغرب کے شیطان گزیدہ اور ستم رسیدہ انسانوں کو گناہوں اور گمراہیوں کے اس گڑھے سے نکالنے کی کوشش کرے جس میں شیطان کے پیروکاروں اور دجال کے آلہ

کاروں نے اسے جھٹلانے کی کوشش جاری رکھی ہوئی ہے۔ جب اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے سچی توبہ نصیب ہو جائے تو اس کے بعد اس پر قائم رہنے کے لیے دو کام کیجیے۔

(2) اصلاحی حلقے سے جڑ جایئے:

توبہ کے بعد اگلا کام یہ ہے اپنے ''علم و عمل'' کو شریعت و سنت سے قریب تر لانے کی جدو جہد کیجیے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے ایسے علمی و اصلاحی حلقوں سے جڑ جایئے جہاں اہل حق علمائے کرام اور مشائخ عظام شریعت و سنت کا نور پھیلا رہے ہیں اور فتنوں کے اس دور میں اپنے پروں تلے آنے والے امتیوں کے ایمان کی یوں حفاظت کر رہے ہیں جیسے مرغی اپنے نادان اور کمزور بچوں کی حفاظت کرتی ہے۔ ایک نومسلم پادری سے راقم الحروف نے پوچھا: ''جب آپ کفار کی صف میں تھے اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوشش کر رہے تھے تو مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ کس طبقے کو اپنے کام میں رکاوٹ سمجھتے تھے یا ہماری کس تحریک سے خطرہ محسوس کرتے تھے؟'' انہوں نے برجستہ کہا: ''دو قسم کے مسلمانوں کو۔ ایک وہ جو مسلمانوں کو مسجد سے جوڑے۔ جو مسجد سے جڑ جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑ جاتا ہے اور ہم تو لوگوں کو اللہ اور رسول سے دور کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے وہ لوگ جو جہاد کی بات کریں۔ یعنی عملاً جہاد کریں یا نہ، لیکن صرف جہاد کو فرض عین بتائیں، لوگوں کو یہ سمجھائیں کہ قتال فی سبیل اللہ شرعی فرائض میں سے ایک فرض ہے۔ یہ ہمارے لیے سب سے زیادہ خطرناک تھے۔ ان کا کوئی علاج ہمارے پاس نہیں ہے۔''

محترم قارئین! دراصل ان علمی و اصلاحی حلقوں، جو مساجد و مدارس اور خانقاہوں میں قائم ہوتے ہیں، سے جڑنے کی بہت سی برکات ہیں۔ ایک اہم فائدہ اور عظیم برکت یہ ہوتی ہے، انسان کی سب سے قیمتی متاع یعنی اس کا ایمان محفوظ رہتا ہے۔ اس کو مسنون اعمال سے شناسائی پیدا ہوتی ہے۔ مسنون زندگی اپنانے کا شوق اور ہمت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جس کی برکت سے ان شاء اللہ آپ شر و فتن اور شیطانی مہمات کے باطنی و نفسیاتی جراثیم سے محفوظ رہیں گے۔

(3) جدیدیت کے جھانسے میں نہ آیئے

اس کے بعد جدیدیت کے فتنے سے بچنے کی کوشش کیجیے۔ نئی چیزوں سے متاثر ہونے کے بجائے اپنے اس قدیم اور اصلی دین اور اس کی مبارک تعلیمات سے چمٹے رہنے کی فکر کیجیے جو برحق اور سراپا صدق ہے۔ جدیدیت کا لیبل لگی چیزوں خصوصاً مغرب سے آئی ہوئی چیزوں اور مغرب زدہ لوگوں سے بچیے۔ ان کے نظریات و افکار سے بھی اور ان کی تہذیب و روایات سے بھی۔ یہ لوگ باتوں باتوں میں انسان کو فتنے میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ مثلاً مغرب زدہ دینی اسکالر ہمیں "ماڈرن اسلام" سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ ماڈرن اسلام کوئی چیز نہیں۔ انسان یا تو مسلمان ہے یا کچھ اور ہے۔ بیچ کا دوغلا راستہ نفاق ہے۔ اسی طرح ناول، کارٹون اور فلموں کے ذریعے اہل مغرب اپنے دجالی نظریات ہمارے ذہنوں میں انڈیلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ جادوئی اعتقادات کی ترویج کے لیے فرضی مخلوق اور وہمی شخصیات کے قصے کہانیاں لکھتے اور ان پر فلمیں بناتے ہیں۔ اڑنے والا اژدھا، سینگوں والا ناقابل شکست ہیولا، پروں والی خلائی مخلوق، نچلا دھڑ گھوڑے جیسا اور اوپر کا انسانوں جیسا، ماورائی طاقتوں کی حامل پراسرار فرضی شخصیات، یہ سب کچھ دراصل انسان کو ذہنی طور پر مرعوب کرنے اور نفسیاتی شکست اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار کرنے کے بعد اس پر قابو پانے کی کوششیں ہیں۔ لہٰذا خود کو اور اپنے متعلقین کو فرضی ناول، کہانیاں پڑھنے اور فلمیں اور کارٹون وغیرہ دیکھنے سے بچائیں۔ نیز ایسے نیم مذہبی اور نیم مغربی اسکالروں کے بیانات نہ سنیں جو خود سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ حسنہ سے محروم ہیں۔ تحریف کے نام پر جدیدیت کے فتنۂ عظمیٰ کا شکار ہیں اور اس راستے سے وہ ہمیں اباحیت اور پھر دجالیت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، کیونکہ اس میں شک نہیں اس طرح کی مخلوق سے متاثر انسان تاریکی کے علمبردار اور نامانوس قسم کی فتنہ باز و فتنہ پرور مخلوق "دجال اکبر" کا آسان ترین شکار ہوگا۔

(4) شریعت وسنت کو طرز حیات بنایئے:

جو اللہ کا قرب چاہتا ہے، وہ شریعت وسنت کو طرز حیات بنائے اور شیطانی کاموں اور

دجالی فتنے سے اپنے آپ کو بچائے۔ ان دونوں کا فتنہ شر اور باطل پرستی کا فتنہ ہے۔ اس کا علاج نیکی کو پھیلانے اور خدا پرستی کو عام کرنے میں ہے۔ جہاں شریعت کا حکم زندہ ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل ہوگا، وہاں شیطان شکست کھائے گا اور واویلا کرتے ہوئے بھاگے گا۔ جہاں انسان گناہ کرے گا، حیوانات کی طرح نفس پرستی میں مبتلا ہوگا، وہاں شیطان کا کام آسان ہوگا اور انسانیت فتنہ دجال کے پھندوں میں پھنستی چلی جائے گی۔ اللہ و رسول سے محبت کرنے والوں کے لیے یہ امتحان کا وقت اور غیرت دکھانے کا لمحہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک رب کے دین اور اپنے محسن و مشفق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت کی ہدایت اور استقامت کے لیے کیا کچھ کرتے ہیں اور اپنے اور ساری دنیا کے دشمنوں اور ان کے چیلوں کے مقابلے میں کتنی مشقت اُٹھاتے اور استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

(5) مسنون اعمال اور مسنون دُعاؤں کا اہتمام کیجیے:

علاوہ ازیں: دجال کا فتنہ شیطان کا عظیم فتنہ ہے۔ اس سے دفاع کے لیے رحمانی حصار میں آنا ضروری ہے۔ رحیم و رحمان ذات کی مدد اور اس کی حفاظت کے حصار میں آنے کے لیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں پر عمل، متبع سنت مشائخ کرام کی صحبت اور مسنون اعمال ہی واحد ذریعہ ہیں۔ سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات اور آخری رکوع کے بارے میں حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ فتنہ دجال اور اس کے زہریلے اثرات و جراثیم کے خلاف مضبوط ترین حصار اور مؤثر ترین ہتھیار ہے۔ ان کا صبح شام ورد کیجیے۔ اسی طرح ان دعاؤں کا بھی اہتمام کیجیے جنہیں محدثین کی اصطلاح میں "تعوذات" کہا جاتا ہے یعنی جن میں "اعوذ" کا لفظ آتا ہے اور ان کے ذریعے ہمارے محسن حقیقی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فتنوں اور ناگوار چیزوں سے پناہ مانگنے کی تلقین و تعلیم کی ہے۔ یہ دُعا:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ."

نیز" اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ" (صحیح بخاری، کتاب الدعوات: 2/ 944)

آخری بات: نظریۂ جہاد کو زندہ کیجیے:

آخری بات یہ کہ منحوس شیطانی علامات اور مکروہ دجالی نشانات کی روک تھام کیجیے۔ ان کی جگہ اللہ کی تسبیح اور تقدیس کو عام کیجیے۔ رحمانی شعائر کا احترام کیجیے۔ گناہ چھوڑنے اور چھڑوانے کی ترغیب دیجیے اور دجالی فتنے کے واحد حل "جہاد فی سبیل اللہ" کے عظیم فرض کی ادائی کی فکر کیجیے۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے حلال کمائیے اور اپنی جان کو اللہ کے لیے قربان کرنے کے لیے تیار رکھیے۔ نظریۂ جہاد کو زندہ کیجیے اور قتال فی سبیل اللہ کے ساتھ کسی نہ کسی درجے میں جڑ جائیے۔ جان، مال، زبان...... دامے، درمے، سخنے...... کسی نہ کسی شکل میں فرض "قتال فی سبیل اللہ" ادا کیجیے۔ اس سے غافل رہنا اجتماعی خودکشی ہے۔ یہ ذلت والی زندگی کو قبول کرنے حسرت ناک موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا ہر حال میں اس میں کسی نہ کسی شکل میں اس سے جڑے رہنا ضروری ہے۔ یہ کسی بھی اشکال کی بنا پر ساقط نہیں ہے۔ روزِ قیامت یہ سوال نہیں ہوگا کہ نیکی کی جدوجہد میں کتنی کامیابی حاصل کی؟ سوال یہ ہوگا کہ نیکی پھیلانے اور بدی کے خاتمے کے لیے اپنی مقدور بھر کوشش کیوں نہیں کی؟ ہم سب کو وہ لمحہ یاد رکھنا چاہیے جب ہم سے یہ سوال ہوگا۔ لازماً ہوگا اور برسرِعام ہوگا۔ پھر ہمارے سامنے خیر کے داعیوں اور اسلام کے سپاہیوں کو اعزازات وانعامات ملیں گے اور خیر وشر کے معرکے میں پھسڈی پن دکھانے والوں کو حسرت اور ارمان کے علاوہ چارہ نہ ہوگا۔ ہمیں اس وقت کی حسرت اور ندامت سے بچنے کے لیے آج کی مہلت سے فائدہ اٹھالینا چاہیے۔ فتنۂ عظیم کے مقابلے میں قلیل عمل کا اجر ان شاء اللہ بہت عظیم اور ہمارے تصور سے بالاتر ہے۔

البتہ استفسار بھری نظروں سے میری طرف دیکھا تو میں نے یہ کہہ کر گفتگو ختم کر دی ''عنقریب نیٹ پر اور پھر اخباروں میں یہ بات آنی شروع ہو جائے گی لیکن حسب معمول نظر انداز کر دی جائے گی۔'' اس واقعے کو تقریباً دو ہفتے ہو گئے ہیں۔ اس عرصے میں ہم اہل وطن کے دکھ درد سمیٹنے اور مقدور بھر خدمت میں مصروف رہے اور بوجوہ مختلف ناموں سے ہمارے مضامین چھپتے رہے۔ انتظار تھا کہیں سے جمود ٹوٹے تو ہم کچھ بولیں ورنہ فقیروں کی کون سنتا ہے؟ حتیٰ کہ وہ خبر کل جمعہ کے دن قومی اخبارات کے پہلے صفحے پر آ گئی ہے جس کی طرف بندہ آج سے تین سال پہلے ''دجال I'' میں قدرتی وسائل پر دجالی قوتوں کے قبضے کے طریق کار اور اس کے نتائج کے عنوان سے تفصیل سے لکھ چکا تھا۔ خبر کا عکس آپ مضمون کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ پہلے ''دجال I'' کے دو پیراگراف پڑھ لیجیے، پھر اس خبر کا متن دیکھ لیجیے۔ موازنہ اور نتائج کا اخذ آپ کا کام ہے جبکہ حل اور لائحہ عمل متذکرہ کتاب کے علاوہ کئی مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے۔ ''دجال I'' صفحہ 261 پر عرض کیا تھا:

''امریکی سائنس دانوں نے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو موسموں میں تبدیلی سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ یہ ادارہ نہ صرف موسموں میں تغیر کا ذمہ دار ہے بلکہ کرۂ ارض میں زلزلوں اور طوفانوں کے اضافے کا بھی ذمہ دار ہے۔ اس پروجیکٹ کا نام Haarp یعنی ''ہائی فریکوئنسی ایکٹو آرورل ریسرچ پروجیکٹ'' ہے۔ اس کے تحت 1960ء کے عشرے سے یہ تجربات ہو رہے ہیں کہ راکٹوں اور مصنوعی سیاروں کے ذریعے بادلوں پر کیمیائی مادے (بیریم پاؤڈر وغیرہ) چھڑکے جائیں جس سے مصنوعی بارش کی جا سکے۔ یہ ساری کوششیں قدرتی وسائل کو قبضے میں لینے کی ہیں تاکہ دجال جسے چاہے بارش سے نوازے جسے چاہے قحط سالی میں مبتلا کر دے۔ جس سے وہ خوش ہو اس کی زمین میں ہریالی لہرائے اور جس سے بگڑ جائے وہاں خاک اڑے۔ لہٰذا مسلمانوں کو قدرتی غذاؤں اور قدرتی خوراک کو استعمال کرنا اور فروغ دینا چاہیے۔ یہ ہم سب کے لیے بیدار ہونے کا وقت ہے کہ ہم قدرتی خوراک (مسنون اور فطری خوراک) استعمال کریں اور مصنوعی اشیاء یا مصنوعی طریقے سے

محفوظ کردہ اشیاء سے خود کو بچائیں جو آگے چل کر دجالی غذائیں بننے والی ہیں۔"

دو صفحے بعد کی عبارت بھی دیکھ لیجیے: "آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ کرۂ ارض کے موسم میں واضح تبدیلیاں آ رہی ہیں اور موسم اور ماحول سنگین تباہی سے دوچار ہو رہے ہیں۔ دنیا بھر میں اس حوالے سے مضامین اور سائنسی فیچرز شائع ہو رہے ہیں۔ مجموعی درجہ حرارت میں اضافے سے طوفان، سیلاب اور بارشوں کی شرح غیر معمولی طور پر متغیر ہوگئی ہے۔ اگرچہ اس کو فطری عمل قرار دیا جا رہا ہے لیکن درحقیقت یہ تسخیر کائنات کے لیے کی جانے والی ان شیطانی سائنسی تجربات کا نتیجہ اور موسموں کو قابو میں رکھنے کی کوششوں کا نتیجہ ہے جو مغرب میں جگہ جگہ موجود یہودی سائنس دان حضرت داؤد کی نسل سے عالمی بادشاہ کے عالمی غلبے کی خاطر کر رہے ہیں۔"

اب اس خبر کا مطالعہ کر لیجیے جو نیٹ سے ہوتی ہوئی بالآخر اخبارات کے صفحے پر آ گئی ہے۔

"پاکستان میں غیر معمولی بارشوں اور ان کے نتیجے میں رونما ہونے والے سیلاب کے اسباب تلاش کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ماحول کو کنٹرول کرنے والی خفیہ امریکی ٹیکنالوجیز پر نظر رکھتے ہیں۔ امریکی ہارپ ٹیکنالوجی پر حالیہ سیلاب کا الزام عائد کیا جا رہا ہے۔ یہ وہ ٹیکنالوجی ہے جس کے ذریعے بالائی فضا میں برقی مقناطیسی لہروں کا جال بچھا کر موسم کے لگے بندھے ڈھانچے کو تہس نہس کر دیا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں موسلا دھار بارشیں ہوتی ہیں۔ سیلاب آتے ہیں اور برفباری بھی بڑھ جاتی ہے۔ اسی ٹیکنالوجی کو انجینئرڈ زلزلوں اور سمندری طوفانوں کی پشت پر کارفرما بتایا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ پر مختلف ذرائع سے منظر عام پر آنے والی رپورٹس میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان میں بارشوں کے سلسلے کو ہارپ ٹیکنالوجی کے ذریعے طول دیا گیا۔ صرف چار دنوں میں سب کچھ بدل گیا۔ دنیا بھر کے موسمیاتی ماہرین نے بھی اس حوالے سے کچھ نہیں کہا تھا۔ کوئی انتباہ بھی جاری نہیں کیا گیا تھا۔ ہارپ (ہائی فریکوئنسی ایکٹیو آرورل ریسرچ پروگرام) امریکی فوج کا ایک حساس پروگرام ہے جو کئی برسوں سے متنازع چلا آ رہا ہے۔ 1997ء میں اس وقت

کے امریکی وزیر دفاع ولیم کوہن نے بھی اس پروگرام کو متنازع قرار دیا تھا۔ باخبر ذرائع بتاتے ہیں ہارپ بھی ان پروگراموں کا حصہ ہے جو 2020ء تک پوری دنیا پر امریکی تصرف یقینی بنانے کے لیے شروع کیے گئے ہیں۔ ان ذرائع کا دعویٰ ہے کہ موسمیاتی نظام کے ڈھانچے کو بدل کر بہت سے ممالک کو شدید معاشی بحران سے دوچارہ کیا جاسکتا ہے۔ روس کے معروف اسکالر اور اسٹریٹجک کلچر فاؤنڈیشن کے نائب سربراہ آندرے اریشیف نے روس کے جنگلوں میں لگنے والی بھیانک آگ کو بھی امریکی ہارپ ٹیکنالوجی کے استعمال کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ زمینی دریاؤں کی طرح دو میل کی بلندی پر بخارات کی شکل میں بھی دریا پائے جاتے ہیں۔ دنیا بھر میں ایسے دس فضائی دریا ہیں جن کا راستہ روک کر غیر معمولی بارش اور سیلاب کی راہ ہموار کی جاسکتی ہے۔ ہارپ اور دیگر متعلقہ ٹیکنالوجیز کی مدد سے بارانی ہواؤں کے نظام کو غیر متوازن کر کے بارش کا قدرتی مقام اور ڈیڈلائن تبدیل کر دی جاتی ہے۔ یہ سب ماحولیاتی دہشت گردی کے ذیل میں آتا ہے اور خود امریکی ماہرین اور سیاست دان بھی اس حوالے سے خبردار کرتے رہے ہیں۔"

(روزنامہ اُمت: جمعہ 27 اگست 2010ء)

مشکلات تو آپ نے سن لیں۔ حل کیا ہے؟ صرف "بی اینڈ بی" یعنی برونائی اور بحرین دو بہت چھوٹے اور انتہائی مالدار مسلم ملک ایسے ہیں کہ اپنی دولت کا خمس یعنی 20 فیصد جو معدنیات کی زکوٰۃ کا شرعی نصاب ہے، ادا کرنے لگیں تو مسلمانوں کو بیرونی امداد اور بیرونی امداد کو فوجوں کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی نہ کسی سے قرض لینے اور دنیا بھر میں امداد کی دہائی دینے اور خوار پھرنے کا خطرہ ہوگا، لیکن مسلمان حکمران اپنے اُڑن کھٹولوں کو نئے سرے سے سونے سے سنہرا کر رہے ہیں اور مہربان ستم گر اپنے لاؤلشکر کے ساتھ وہ امدادی سامان لے کر بے دھڑک آرہے ہیں جس کی جانچ پڑتال کی بھی کسی سیاسی اداکار کو ضرورت ہے نہ سیاسی ہدایت کار کو ہمت کہ "بلیک واٹر" کے بعد اب یہ "آرٹی فشل واٹر" کیا کچھ ساتھ لا رہا ہے اور کیا کچھ بہا کر لے جائے گا؟ خبر آئی ہے کہ برونائی کے سلطان حسن بلقیا کی ہدایت پر

233 بلین ڈالر کی مالیت کے جہازوں کو از سر نو تزئین کر کے سونے سے بنی ہوئی اشیا سے سجایا گیا ہے اور ہر چھوٹے بڑے فریم اور فرنیچر کو خالص سونے کی پلیٹوں سے تیار کیا گیا ہے۔ موصوف 20 بلین ڈالر کی جائیداد کے مالک ہیں۔ اگر وہ اور ان کے طبقے کے مسلمان زردار امرا ...... ہم وطن ہوں یا ہم مذہب ...... اپنی تجوری بند، دولت کا ڈھائی فیصد یعنی صرف زکوۃ بھی ادا کر دیں تو ہم امریکی امداد کے تھیلوں سے گرا ہوا آٹا سڑکوں پر سے چن کر کھانے اور ''یوم دفاع'' کی جگہ ''سال دفاع'' منانے سے بچ سکتے ہیں لیکن ہم تو پہلے سے موجود ''شہبازوں'' کو بچانے کے لیے ''جمال شاہوں'' کو ڈبونے سے بھی دریغ نہیں کر رہے۔ مُردوں کی قبروں پر چراغ جلائے رکھنے کے لیے زندوں کے گھروں میں اندھیرا کیا جا رہا ہے۔ این جی اوز کے مطابق 72 ہزار بچوں کی زندگی کو خطرہ ہے، اس لیے وہ امدادی کارروائیاں جاری رکھیں گی، لیکن جو بچے امدادی کیمپوں سے غائب ہو رہے ہیں یا کیے جا رہے ہیں، انہیں کس سے خطرہ ہے؟ اس کا کوئی ذکر نہیں۔ زرداروں کو زرگری سے فرصت ملنے تک، ''رازدار'' رازوں کے راز تک ہی نہ پہنچ جائیں۔ خدانخواستہ خاکم بدہن زرر ہے نہ ایٹم کا ذرہ۔ اللہ رحم کرے۔ دُعا اور دوا دونوں کی ضرورت ہے۔ رجوع الی اللہ اور خدمتِ خلق دونوں سے دریغ نہ کیا جائے۔ ہمیں اپنے کام میں لگا رہنا چاہیے۔ زمین والے جو کچھ منصوبے بنائیں آسمان والے کی بادشاہی آسمانوں اور زمینوں پر قائم دائم ہے اور اس کی تدبیر سب تدبیر کرنے والوں کی تدبیر سے بہتر ہے۔

▬

نیلی برف اور گرم بارش

''مصنوعی سیلاب'' والا مضمون پڑھ کر قارئین کے دلچسپ، متنوع اور مختلف تاثرات موصول ہوئے۔ آج کی مجلس میں آپ کو ان تاثرات میں شریک کرنا چاہوں گا۔

عقیدہ اور عقیدت:

بعض ٹھیٹھ قسم کے دیندار احباب کا کہنا تھا یہ تو اللہ کے کاموں میں مداخلت ہے۔ اس کا اختیار کسی کو کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ ان حضرات کی توجہ ان احادیث کی طرف نہیں گئی جن میں دجال کو دی گئی ان غیر معمولی شعبدہ نما صلاحیتوں کا ذکر ہے جو اس سے بھی آگے کی چیز ہیں اور جن کی بنا پر وہ اپنی جھوٹی خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ جس کو (یعنی منافقین کو) چاہے گا خوشحال و سرشار کر دے گا اور جس کو (یعنی مخلص مومنین کو) چاہے گا روٹی پانی بند کر دے گا۔ اس کے ساتھ خوراک کے ذخیرے بھی ہوں گے اور جنت نما باغ بھی۔ قدرتی وسائل پر بھی اس نے قبضہ کر رکھا ہو گا اور انسانی زندگیوں سے کھیلنے پر بھی قدرت حاصل کر رکھی ہوگی۔ دجال کو رہنے دیں۔ مغرب جہاں دجالی تہذیب جنم لے کر فروغ پا رہی ہے وہاں دیکھ لیں۔ بھیڑ سے شروع ہونے والا کلوننگ کا سلسلہ، گائے، اونٹنی اور انسانوں تک جا پہنچا ہے۔ تو کیا اسے خدائی اختیارات کا حصول کہیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں! یہ تو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال تخلیق کا ایک اور ثبوت ہے۔ رب تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ انسان اور دیگر جانداروں کو پیدا کیا بلکہ انسان کے جسم میں ایسے ہزاروں خلیے پیدا کر دیے جن سے ہر انسان جیسے ہزاروں انسان بن سکتے ہیں۔ کلوننگ کے ذریعے سائنس دانوں نے از خود کوئی چیز تخلیق نہیں کی۔ اللہ کی تخلیق کردہ مخلوق کے اندر پہلے سے موجود ایک پوشیدہ چیز کو ظاہر کر کے اللہ رب العزت کی قدرت کا ایک اور مظہر دنیا کے سامنے لایا ہے۔ اسی احسن الخالقین کی شان

خلاقیت کا ایک اور پہلو دنیا کے سامنے آشکارا ہوا ہے۔ نہ یہ کہ گنجے موتے اور لیباریوں میں پیشاب پاخانہ کا تجزیہ کر کے پیسہ کمانے والے سائنس دان معاذ اللہ خدائی میں شریک ہو گئے ہیں۔ بالکل اسی طرح اگر آسمان پر موجود بادلوں یا زمین پر پہلے سے جمی برف پر مقناطیسی شعاعیں ڈال کر انہیں پگھلا دیا جائے اور پانی کی ایک بڑی مقدار جسے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے تخلیق کر رکھا ہے، کو ایک دم انسانی آبادیوں پر چھوڑ دیا جائے تو اس دجالی حرکت میں خدائی صفت کہاں سے آگئی؟ یہ تو بے گناہ اور سادہ لوح انسانیت کو کرب واذیت میں مبتلا کرنے والی شیطانی حرکت ہوئی جو دجالی قوتوں کی ان کاوشوں کا حصہ ہے جس کے مطابق وہ اپنی جھوٹی خدائی کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ ان کی اس انسانیت سوز حرکت سے نہ عقیدے کے اعتبار سے کسی وہم میں پڑنا چاہیے نہ اسے خلاف حقیقت یا خلاف عقیدت قرار دے کر نظر انداز کرنا چاہیے۔

خوف یا اُمید؟

بعض لوگوں کا کہنا تھا اس سے خوف وہراس پھیلے گا۔ اب آپ ہی بتائیے دشمن کے آنے کی خبر دینے سے جو خوف پھیلتا ہے اس سے تو مزاحمت کی اُمید پیدا ہوتی ہے۔ اگر دشمن سے مطمئن ہو لیا جائے تو اس بے جا خوش فہمی اور شکست میں فاصلہ ہی کتنا ہی رہ جاتا ہے؟ اور دجال تو ایسا فتنہ ہے کہ تمام انبیائے کرام نے...... حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک...... تمام انبیائے کرام نے اس سے ڈرایا ہے۔ کیا نبوی فرائض یا معمولات میں خرابی کا اندیشہ ہو سکتا ہے؟ اس سے تو ان شاء اللہ خیر جنم لیتی ہے۔ وہ خیر جو غفلت کے ساتھ جمع نہیں ہوتی، جستجو اور آگاہی سے ہی پھوٹتی ہے۔ ہم سے بہتر تو مغرب کے وہ محقق ہیں جو اس طرح کی چیزوں پر نظر رکھتے اور دنیا کو ان سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ مغرب میں ان کی تحقیقات کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے اور ان کا تنقیدی جائزہ لینے کے ساتھ انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں دشمن کے اسلحہ خانے پر نظر نہیں رکھی جاتی۔ اگر کوئی جستجو کر کے کھوج نکال لائے تو اسے دیوانہ قرار دیا جاتا ہے۔ دیوانگی کا یہ الزام اس

وقت تک تو انتظار کیا جا سکتا ہے جب تک دشمن کی یلغار فرزانوں کے سر پر نہیں آپہنچتی۔

بعض حضرات کو جدید سائنس کی انکشافاتی شعبدہ بازیوں پر اتنا تعجب ہوتا ہے کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا ان کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ یہ دونوں رد عمل محل نظر ہیں۔ اگر انسان کا چاند پر جانا ثابت ہو جائے تو اس میں اسلامی عقائد کے خلاف کون سی بات ہوگی یا کون سا معجزانہ قسم کا کمال ہوگا؟ کیا جنات پلک جھپکتے میں اس دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک نہیں چلے جاتے؟ چاند سے بھی اوپر آسمانوں پر جا کر فرشتوں کی باتیں نہیں سنتے؟ اس میں کمال کیا ہوا؟ الٹا پتھر کا تھپیڑ کھا کر مردود ہو کر بھاگتے ہیں۔ اگر جنات بغیر کسی سواری کے خلا میں چلے جاتے ہیں تو عالمی تسخیر کے منصوبے پر عمل کرنے والے کچھ بدنیت انسانوں نے سواری پر چڑھ کر چاند تک رسائی حاصل کر لی تو اس میں اتنی بڑی کون سی بات ہے کہ ہم اس کو شرعی مسلمات کے خلاف اور اس کے انکار کو صحت اعتقاد کے لیے لازم قرار دینے لگیں؟ شیطان کو اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کی عمر اور سات براعظموں میں موجود ہر شخص کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی صلاحیت دے رکھی ہے تو کیا شیطان کے چیلوں (شیطان کا سب سے بڑا چیلہ دجال اعظم) کو اس طرح کی صلاحیت نہیں دی جا سکتی؟ پھر ایمان والوں کی آزمائش ہی کیا ہوگی؟ انہیں امتحان سے گزرے بغیر جنت کس بنیاد پر ملے گی؟ مسلمان کا ایمان دو ٹوک اور کھرا ہونا چاہیے۔ اس طرح کے شیطانی شعبدہ بازوں سے اس کو وسوسوں کا شکار نہ ہونا چاہیے۔ البتہ دلائل و شواہد کی بنا پر تحقیق و تجسس اور تنقید و تمحیص ہمارا فرض ہے۔ آیئے! اہل مشرق کے مشاہدے اور اہل مغرب کے تجزیے پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

اہل مشرق کا مشاہدہ:

گزشتہ دنوں آزاد کشمیر کے دور دراز علاقوں میں جانا ہوا۔ وہاں کے بہت سے لوگوں نے بتایا کہ یہاں بارشیں زیادہ نہیں ہوئیں۔ یہاں جس غیر معمولی سیلاب نے تباہی مچائی وہ پہاڑوں پر جمی ”نیلی برف“ کے یکدم پگھلنے اور پھر ”گرم بارش“ برسنے سے ہوا۔ نیلی برف اس برف کو کہتے ہیں جو ہر سال جمنے اور پگھلنے والی برف کے نیچے بیسیوں فٹ نیچے صدیوں

سے جمی ہوئی ہے۔ ''کیل'' اور'' دواریاں'' نامی دور دراز علاقوں کے بڑے بزرگوں کا کہنا تھا کہ ایک دھماکا ہوا جس سے اُڑنے والی برف کے ٹکڑے میلوں دور تک گھروں میں جاگرے۔ اس کے بعد'' گرم بارش'' ہوئی۔ اس میں بھیگنے سے انسان کو سردی نہیں لگتی، گرمی لگتی ہے۔ موجودہ سیلاب کی ابتدا کشمیر سے ہوئی تھی اور کشمیر کے سیلاب کی ابتدا'' نیلی برف'' اور'' گرم بارش'' سے ہوئی تھی۔ پورے پاکستان میں پھر جو کچھ ہوا اس سے پہلے نہیں ہوا تھا۔ جس طرح ہوا وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ سب کیا ہے؟ قدرتی وسائل اور فطری موسم کو اپنے قابو میں کر کے جارحانہ مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے دجالی منصوبے کے مزید مظاہر ابھی دنیا دیکھے گی۔ نجانے اس وقت فقیر کہاں ہوگا؟ انسان سمجھنا چاہے تو تھوڑا بھی بہت ہے۔ نہ سمجھنے پر اڑا رہے زیادہ بھی کم پڑ جاتا ہے۔

اہلِ مغرب کا تجزیہ:

مغرب میں جو اہلِ نظر دجالی قوتوں کے آلہ کار نہیں وہ اس طرح کی حرکتوں پر نظر رکھتے ہیں، لیکن یہ عاجز پہلے بھی کہہ چکا ہے کہ وہ اس کی غرض وغایت کو زیادہ گہرائی سے نہیں سمجھتے نہ ان کی تحقیقات کے نتائج دجل وفریب کے اس پردے کو چاک کر سکتے ہیں جو انسانی تاریخ کے سب سے بڑے فتنے نے اپنے آگے تان رکھا ہے۔ ان کے مطابق یہ پُراسرار نامعلوم قوت جو مختلف ملکوں کے موسمی حالات کو حیران کن طور پر تبدیل کرنے میں ملوث بتائی جاتی ہے، عالمی ماہرین کے مطابق امریکی محکمہ دفاع کا ایک خفیہ ادارہ'' ہارپ'' (Haarp) ہے۔ ہارپ کا پورا نام High Frequency Active Auroral Research Program ہے۔ مختصر الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ ہارپ موسم پر کنٹرول حاصل کرنے کی جدید ترین صلاحیت ہے جس کے ذریعے بالائی فضا کے ایک مخصوص حصے کو نپی تلی مقدار میں برقی توانائی سے نشانہ بنا کر ہر قسم کے سمندری طوفان (Hurricane)، گھن گرج کے ساتھ طوفانی بارش، سیلاب اور بگولوں والے طوفان (Tormadoes) کے علاوہ خشک سالی سے بھی اہلِ زمین کو دوچار کیا جاسکتا ہے۔ عالمی سطح پر موسموں کو کنٹرول کرنے والا یہ مرکز امریکی

ریاست الاسکا میں گاکونا کے ویران مقام پر 25 کروڑ ڈالر کی لاگت سے تقریباً 20 سال کے عرصے میں مکمل کیا گیا ہے۔ 14 ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا ہارپ مرکز 360 ریڈیو ٹرانسمیٹر اور 180 انٹینا پر مشتمل ہے۔ 22 میٹر تک بلند یہ انٹینا تباہی کے ہتھیار ہیں جہاں سے کئی ارب واٹس قوت کی برقی توانائی ہائی فریکوئنسی ریڈیائی لہروں کے ذریعے زمینی فضا سے اوپر موجود برقائی ہوئی حفاظتی تہہ کی جانب پھینکی جاتی ہے جسے Lonosphere کہتے ہیں۔ کرہ زمین کے چاروں طرف 40 سے 600 میل اوپر تک موجود ہیں۔ یہ وہی حفاظتی تہہ ہے جو روئے زمین پر زندگی کے لیے سورج کی بالائے بنفشی خطرناک تابکاری ہیٹر ہے۔ دنیا کے جس شمالی خطے سے اسے بنایا گیا ہے، وہ اس لحاظ سے آئیڈیل ہے کہ سائنس دان وہاں سے بالائی فضا کی جانب برقی توانائی پھینکنے اور اسے زمین پر واپس لانے میں اپنی خواہش کے مطابق کامیاب رہتے ہیں۔ اس منصوبے کا سب سے اہم خفیہ مقصد یہی تھا کہ Lonosphere کو کیسے اور کہاں شعاعوں کے ذریعے نشانہ بنایا جائے کہ تابکار لہریں واپس ٹھیک اسی مقام پر زمین سے ٹکرائیں جہاں سائنس دان چاہتے ہیں اور اس کے نتیجے میں مطلوبہ قسم کی تباہی یا موسم کی تبدیلی کا ہدف حاصل کیا جائے؟ سونامی میں یہ شعاعیں ہدف پر تھیں جبکہ کترینا میں ہدف سے چوک گئی تھیں۔ جس دن ان شعاعوں کا حسب منشا سو فیصد درست استعمال دریافت کرلیا گیا یا جس دن برمودا ٹکون میں کارفرما مقناطیسی شعاعوں پر مکمل کنٹرول حاصل کرلیا گیا اس دن دنیا جھوٹی خدائی اور مظلوم انسانیت پر ناجائز تسخیر کے سفاکانہ مظاہر کا وحشت ناک مظاہرہ دیکھے گی۔

تعبیر کا فرق:

امریکا کے خفیہ موسمیاتی جنگی منصوبے "ہارپ" سے متعلق متعدد دستاویزی کتابیں لکھی جا چکی ہیں جبکہ دستاویزی فلمیں بھی بنائی گئی ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے مشہور کتاب "اینجلز ڈونٹ پلے دس ہارپ، ایڈوانسز ان ٹیسلا ٹیکنالوجی" ہے۔ ٹیسلا ٹیکنالوجی پر یہ عاجز "دجال 1" میں تفصیل سے لکھ چکا ہے۔ "دجال 1" ایسی عجیب کتاب ہے کہ اس میں لکھی گئی

اکثر باتوں کی مشاہداتی تصدیق اتنی جلد سامنے آنے پر بھی خود مصنف کو بھی تعجب ہونے لگتا ہے۔ مذکورہ بالا کتاب کے مصنف نک بیلیچ اور جین میننگ نے پوری دنیا کی ملکیت Lonsphere کو امریکی فوج کی جانب سے اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا ہے: ''جمہوری حکومتوں کو اپنی پالیسیاں بالکل صاف اور واضح رکھنی چاہییں جبکہ ہمارے ہاں خاص طور پر ملٹری سائنس کو سات پردوں میں چھپا کر رکھا جاتا ہے۔'' اس خطرناک امریکی پروگرام (جسے راقم الحروف ایک بار پھر دجالی پروگرام قرار دیتے ہوئے ذرہ بھی نہیں ہچکچائے گا) سے متعلق دیگر اہم کتابوں میں ''ایرا واشنگٹن'' کی تصنیف کردہ ''ہارپ۔ دی پاتھ آف ڈسٹرکشن'' اور مصنف جیری اسمتھ کی دو کتابیں ''ہارپ، دی الٹی میٹ ویپن آف کانسپر یسی'' اور ''ویدر وار فیئر'' شامل ہیں۔

روس کے جنگلوں سے لے کر ہیٹی اور چلی کے زلزلے تک اور جدہ کے سیلاب سے لے کر پاکستان میں آئے طوفان تک جو قوت کارفرما ہے اسے مغرب میں ''تخریبی سائنس'' کہا جاتا ہے، جبکہ ہم اسے دجالی قوتوں کی کارستانیوں کا نام دیتے ہیں۔ آنے والا وقت بتائے گا کون سی تعبیر حقیقت کے زیادہ قریب اور واقعات پر زیادہ منطبق ہوتی ہے؟

لارڈ کے تخت کی بنیاد

مسجد اقصیٰ کے انہدام اور یہودی بستیوں کے قیام کا صیہونی فلسفہ بے نقاب پہلی اور آخری بار:

اسرائیل کی تاریخ شاید اپنی ''آخری بار'' کی طرف جا رہی ہے۔ تبھی اس کے سرپرست اعلیٰ امریکا نے تاریخ میں ''پہلی بار'' ان اسرائیلی بستیوں کی تعمیر کی مذمت کی ہے جو آج تک اس کی آشیرباد سے آباد ہوتی چلی آئی تھیں۔ امریکی وزیرخارجہ محترمہ ہیلری کلنٹن صاحبہ نے اسے امریکی نائب صدر جوزف بائیڈن کی اہانت قرار دیا ہے، کیونکہ اسرائیلی وزیراعظم نے نئی بستیوں کی تعمیر کا اعلان اس وقت کیا جب امریکی نائب صدر اسرائیل کے دورے پر ''مسیحا کی سرزمین'' پر قدم رنجہ فرما رہے تھے۔ اسرائیلی وزیراعظم نے حسب معمول روایتی چرب زبانی سے کام لیتے ہوئے تعمیر کے اس منصوبے کی ''التوائی کا حکم'' دے دیا ہے۔ امریکی صدر نے ان کی معذرت قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے ان کے اعلان کو امن عمل کے لیے تباہ کن اور اپنی جنگ قرار دیا ہے۔ ممکن ہے امریکی صدر اور وزیرخارجہ کے بیانات ''تجاہل عارفانہ'' نہ ہوں، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ نبی اسرائیل کی ریاست کے سربراہ کا یہ اقتدار اور التوائی ''تغافل مکارانہ'' ہے۔ وہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ بستیوں کی یہ تعمیر ''ارض فریق'' کے خلاف ''تطہیر'' کا ''باطنی منصوبہ'' ہے جس کا تعلق ''الوہی دائرے'' میں شامل ہونے، ''نجات کے حصول'' سے بھی ہے اور ''مطلق حاکمیت'' کے قیام کے لیے ''مسیحا کی آمد یا واپسی'' سے بھی۔ یہ ایک ایسا ''غیرمنطقی انجام'' ہے جو شیطان کی قوت اور اس کی ''ارضی تجسیم'' کو توڑنے ''پاک کرنے کا عمل'' بھی ہے اور خدائی ''منتخب مخلوق'' کے ''قدیم گھر'' کو دوبارہ روشنی اور زندگی کی طرف لانے کا ''الوہی عمل'' بھی ہے۔

عبرانی ادب کی گاڑھی اصطلاحات:

راقم کو احساس ہے کہ اوپر کی آخری چند سطور میں بہت زیادہ گاڑھی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں جو اکثر قارئین کے لیے اجنبی اور نامانوس ہوں گی۔ دراصل جب تک قوم یہود اور یہودیت کے بارے میں خود کٹر یہودیوں کی عبرانی میں اپنے بارے میں لکھی گئی تحریروں کو نہ پڑھا جائے تب تک ان حقائق سے واقفیت حاصل نہیں کی جا سکتی جو اسرائیلی یہودی معاشرے میں موجود اور موجودہ بنی اسرائیل کی نفسیات پر اثرانداز ہیں۔ غیر یہودیوں کو چھوڑیے، اسرائیل سے باہر رہنے والے یہودی بھی اسرائیل کے یہودی معاشرے میں پائے جانے والی اس بنیاد پرستی سے جو جنون کی آخری حدوں کو چھو رہی ہے، نیز اس کے پیچھے کارفرما "ماوراء الطبعیاتی عوامل" سے اس لیے واقفیت نہیں رکھتے کہ وہ جدید یہودی رجحانات کا مطالعہ عبرانی میں لکھی گئی یہودی مصنفین کی تحریروں کی روشنی میں نہیں کرسکتے۔ انگریزی میں قوم یہود کے نظریات و رجحانات پر جو کچھ لکھا جاتا ہے، وہ بنی اسرائیل کی حقیقی ذہنیت کے حوالے سے بنیادی حقائق کو "باقاعدگی سے نظرانداز" کرنے پر مشتمل ہوتا ہے۔

اختیاری اور غیر اختیاری وجوہات:

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ لکھنے والے (چاہے وہ رابرٹ فسک جیسے معتدل اسکالر کیوں نہ ہو) عبرانی ماخذ سے براہ راست استفادہ نہیں کر پاتے۔ نہ ان کی توجہ ان اصل ماخذ کے مستند ترجموں پر ہوتی ہے۔ نہ وہ عبرانی جاننے والے فلسطینی اسکالرز کی تحریروں کو انصاف پر مبنی ترجمانی قرار دیتے ہیں، لہٰذا وہ بہت چھوٹے چھوٹے موضوعات پر سطحی قسم کی علمیت تو بگھار لیتے ہیں، لیکن اپنے پڑھنے والوں کو یہودی معاشرے اور قوم یہود کی نفسیات کا راست فہم عطا نہیں کرسکتے۔ یہ تو غیر اختیاری وجہ ہوئی۔ دوسری وجہ اختیاری ہے اور ہلکے سے ہلکے الفاظ میں اس کی تعبیر کی جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ انگریزی بولنے والے ممالک کی کتابوں کی دکانوں کی الماریاں جن مشہور زمانہ مصنفین کی فلسطین پر لکھی گئی کتابوں کے بوجھ تلے کراہ رہی ہیں، ان کی اکثریت (انگریزی خواں طبقے سے معذرت کے ساتھ) منافق ہے۔ وہ اسرائیل میں ظہور پذیر ہونے والے رجحانات اور اقدامات کا جائزہ پیش نہیں کرتے اور گمراہ کن حد تک غیر واقعی معلومات فراہم کرتے ہیں۔

ارضِ فلسطین پر اسرائیلی بستیوں کی تعمیر کی ''یہودی روحانیت'' کے تناظر میں ''متصوفانہ توجیہ'' اتنی حیران کن نہیں جتنا کہ نائب امریکی صدر کی آمد کے موقع پر اس اعلان نے ایسے مخصوص [illegible]۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان مبہم باتوں کے حوالے سے قارئین کو زیادہ دیر [illegible] اسرار میں نہ رکھیں اور یہودی مآخذ کے حوالے سے ترتیب وار ان کی تشریح کریں۔

غاصبانہ کارروائیوں کے دو پہلو:

فلسطین کی بابرکت زمین پر یہودی بستیوں کی تعمیر کا ایک تو مادی اور سیاسی پہلو ہے جو دنیا کے سامنے واضح ہے اور یہودی بنیاد پرست راہنماؤں کے درج ذیل بیانات سے مزید واضح ہو جاتا ہے جو ہم مغربی اور یہودی پریس سے نقل کریں گے۔ دوسرا پہلو روحانی یا مابعد الطبعیاتی ہے جسے یہودی دانشوروں کی اصطلاح میں ''اسرائیل کی بازیافت کی مسیحانہ جہت'' کہا جاتا ہے۔

پہلا پہلو۔نسلی برتری کا جاہلانہ زعم:

ابتداہم پہلے نظریے سے کرتے ہیں۔اس کی دو مثالوں پر اکتفا کافی ہوگا۔

(1) الیازر والڈمین اسرائیل کا مشہور ''ربائی'' ہے (یہ لفظ اصل میں ''ربّی'' ہے بمعنی خدا پرست مذہبی پیشوا، لیکن چونکہ اس کا تلفظ عام قاری ''ربّی'' کرتا ہے، اس لیے ہم ''ربائی'' کا لفظ استعمال کریں گے۔) یہ دریائے اُردن کے مغربی کنارے میں غاصبانہ طور پر قائم کی گئی ایک بستی ''کریت اربا'' کے مشہور ''یشیوا'' یعنی مذہبی تعلیمی ادارے کا سربراہ ہے۔ یہ اپنی مقتدر مذہبی حیثیت کے سبب مختلف یہودی جرائد میں وقتاً فوقتاً اس قسم کے مضامین لکھتا ہے جو دنیا بھر کے یہودی توجہ اور احترام سے پڑھتے اور اس کا دیا ہوا ذہن لیتے ہیں۔ 21 جون 2002ء کو نیویارک سے شائع ہونے والے مشہور یہودی جریدے ''جیوش پریس'' میں اس نے اپنے ایک مضمون میں کسی قسم کا تکلف کیے بغیر فلسطینی مسلمانوں کی زمینوں پر قبضے کے حوالے سے کھل کر لکھا:

''اسرائیل کے فرزندوں کا اسرائیل کی سرزمین سے منفرد تعلق ہے جس کا موازنہ کسی بھی قوم کے اس وطن کے ساتھ تعلق سے نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارا تعلق تو زمین آسمان کی تخلیق کے وقت وجود پذیر ہوا تھا۔ ہمارے ہاتھ کا مقدر ہے کہ یہودیوں کو زندگی دیں اور یہودیوں کا مقدر ہے کہ وہ سرزمین کو زندگی

دیں۔ جس طرح جوڈیشن یہودیوں کو "قبرستان میں موجود ہڈیوں" سے تشبیہ دیا گیا ہے، اسی طرح یہودیوں سے خالی ارض اسرائیل کو ایک "ویران مقام" کہا گیا ہے۔ یہ فرمان ریاستِ اسرائیل کے جنم کا حقیقی سبب ہیں۔ یہ روشنی ریاستِ اسرائیل کو گھیرے ہوئے ملکوں کی تاریخ میں داخل ہو جائے گی۔

ہم جوڈیا اور سماریا میں غیر ملکی علاقوں پر قابض نہیں ہو رہے۔ یہ تو ہمارا قدیم گھر ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ ہم اسے دوبارہ زندگی کی طرف لے آئے ہیں۔ بدقسمتی سے یشا میں ہمارے کچھ قدیم شہر اب بھی غیر ملکیوں کے غیر قانونی قبضے میں ہیں [یعنی مقامی فلسطینی مسلمانوں کی آبائی ملکیت میں ہیں: راقم] جو کہ اسرائیل کی نجات کے "الوہی عمل" میں خلل انداز ہوئے ہیں۔ یہودی عقیدے اور نجات کے حوالے سے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مضبوط اور واضح آواز میں بات کریں۔ ہمارے لوگوں کو متحد کرنے کے "الوہی عمل" اور ہماری سرزمین کو "سلامتی" اور "ڈپلومیسی" کے بظاہر منطقی تصورات سے دھندلانا اور کمزور نہیں کرنا چاہیے۔ وہ صرف سچ کو مسخ اور ہمارے کاز کے انصاف کو کمزور کرتے ہیں۔

ہم باعقیدہ لوگ ہیں۔ یہ ہماری ابدی شناخت کا جوہر اور ہر طرح کے حالات میں ہماری بقا کا راز ہے۔ ہم اپنی شناخت کی پوشیدگی میں ذلیل و خوار ہوئے اور تاڑے گئے۔ ہمیں ہمارے وطن میں واپس لانے والے نجات کے عمل نے ہمیں ہماری سچی ذات واپس دے دی ہے، جس کو مزید نہیں چھپایا جا سکتا۔ ہم عالمی اسٹیج پر واپس آ چکے ہیں، ہم ایک ذمہ دار حیثیت پا چکے ہیں، جسے ہم دوبارہ نہیں گنوائیں گے۔ ہمارے موقف کا صرف ایسا ہی واضح، جرات مندانہ اور مسلسل اظہار ہی ہمارے دوستوں اور دشمنوں کو یہودیوں اور ارضِ اسرائیل کی ابدی حقیقت کا احترام کرنے پر آمادہ کرے گا۔"

(2) "کِش اینز ائیون" ایک اور قابض بستی ہے۔ اس کے آبادکاروں یعنی قبضہ گیر رہائشیوں کا لیڈر "مشال گولڈاسٹائن" ہے۔ یہ عسکریت پسند آبادکار اتنے جارحیت پسند ہیں کہ یہ بدنام زمانہ اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون جیسے شدت پسند کو بھی ہلکا ہاتھ رکھنے کا طعنہ دیتے تھے اور اس نے جب 2003ء میں دنیا دکھاوے کے لیے کچھ چھوٹی چھوٹی بستیاں ختم کرنے کا اعلان کیا تاکہ ان کے رہائشیوں کو بڑی بستیوں میں منتقل کیا جا سکے تو بہت سے بنیاد پرست قبضہ کاروں کو یہ بھی برداشت نہ ہوا اور انہوں نے "قبضے" کا لفظ استعمال کرنے پر ایریل شیرون پر سخت تنقید کی۔ ان

کے متذکرہ بالا لیڈر نے کہا: ''میں وزیر اعظم کی بات پر بہت زیادہ توجہ [illegible] غصے میں [illegible]
اپنے آپ کو اس علاقے پر قابض نہیں سمجھتا۔ یہ تو ہمارا علاقہ، ہمارا وطن ہے۔''

یہ دو مثالیں تھیں جن سے ان اسرائیلی قابضین کی اس مجنونانہ اور مجرمانہ ذہنیت کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے جن کا سامنا نہتے اور تنہا فلسطینی مسلمانوں کو ہے۔ نہ صرف یہ کہ ان مظلوموں سے ان کی آباد زرخیز زمینیں اور انگور و زیتون کے باغات سے سجے ہوئی شاداب قطعے چھینے جا رہے ہیں، بلکہ شدت پسند اور بدمزاج و خردماغ یہودی قابضین اسے اپنا حق اور کارِ فضیلت سمجھ رہے ہیں۔ ''اے میرے مولیٰ! تیری یہ عجیب الخلقت اسرائیلی مخلوق کیسی بدبخت قوم ہے اور یہ کیسی جانگسل آزمائش ہے جو فلسطین کے مظلوموں پر آئی ہے۔

دوسرا پہلو۔ مسیح سے تعلق نجات کا ضامن ہے:

ناجائز یہودی بستیوں کو جواز فراہم کرنے کے فلسفے کا دوسرا پہلو روحانی یا مابعد الطبعیاتی تصورات پر مبنی ہے۔ ان تصورات کا تعلق ''مسیح پرستی'' یا ''مسیحانہ آئیڈیالوجی'' سے ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری نہیں ہونی چاہیے کہ یہودی تحریرات میں جب بھی ''مسیح'' یا ''طاقتور ہستی'' یا ''نجات دہندہ'' جیسے الفاظ کا ذکر آئے تو اس سے مراد کائنات کا فتنۂ اکبر ''دجال ملعون'' ہوتا ہے۔ لہٰذا آئندہ ان الفاظ کو خود بخود اس معنی کے تناظر میں پڑھا اور سمجھا جائے۔ اس آئیڈیالوجی میں یہ فرض کیا جاتا ہے: ''مسیح کی آمد متوقع ہے اور یہودی خدا کی مدد سے غیر یہودیوں پر غلبہ پا جائیں گے اور ہمیشہ ان پر حکومت کریں گے۔'' [اور ماشاء اللہ یہودی غیر یہود پر یہ حکومت خود غیر یہودیوں کے لیے بہتر بلکہ ان کے حق میں نعمت ہوگی!]

اس نظریے کے مطابق: ''نجات نزدیک ہے، کیونکہ مسیح کی آمد قریب ہے۔ اور مسیح کی آمد کو جو چیز التوا میں ڈال سکتی ہے، وہ اسرائیل کی وراثتی سرزمین پر ایسے لوگوں کا قبضہ ہے جو روحانی اعتبار سے ''طاقتور ہستی'' سے تعلق نہیں رکھتے اور اس خامی کی بنا پر وہ نجات پانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اگر کوئی مسیح پرست جس کا تعلق روحانی اعتبار سے ''مقتدر ترین ہستی'' کے ساتھ قائم ہے، کسی جاندار یا بے جان چیز (مثلاً: زن، زر یا زمین) کو چھو لے یا اپنی ملکیت بنا لے تو وہ نجات پا جائے گی۔''

''نجات'' کے اس تصور اور مسیح سے تعلق حاصل کرنے ''تطہیر بخشنے'' کے اس نظریے کا اطلاق ارض فلسطین پر بھی ہوتا ہے بلکہ اس کا اولین اطلاق اسی مصداق پر ہوتا ہے۔ لہٰذا ''مسیحانہ آئیڈیالوجی'' کے مطابق جب کوئی یہودی قابض کسی فلسطینی مسلمان سے اس کی آبائی ملکیتی زمین چھینتا ہے تو یہ قبضہ گیری نہیں، یا دھونس دھاندلی سے لیتا ہے تو یہ سینہ زوری نہیں، یہ تو ''پاک کرنے کا عمل'' ہے۔ مسیح پرستوں کے مطابق اس زمین کو ''شیطانی حلقے'' سے نکال کر ''الوہی حلقے'' میں داخل کر کے نجات دلائی جاتی ہے۔ نجات کا مطلب یہ کہ جب زمین یا کوئی بھی منقولہ یا غیر منقولہ چیز مسیح سے اپنی نسبت کرنے والے یہودی سے منسوب ہو جاتی ہے تو وہ اس کائنات کی ''کلی'' اور ''واحد صداقت'' تک رسائی حاصل کر کے شر سے نجات پا جاتی ہے۔ اسرائیل کی ''الوہی فتح'' کے لیے زمین کو شر انگیز ناپاکی سے پاک کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ یہ عمل انتہائی ہلاکت خیز کیوں نہ ہو یعنی ایٹم بم جیسی انتہائی مہلک چیز کے استعمال کی نوبت کیوں نہ آ جائے۔

درج بالا فلسفہ مبالغہ آمیز خیال یا وہم معلوم ہوگا اگر ہم یہاں بھی کچھ نامور ''ربائیوں'' کے کم از کم دو حوالے نہ دیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

''(1) شمریا ہوا ریئلی اسرائیل میں مقیم ربائیوں میں منفرد مقام اور منصب کا حامل ہے۔ وہ 1967ء کی جنگ جس میں اسرائیلی افواج نے القدس سمیت بہت سے مسلم علاقے پر قبضہ کیے رکھا، کے متعلق لکھتا ہے:

''1967ء کی جنگ ایک ''مابعد الطبعیاتی کایا کلپ'' تھی اور اسرائیل کی فتح زمین کو ''شیطانی قوتوں کے دائرے'' سے نکال کر ''الوہی دائرے'' میں لے آئی تھی۔ اس سے مفروضے کی سطح پر یہ ثابت ہو گیا کہ ''مسیحانہ دور'' شروع ہو چکا ہے۔''

(2) ''ای ہدایا'' نامی ربی اپنی تعلیمات میں اسی فلسفے کی یوں تشریح کرتا ہے:

''1967ء کی فتوحات نے زمین کو دوسرے فریق [یہ شیطان کا مہذبانہ نام ہے] سے آزاد کرا لیا۔ ایک باطنی قوت سے جو شر، ناپاکی اور کرپشن سے مجسم ہے۔ یوں ہم یہودی ایک ایسے دور میں داخل ہو رہے ہیں، جس میں دنیا پر ''مطلق حاکمیت'' قائم ہو جاتی ہے۔''

ان جنونیت پسند اور اللہ تعالیٰ کی پھٹکار پڑے ہوئے انتہا پسند یہودیوں کے مطابق اگر اسرائیلی حکومت نے مفتوحہ علاقوں سے انخلا کیا تو اس کے ''مابعد الطبیعاتی'' نتائج برآمد ہوں گے یعنی خدا ناراض ہو جائے گا، روح ناپاک ہو جائے گی اور زمین پر شیطان کا اقتدار دوبارہ قائم ہوسکتا ہے۔ ربا جانوں کا ضیاع تو شیطان کی اور بدی کی حکومت ختم کرنے اور نجات کا رُخ تبدیل کرنے سے بچنے کے لیے ہلاکت انگیز عمل ویسے بھی ضروری ہے۔

عام قارئین کو یہ توضیحات نہایت عجیب و غریب دکھائی دیتی ہوں گی لیکن شاید وہ وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے جب دنیا ان مغضوب و مقہور جنونیوں کی برپا کردہ دجالی شورش کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھے گی۔

آخری دو باتیں:

آخر میں ہم ایک بات امریکی اور یورپی عوام سے کہیں گے اور ایک عالم اسلام کے باشندوں سے۔

یہودی شدت پسندوں کی برپا کردہ یہ شورش جو تیسری جنگ عظیم کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، صرف عربوں یا مسلمانوں کے خلاف نہیں، تمام غیر یہودیوں بشمول امریکیوں کے خلاف ہے۔ ''مسیحا پرستوں'' کے نزدیک تمام غیر یہودی چاہے وہ امریکی یا یورپی کیوں نہ ہوں، ''جنٹائل'' ہیں اور تمام جنٹائل (غیر یہودیوں کے لیے سکہ بند یہودی اصطلاح) شیطان کے قبضے میں ہیں۔ چونکہ شیطان منطق خوب جانتا ہے اس لیے شیطانی قوت اور اس قوت کی ارضی تجسیم یعنی غیر یہودیوں کو صرف غیر منطقی اقدام کے ذریعے توڑا جا سکتا ہے۔ یہ اقدام ایک طرح کا جادوئی باطنی منصوبہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جو کچھ آج مارچ 2009ء میں امریکی نائب صدر کے ساتھ ہوا، یہی کچھ پچھلی صدی کی آخری دہائی میں بھی یہود نواز امریکا کے ساتھ ہوا تھا جب امریکی وزیر خارجہ جیمز بیکر اسرائیل آیا تو ایک شدت پسند یہودی تنظیم ''گش ایمونیم'' یعنی ''ایمان والوں کی جماعت'' نے شیطان کی قوت اور اس کا امریکی روپ توڑنے کے لیے اس باطنی منصوبے پر عمل کیا تھا کہ ارض اسرائیل کو شیطان کے قبضے سے آزاد کروانے کے لیے نئی آبادیاں قائم کرنے کا اعلان کیا۔ آج بھی انہوں نے اس خفیہ باطنی فلسفے کے تحت یہ جرأت کی ہے جس میں فلسطینی مسلمان اور امریکی عیسائی دونوں کو یکساں طور پر شیطانی قوتوں کا

مظہر سمجھتے ہوئے ایک طرح کا سفر شروع کیا گیا ہے۔ اسے تفریق یا محض اپنی قوت کا سیاسی تحفہ سمجھنا قطعاً غلط ہوگا۔ یعنی یہ بے جرأت ہوگا اور بے توفیق دونوں کی تفصیل ہم مضمون کے آغاز میں بیان کر چکے ہیں۔ امریکیوں کو چاہیے نہ جاہل بنیں اور نہ منافقین کے ورغلانے میں آئیں۔ حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سانپ کو اپنی آستین سے نکال باہر کریں۔

برادران اسلام سے یہ عرض کرتا ہے کہ خدارا! یہودی بستیوں کے قیام کو معمولی نہ سمجھیں۔ یہ "داؤد کے تخت کی ارضی مدد" ہے۔ خفیہ یہودی نظریات کے مطابق ریاست اسرائیل اس دنیا میں "داؤد کے تخت کی بنیاد" ہے۔ یہ زمین پر "آسمانی بادشاہت کی اساس" ہے۔ ان بستیوں کے ذریعے بنی اسرائیل کی "موروثی زمین کی تطہیر" کے بعد اگلا ناپاک قدم مسجد اقصیٰ کے خلاف اُٹھے گا اور اسے دو یا تین حصوں میں تقسیم کرکے تطہیر کے عمل کا "حتمی آغاز" کیا جائے گا جو اللہ نے چاہا تو نفرت کی اس ریاست کے انجام کا آغاز بھی ہوگا۔

اگر...... اللہ نہ کرے ...... بیت المقدس کے دو حصے ہوئے تو نصف جنوبی مسلمانوں کے پاس رہنے دیا جائے گا جس میں مسجد اقصیٰ کا ہال ہے اور نصف شمالی یہودی قبضہ کرلیں گے جس میں دنیا کی خوبصورت ترین عمارت "زرد گنبد" ہے۔ اس کے نیچے موجود مقدس چٹان پر بے داغ زرد کھال والے بچھڑے کی قربانی ہوگی تو "مسیحا" خروج کر آئے گا اور جب مسیحا خروج کرے گا وہ "منزہ عن الخطا الوہی راہنمائی" کی بنا پر "ازلی انفرادیت" کی حامل "خدا کی محبوب قوم" کو "الوہی مقصد کی تکمیل" کے لیے ساری دنیا پر "مطلق العنان بادشاہت" قائم کرکے دے گا۔ ایسی بادشاہت جس میں ناپاک ارواح کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی۔

اور اگر خدانخواستہ مسجد اقصیٰ کے ابتدائی طور پر تین حصے ہوتے ہیں تو وہ اس نقشے کے مطابق ہوں گے جو غامدی مکتب فکر کے بعض اسرائیلیت زدہ تحقیق کاروں نے اسلامی تاریخ کی انوکھی منطق "ارض فلسطین کی وراثت اور مسجد اقصیٰ کی تولیت یہود کا حق ہے" کے مقالے کے ساتھ ہمارے ایک رسالے (ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ) کے اندرونی ٹائٹل پر چھاپا تھا۔ ان حضرات نے اس کا حوالہ نہیں دیا تھا، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ روس سے نقل مکانی کرکے اسرائیل

جاننے والے ایک یہودی پروفیسر ''آشرکوف'' کا تجویز کردہ تھا جس میں موجودہ مسجد اقصیٰ کے تین حصے کرکے دایاں یا بایاں حصہ یہود کو دینے کی ''پُر خلوص'' تجویز دی گئی تھی۔

اینٹ نہ سہی تو ذرہ:

الغرض خاکم بدہن! مسجد اقصیٰ کے دو حصے کرنے کی تجویز ہو یا تین، عالم اسلام کو اس حوالے سے یک جان و یک زبان ہو جانا چاہیے کہ وہ دجال اور اس کو ''مسیح السلام'' سمجھنے والے انسانیت دشمن جنونیت پسند یہودیوں کے ہاتھ مسجد اقصیٰ کی ایک اینٹ تک بھی نہ پہنچنے دیں گے۔ یہ ہمارے ایمان کا تقاضا، ہماری غیرت کا امتحان اور مستقبل قریب میں ہماری بقا اور نجات کی کسوٹی ہے۔ دجال کے پیروکار اگر جھوٹے وعدوں کے موعودہ لمحات کو قریب سمجھتے ہیں تو ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کے سچے وعدوں پر یقین نہ کریں اور مطہر و مقدس ''القدس'' کی تطہیر و تقدیس کے لیے اپنی جان، مال، زبان اور اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت یا طاقت کو استعمال کرنے کا عہد نہ کریں۔ ''لارڈ کے تخت کی بنیاد'' رکھنے کی طرف تیزی سے بڑھنے والے ابدی ذلت کا شکار ہوں گے، تو ہم کیوں نہ ان لوگوں میں شامل ہونے کا عہد کرلیں جو پورے کرۂ ارض پر قائم ہونے والی خلافت الٰہیہ کی اینٹ یا ذرے کے طور پر استعمال ہوں گے۔

دجالی ریاست کا خاتمہ: وجہ اور وجوہات

18 جون 2010ء کو دو گرما گرم خبریں قارئین کی نظر سے گزری ہوں گی۔ ایک زیر نظر مضمون کے شروع میں اور دوسری آخر میں ملاحظہ فرمائیے۔ پہلی خبر کچھ یوں ہے:

''اسرائیل آئندہ 20 سال کے دوران دنیا کے نقشے سے مٹ جائے گا اور لاکھوں فلسطینی مہاجرین مقبوضہ علاقوں میں اپنے گھروں میں واپس آجائیں گے۔ یہ پیش گوئی امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے کی ایک رپورٹ میں کی گئی ہے۔ امریکی سینیٹ کی انٹیلی جنس کمیٹی کے بعض ارکان کو بھی اس رپورٹ کے مندرجات سے آگاہ کیا گیا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے امریکی عوام گزشتہ 25 سالوں سے فلسطینی باشندوں پر اسرائیلی مظالم کا مشاہدہ کر رہے ہیں، وہ اب مزید خاموش نہیں رہیں گے۔ جنوبی افریقہ میں نسل پرست حکومت کا خاتمہ اور سابق سوویت یونین کی تحلیل جیسے حقائق یہ واضح کر رہے ہیں کہ اسرائیل جو نوآبادیاتی طاقتوں کا ایک منصوبہ تھا، تاریخ کے ہاتھوں جلد یا بدیر اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے صورت حال تیزی کے ساتھ مشرق وسطی کے مسئلے کے ''دو ریاستی حل'' سے ''ایک ریاستی'' حل کی طرف جا رہی ہے جس کے نتیجے میں آئندہ 15 سال کے دوران 20 لاکھ یہودی امریکا جبکہ 15 لاکھ سے زیادہ روس اور یورپ کے دیگر حصوں کو منتقل ہو جائیں گے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے نسل پرستی کے اصول پر قائم اسرائیلی حکومت کے خلاف امریکا میں رائے عامہ تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ امریکی ذرائع ابلاغ کے مطابق اس وقت امریکا میں 15 لاکھ کے قریب یہودی آباد ہیں۔'' (18 جون 2010ء کے قومی اخبارات)

اس خبر میں اسرائیل کے ٹوٹنے اور ارض مقدس کے آزاد ہونے کی ایک ہی وجہ بیان کی گئی ہے: امریکی عوام کا خاموش نہ رہنا۔ لیکن کیا امریکی عوام کی خاموشی یا ناراضی اتنی قوی اور

موثر وجہ ہے جو دنیا کا جغرافیہ تبدیل کر سکے؟ شاید نہیں۔ سی آئی اے کی یہ رپورٹ غیر متوقع ہونے کے ساتھ ساتھ غیر جامع بھی ہے۔ اگرچہ اس رپورٹ کا مقصد اسرائیلی مظالم کی چکی میں پسنے والے مسلمانوں سے ہمدردی یا اسرائیل کی مخالفت نہیں، اس کی وجہ یہودی میڈیا کو اس جانب متوجہ کرنا ہے کہ وہ امریکی عوام کو ساتھ ملائے رکھنے پر محنت کرے، ورنہ لے پالک کا تیا پانچا ہوسکتا ہے، اس وجہ کا تدارک بھی سی آئی اے اور موساد مل کر کر لے گی، لیکن ان دیگر وجوہات کا کیا ہوگا جن کی طویل فہرست ہے؟ جی ہاں! پوری فہرست۔ کیونکہ اگر غور کیا جائے تو اسرائیل کو درپیش خطرات اور القدس کی آزادی کی اور بھی متعدد وجوہ ہیں، بلکہ وجوہ کی انواع و اقسام ہیں جن کا ہم غیر جانبداری سے جائزہ لیتے ہیں۔

ایک وجہ تو تکوینی ہے۔ اللہ رب العزت نے دو مرتبہ یہود کی نافرمانیوں پر انہیں صرف جلاوطنی کی سزا دی۔ پہلی مرتبہ موسوی شریعت کے انکار پر عراقی بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں اور دوسری مرتبہ شریعت عیسوی کے انکار پر رومی جنرل طیطوس (ٹائی ٹس) کے ہاتھوں۔ اب شریعت محمدی کے انکار پر ان کو صرف وطن سے نہیں، دنیا سے ہی جلاوطن کر دیا جائے گا۔ یہ یہاں از خود اکٹھے نہیں ہوئے، مشیت الٰہی نے انہیں اکٹھا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''پھر جب آخرت کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے حاضر کریں گے۔'' (بنی اسرائیل:104)

دوسری وجہ تیسری جنگ عظیم کا امکان اور اس میں دنیا بھر کے مجاہدین اور منصف مزاج عیسائیوں کا فلسطین کے مظلومین و محصورین کی امداد اور پھر ہرمجدون کے میدان میں تاریخ ساز معرکہ آرائی ہوسکتی ہے۔ اس وجہ کا تعلق چونکہ کسی درجے میں آخر زمانے کی علامت سے جڑتا ہے اور ان علامات میں حد درجے کا ابہام ہے، اس لیے ہم اس وجہ کی تطبیق یا اس کی تشریح پر اصرار نہیں کرتے۔ اللہ ہی اپنے رازوں کو بہتر جانتا ہے۔ ہم اگلی وجہ کی طرف چلتے ہیں۔

ایک بڑی وجہ یہودیوں میں پائے جانے والے حد درجہ متشدد اور انتہا پسند مذہبی گروہ اور ان کا باہمی اختلاف ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: ''تم ان کو سرسری نظر سے دیکھنے میں ایک

سمجھو گے لیکن درحقیقت ان کے دل جدا جدا ہیں۔'' (الحشر: ١٤)

اس انتشار و افتراق کی حقیقت کا احساس آج کے اسرائیلی معاشرے کا جائزہ لینے سے ہو سکتا ہے۔ اس معاشرے میں مذہبی بنیاد پر تقسیم در تقسیم کا عمل روز اول سے جاری و ساری ہے۔ ہر مذہبی گروپ کی الگ سیاسی پارٹی اور اپنے الگ ربی ہیں۔ آگے کی بات کا تصور کرنا مشکل نہیں ہے کہ دنیا کی سیاست کی طرح آخرت میں جنت کا استحقاق بھی اسی گروہ بندی کی اساس پر تقسیم ہوتا ہے۔

ایک بڑا نسلی اختلاف اشکنازی اور سیفرڈی یہودیوں کا ہے۔ عبرانی میں سیفرڈی کا مطلب ہے: ''ہسپانوی۔'' مسلم ہسپانوی سلطنت میں رہنے والے یہودی تارکین وطن مسلمانوں کی اہل کتاب سے نرم مزاجی کی وجہ سے بہت پھلے پھولے۔ ان میں نسلی افتخار اتنا زیادہ ہے کہ وہ بقیہ یہودیوں کو حد درجہ حقیر سمجھتے ہیں۔ مثلاً: موسیٰ بن میمون نے جو خلافت ہسپانیہ کے دور میں خلفاء کے قریب رہا اور ازمنہ وسطیٰ کا ایک مشہور ربّی اور فلسفی تھا، نے اپنے بیٹے کو ہدایت کی تھی:

''اپنی روح کی حفاظت کرنا اور اشکنازی ربیوں کی لکھی ہوئی کتابیں مت پڑھنا۔ یہ لوگ صرف تب لارڈ پر ایمان لاتے ہیں جب بسر کے اور لہسن میں پکایا ہوا گوشت کھاتے ہیں۔ ان کا ایقان ہے کہ لارڈ ان کے قریب ہے۔ اے میرے بیٹے! صرف اپنے سیفرڈی بھائیوں کی صحبت اختیار کرنا جو 'اہالیانِ اندلسیہ'' کہلاتے ہیں۔ صرف یہی لوگ ذہین ہیں۔''

دوسری طرف اشکنازی یہود اپنے مخالف سیفرڈی یہودیوں سے رشتہ ناتا نہ کرنے سے لے کر ان پر جادو کرنے تک کو اپنے لیے جائز سمجھتے ہیں۔ دونوں گروہوں میں نسلی تعصب و برتری کا اظہار اسرائیلی معاشرے کو مستقلاً انتشار اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار رکھتا ہے۔

ایک تیسری تقسیم مذہبی، روایت پسند اور سیکولر یہودیوں کی بھی ہے۔ یہ تقسیم مذہبی احکامات پر عمل کرنے نہ کرنے کے اعتبار سے ہے۔ یورپ سے آنے والے یہودی آزاد خیال اور اباحیت پسند ہیں۔ مشرقی ممالک سے گئے ہوئے یہودی کٹر قدامت پسند ہیں۔

کچھ یہودی مخصوص روایات اور رسوم کی حد تک یہودی ہیں۔ اس طرح یہ معاشرہ مذہب پر عمل کے لحاظ سے بھی تین حصوں میں تقسیم ہے:

(1) مذہبی یہودی آرتھوڈکس ربیوں کی تشریحوں کو تسلیم کرتے ہوئے یہودی مذہب کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے یہودی عقیدے سے زیادہ عمل پر زور دیتے ہیں۔ اسرائیل میں اصلاح پسند اور قدامت پسند یہودی تھوڑے ہیں۔

(2) روایت پسند یہودی کچھ زیادہ اہم احکامات پر تو عمل کرتے ہیں لیکن زیادہ سخت احکامات سے روگردانی کرتے ہیں۔ تاہم وہ ربیوں اور مذہب کا احترام ضرور کرتے ہیں۔

(3) جہاں تک سیکولر یہودیوں کا تعلق ہے تو ممکن ہے وہ کبھی کبھی ''سینا گوگ'' چلے جاتے ہوں تاہم وہ ربیوں کا احترام کرتے ہیں نہ مذہبی اداروں کا۔ اگرچہ روایتی اور سیکولر یہودیوں کے درمیان کھنچی ہوئی لکیر اکثر غیر حقیقی ہوتی ہے، تاہم دستیاب تحقیقات سے پتا چلتا ہے کہ 25 سے 30 فیصد تک اسرائیلی یہودی سیکولر ہیں۔ 50 سے 55 فیصد تک روایتی ہیں اور تقریباً 20 فیصد مذہبی ہیں۔

اس کے علاوہ بھی کئی وجوہات ہیں جن کی بنا پر اسرائیلی معاشرہ کبھی بھی متحد معاشرہ نہیں بن سکتا۔ یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے ہوئے ریزہ ریزہ ہو جائے گا اور رہے گا نام صرف اللہ کا۔ تبھی تو ان اسرائیلی باشندوں نے جو دوسرے ممالک سے نقل مکانی کر کے فلسطینی مسلمانوں کی زمین پر آبسے ہیں، اپنے پرانے پاسپورٹ ضائع نہیں کیے۔ وہ دہری شہریت کے حامل رہنا چاہتے ہیں اور ''واپسی کا سفر'' یا ''مسیحا کی آمد'' دونوں کے لیے تیار رہتے ہیں۔

یہ تو اندرونی وجوہات ہو گئیں۔ بیرونی اعتبار سے نہ صرف یہ کہ اسرائیل پڑوسی عرب ممالک سے مستقل اور دائمی وجوہات پر مشتمل تنازعات برپا کیے ہوئے ہے، بلکہ اس کی ناانصافی پر اس سے وہ ممالک بھی نالاں ہیں جو کبھی اس کی حمایت میں اقوام متحدہ میں ووٹ دیتے رہے ہیں۔ حال ہی میں جس شدت اور وحشت بھرے رویے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے ''فریڈم فلوٹیلا'' کو روکا ہے، اس نے اس کے خوفناک چہرے کے سیاہ دھندلے

نقوش دنیا کے سامنے ظاہر کر دیے ہیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ امریکی اور مغربی دنیا کے روایتی شدت پسندانہ نظریات سے بیزار ہوتی جا رہی ہے اور یہ بیزاری جلد یا بدیر ضرور رنگ لائے گی۔ ان شاء اللہ!

دوسری طرف افغانستان (یعنی خراسان: دریائے آمو سے اٹک تک) میں اس بے تحاشا معدنی دولت کی دریافت کی خبریں آ گئی ہیں جس کا کئی سال پہلے انہی کالموں اور نقشوں میں اظہار کر دیا گیا تھا۔ اس وقت اس پر ویسے ہی تعجب کیا جاتا تھا جیسے آج دجالیات پر مشتمل تحریروں پر کیا جاتا ہے۔ حامد کرزئی اپنے گھر کی دولت یہود نواز قوتوں کو سپرد کر کے خود خیرات کا کشکول ڈونر ممالک کے سامنے پھیلاتے رہیں، لیکن اس خطۂ ہجرت وجہاد کی دولت اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت اور انفاق فی سبیل اللہ کے اصول کے تحت خرچ ہوئی تو مشرق ومغرب کے فاصلے سمٹنے میں دیر نہیں لگے گی۔ سعودی عرب نے مالدار ہونے کے بعد اپنی سرحد ''القدس'' سے ہٹالی اور فلسطین کی سرحد سے لگنے والی سرزمین اُردن کے حوالے کر دی، لیکن ظنِ غالب ہے افغانستان جب سعودیہ جیسا مالدار ہو جائے گا تو وہ اسلامی دنیا کا حق فراموش نہ کرے گا، کیونکہ اسلامی دنیا نے اس کی غربت کے دنوں میں اسے فراموش نہیں کیا تھا۔ اللہ کرے کہ رحمانی ریاست کے عروج کے یہ دن اور عالم اسلام کے اتحاد وترقی کا یہ منظر ہمیں بھی دیکھنا نصیب ہو۔ آمین

دجّال (1) اور دجّال (2) سے متعلق قارئین کے سوالات اور ان کے جوابات

سورۂ کہف کی آیات کی خاصیت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اُمید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب سے یہ معلوم کرنا تھا کہ سورۂ کہف میں کون سی خاصیت ہے جس کی وجہ سے یہ سورۃ فتنہ دجال سے بچانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا ہے؟

والسلام...... عبداللہ

جواب:

اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دُعاؤں اور وظائف کے الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو ان دُعاؤں کی تلقین کی ہے جن میں خاص روحانی اور تکوینی تاثیر ہے اور اس کو قبولیت میں خاص دخل ہے۔ ان الفاظ میں بھی کچھ ایسی ہی غیبی برکت ہے۔ البتہ یہ بات مدنظر رہے کہ اُمت کو صرف دُعا کی تعلیم نہیں دی ہے بلکہ دُعاؤں کے ساتھ ساتھ عمل کی تلقین بھی کی ہے۔ مثلاً: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کی کہ ''...... لزمتنی وھموم یعرفون اللغ'' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دُعا تعلیم فرمائی جو نہ صرف دُعا تھی بلکہ شجاعت، ہمت اور سخاوت کی تعلیم بھی تھی۔ اللّٰھم انی اعوذ بک من الھم والغم والحزن والکسل ومن غلبۃ الدین وقھر الرجال'' سورۂ کہف بھی صرف ایک وظیفہ نہیں بلکہ اس سورۃ میں ایک اہم پیغام بھی ہے کہ فتنہ دجال سے بچنے کے لیے ہمیں اصحاب کہف کا کردار بھی دُہرانا پڑے گا۔ دین کی حفاظت کے لیے پہاڑوں کو مسکن بنانے کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا اور ساتھ ساتھ سورۃ کہف پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مدد بھی حاصل کرنا ہے کیونکہ ذکر اللہ (تلاوت) روح کے لیے بمنزلہ آکسیجن ہے۔

ایمان کی حفاظت کے لیے جب اصحاب کہف یا اصحاب تورابوڑا کا جذبہ بھی ہو اور اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست بھی تو پھر ان شاء اللہ دجالی قوتوں کا مقابلہ آسان ہوگا۔

حرمین میں مخصوص علامات

محترم مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ نے احقر کو اس سال حج کا فریضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ دعا فرمائیں اللہ میرے سمیت تمام مسلمانوں کا حج قبول فرمائے اور بار بار حرمین کی زیارت نصیب فرمائے۔

حج کے بابرکت سفر کے دوران ایک اہم چیز کی طرف اللہ تعالیٰ نے ناچیز کی توجہ مبذول کروائی۔ وہ یہ کہ پولیس، شہری دفاع اور فائر بریگیڈ کے تمام اہلکاروں کی وردیوں اور دفاتر پر دجالی نشانات (تکون، اکلوتی آنکھ اور شیطانی تاج) نمایاں طور پر واضح تھے۔ یہاں تک کہ منیٰ میں شہری دفاع کے دفتر میں جو قالین بچھے ہوئے تھے، ان پر بھی دجالی تکون بنی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ تمام میڈیکل اسٹورز پر سانپ کا نشان بنا ہوا تھا۔

کچھ پمفلٹ احقر کے ہاتھ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگی ہوئی نمائش میں لگے جو آپ کی خدمت میں ارسال ہیں۔ پولیس کے کارکن اور شہری دفاع کے لوگ اپنے فرائض حرم مکہ اور حرم مدینہ کے علاوہ مشاعر (منیٰ، مزدلفہ، عرفات) میں بھی سرانجام دے رہے تھے تو دجالی نشانات تمام حرمین میں ان کے ساتھ ساتھ گردش کر رہے تھے جو کہ ایک نہایت ہی تشویش ناک بات ہے۔ یہ نشانات آپ شہری دفاع کی ویب سائٹ (www.998.gov.sa) اور ٹریفک کنٹرول کی ویب سائٹ (www.saher.gov.sa) پر بھی دیکھ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ گاڑیوں کی نمبر پلیٹ پر بھی دجالی تکون بنی ہوئی تھی۔ دعا فرمائیں اللہ رب العزت مجھے میرے خاندان اور تمام مسلمانوں کو دجال کے فتنے سے محفوظ رکھے اور اگر میری زندگی میں حضرت مہدی کا خروج ہو تو اس میں شامل ہونے کی توفیق دے۔ آمین والسلام ...... عثمان احمد

جواب:

ان علامات کے حوالے سے اس کتاب میں تفصیلی بحث آ گئی ہے۔ اللہ کرے کہ یہ انکشافات عامۃ المسلمین کی بیداری، دجالی علامات کو مٹانے، حرمین شریفین کو ان سے محفوظ بنانے اور رحمانی شعائر و علامات کو پھیلانے کا ذریعہ بنے۔

رعایتی قیمت -/150 روپے

اہلِ ذوق کے لیے باعث سہولت بھی۔

(4) دجال کس جنس سے تعلق رکھتا ہے؟

آپ نے دجال کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے رقم فرمایا ہے: ''یہ تو سیدھی سادی بات ہوئی کہ دجال جناتی قوتوں کا حامل ایک نیم انسانی، نیم جناتی قسم کی آزمائشی مخلوق ہے۔'' (ص:147)

اس ضمن میں مزید تائید کے طور پر ایک حوالہ پیش خدمت ہے: ''علامہ محمد بن رسول البرزنجی الحسینیؒ'' نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''الاشاعۃ لاشراط الساعۃ'' ص 217 دارالحدیث قاہرہ طبع 2002ء میں لکھا ہے:''وکانت أمه عشقت أباه، فأولدها شقا، وكانت الشياطين تعمل له العجائب، فحبسه سليمان النبي عليه السلام، ولقبه المسيح.''

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دجال واقعی جن اور انسان کی مخلوط جنس ہے۔ اس سے دجال کی جنس کے ساتھ ساتھ اس کا زمانہ بھی واضح ہوتا ہے۔

(5) 2012ء میں کیا ہوگا؟

آپ نے اپنی کتاب میں ظنی طور پر تورات کے حوالے سے اسرائیل کے خاتمہ یا خاتمے کے آغاز کا سال 2012ء لکھا ہے۔ آپ کی بات ظن اور قیاس کی حد تک صحیح اور درست ہے، لیکن عوام اس بارے میں 2012ء کو یقینی طور پر مراد لے رہے ہیں۔ اگرچہ آپ نے اپنے قارئین کو بار بار توجہ دلائی ہے کہ یہ بات ظنی ہے، حتمی نہیں۔ لیکن 2012ء کے نام پر انگلش فلم (جس میں اس سال عالمی جنگ اور دنیا کا اختتام دکھایا گیا ہے) منظر عام پر آنے کے بعد مشکل میں اضافہ ہوگیا ہے۔ نوجوان بار بار آپ کی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں۔ بندہ اس سلسلہ میں عرض گزار ہے کہ آپ اگر اس بابت مزید کچھ رقم فرمادیں گے تو یہ ہوا جو چل پڑی ہے، وہ صحیح سمت اختیار کرلے گی۔

(6) مدارس میں ''دجالیات'' کی تدریس:

آخر میں آپ کی وساطت سے اہل مدارس سے التماس ہے کہ دجالیات کے موضوع کو نصاب کا حصہ بنا کر معلم وموؤدب کے حوالے کیا جانا چاہیے کہ وہ باقاعدہ تدریس کے اسلوب میں طلبہ کو پڑھائے تاکہ دجال جیسے عظیم فتنہ سے اُمت کو مکمل آگاہی حاصل ہو۔ بندہ اس بابت ایک تائید بھی

رکھتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں دجال کے بارے میں مذکورہ طویل حدیث کے بعد امام ابن ماجہ کی بات پیش کرتا ہوں: "قال أبو عبدالله، سمعت أباالحسن الطنافسي يقول، سمعت عبدالرحمن المحاربي يقول: "ينبغي أن يدفع هذا الحديث إلى المؤدب، ليعلّمه الصبيان في الكتّاب." (سنن ابن ماجه، باب فتنة الدجال، ص:299، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یہ مشورہ امام ابن ماجہ کے دادا استاذ کا ان کے استاذ کو تھا۔ آج تو اس کی ضرورت و اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ اس سلسلے میں علماء وائمہ کو خوب تیاری کرنا چاہیے تاکہ وہ عوام الناس کو پوری طرح باخبر کرسکیں۔ جتنا یہ فتنہ عظیم اور شدید ہے، اُمت بالخصوص علماء وائمہ اس کے تذکرے اور تیاری سے اتنے ہی غافل ہیں۔ مسند احمد میں مذکور ایک حدیث میں ہے: "عن صعب بن جثامة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لايخرج الدجال حتى يذهل الناس عن ذكره، حتى تترك الأئمة ذكره على المنابر." بندہ نے اپنی بساط کے بقدر اپنے مدرسہ میں باقاعدہ دجالیات کو پڑھانا شروع کردیا ہے اور مسجد میں جمعہ کے خطبہ میں دجال کا تذکرہ بھی باقاعدگی سے کرتا ہے۔ نوجوانوں کو خاص طور پر اس سلسلے میں سرفہرست رکھا ہے۔ آپ سے دعاؤں کا طلب گار ہوں۔ "تعاونوا على البر والتقوى" کے تحت چند بے ربط باتیں کرنے کی جسارت کی ہے۔ اگر مزاج پر گراں گزریں تو بندہ معافی کا خواستگار ہے۔

والسلام۔۔۔۔۔محمد مسعود، فیصل آباد

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یاد آوری اور عزت افزائی کا شکریہ۔ احقر کسی اچھے سوال یا علمی بحث مباحثے کا دل سے خیر مقدم کرتا اور اس پر شکر گزار رہتا ہے اور اسے شکوہ نہیں، شکریے کا موقع سمجھتا ہے۔ آں جناب کے سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں۔

(1) ان سطور کو سیاق وسباق کے ساتھ بغور مطالعے کی ضرورت ہے۔ یہ عبارت راقم کی نہیں۔ نہ اس کی تطبیق مراد بندہ کی متعین کردہ ہے۔ یہ حوالہ ڈاکٹر امین جمال الدین کی کتاب ہرمجدون کے

ترجمے سے بعینہ لیا گیا ہے اور یہ ان بارہ حوالہ جات میں سے پہلا حوالہ ہے جو راقم نے بلا کسی تائید وتردید کے محض اس لیے نقل کیے کہ امت مسلمہ کے زعماء مستقبل قریب کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ ان کے شروع میں تصریح ہے کہ یہ تمام حوالہ جات بلا تبصرہ نقل کیے جارہے ہیں۔ جہاں تک رچرڈ مارکو لنگڑا اور بیساکھیوں کے سہارے چلنے والا کہا گیا ہے، یہ دکتور امین کا اپنا مشاہدہ ہے کہ میں نے اسے افغانستان کے خلاف جنگ کا اعلان کرنے کے لیے آتے ہوئے دیکھا۔ ممکن ہے کہ اس وقت اس کا پاؤں موچ کا شکار ہو اور عارضی طور پر بیساکھیوں کا سہارا لینے پر مجبور ہو۔ کتاب الفتن کے الفاظ یہ ہیں: "ثم يظهر الكندي في شارة حسنة" اس کا ترجمہ پروفیسر خورشید احمد نے یوں کیا ہے: "پھر لنگڑا کینیڈین خوبصورت بیج لگا کر ظاہر ہوگا۔" "شارة" کے معنی "لباس رائع جميل" کے ہیں۔ اس اعتبار سے خوبصورت بیج کی بہ نسبت خوبصورت وردی کا ترجمہ زیادہ قریب الالفاظ ہے۔ بیج تو فوجی کی وردی کا حصہ ہوتے ہی ہیں۔ اس سے آگے کی عبارت جس نے آپ کو خلجان اور تشویش میں مبتلا کیا: "اور بے ساختہ تیرے منہ سے نکلے گا......" یہ دکتور امین کی ہے۔ کعب احبار سے منقول اثر کا حصہ نہیں۔ اس میں دکتور امین نے عربی ادب کے مخصوص اسلوب میں قاری کو مخاطب تصور کر کے بصیغہ خطاب یہ جملہ لکھا ہے۔ آپ دواوین کو دیکھیں۔ وہ جہاں ختم ہوتے ہیں، حدیث کا ترجمہ وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دکتور امین کا تبصرہ ہے۔ جہاں تک حدیث اور اثر کے فرق کو ملحوظ رکھنے کی بات ہے تو یہ احتیاط کرنی چاہیے۔ دکتور محترم کی اصل عربی عبارت ہمارے سامنے نہیں، پروفیسر خورشید احمد کا ترجمہ ہے۔ اب نہیں معلوم کہ یہ فروگزاشت مصنف سے ہوئی ہے یا مترجم سے۔ اللہ تعالیٰ سب کی حسنات قبول فرمائے اور لغزشوں سے درگزر فرمائے۔

(2) راقم نے یہ حوالہ تورات وانجیل میں تلاش کیا، نہیں ملا۔ آپ کو یا کسی اور صاحب کو یہ عبارت ملے تو مطلع فرما کر احسان فرمائیں۔ شرعی طور پر رکاوٹ سے آپ کے ذہن میں کیا خدشہ ہے؟ بیان فرمائیں تو غور کیا جائے گا۔

(3) اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے "دجال 1" کی تخریج احادیث ومراجعت کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ چند ہفتوں میں اس کا جو نیا ایڈیشن آئے گا، اس میں ان شاء اللہ یہ اضافہ جات موجود ہوں گے۔

(4) حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت عطا کی تھی کہ وہ انسان اور جنات سے بیک وقت کام لیتے تھے۔ ان کے زمانے میں انسان اور جنات کا جیسا اختلاط تھا، ویسا تاریخ انسانی میں نہ پہلے ہوا ہے نہ بعد میں ہوگا۔ اس لیے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہی یہ امتیازی قدرت اور فضیلت دی گئی تھی اور چونکہ انہوں نے دُعا مانگی تھی کہ ان کے بعد کسی کو نہ ملے تو ان کے بعد کوئی اس مرتبے تک نہ پہنچا۔ سوائے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تواضعاً اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے، لہٰذا انسانوں و جنات کا اختلاط دورِ سلیمانی کا خاصہ ہے۔ مذکورہ حوالے کے مطابق اس دور میں ایک جنیہ انسان پر عاشق ہوگئی اور خاک و آتش کے ملاپ سے اس فتنے نے جنم لیا جو انسانیت کے لیے عظیم ترین ابتلا کا سبب بنے گا۔ لیکن یہ ایک قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ دجال کی پیدائش حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہوئی ہے تبھی تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیائے کرام اپنی امتوں کو اس فتنے کے مضمرات سے آگاہ کرتے رہے۔ اگر دجال ان کے دور میں زندہ موجود نہ تھا تو اس کے خروج کا امکان ہی نہ تھا، پھر اس سے ڈرانے کا کیا مطلب ہوگا؟ ایک اور حدیث میں بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ مزید تفصیل اسی کتاب میں پُر اسرار علامات میں سے تیسری علامت ''تکوین'' کے ذیل میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

(5) اس سوال کے جواب سے پہلے تین اصولی باتیں سمجھ لیں:

1۔ غیب کا یقینی علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کو ہے۔ قیامت اور علامات قیامت امور غیبیہ میں سے ہیں۔ ان کے بارے میں کوئی قطعی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ ظن اور قیاس کی بنیاد پر تخمینہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ تخمینہ نہ تو ایسا بے بنیاد ہے کہ اسے بالکل نظر انداز کردیا جائے اور نہ ایسا حتمی ہے کہ اس کے سو فیصد درست ہونے پر اصرار کیا جائے۔

2۔ یہ تخمینہ اس عاجز ہی کا لگایا ہوا نہیں، سعودی عرب کے مشہور عالم ڈاکٹر عبدالرحمٰن سفر الحوالی نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''روزِ غضب: زوالِ اسرائیل پر انبیاء کی بشارتیں، توراتی صحیفوں کی اپنی شہادت'' کا پورا ایک باب اس کے لیے مختص کیا ہے اور 2012ء کا حساب ان کا لگایا ہوا ہے۔ وہ کتاب کے آخری پیرے میں کہتے ہیں:

"اب اس بنا پر اس دور مصیبت کا اختتام یا دور مصیبت کے اختتام کا آغاز (سن 1967، 45 =2012) بنتا ہے، یعنی سن دو ہزار بارہ عیسوی۔ ہجری لحاظ سے ۱۳۸۷-۴۵ = ۱۴۳۳ ہجری۔ اسی کی ہم امید کر سکتے ہیں۔ مگر وثوق سے ہرگز نہیں کہیں گے، الا یہ کہ واقعات سے ہی اس کی تصدیق ہو جائے۔ تاہم عیسائی بنیاد پرست اگر ہمارے ساتھ شرط بدنا چاہیں جس طرح کہ قریش نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ روم کی فتح کی بابت باندھی تھی تو کسی ادنیٰ ترین شک کے بغیر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہم سے ضرور شرط ہار جائیں گے، بغیر اس کے کہ ہم کوئی خاص سن یا وقت بتانے کے پابند ہوں۔" (ص: 205، 206)

اس کتاب کا ایک اردو ترجمہ رضی الدین سید نے اور دوسرا حامد کمال الدین نے کیا ہے اور یہ عام مل جاتی ہے۔

3- اگر کسی کو یہ علم ہو جائے کہ مستقبل میں اسلام اور انسانیت کے دشمن کچھ کرنے جا رہے ہیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کے آسمان کی طرف منہ اٹھا کے بیٹھا رہ جائے۔ کیا یہ چیز اسے ان فتنوں سے بچا سکتی ہے جو عالمگیر ہوں گے؟ ہرگز نہیں! ہمیں تو یہ وصیت کی گئی ہے کہ تم میں سے کوئی پودہ لگانے جا رہا ہو اور قیامت کا صور پھونک دیا جائے تو بھی وہ اس پودے کو لگا ہی ڈالے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخر زمانہ کے فتنوں یا علامات قیامت پر اس کتابی سلسلے سے نیکی پر استقامت اور باطل کے خلاف مزاحمت کا سبق لینا چاہیے۔ تنظیم کار کے بجائے تعطیل کار اور بلند حوصلگی کے بجائے مایوسی کا شکار ہونا انتہائی بے تدبیری اور کم فہمی ہوگی۔ لہٰذا نوجوانوں کو ان فتنوں کے خلاف کمر کس لینی چاہیے تاکہ روز قیامت سرخرو ہو سکیں اور فتنوں کے اس دور میں سرخرو ہونے کا ایک ہی طریقہ ہے جو ہماری اس پکار کے "خلاصۃ الخلاصہ" کے طور پر ایک سے زیادہ مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے۔ یعنی فتنوں سے بچنا یا ان کے خلاف مزاحمت کرنا جو اخلاص واتباع، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ دجالیات پر لکھی گئی کتابوں اور 2012ء کے حوالے سے موہوم دولتیوں کی پیش گوئیوں کا مقصد صرف اتنا ہے انسان حال کے امر کو پہچانے اور زندگی کی جتنی سانسیں باقی رہ گئی ہیں، اللہ کو راضی کرنے میں لگائے اور اس حیات

قوتوں سے بچتے ہوئے اللہ کے دشمنوں کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے گزارے۔ اس کے علاوہ کوئی اور مطلب نکلنے سے یہ عبارت بند ہو رہی ہے۔

اب آپ کے سوال کی طرف آتے ہیں:

یہ تو ظنی بات ہے۔ قیامت کی طرح علامات قیامت میں بھی اللہ رب العزت نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ابہام رکھا ہے۔ اس حوالے سے یقینی پیش گوئی کا دعویٰ ہرگز ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ مغرب کا میڈیا جس کے متعلق سب جانتے ہیں کہ نسل انسانی کے ایک مخصوص گروہ کے پاس ہے، وہ اتنی شدت سے اس چیز کو یقینی یا قریب بہ یقین جتانے کا پروپیگنڈا کیوں کر رہا ہے؟ اس پر ہمارے اہل علم واصحاب فکر سوچیں تو گمان کی پرچھائیاں چھٹ کر بہت سی گرہیں کھلتی چلی جائیں گی۔ ہم اس موضوع سے اتنے غافل ولاتعلق کیوں ہیں اور وہ اتنے پُرجوش اور متحرک کیوں؟ یہ سوال تمام اپنے اندر بذات خود ایک علامت چھپائے ہوئے ہے۔

بات یہ ہے کہ 2012ء دجال کے خروج کا سال تو ہرگز نہیں۔ دجال حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور کے سات یا نو سال بعد خروج کرے گا اور یہ سب جانتے ہیں کہ ابھی تو ان کا ظہور بھی نہیں ہوا تو 2012ء میں دجال کا خروج کیسے ہوسکتا ہے؟ 2012ء اسرائیل کے خاتمے کا آغاز اس طور پر ہوسکتا ہے کہ جنونی یہودی جو اپنے مسیحائے منتظر کے خروج میں مزید تاخیر اس لیے برداشت نہیں کرسکتے کہ مجاہدین کی سخت مزاحمت کی بدولت معاملہ ان کے ہاتھ سے نکلا جارہا ہے، وہ بزعم خود اس کے خروج کا موقع پورا کرنے کے لیے..... ممکنہ طور پر..... اس سال کوئی ایسی خطرناک حرکت کریں گے جس سے پوری دنیا میں بھونچال آجائے گا۔ مثلاً مسجد اقصیٰ پر بڑا حملہ، زرد گنبد کو شہید کرنے کی کوشش، کوئی بڑی جنگ، مصنوعی طوفان، سیلاب یا زلزلہ وغیرہ۔ ان کے خیال میں یہ صورتحال دجال اکبر کو خروج پر مجبور کردے گی۔ (اس یہودی فلسفے کی تشریح کے لیے اس کتاب کے آخر میں دیا گیا مضمون "لارڈ کے تخت کی بنیاد" ملاحظہ فرمائیے) آپ دلچسپ تماشہ ملاحظہ کیجیے۔ ایک طرف یہود یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی مشکلات وہ مسیحا دور کرے گا جو خود بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مسیحا کے خروج میں حائل مشکلات خود ان کو دور کرنی ہوگی۔ سبحان اللہ! انسان جب وحی کی ہدایت سے رہنمائی نہ

لے اور من مانیوں پر تل جائے تو کیسے کیسے عجوبے ظہور میں آتے ہیں؟ بہر حال اپنے طور پر یہ ہو... سال "عظیم تر اسرائیل" کے لیے فیصلہ کن کارروائی کا آغاز کریں گے، جبکہ یہ ان کے حتمی انجام کا آغاز ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ معاصر فتن پر بولتے نہیں یا اس حوالے سے دشمن کے عزائم کو بھانپتے نہیں، اگر کوئی کھوج لگا کر آنے والے خطرے سے آگاہ کرے تو احتیاط اپنانے کے بجائے مزید تغافل و تکاسل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپ ہی بتائیے اس جفاکاری کو کیا نام دیں؟ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں قلب سلیم اور صراط مستقیم نصیب فرمائے، ورنہ حرام غذاؤں، حرام گناہوں اور حرام اثرات نے ایسی عقل ماری ہے کہ جب قیام کا وقت آتا ہے، ہم سجدے میں گر جاتے ہیں۔

(6) صرف دجال ہی نہیں، "الفتن" کا پورا موضوع توجہ سے پڑھایا جانا چاہیے۔ دورۂ حدیث میں جب صحاح ستہ سے "کتاب الفتن" پڑھائی جائے تو معاصر فتن دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ممکنہ حد تک تفصیل و تشریح کے ساتھ تاویل مقبول کی حدود میں رہتے ہوئے ان فتنوں کی عصری تطبیق پر گفتگو کی جائے اور عصر حاضر کو حدیث شریف کی روشنی میں پرکھا اور سمجھایا جائے۔ کتاب و سنت میں بیان کردہ مختلف چیزیں اپنے اندر خاص تاثیر رکھتی ہیں۔ فتن کی احادیث رجوع الی اللہ، آخرت کی یاد اور موت کی فکر پیدا کرنے میں جو تاثیر رکھتی ہیں، وہ محتاج بیان نہیں۔ اس لیے یہ اصلاحی دعوت کے حوالے سے دعوت تبلیغ کا بہترین وسیلہ ہیں۔ اگر اہل علم یہ فریضہ نہ سنبھالیں گے تو عجائبات کے شوقین ان پڑھ قسم کے نام نہاد جغادری مفکر میدان میں آجائیں گے اور ایسی افراط و تفریط (افراتفری شاید اسی سے ماخوذ ہے) مچائیں گے کہ لوگ فتنے کو سامنے دیکھ کر بھی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔ مبتدی یا متوسط طلبہ کے لیے "فتن" کی چالیس چالیس احادیث کا مجموعہ تیار کر کے یاد کرانا چاہیے۔ حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت مہدی رضی اللہ عنہ اور دجال کے بارے میں چالیس مستند احادیث کا مجموعہ بھی مفید رہے گا۔ ایسا مجموعہ ان شاء اللہ زیر غور ہے۔ "دجال I" کی سو سے زیادہ احادیث کم از کم درجہ حسن کی احادیث ہیں۔ ان سے چالیس احادیث منتخب کر کے بھی یاد کی جاسکتی ہیں۔ نیز دجال I کی تخریج کے بعد دجال II شائع ہو چکی ہے، دجال III الحمد للہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ اسی سلسلے کی عاجزانہ کاوشیں ہیں جن کی مقبولیت و نافعیت، استدراج سے حفاظت اور طرز اکابر سے تمسک کے لیے تمام قارئین سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

این جی اوز اور ڈیٹا انفارمیشن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں آپ کی تحریریں باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔ میں نے اس سے پہلے بھی آپ کے نام ایک خط لکھا تھا۔ اس میں آپ کی کتاب ''دجال'' کے ایک موضوع ''ڈیٹا انفارمیشن'' یا ''ڈیٹا کلیکشن'' کے حوالے سے کچھ تحریر کیا تھا، مگر معلوم نہیں محکمہ ڈاک کی کارکردگی کی نذر ہو گیا۔ میں کافی عرصے سے بے روزگار تھا اور اب بھی ہوں۔ کسی بھی ادارے میں اگر چھوٹی موٹی نوکری مل جائے تو کر لیتا ہوں۔ اچھی پرائیویٹ اور سرکاری ملازمت کے لیے ہر جگہ رشوت، سفارش اور اقربا پروری چل رہی ہے۔ میں ملازمت کا کوئی بھی اشتہار دیکھ کر اس پر درخواست دے دیتا ہوں۔ اسی طرح مجھے ایک این جی او میں ملازمت مل گئی تھی جس کے پاس ''یو ایس ایڈ'' کا ٹھیکہ تھا۔ اس کا کام تھا مانسہرہ کے مخصوص علاقوں سے ڈیٹا جمع کرنا۔ مثلاً: اسکول، پانی کی فراہمی کی جگہ، سڑکوں اور گاؤں کا ایک مکمل نقشہ بنانا تھا۔ اس وقت تو مجھے معلوم نہ تھا مگر مفتی صاحب کی کتاب پڑھنے سے پتا چلا۔ یہ کام صرف ایک مہینے کا تھا اور وہ گاؤں جن کا سروے کیا گیا تھا، وہ زیادہ تر دینی ماحول کے حامل تھے۔ جناب مفتی صاحب ہی ان دجالی سازشوں سے اُمت مسلمہ خصوصاً اہل پاکستان کو بتا کر آگاہ کر کے بچا سکتے ہیں۔ یہ تنظیمیں صرف ڈیٹا جمع کر کے اسے ''یو ایس ایڈ'' کو دیتی ہیں اور پھر یہ معلومات دجالی قوتوں کے ہاتھ لگ جاتی ہیں۔ مجھے اتفاق سے اس Booklet کے تین صفحات مل گئے ہیں جو میں آپ کو ارسال کر رہا ہوں۔ ان کو ملاحظہ کر کے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے ملک میں امداد کے نام پر کیا ہو رہا ہے؟ یہ این جی او اب نابا مانسہرہ میں یہی ''ڈیٹا کلیکشن'' کا کام کر رہی ہے۔ ہر دفعہ نیا اسٹاف رکھا جاتا ہے۔ اُمید ہے میرے اس اور اس سے پہلے خط کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب سے مزید معلومات ملیں

گی اور اسی موضوع پر ہماری راہنمائی فرمائیں گے۔

والسلام...... محمد رضوان، مانسہرہ

جواب:

پاکستانی معاشرے کے مختلف پہلوؤں سے واقفیت حاصل کرنے اور ان معلومات کو تھنک ٹینکس کے حوالے کر کے ان پر مختلف تجزیاتی رپورٹیں تیار کرنے اور ان کی بنیاد پر مؤثر منصوبے بنا کر ہم پر مسلط کرنے کا عمل ضلع مانسہرہ کے دور افتادہ گاؤں میں ہی نہیں، ملک بھر میں جاری ہے۔ ہسپتالوں سے لے کر اسکولوں تک اور مسجد میں جانے والوں یا مدارس کو عطیہ دینے والوں سے لے کر پارکوں میں درختوں کے نیچے منڈلی جما کر بیٹھنے والے جواریوں اور نشئیوں تک ہر قسم کی نفسیات اور سوچوں کا رُخ معلوم کرنے کے لیے این جی اوز کی نگرانی میں غیر ملکی سرمائے کے بل بوتے پر ڈیٹا جمع کیا جا رہا ہے۔ مختلف سوالنامے، سیمینارز، ورکشاپس اس مقصد کے لیے کیے جا رہے ہیں کہ بلجیم کے دارالحکومت "برسلز" میں قائم ڈیٹا انفارمیشن کے عالمی مرکز کو وقیع بنایا جائے اور مسلم و غیر مسلم کی تفریق کیے بغیر کرۂ ارض کے باسیوں کو اپنے بس میں لانے کی تدبیر کی جائے۔ سندھ کے پسماندہ دیہات ہوں یا سرحد و پنجاب کے قصبات، دجالی قوتوں کے نمایندے منڈلاتے پھر رہے ہیں اور ہمارا کچا چٹھا "سیانوں" تک پہنچا کر ان سے ہدایات ترتیب دلوا رہے ہیں۔ اب بنیادی طور پر یہ ہماری حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا نوٹس لے۔ ہمارے بچوں کا خون لے لے کر کیوں ان پر تجربات کیے جا رہے ہیں؟ لیکن حکومت ایسا کر لیتی تو پھر رونا ہی کس چیز کا تھا؟ اس نے تو ایسا کرنا نہیں۔ اس کی ترجیحات میں بہت کچھ کرنے کے کام ابھی تشنۂ تکمیل ہیں۔ محب وطن جماعتوں، تنظیموں کو دوسرے قومی مسائل کی طرح اس پر توجہ دینی چاہیے کہ ہم کسی کے لیے تختۂ مشق نہ بنیں۔ ہم کسی کے لیے لقمۂ تر نہ ثابت ہوں ورنہ ہماری جڑوں تک اتر کر حقائق و نفسیات سے واقفیت حاصل کرنے والی یہ سنڈیاں ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ جائیں گی اور ہمیں خبر ہوتے ہوتے بہت دیر ہو چکی ہوگی۔

■

ہندسوں کا فرق اور 2012ء کا مطلب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرت مفتی ابولبابہ صاحب کی شہرۂ آفاق اور مقبول عام کتاب ''دجال'' کی ایک عبارت کے بارے میں سخت تذبذب کا شکار ہوں۔ برائے کرم وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

''دجال'' کتاب کا وہ نسخہ جو ''مکتبۃ الفلاح'' کراچی سے چھپا ہے، اس میں لکھا ہے: ''اس کے بعد ایک ہزار دو سو 90 دن باقی رہ جائیں گے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو ایک ہزار 3 سو 35 کے اختتام تک پہنچ جائیں گے، لیکن (اے دانیال) تم اپنا کام دنیا کے اختتام تک کرتے رہو۔ تمہیں آرام دیا جائے گا۔'' (تورات ص: 847، ب: 12، آیت: 8-13)

یہی عبارت ''مکتبۃ السعید'' کراچی سے چھپنے والے نسخے میں کچھ یوں ہے: ''اس کے بعد ایک ہزار 2 سو 90 دن باقی رہ جائیں گے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو ایک ہزار 2 سو 35 کے اختتام تک پہنچ جائیں گے۔''

(i) ان دونوں عبارتوں میں تضاد ہے۔ پہلی میں 1335 ہے دوسری میں 1235 ہے۔

(ii) دونوں نسخوں میں اس عبارت کے بعد اعداد کچھ یوں لکھے ہوئے ہیں: "45 = 1235 - 1290" یہ اعداد دوسرے نسخے کے مطابق ہیں، مگر اس صورت میں جواب 45 نہیں آتا، بلکہ ''55'' آتا ہے۔ براہ کرم صحیح عبارت اور 2012ء کے صحیح مطلب کی نشاندہی فرما دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

والسلام ...... عبدالرحمٰن، اسلام آباد

جواب:

آپ کے علاوہ اور بہت سے احباب نے اس امر کی طرف توجہ دلائی۔ پہلی عبارت درست ہے۔ دوسری عبارت میں اعداد غلط کمپوز ہو گئے ہیں۔ اصل میں یوں لکھنے چاہیے تھے: ''1335-1290'' اس صورت میں جواب 45 ہی آتا ہے۔ دجال 1 کا نیا ایڈیشن احادیث کی تخریج کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اس میں یہ تصحیح کر دی گئی ہے۔ نیز یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ 2012ء کا سال نہ دجال کے خروج کا ہے نہ اسرائیل کے کلیۃً خاتمے کا، بات اتنی ہے کہ اس سال..... ممکنہ طور پر..... دجالی قوتیں اور ان کے آلۂ کار دنیا میں کوئی بڑا فتنہ (مثلاً عالمی جنگ، مصنوعی زلزلہ، کائنات کی تسخیر کے لیے کیے گئے سائنسی تجربات کے نتیجے میں طوفان، سیلاب اور غیر معمولی موسمی تغیرات وغیرہ) اس نظریے کے تحت برپا کریں گے کہ جب تک ایسا کوئی عالمی حادثہ نہیں ہوتا اس وقت تک مسیحائے منتظر (دجال اکبر) کا خروج ممکن نہیں ہوگا۔ ایسا کوئی بھی حادثہ..... ان کے زعم کے مطابق..... برائی کی قوتوں کے سرخیل، ملعونِ اعظم، دجالِ اکبر کو خروج پر مجبور کر دے گا اور چونکہ اس کے خروج کے بغیر اب معاملہ..... مجاہدین کی قربانیوں کی بدولت..... دجالی قوتوں کے ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے، اس لیے وہ ایسی کسی بھی کارروائی چاہے وہ (خدانخواستہ) مسجد اقصیٰ کے انہدام کی شکل میں کیوں نہ ہو، کے لیے بے تاب ہیں۔ مسیحائے مقید (الدجال الاعظم) کے خروج کا وقت قریب لانے کے لیے یہ دجالی قوتیں اپنی راہ میں مزاحم نہتے فلسطینی مسلمانوں کے خلاف وحشیانہ پاگل پن کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ مسجد اقصیٰ کے نیچے سرنگیں کھودنا، نمازیوں کو نماز سے روکنا، اسرائیلی فوجیوں کا جوتوں سمیت مسجد میں گھس جانا اور پر امن نمازیوں کا محاصرہ کر لینا، جنونی یہودیوں کا ہیکل سلیمانی کا سنگِ بنیاد رکھنے کی کوشش کرنا..... یہ سب دجال کے خروج کے متعلق اسی یہودی فلسفے کا شاخسانہ ہے جو اوپر ذکر ہوا۔ اس کی کچھ تفصیل ''2012ء میں کیا ہوگا؟'' کے عنوان سے تحریر کیے گئے ایک جواب اور ''لارڈ

کے تخت کی بنیاد" نامی مضمون میں اسی کتاب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس صورتحال کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کو 2012ء کی بحث میں پڑے بغیر شریعت وسنت کی اتباع، جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری اور مظلوم فلسطینی وافغان مسلمانوں کی مدد کے لیے پر عزم ہو جانا چاہیے۔ اس عاجز کا 2012ء کے حوالے سے حتمی اور آخری پیغام یہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور مطلب نہ لیا جائے، نہ اس عاجز کی طرف منسوب کیا جائے۔